
دوسری جنگ عظیم
کی
کہانیاں
WWW.KUTUBMELA.COM

آخری مشن



آخری مشن

اقبال کاظمی

وہ انسان کے رُوپ میں ایک درندہ تھا۔ اس عفریت کو ٹھکانے لگانے کے لیے کئی منصوبے بنائے گئے مگر وہ سب ناکامی سے دوچار ہوئے۔ بالآخر وطن کی محبت میں دیوانے ایک شخص نے اس درندہ صفت نازی کو ٹھکانے لگانے کا بیڑہ اٹھایا

کیا وہ اپنے مشن میں کامیاب ہوا؟ دوسری جنگِ عظیم کی ایک لرزہ خیز کہانی

تاریک فضا میں گردش کرتے ہوئے طیارے کو دیکھ کر اندازہ لگایا جا سکتا تھا کہ یا تو وہ اپنے مقررہ راستے سے بھٹک چکا ہے یا اسے لینڈنگ میں دشواری پیش آ رہی ہے۔ پائلٹ متجسس نگاہوں سے نیچے دیکھ رہا تھا لیکن تاریکی میں اسے کچھ بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

”تاریکی میں کچھ بھی دکھائی نہیں دے رہا۔ ہمیں بلائنڈ لینڈنگ کرنا پڑے گی۔“ پائلٹ پیچھے مُڑ کر دیکھتے ہوئے بولا۔

طیارے کے پچھلے حصے میں بیٹھا ہوا جیک کالاہن سگار کے کش لگاتے ہوئے نیچے تاحدِ نگاہ پھیلی ہوئی تاریکی میں جھانک رہا تھا۔ یہ فروری ۱۹۴۴ء کی رات تھی۔ سردی کی شدت سے رگوں میں خون تک منجمد ہوا جا رہا تھا۔ دفعتاً اس کی آنکھوں میں چمک سی اُبھر آئی۔ نیچے بہت دُور تاریکی میں دو زرد سی روشنیاں دیے کی طرح ٹمٹماتی ہوئی نظر آ رہی تھیں۔ یہ مدھم روشنیاں جنگل میں اس رن وے کی نشاندہی کر رہی تھیں جو فرانس کی زیرِ زمین مزاحمتی تحریک کے کارکنوں نے تیار کیا تھا۔ رن وے ناہموار کچی سی زمین پر مشتمل تھا اور وہ دو روشنیاں صرف اس جگہ کی نشاندہی کر رہی تھیں جہاں سے رن وے شروع ہوتا تھا۔ اس جگہ زمین کی سطح سے پہیے چھونے کے بعد طیارے کو کہاں تک لے جایا جا سکتا تھا؟ اس سلسلے میں پائلٹ کی معلومات صفر کے برابر تھیں۔ اسے لینڈنگ کے لیے اپنی سمجھ بوجھ سے کام لینا تھا۔

”لعنت ہو! ہمیں موت کے کنویں میں چھلانگ لگانی پڑے گی۔“ جیک سگار کا کش لگاتے ہوئے بڑبڑایا۔

”کیا؟ کیا کہا؟“ پائلٹ کی آواز سنائی دی۔

”کچھ نہیں۔“ جیک چیخا۔ ”نیچے دو روشنیاں نظر آ رہی ہیں جو غالباً



رن وے کی نشاندہی کر رہی ہیں۔"

"ہاں! میں دیکھ چکا ہوں اور اب ہم لینڈنگ کرنے والے ہیں۔" پائلٹ نے جواب دیا۔

طیارہ فضا میں ایک مختصر سا چکر کاٹنے کے بعد نیچے جھکنے لگا۔ تاریکی میں غیر ہموار رن وے پر لینڈنگ کی کوشش کرنا اگرچہ خودکشی کے مترادف تھا مگر اس طیارے کے پائلٹ کا شمار برطانیہ کی رائل ایئرفورس کے چند بہترین پائلٹوں میں ہوتا تھا اور اس مشن کے لیے خاص طور پر اس کا انتخاب کیا گیا تھا۔ پہیوں کے زمین چھوتے ہی طیارہ ایک زبردست جھٹکے سے ہوا میں اُچھلا۔ اس کے ساتھ ہی وہ دائیں طرف جھک گیا تھا مگر پائلٹ نے بڑی مہارت سے اس کا توازن برقرار رکھا اور طیارہ سیدھا ہو کر رن وے پر دوڑنے لگا۔ جیک کو یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ کسی ناہموار راستے پر کسی تیز رفتار ٹرک میں سفر کر رہا ہو۔ جیک نے باہر جھانک کر دیکھا، چند انسانی ہیولے درختوں سے نکل کر طیارے کی طرف دوڑتے ہوئے نظر آئے۔ ان کی تعداد چھ تھی اور ان کے پیچھے ایک چھوٹا سیٹرون ٹرک بھی تھا۔ طیارہ رن وے کے آخری سرے پر درختوں کے قریب پہنچ کر رک گیا۔ جیک دروازہ کھول کر نیچے اترا اور طیارے میں رکھا ہوا سامان اُٹھا اُٹھا کر نیچے پھینکنے لگا۔ اس دوران وہ ٹرک اور انسانی ہیولے بھی قریب پہنچ گئے۔ وہ جرمنوں کے خلاف زیر زمین مزاحمتی تحریک کے رکن تھے۔ وہ سب طیارے سے اتارا جانے والا سامان اٹھا اٹھا کر ٹرک میں لادنے لگے۔ اس سامان میں اسلحے کی پیٹیوں کے علاوہ غوطہ خوری کا سامان اور آکسیجن ٹینک وغیرہ شامل تھے۔ جیک نے گھوم کر اطراف کا جائزہ لیا۔ یہ علاقہ دراصل انگوروں کے باغات پر مشتمل تھا، جہاں بیلیں کاٹ کر یہ مختصر سا رن وے بنایا گیا تھا۔ وہ دوبارہ اپنے کام کی طرف متوجہ ہو گیا لیکن اسی دوران ایک طویل قامت سائے کو تاریکی سے نکل کر اپنی طرف آتے دیکھ کر چونک سا گیا۔

وہ ماریہ تھی۔ مضبوط جسم، لمبا قد، سنہرے بال اور سیاہ آنکھیں۔ ماریہ کا شمار بلاشبہ فرانس کی چند گنی چنی حسین ترین لڑکیوں میں کیا جا سکتا تھا۔ ایسی لڑکیاں عام طور پر زندگی کی وہ راہ اپناتی ہیں جہاں انھیں ہر قسم کی آسائش حاصل ہو مگر ماریہ نے بڑی کٹھن اور خطرناک راہ اپنائی تھی۔ وہ اپنے علاقے کی اینٹی نازی تحریک کی سربراہ تھی۔ نازیوں کے خلاف مزاحمتی اور تخریبی کارروائیوں میں اس کا مختصر سا گروہ ہمیشہ پیش پیش رہا تھا۔ یوں تو پورے فرانس میں جرمنوں کو زیر زمین مزاحمت کا سامنا تھا لیکن ماریہ کا نام ان کے لیے ہوّا بن چکا تھا۔

"تم بیس منٹ لیٹ ہو۔" ماریہ، جیک کے قریب پہنچ کر بولی۔ اس کی آواز سرگوشی سے زیادہ نہیں تھی۔ "نازیوں کو اس علاقے میں کسی قسم کی خفیہ سرگرمیوں کا شبہ ہو چکا ہے۔ گشتی پارٹیاں ان اطراف کے چکر لگاتی رہتی ہیں۔ کوئی پارٹی کسی بھی لمحہ اس طرف آ سکتی ہے۔ ہمیں جلد سے جلد یہاں سے رخصت ہو جانا چاہیے لیفٹیننٹ!"

"سنو!" جیک اسے گھورتے ہوئے بولا۔ "آئندہ جب میں اس بدترین موسم میں اس کھٹارا ہوائی جہاز میں فرانس کے لیے روانہ ہوں گا تو اس بات کا خیال رکھوں گا کہ مقررہ وقت پر پہنچ سکوں تاکہ تم جیسی حسیناؤں کو انتظار کی زحمت نہ اٹھانا پڑے۔ اس کے ساتھ ہی میں یہ بھی بتا دینا چاہتا ہوں کہ....."

جیک کو جملہ پورا کرنے کا موقع نہ مل سکا۔ ان کے چاروں طرف تاریکی میں لپٹے ہوئے درخت اچانک ہی آگ اُگلنے لگے تھے۔ خاموش فضا دھماکوں کی آواز سے گونج اٹھی تھی۔

"نازی ٹروپ!" ماریہ کے ساتھیوں میں سے کسی کی چیختی ہوئی آواز سنائی دی۔

جیک تیزی سے اس طرف گھوم گیا۔ جرمن فوجی آٹومیٹک رائفلوں سے فائر کرتے ہوئے آندھی اور طوفان کی طرح ان کی طرف لپک رہے تھے۔ اپنی ہی رائفلوں سے خارج ہونے والے شعلوں کی روشنی میں ان کے چہروں پر درندگی نمایاں تھی۔ ان کی برسائی ہوئی بیشتر گولیاں طیارے کی باڈی میں پیوست ہو رہی تھیں۔ بعض گولیاں طیارے کے پچھلے حصے میں لگی تھیں جہاں فیول ٹینک موجود تھا۔

اس مشن پر روانہ ہونے سے پہلے جیک کو اس قسم کی صورتحال سے نمٹنے کے لیے خصوصی تربیت دی گئی تھی اور وہ بڑی آسانی سے جوابی کارروائی کر سکتا تھا لیکن اس کے برعکس اس نے بڑی عجلت کا مظاہرہ کرتے ہوئے طیارے سے اتارا جانے والا آکسیجن ٹینک اُٹھا کر ٹرک پر لاد دیا اور ماریہ کی طرف مڑتے ہوئے چیخا۔

"ہم ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ ہمارے سامنے فرار کے سوا کوئی راستہ نہیں ہے۔ بھاگو۔ جلدی!"

گولیاں اس کے سر کے اُوپر سے گزر رہی تھیں۔ وہ ماریہ کو دھکیلتا ہوا ٹرک کی طرف دوڑا۔ ماریہ کے ساتھیوں نے بھی ان کی تقلید کی لیکن ان میں سے ایک بھیانک انداز میں چیختا ہوا ڈھیر ہو گیا۔ سامنے سے آنے والی ایک گولی نے اس کی کھوپڑی کے پرخچے اُڑا دیے تھے۔ وہ شخص جیک کے آگے گرا تھا۔ جیک اس سے اُلجھ کر گرتے گرتے بچا۔ اس دوران ڈرائیور ٹرک کو حرکت میں لا چکا تھا۔ جیک نے دوڑتے ہوئے دروازہ پکڑ کر فٹ بورڈ پر پیر رکھ دیا۔ ڈرائیور نے پوری قوت سے ایکسیلیٹر دبا

دیا۔ ٹرک کا رُخ ان جرمنوں کی طرف تھا جو وحشیانہ انداز میں فائرنگ کر رہے تھے۔

انگور کے باغات میں لڑی جانے والی یہ لڑائی یک طرفہ رنگ اختیار کر گئی۔ جرمنوں کو ہر لحاظ سے ان پر فوقیت حاصل تھی۔ ماریہ کے ساتھی اپنا دفاع کرتے ہوئے طیارے کی پچھلی طرف پناہ حاصل کرنے کی کوشش کر رہے تھے لیکن سامنے سے آنے والی گولیوں کی بوچھار نے ان کے جسم چھلنی کر دیے۔

ٹرک نہایت تیز رفتاری سے جرمنوں کی طرف بڑھ رہا تھا جیک ابھی تک فٹ بورڈ پر لٹکا ہوا تھا۔ اس نے یہ بات خاص طور پر نوٹ کر لی تھی کہ جرمن حملہ آوروں کی زیادہ توجہ طیارے کی طرف تھی۔ طیارے کے پائلٹ نے ایک بار پھر انجن اسٹارٹ کر دیا تھا۔ وہ طیارے کو یہاں سے نکال لے جانا چاہتا تھا۔

اب تک اگرچہ متعدد گولیاں طیارے میں پیوست ہو چکی تھیں مگر اسے کوئی خاص نقصان نہیں پہنچا تھا لیکن طیارے نے جیسے ہی رن وے پر دوڑنا شروع کیا، گولیوں کی بوچھار اس کے فیول ٹینک پر پڑی اور دوسرے ہی لمحے فضا ایک خوفناک دھماکے سے لرز اٹھی۔ طیارے کے پرخچے اُڑ گئے اور اس کے ٹکڑے.... آگ کے گولوں کی طرح چاروں طرف اُڑتے ہوئے نظر آنے لگے۔ طیارے کا جلتا ہوا ایک ٹکڑا ٹرک کی ونڈشیلڈ پر لگا۔ چھناکے کی آواز سے ونڈشیلڈ کی کرچیاں بکھر گئیں۔ خوش قسمتی سے شیشے کے ان ٹکڑوں سے کسی کو نقصان نہیں پہنچا تھا۔

ٹرک کے فرانسیسی ڈرائیور آرنکس نے طیارے کا جلتا ہوا وہ ٹکڑا اٹھا کر باہر پھینک دیا اور اسٹیئرنگ ایک دم گھمانے کے ساتھ ہی ایک بار پھر پوری قوت سے ایکسلریٹر دبا دیا جیک اس دوران ٹرک کے اندر پہنچ چکا تھا لیکن جھٹکا لگتے ہی وہ ماریہ کو ساتھ لیے ٹرک کے پچھلے حصے میں جا گرا۔ تیز رفتار ٹرک کئی نازی فوجیوں کو کچلتا ہوا آگے نکل گیا۔ بیشتر جوان فوجی، جو اُچھل کر ایک طرف ہٹ گئے تھے اب پوری شدت سے ٹرک پر فائرنگ کر رہے تھے۔

"نیچے جھک جاؤ!" جیک، ماریہ کی طرف دیکھتے ہوئے چیخا جو غالباً اسٹین گن سنبھالے اٹھ کر جرمنوں پر جوابی فائرنگ کرنا چاہتی تھی۔

ٹرک ایک درخت سے ٹکرایا اور لہراتا ہوا ایک کشادہ پگڈنڈی پر پہنچ گیا۔ ان کی قسمت اچھی تھی کہ درخت سے ٹکرانے کے بعد ٹرک اُلٹا نہیں تھا۔ ڈرائیور نے مہارت کا ثبوت دیتے ہوئے فوراً ہی اسٹیئرنگ پر قابو پا لیا تھا۔ دفعتاً ٹرک کے راستے میں ایک جرمن فوجی کو دیکھ کر جیک بُری طرح چونک گیا۔ وہ فوجی اسٹین گن تانے کھڑا تھا۔ ڈرائیور نے ذہانت کا ثبوت دیتے ہوئے ہیڈ لیمپس آن کر دیے۔ اچانک تیز روشنی ہو جانے سے جرمن فوجی بدحواس ہو گیا اور اس سے پہلے کہ اسے سنبھلنے یا فائر کرنے کا موقع مل سکتا، ٹرک نے اُسے زوردار ٹکر ماردی اور اسے کچلتا ہوا گزر گیا۔

ٹرک تیز رفتاری سے دوڑتا ہوا اس مقام سے بہت دُور نکل گیا جہاں جیک کو زندگی کے ان خوفناک ترین لمحات کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ اس ہنگامے میں اس کے علاوہ صرف ماریہ اور آرنکس ہی زندہ بچ سکے تھے جبکہ طیارے کے پائلٹ کے ساتھ ماریہ کی پارٹی کے چھ آدمی مارے گئے تھے۔ جیک کا اندازہ تھا کہ جرمن فوجیوں سمیت اس معرکے میں تقریباً تیس آدمی کام آئے تھے۔ ٹرک درختوں کے سائے میں ناہموار اور تاریک سڑک پر دوڑ رہا تھا۔ جیک نے جیب سے سگار نکال کر سلگا لیا اور کش لگاتے ہوئے ماریہ اور آرنکس کی طرف دیکھنے لگا۔

"ابھی کتنی دور اور جانا ہوگا؟" جیک نے یہ سوال کسی ایک کو مخاطب کرتے ہوئے نہیں کیا تھا۔ "راستے میں جرمنوں کی کوئی اور پٹرول پارٹی نہ گھیر لے؟"

"اب فوری طور پر اس کا کوئی خطرہ نہیں۔" ماریہ نے جواب دیا۔ "اور ہمیں زیادہ دور بھی نہیں جانا۔ ہم جلد ہی بوٹ ہاؤس پہنچنے والے ہیں۔"

جیک نے مزید کوئی سوال نہیں کیا اور وہ سگار کے کش لگاتا ہوا سامنے دیکھتا رہا۔ ٹرک ایک ہی رفتار سے دوڑ رہا تھا۔ آرنکس نے کسی موڑ پر بھی رفتار کم کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی جس کے نتیجے میں ماریہ اور جیک کئی مرتبہ اپنی سیٹوں سے گرتے گرتے بچے۔ تقریباً دو گھنٹے پہلے ماریہ نے کہا تھا کہ جلد ہی پہنچنے والے ہیں لیکن فاصلہ کسی طرح سمٹ ہی نہیں رہا تھا۔

آسمان پر گھٹ رہی تھی اور دن کا اجالا رات کی تاریکی پر غالب آنے لگا تھا بالآخر سورج کی پہلی کرن کے ساتھ ہی وہ اپنی منزل پر پہنچ گئے۔ جھیل لوکلیئر کے کنارے فرانس کا وہ علاقہ ابھی تک جرمنی ہی کے قبضے میں تھا اور اسے قطعی طور پر محفوظ نہیں کہا جا سکتا تھا۔ کیونکہ اسکے نواح میں بھی فرانسیسی چھاپا ماروں اور جرمن فوجی دستوں میں جھڑپیں ہوتی رہتی تھیں۔

جھیل کے کنارے لکڑی کے تختوں کا بنا ہوا وہ بوٹ ہاؤس کسی طرح بھی قابل تعریف نہیں تھا۔ اندر داخل ہوتے ہی ناگوار سی بو جیک کے نتھنوں سے ٹکرائی۔ یہ بو سیلن کی وجہ سے تھی۔ بوٹ ہاؤس میں جھولوں کی طرح تین چار بستروں کے علاوہ ضرورت کی چند چیزیں اور ایک ایچ۔ ایف ریڈیو بھی تھا جس پر ایک خاص فریکوئنسی پر لندن میں اتحادیوں کے انٹیلی جنس ہیڈکوارٹر سے رابطہ قائم کیا جا سکتا تھا۔

"ممکن ہے یہ جگہ تمھیں زیادہ پسند نہ آئے لیکن اس بوٹ ہاؤس کو اس مشن کا ہیڈکوارٹر بنانے کی ایک خاص وجہ ہے۔" آرنکس نے جیک کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "یہ بوٹ ہاؤس ماریہ کے باپ کی ملکیت ہے۔ میلوں دور تک پھیلے ہوئے انگور کے باغات بھی اس کی ملکیت تھے۔ جنگ سے پہلے اس بوٹ ہاؤس کو ایک نہایت آرام دہ اور پرسکون گیسٹ ہاؤس کہا جا سکتا تھا۔ ماریہ کا باپ جب کسی کام کی دیکھ بھال کے لیے یہاں آتا تو رات اسی بوٹ ہاؤس میں بسر کرتا تھا پھر جنگ نے سب کچھ اجاڑ کر رکھ دیا۔ اب ہم نے اس بوٹ ہاؤس کو ایسی صورت دے دی ہے کہ اگر کبھی جرمن فوجی گشت کرتے ہوئے اس طرف آنکلیں تو اسے غیر آباد اور ویران سمجھ کر نظر انداز کر دیں۔"

"کیا تمھاری یہ پناہ گاہ ابھی تک جرمنوں کی نظروں میں نہیں آسکی؟" جیک نے اس کے خاموش ہونے پر پوچھا۔

"ابھی تک تو ہماری حکمت عملی کامیاب رہی ہے۔" آرنکس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ "جرمن گشتی دستے ایک دو مرتبہ اس طرف آچکے ہیں لیکن اسے غیر آباد اور ویران سمجھ کر انہوں نے ... ہمیشہ نظر انداز ہی کیا لیکن گزشتہ رات جو کچھ بھی ہوا ہے اس کے پیش نظر کہا جا سکتا ہے کہ وہ ایک بار پھر اس طرف کا رخ کریں گے لیکن قطعی طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ ممکن ہے اب بھی وہ اسے پہلے ہی کی طرح نظر انداز کر دیں۔"

"اور ...!" جیک، ماریہ کی طرف دیکھنے لگا۔ خستہ حالت میں ہونے کے باوجود دن کی روشنی میں وہ خاصی حسین نظر آرہی تھی۔

"تمھارے باپ کو کیا ہوا؟" جیک نے جملہ مکمل کر دیا۔ ماریہ کی نظریں جھک گئیں۔ چہرے پر کرب کے آثار ابھر آئے۔ وہ کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن اس کے ہونٹ صرف لرز کے رہ گئے۔

"اس کا باپ!" ماریہ کے بجائے آرنکس وضاحت کرتے ہوئے بولا۔ "جرمنوں کے خلاف زیر زمین مزاحمتی تحریک کا سرگرم رکن تھا۔ وہ ایک پل کو اڑانے کے مشن پر گیا تھا لیکن پکڑا گیا۔ جرمن فیلڈ مارشل گلمٹ کے خاص دستے کے سپاہیوں نے اسے کئی گھنٹوں تک ایک کنویں میں الٹا لٹکائے رکھا۔ وہ پہلے اس سے زیر زمین تحریک کے بارے میں پوچھتے رہے لیکن جب اس نے زبان نہیں کھولی تو جرمن بھیڑیوں نے اس کے جسم کے ٹکڑے کر کے اسی کنوئیں میں پھینک دیے۔"

ان کی گفتگو یہیں پر ختم ہوگئی۔ ماریہ اور آرنکس ناشتا تیار کرنے لگے اور جیک اس دوران ریڈیو پر فریکوئنسی سیٹ کر کے لندن کے نام پیغام نشر کرنے لگا۔ رابطہ قائم ہونے پر ہیڈکوارٹر کو صورت حال سے آگاہ کرتے ہوئے اس نے بتایا کہ وہ پہلے سے طے شدہ منصوبے کے مطابق آج شام ساڑھے سات بجے اپنی کارروائی کا آغاز کرنا چاہتا ہے۔ اسے لندن ہیڈکوارٹر سے اس مشن کی منظوری دے دی گئی۔

ریڈیو بند کر کے جیک ان دونوں کی طرف متوجہ ہو گیا جو اس دوران ناشتا تیار کر چکے تھے۔ ناشتا بڑی خاموشی سے ہوا۔ بعد میں تلخ کافی کے گھونٹ بھرتے ہوئے ماریہ نے جیک کی طرف دیکھا اور ندامت آمیز لہجے میں گویا ہوئی۔

"گزشتہ رات میں نے تم پر برہمی کا اظہار کیا تھا جس کے لیے میں معذرت خواہ ہوں۔ اب تم نے یہ بھی جان لیا ہو گا کہ اس قسم کی مہمات میں ایک ایک لمحے کا خیال رکھا جاتا ہے اور بیس منٹ تو بہت ہوتے ہیں۔ اس تاخیر کا نتیجہ تمھارے سامنے ہے۔ اگر طیارہ مقررہ وقت پر پہنچ جاتا تو شاید ہمیں اس صورت حال کا سامنا نہ کرنا پڑتا۔"

"تم ٹھیک کہتی ہو ماریہ!" جیک نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ "دراصل اس میں قصور ہمارا بھی نہیں تھا۔ پائلٹ کو جنگل میں مطلوبہ جگہ تلاش کرنے میں خاصی دشواری پیش آئی تھی۔ بہر حال، اس بات کو بھول جاؤ۔ مجھے بتایا گیا تھا کہ تمھارے پاس اس مشن سے متعلق کچھ تصویریں ہیں۔"

"تصویریں آرنکس کے پاس ہیں۔" ماریہ نے آرنکس کی طرف اشارہ کیا۔

آرنکس فرش پر لکڑی کا ایک تختہ ہٹا کر اندر کچھ ٹٹولنے لگا۔ چند سیکنڈ بعد اس نے فرش کے اس خلا سے ایک پھولا ہوا لفافہ برآمد کیا اور اس میں سے تصویریں نکال نکال کر بڑی احتیاط سے فرش پر پھیلانے لگا۔ ہر تصویر گلاسی پیپر پر اور سائز میں آٹھ بائی دس انچ تھی۔

جیک نے سگار سلگا لیا اور کش لگاتا ہوا جھک کر اس تصویر کو دیکھنے لگا جس میں جھیل کے کنارے تین منزلہ ایک خوبصورت عمارت نظر آ رہی تھی۔ عمارت کے مرکزی دروازے کے سامنے ایک پول پر جرمن پرچم لہرا رہا تھا جس پر سواستیکا کا نشان صاف نظر آ رہا تھا۔ عمارت کے تین اطراف میں خاردار تاروں کی اونچی باڑ تھی اور متعدد جگہوں پر ریت کی بوریوں کے مورچے بنا کر مشین گنیں نصب کی گئی تھیں۔ عمارت کی چوتھی سمت جھیل کی طرف تھی اور ایک وسیع و عریض چبوترہ پانی کے اندر تک چلا گیا تھا۔ یہ چبوترہ پانی کی سطح سے تقریباً دو فٹ اونچا تھا اور اسے پانی میں آہنی ستونوں کا سہارا حاصل تھا۔ اس خوبصورت عمارت کو اس علاقے میں مقیم جرمن فوجی افسروں کے کلب کی حیثیت حاصل تھی اور پانی پر پھیلے ہوئے چبوترے سے عام طور پر اوپن ایئر ڈائننگ ہال کا کام لیا جاتا تھا۔

"گلمٹ!" آرنکس نے کہتے ہوئے ایک اور تصویر جیک کے سامنے رکھ دی۔ "فیلڈ مارشل ہنرک گلمٹ! جسے فرانس میں تباہی و بربادی کا دیوتا بھی کہا جاتا ہے۔ عمر چھیالیس سال۔ ایس ایس کا ڈپٹی آپریشنز چیف اور ہٹلر کا دستِ راست۔"

تصویر میں جو شخص نظر آ رہا تھا اس کا چہرہ زیادہ بارعب نہیں تھا۔ جسم پر ایس ایس کی یونیفارم تھی۔ اگر یہ تصویر سادے لباس میں ہوتی تو جیک اسے جرمن فوج کا فیلڈ مارشل ماننے کو تیار نہ ہوتا۔

"مقبوضہ فرانس پر عملی طور پر گلمٹ ہی کا حکم چلتا ہے۔" آرنکس نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ "فرانس میں دس ہزار سے زائد معصوم اور بے گناہ لوگوں کی موت کا ذمہ دار یہی ہے۔ اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ بے گناہ لوگوں کو اپنے فوجیوں کے ہاتھوں قتل ہوتے دیکھ کر بہت خوش ہوتا ہے۔ یہ خود اپنے ہاتھوں سے بھی لاتعداد انسانوں کو موت کے گھاٹ اتار چکا ہے۔ گلمٹ کو فرانس میں محض اس لیے بھیجا گیا تھا کہ وہ زیرِ زمین مزاحمتی تحریک کا خاتمہ کرنے کے علاوہ ہر اس چیز کو تباہ کر ڈالے جس سے جرمنوں کے راستے میں کسی قسم کی رکاوٹ پیدا ہونے کا اندیشہ ہو یا جس سے اتحادیوں کو جرمنوں کے خلاف کسی قسم کی مدد مل سکتی ہو۔"



"یہی پستول ٹھیک رہے گا۔"

"آج رات!" ماریہ نے گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا۔ "ٹھیک ساڑھے سات بجے فیلڈ مارشل گلمٹ منتخب نازی افسروں کے ساتھ کلب کی جھیل کی سمت اوپن ایئر ڈائننگ ہال میں ڈنر میں شریک ہوگا۔ اس ڈنر کو بظاہر میٹنگ کا نام دیا گیا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ بھیڑیے وہاں رنگ رلیاں منانا چاہتے ہیں۔ اس ڈنر میں گلمٹ کے ساتھ فیلڈ مارشل آئرون اور ہٹلر کا پرسنل سیکیورٹی ایڈوائزر جنرل ڈیٹرک بھی موجود ہوگا۔"

"عمارت کی تصویر دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ یہاں کے حفاظتی انتظامات خاصے کڑے ہیں۔" جیک نے ایک بار پھر عمارت کی تصویر دیکھتے ہوئے کہا۔

"جو لوگ کلب کی حفاظت پر مامور ہیں انہیں پورے جرمنی کی ایس ایس سے منتخب کیا گیا ہے۔ ان میں گلمٹ کا ذاتی حفاظتی دستہ بھی شامل ہے۔ فرانس میں یہ لوگ خونِ آشام کے نام سے مشہور ہیں۔ گزشتہ رات کے واقعے کے بعد مجھے یقین ہے کہ قریبی گریزن سے مزید دستے طلب کر لیے جائیں گے۔" آرنکس نے کہا۔

"یا پھر ممکن ہے وہ لوگ ڈنر کی تقریب ہی منسوخ کر دیں۔" جیک نے خیال ظاہر کیا۔

"نہیں، گلمٹ کو ہٹلر کی طرف سے برلن واپس پہنچنے کا حکم مل چکا ہے۔ اسے آج رات ڈیٹرک، رومیل اور دیگر اعلیٰ افسروں کے ساتھ ہر صورت میں اس ڈنر میں شریک ہونا ہے۔ کیونکہ...!" ماریہ کہتے کہتے رک گئی۔

"رک کیوں گئیں؟" جیک نے سوالیہ نگاہوں سے اسے دیکھا۔

"گلمٹ کی خواہش پر اس کے بعض ماتحت افسروں نے رنگ رلیاں منانے کے لیے فرانس کی چند حسین ترین لڑکیوں کو کلب میں طلب کیا ہے۔ اگرچہ جنرل رومیل بھی اس ڈنر میں موجود ہوگا

لیکن اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اسے ان فضولیات سے کوئی دلچسپی نہیں۔ لہٰذا وہ تقریب کے اس حصّے کا ساتھ نہیں دے گا لیکن جہاں تک دوسرے جرنلوں اور گلمٹ کا سوال ہے وہ اس موقعے سے پورا پورا فائدہ اٹھائیں گے۔ گلمٹ کو چونکہ دوبارہ فرانس آنے کی امید نہیں اس لیے وہ ایسے کسی بھی موقع کو ضائع نہیں کرے گا۔" یہ تفصیل ماریہ کے بجائے آرنکس نے بتائی تھی۔

جیک پہلا شخص نہیں تھا جسے جرمن فیلڈ مارشل ہنرک گلمٹ کو موت کے گھاٹ اتارنے کے مشن پر بھیجا گیا تھا۔ اتحادیوں کی انٹیلی جنس طویل عرصے سے اس کے قتل کے منصوبے بنا رہی تھی۔ اس مقصد کے لیے لندن میں ایک باقاعدہ انٹیلی جنس ڈائریکٹریٹ قائم کیا گیا تھا جس میں امریکا کی انٹیلی جنس ایجنسی او۔ ایس۔ ایس، برطانیہ کی ایم۔ آئی۔ فائیو اور فرانس کی فری فرنچ۔ ایف ایف آئی شامل تھی۔ یہ تینوں انٹیلی جنس ادارے مشترکہ طور پر گزشتہ تین سال سے گلمٹ کی سرگرمیوں کی نگرانی کر رہے تھے۔

دبلا پتلا یہ جرمن جرنیل نہ صرف مقبوضہ فرانس میں دس ہزار سے زائد بے گناہ انسانوں کا قاتل تھا بلکہ اس کے حکم پر یورپ کے دیگر مقبوضہ علاقوں میں بھی ہزاروں افراد کو بے دردی سے موت کے گھاٹ اتار دیا گیا تھا جن میں نوجوانوں کے علاوہ عورتیں، بوڑھے اور شیرخوار معصوم بچے بھی شامل تھے۔ گلمٹ کا خون آشام حفاظتی دستہ بے گناہ انسانوں کو موت کے گھاٹ اتارنے کے لیے ایسے طریقے اختیار کرتا کہ آسمان تک لرز اٹھتا۔ مقبوضہ فرانس میں کئی مثالیں ایسی بھی تھیں کہ لاتعداد لوگوں کو زندہ جلا دیا گیا تھا۔ ان لوگوں کو کسی مکان میں بند کر کے چاروں طرف پٹرول چھڑک کر آگ لگا دی جاتی۔ جو لوگ آگ سے بچنے کے لیے مکان سے باہر نکلنے کی کوشش کرتے انہیں گلمٹ کے خون آشام محافظ گولیوں سے بھون ڈالتے۔

دسمبر ۱۹۴۳ میں جنرل گلمٹ بلجیم میں تباہی پھیلا رہا تھا۔ انہی دنوں امریکی فوج کے ایک کیپٹن بنجامن پارک کو گلمٹ کے قتل کے مشن پر بھیجا گیا۔ کیپٹن پارک کو رات کی تاریکی میں پیراشوٹ کے ذریعہ مقبوضہ بلجیم میں اتار دیا گیا تھا۔ اتحادیوں کے اس منصوبے کو انتہائی خفیہ رکھا گیا تھا اور انہیں یقین تھا کہ کیپٹن پارک کا یہ مشن ناکام نہیں ہوگا لیکن رات کی تاریکی میں جہاز سے چھلانگ لگانے کے بعد کیپٹن پارک کے پیروں نے جیسے ہی زمین کو چھوا، اس پر چاروں طرف سے گولیوں کی بارش ہونے لگی۔ کیپٹن پارک کا جسم اس طرح چھلنی ہوا تھا کہ اس کی شناخت تک ممکن نہیں رہی تھی۔ صرف گردن سے اوپر چہرے اور سر پر سترہ گولیاں لگی تھیں۔

ایک ماہ بعد جنرل گلمٹ کو قتل کرنے کی ایک اور کوشش کی گئی۔ اس مرتبہ اس مشن میں فرانس کی زیرِ زمین مزاحمتی تحریک کے نو بہترین گوریلے شامل تھے۔ انہوں نے اچانک ہی پیرس کے اس ریسٹورنٹ پر حملہ کیا جہاں گلمٹ اس وقت کھانا کھا رہا تھا۔ دونوں طرف سے شدید فائرنگ کے نتیجے میں تین آدمی مارے گئے لیکن گلمٹ صاف بچ نکلا تھا۔ اس واقعے کے بعد ہی جنرل رومیل نے گلمٹ کے بارے میں کہا تھا کہ اس میں کوئی بدروح حلول کر چکی ہے۔

گلمٹ کی نقل و حرکت کے بارے میں آخری اطلاع اتحادیوں کو پیرس کی زیرِ زمین مزاحمتی تحریک کے اس رُکن سے ملی تھی جو ایک مزدور کے بھیس میں فیلڈ مارشل گلمٹ کے ہیڈکوارٹر میں گھسنے میں کامیاب ہوگیا تھا۔ اتحادیوں نے بڑی عجلت میں گلمٹ کے قتل کا منصوبہ تیار کر لیا اور اس مقصد کے لیے جیکب کالاہن کا انتخاب کیا گیا جو اُن دنوں امریکا سے لندن پہنچا ہی تھا اور تخریب کاری کے سلسلے میں ابتدائی تربیت حاصل کر رہا تھا۔

جیک کالاہن ڈاکو اور قاتل تھا۔ اس نے امریکا کی ریاست پنسلوانیا میں دہشت پھیلا رکھی تھی۔ آخری مرتبہ لوئس برگ میں ایک بینک لوٹنے کی کوشش میں پکڑا گیا تھا۔ اس کا مقدمہ ابھی عدالت میں پیش نہیں ہو سکا تھا کہ اسے اس شرط پر رہا کرنے کی پیشکش کی گئی کہ وہ اتحادی گوریلوں کے ساتھ جرمنی اور اس کے مقبوضہ علاقوں میں تخریبی سرگرمیوں میں حصّہ لے گا۔ لوئس برگ جیل کے سپرنٹنڈنٹ کے مطابق جیک اس مقصد کے لیے موزوں ترین آدمی تھا۔ دہشت اور قتل و غارت اس کی فطرتِ ثانیہ بن چکی تھی۔ جیک نے بڑی خوشی سے یہ پیشکش قبول کر لی لیکن وہ جانتا تھا کہ یہ پیشکش بھی اس کے لیے موت کی سزا سے کسی طرح کم نہیں ہے مگر اس نے صرف یہ سوچ کر اسے قبول کیا تھا کہ اگر مرنا ہی ہے تو کیوں نہ کچھ کر کے مرا جائے۔

جیک کو لوئس برگ کی جیل سے نکال کر لندن بھیج دیا گیا۔ جہاں اسے تخریب کاری کی باقاعدہ تربیت دی جانے لگی لیکن اسی دوران اتحادیوں نے جنرل گلمٹ کے قتل کا منصوبہ بنا لیا اور اس مقصد کے لیے جیک ہی کا انتخاب کیا گیا۔ اس مشن پر روانگی سے قبل جیک کو جو احکامات دیے گئے تھے ان میں ایک حکم نہایت واضح تھا۔

"اگر موقع ملے تو رومیل اور ڈیٹرک کو بھی ٹھکانے لگا دینا لیکن تمہارا پہلا وار فیلڈ مارشل گلمٹ پر ہونا چاہیے۔ گلمٹ کی موت ہی اس مشن کا اصل مقصد ہے۔ اس بھیڑیے کو کسی صورت زندہ نہیں بچنا چاہیے۔"



جیک کے مشن میں ابھی کئی گھنٹے باقی تھے۔ وہ اور ماریہ اسٹین گنیں سنبھالے سیٹرون ٹرک محفوظ جگہ چھپانے اور اس

علاقے کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لیے نکل گئے۔ ماریہ کے لیے تو یہ علاقہ اجنبی نہیں تھا لیکن جیک کم از کم اتنی معلومات حاصل کر لینا چاہتا تھا کہ وقت آنے پر اسے کسی دشواری کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

بوٹ ہاؤس سے تقریباً ایک میل دُور ٹرک کو گنجان درختوں کے ایک جھنڈ میں چھپانے کے بعد وہ گھوم پھر کر اطراف کا جائزہ لیتے رہے۔ دُور دُور تک جرمنوں کی موجودگی کے آثار نہیں تھے اور جیک کو یہ جان کر اطمینان ہوا تھا کہ بوٹ ہاؤس کی طرف سے جرمن مشکوک نہیں ہوئے تھے۔ وہ دونوں جھیل کے کنارے درختوں کے سائے میں چلتے رہے۔ فضا میں گھٹن کا احساس ہو رہا تھا۔ وہ ایک جگہ بیٹھ گئے۔ ماریہ کی نظریں جھیل کے پُرسکون پانی کی سطح کو چھوتی ہوئی افق پر مرکوز ہو گئیں۔ افق سے ملتے ہوئے جھیل کے دوسرے کنارے پر جرمن فوجی افسروں کا وہ کلب تھا جس پر آج رات انھیں ریڈ کرنا تھا مگر فاصلہ بہت زیادہ ہونے کی وجہ سے اس کنارے پر درختوں کے جھنڈ کے علاوہ کچھ بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔

"تم اس مشن سے خوفزدہ تو نہیں؟" جیک نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا۔

"خوف؟" ماریہ نے عجیب سی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔ "محبِ وطن فرانسیسیوں کی لُغت میں تمھیں کہیں بھی یہ لفظ نہیں ملے گا۔ ہم یہ لفظ یا اس کے معنی بھول چکے ہیں۔ ہم تو صرف ایک بات جانتے ہیں کہ اپنے وطن کی سرزمین کو ان خونی بھیڑیوں کے تسلّط سے آزاد کرانا ہے جنہوں نے یہاں قتل و غارت کا بازار گرم کر رکھا ہے۔"

"تم شاید اپنے باپ کی موت کا انتقام لینے کے لیے مزاحمتی تحریک میں شامل ہوئی ہو؟"

"احمقانہ سوال ہے۔" ماریہ نے اُسے گھورا۔ "میں اپنے باپ کی زندگی میں ہی اس مزاحمتی تحریک میں شامل ہو گئی تھی۔ تمھیں اس تحریک میں مجھ جیسی کئی لڑکیاں نظر آئیں گی۔ تم اسے انتقامی جذبہ کہہ سکتے ہو۔ ہمیں کسی ایک فرد کا انتقام نہیں لینا، ہم ان ہزاروں بے گناہوں کا انتقام لینا چاہتے ہیں جو ان وحشیوں کے جنگی جنون کی بھینٹ چڑھ چکے ہیں۔ اُن معصوم اور کمسن لڑکیوں کی چیخیں آج بھی فرانس کے گلی کوچوں میں گونج رہی ہیں جنہیں سڑکوں پر پامال کیا گیا۔ ہمیں ان معصوم بچوں کا انتقام لینا ہے جو معصوم اور بے گناہ تھے اور جنہیں ماؤں کی گود سے چھین چھین کر ٹانگیں چیر کر دو حصوں میں تقسیم کیا گیا۔ ہمیں ان بوڑھوں کی دردناک موت کا انتقام لینا ہے جو چلنے پھرنے سے معذور تھے لیکن انھیں سڑکوں پر گھسیٹا گیا اور گولیوں کی باڑھ کا نشانہ بنایا گیا۔ ان ہزاروں افراد کی موت کا ذمّے دار گلمرٹ ہے۔ میں جب تک اس کے خون سے ہاتھ نہیں رنگوں گی مجھے اس وقت تک چین نہیں آئے گا۔" ماریہ کی آواز بھرّا گئی تھی۔

جیک چند لمحے اس کی طرف دیکھتا رہا پھر مدھم لہجے میں بولا۔ "اتحادی کمان بھی اس وقت فیلڈ مارشل گلمرٹ کی موت کو سب سے زیادہ اہمیت دے رہی ہے۔ اس سے پہلے اسے موت کے گھاٹ اتارنے کے لیے کئی کوششیں کی گئیں لیکن بدقسمتی سے کوئی شخص بھی کامیاب نہیں ہو سکا اور اب میں اس مہم پر آیا ہوں۔ میرے بارے میں شاید تمھیں زیادہ نہیں بتایا گیا۔"

"صرف اتنا جانتی ہوں کہ تم امریکی فوج کے لیفٹیننٹ ہو۔" ماریہ نے جواب دیا۔

"نہیں!" جیک کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آ گئی۔ "آج سے چند روز پہلے میں ایک ڈاکو اور قاتل تھا جس نے امریکا کی متعدد ریاستوں میں دہشت پھیلا رکھی تھی لیکن یہاں آنے اور تمھاری باتیں سننے کے بعد مجھے زندگی میں پہلی مرتبہ یہ احساس ہوا ہے کہ زندگی کا کوئی مقصد بھی ہونا چاہیے۔ مجھے لیفٹیننٹ کا رینک دے کر اس مشن پر بھیجا گیا۔ رینک کی میرے نزدیک کوئی اہمیت نہیں ہے۔ اگر میں اپنے مشن کی تکمیل میں مارا بھی گیا تو میں سمجھوں گا کہ میری زندگی رائیگاں نہیں گئی۔"

ماریہ حیرت سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ "تمھارے بیوی بچّے؟" اس کا لہجہ سوالیہ تھا۔

"پہلے میرا کوئی نہیں تھا لیکن اب اس سرزمین پر بسنے والے سب میرے ہیں۔ میں ان کی خاطر لڑوں گا۔" جیک نے جواب دیا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولا۔ "تم نے اپنے بارے میں

ابھی تک کچھ نہیں بتایا، میرا مطلب ہے تمہارا شوہر..."

"وہ بھی ان بیڑیوں کی سیمنٹ چڑھ چکا ہے۔" ماریہ کہتے ہوئے اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔ جیک نے بھی اسٹین گن کندھے سے لٹکالی اور دونوں بوٹ ہاؤس کی طرف واپس چل پڑے۔

پانچ بج کر بیس منٹ پر سورج غروب ہوگیا اور فضا بتدریج تاریکی کی لپیٹ میں آنے لگی۔ ان کی روانگی میں تقریباً دو گھنٹے باقی رہ گئے تھے۔ جیک نے آخری مرتبہ ریڈیو پر لندن ہیڈ کوارٹر سے رابطہ قائم کر کے رپورٹ دی اور روانگی کی تیاری کرنے لگا۔ اسٹین گنوں کے بیرلز پر ربر باندھنے کے بعد انہیں واٹر پروف پولسٹرین کے تھیلوں میں لپیٹ لیا گیا۔ اس کے کچھ ہی دیر بعد وہ تینوں غوطہ خوری کے لباس پہنے اس کشتی پر سوار ہوگئے جسے عام حالات میں استعمال کے قابل نہیں سمجھا جاسکتا تھا۔ آرنکس نے چپو سنبھال لیے تھے۔ جیک آکسیجن ٹینک درست کرتے ہوئے ماریہ سے مخاطب ہوا۔

"ایک اور بات جو تمہارے علم میں نہیں، بتا دینا چاہتا ہوں۔ اس مہم کے دوران ہمیں فضائی مدد بھی حاصل ہوگی۔ ٹھیک سات بج کر تیس منٹ پر جب ہم کلب کی عمارت پر ریڈ کریں گے، چار پی، ہم طیارے بھی اس عمارت پر حملہ آور ہوں گے۔ وہ طیارے مشین گنوں سے فائر کرتے ہوئے ہمارے سروں کے اوپر سے گزریں گے۔ جرمنوں کی توجہ حملہ آور طیاروں کی طرف منتقل ہوجانے کے باعث ہمیں اپنے کام میں آسانی رہے گی۔"

ماریہ مسکراتی ہوئی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔ اب اسے یقین ہو چلا تھا کہ ان کا یہ مشن ناکام نہیں ہوگا۔

پانچ بج کر پچاس منٹ پر فیلڈ مارشل ہرزک گلمٹ عمارت سے برآمد ہوا اور وسیع و عریض پلیٹ فارم پر پہنچے تُلے قدم اٹھاتا ہوا ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ پلیٹ فارم کے اختتام پر اس کے سامنے تاحدِ نگاہ تاریک جھیل کا پُرسکون پانی پھیلا ہوا تھا۔ وہ گردن گھما کر میز پر رکھی ہوئی شراب کی بوتلوں اور دوسری کرسی پر بیٹھی ہوئی سنہرے بالوں والی اس خوبصورت لڑکی کی طرف دیکھنے لگا جسے آج کی شام کے لیے اس کی پارٹنر کے طور پر منتخب کیا گیا تھا۔ گلمٹ نے اپنے سامنے رکھا ہوا گلاس اٹھا کر اطراف میں دیکھا۔ مختلف میزوں پر اسے نازی جنرل بیٹھے ہوئے نظر آرہے تھے مگر ان میں رومیل موجود نہیں تھا۔ گلمٹ کی بھویں سکڑ گئیں۔ رومیل ایسے موقعوں پر ہمیشہ دامن بچانے کی کوشش کیا کرتا تھا اور گلمٹ کو اس کی یہ عادت قطعی پسند نہیں تھی۔ گلمٹ کے چہرے کے بگڑتے آثار دیکھ کر ڈنر کے منتظم جنرل نے اسے پروگرام شروع کرنے کا اشارہ کیا کیونکہ اس کے خیال میں جنرل رومیل کا انتظار اب بیکار تھا۔ گلمٹ نے گلاس ہونٹوں سے لگا لیا اور ایک گھونٹ بھرنے کے بعد اپنے سامنے بیٹھی ہوئی لڑکی کو دیکھنے لگا۔ لڑکی کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آگئی جواب میں گلمٹ بھی مسکرادیا۔ پارٹی کے منتظم جنرل نے اسے مسکراتے دیکھ کر اطمینان کا سانس لیا اور دوسرے مہمانوں کی طرف متوجہ ہوگیا۔



چھ بج کر بیس منٹ پر فائٹر گروپ کے چار پی، ہم تھنڈر بولٹ طیاروں نے انگلینڈ میں کینٹ کے ایئر بیس سے ٹیک آف کیا اور فنگر فور کی فارمیشن میں فرنچ کوسٹ کو عبور کرتے ہوئے رات کی تاریکی میں اپنے ہدف کی طرف پرواز کرنے لگے۔

گروپ لیڈر نے گردن گھما کر اپنے ساتھی طیاروں کو دیکھا اور ریڈیو پر ان کے پائلٹوں کو مخاطب کرتے ہوئے بولا۔

"ہوشیار! ہم مقبوضہ فرانس کی فضائی حدود میں داخل ہونے والے ہیں۔ کسی بھی لمحہ کوئی غیر متوقع صورتِ حال پیش آسکتی ہے۔"

جواب میں اوکے کا سگنل ملا اور گروپ لیڈر نے ریڈیو آف کردیا۔



چھ بج کر چالیس منٹ پر جب ڈنر کے دوران ہٹلر کا پرسنل ایڈوائزر ڈیٹرک، فیلڈ مارشل گلمٹ کو کوئی دلچسپ لطیفہ سنا رہا تھا تو ٹھیک اس وقت کلب کی عمارت سے تقریباً ایک ہزار گز دور جھیل میں کشتی پر سوار جیک بڑی دلچسپ نگاہوں سے کلب کی جگمگاتی ہوئی روشنیوں کو دیکھ رہا تھا۔ ہوا کا رُخ جھیل کی طرف تھا موسیقی اور ملے جلے قہقہوں کی آواز ہوا کے دوش پر سوار جیک کی سماعت تک پہنچ رہی تھی۔ جیک نے جھک کر آکسیجن سلنڈر چیک کیا اور اسے پشت پر لادنے کے بعد ماریہ اور آرنکس کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ دونوں بھی تیار تھے۔ جیک نے دائیں ہاتھ کے انگوٹھے سے مخصوص اشارہ کیا اور نہایت آہستگی سے پانی میں اُتر گیا۔ اس کے فوراً ہی بعد ماریہ اور آرنکس نے کشتی چھوڑ دی۔

برف کی طرح ٹھنڈے پانی میں اُترتے ہی ایک لمحے کو تو وہ کپکپا کر رہ گئے لیکن پھر آہستہ آہستہ پیروں کے فلیپرز کی مدد سے پانی کو پیچھے دھکیلتے ہوئے آگے بڑھنے لگے۔ واٹر پروف تھیلوں میں لپٹی ہوئی اسٹین گنیں ان کے کندھوں پر موجود تھیں۔ ان اسٹین گنوں کے علاوہ چند ایسی چیزیں بھی موجود تھیں جن سے اس مشن کو کامیاب بنانے میں مدد مل سکتی تھی۔

جیک نے پیچھے مُڑ کر دیکھا۔ ماریہ اور آرنکس اگرچہ تجربہ کار پیراک نہیں تھے لیکن اس کی تیز رفتاری کا ساتھ دینے کی بھرپور کوشش کر رہے تھے۔ دفعتاً آرنکس کا توازن بگڑ گیا اور وہ پانی میں قلابازیاں کھانے لگا۔ ماریہ اور جیک بیک وقت اس کی

طرف پلکے تھے۔ آرنکس قلابازیاں کھاتا ہوا تیزی سے سطح کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اگر اس کی ٹانگ ماریہ کے ہاتھ میں نہ آجاتی تو چند سیکنڈ میں وہ سطح پر پہنچ جاتا۔ جیک نے اسے توازن درست کرنے میں مدد دی اور وہ تینوں ایک بار پھر گہرائی میں پہنچ کر عمارت کی طرف تیرنے لگے۔

دفعتاً گلمرٹ نے ایک جھٹکے سے سیٹ چھوڑ دی۔ وہ چند لمحے تاریکی میں پھیلی ہوئی جھیل کی طرف دیکھتا رہا پھر لڑکی کا ہاتھ پکڑ کر عمارت میں داخل ہو گیا۔ وہ جیسے ہی ایک کمرے میں داخل ہوا اس کے ساتھ آنے والی لڑکی وہاں پر پہلے سے موجود ایک شخص کو دیکھ کر چونک گئی۔ اُس نے مُڑ کر گلمرٹ کی طرف دیکھا اور پھر اس شخص کی طرف دیکھنے لگی۔ ان دونوں میں اسے کوئی فرق نظر نہیں آرہا تھا۔ ایک صورت، ایک قد، ایک جسم اور چہروں کے تاثرات میں بھی کوئی فرق نہیں تھا۔ اس شخص کے جسم پر بھی فیلڈ مارشل کی وردی تھی۔ وہ فیلڈ مارشل گلمرٹ کا ڈپلی کیٹ تھا جسے اہم مواقع پر وہ ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتا تھا۔

"سنو!" گلمرٹ نے اپنے ہم شکل کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ "باہر ہمارا کام ختم ہو گیا۔ اب تم میری جگہ پر چلے جاؤ۔ رومیل تو آیا نہیں اور ڈیرک شراب کے نشے میں اس قدر بدمست ہے کہ وہ میری غیر موجودگی کو محسوس نہیں کرے گا!"

گلمرٹ کا ہم شکل لڑکی کی طرف دیکھتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔

سات بج کر پانچ منٹ ہو چکے تھے۔ جیک اور اس کے ساتھی کلب کی عمارت کے قریب پہنچ رہے تھے۔ اس دوران انھیں فضا سے مدد دینے والے طیارے تاریکی کو چیرتے ہوئے اپنے ٹارگٹ کی طرف بڑھ رہے تھے لیکن دفعتاً جرمن فضائیہ کے لڑاکا طیاروں نے ان کا راستہ روک لیا۔

گروپ لیڈر کو جرمن طیاروں کی آمد کا علم اس وقت ہوا تھا، جب اس کے دائیں طرف کا طیارہ شعلوں کی لپیٹ میں آچکا تھا۔ گروپ لیڈر چند لمحے شعلوں میں لپٹے ہوئے طیارے کو بڑی تیزی سے نیچے جاتے ہوئے دیکھتا رہا پھر دشمن کے اس طیارے کی طرف متوجہ ہو گیا جو اس پر حملہ آور ہو رہا تھا۔ گروپ لیڈر نہ صرف اپنے طیارے کو بچانے میں کامیاب ہو گیا تھا بلکہ دشمن کا حملہ آور طیارہ بھی اس کی مشین گن سے نکلنے والی گولیوں کی زد میں آگیا تھا۔ دشمن کا طیارہ شعلے اور دھواں اگلتا ہوا بڑی تیزی سے قلابازیاں کھاتا ہوا نیچے جا رہا تھا۔

توصیف شام کو دفتر سے واپس لوٹا تو بیگم نے افسردگی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔ "مجھے افسوس ہے ڈیئر! تمھارے سوٹ کی پتلون استری کرتے ہوئے جل گئی۔"

"کوئی بات نہیں۔" توصیف نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "میرے پاس اس کے ساتھ کی ایک اور پتلون موجود ہے۔"

"یہ بھی خوش قسمتی کی بات ہے کہ تمھاری الماری میں اس کے ساتھ کی ایک اور پتلون موجود تھی۔" بیگم نے جواب دیا۔ "اسی پتلون کا ٹکڑا نکال کر میں نے جلی ہوئی پتلون پر پیوند لگا دیا ہے۔"

"شِٹ!" گروپ لیڈر ریڈیو پر چیخا اور اس کے ساتھ ہی دشمن کے ایک اور طیارے کی فائرنگ سے بچنے کے لیے اس نے بڑی تیزی سے اپنے طیارے کا رُخ موڑ دیا تھا۔ "ہم مقررہ وقت پر اپنے ٹارگیٹ پر نہیں پہنچ سکتے۔ ری ٹریٹ!"

گروپ لیڈر نے مڑ کر دیکھا۔ اس کے دوسرے دونوں ساتھی طیارے بھی پسپائی اختیار کر رہے تھے۔

ٹھیک سات بج کر پچیس منٹ پر جیک کا لاہن نہایت آہستگی سے چبوترے کے نیچے پانی کی سطح پر نمودار ہوا۔ چہرے سے ماسک ہٹا کر اس نے تازہ ہوا میں چند لمبی لمبی سانسیں لیں اور واٹر پروف بیگ میں سے اسٹین گن اور ہینڈ گرنیڈ نکالنے لگا۔ اپنے سر سے صرف چند فٹ اوپر اسے موسیقی اور قہقہوں سے ملی جلی آوازیں سُنائی دے رہی تھیں۔ چند سیکنڈ بعد ماریہ اور آرنکس بھی اس کے قریب ہی پانی کی سطح پر اُبھر آئے۔

چبوترے کے چاروں طرف تقریباً تین فٹ اونچی ریلنگ لگی ہوئی تھی۔ جیک نہایت آہستگی سے پلیٹ فارم کے نیچے پانی میں تیرتا ہوا پلیٹ فارم کے کنارے تک پہنچ گیا اور اس کے اوپر لگی ہوئی ریلنگ کا جائزہ لینے لگا۔ ماریہ اور آرنکس بھی اس کے پیچھے ہی تھے۔ ان سے صرف چند فٹ اوپر پلیٹ فارم پر موجود اعلیٰ جرمن فوجی افسر رنگ رلیوں میں مصروف تھے ـــ اور یہ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ان کے قدموں کے نیچے ان کی موت رینگتی ہوئی ان کی طرف بڑھ رہی ہے۔

کئی نازی آفیسر اور ان کی ساتھی لڑکیاں ڈیرک اور جنرل گلمرٹ کے ہم شکل کے گرد جمع تھیں۔ وہ دونوں نشے میں دُھت تھے اور بھدی آوازوں میں جنگی نغمہ گانے کی کوشش

کر رہے تھے جس میں ہٹلر کی تعریف کی گئی تھی۔ ایک ——— فرانسیسی ویٹریس کی چھٹی حس نے شاید اسے آنے والے خطرے سے آگاہ کر دیا تھا۔ وہ متوحش نگاہوں سے اِدھر اُدھر دیکھتی ہوئی پلیٹ فارم سے ہٹ کر عمارت میں چلی گئی۔ فوجی افسروں یا ان کی ساتھی لڑکیوں میں سے کسی نے بھی اس خوفزدہ ویٹریس کو وہاں سے کھسکتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔

فضا میں موسیقی اور قہقہوں کی ملی جلی آوازیں مسلسل گونج رہی تھیں۔ عیش و عشرت کے دلدادہ نازی افسروں میں سے کسی کا دھیان بھی جیک کی طرف نہیں گیا تھا جو اس دوران پلیٹ فارم کی ریلنگ پر چڑھ کر اسٹین گن تان چکا تھا۔ پھر دفعتاً ایک خوفزدہ لڑکی کی چیخ سُن کر تمام لوگ اس طرف متوجہ ہو گئے۔ لڑکی نے چیختے ہوئے ریلنگ کی طرف اشارہ کیا اور پھر ایک لمحے کو یوں محسوس ہوا جیسے سب کو سانپ سونگھ گیا ہو۔ وہ سب پھٹی پھٹی سی آنکھوں سے ریلنگ کی طرف دیکھ رہے تھے۔ جیک نے ان کی بدحواسی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ریلنگ سے پلیٹ فارم پر چھلانگ لگا دی اور راستے میں پڑی ہوئی ایک کرسی کو پیر کی ٹھوکر سے ایک طرف ہٹا کر دونوں پیر پھیلا کر کھڑا ہو گیا اور ایک بھی لمحہ ضائع کیے بغیر فائرنگ شروع کر دی۔ اس دوران ماریہ اور آرنکس بھی ریلنگ پر پہنچ چکے تھے۔ ان دونوں نے بھی ریلنگ سے چھلانگ لگاتے ہی اندھادھند گولیاں برسانا شروع کر دیں۔ فائرنگ اور چیخوں کی ملی جلی آوازیں عجیب سا تاثر پیش کر رہی تھیں۔

موسلادھار بارش کی طرح برستی ہوئی گولیاں اپنا کام دکھا رہی تھیں۔ ہڑبونگ میں بیشتر میزیں الٹ چکی تھیں اور لکڑی کے چکنے فرش پر چاروں طرف شراب کی بوتلیں اور برتن بکھرے ہوئے تھے۔ جیک نے اسٹین گن کا رخ ڈیٹرک کی طرف گھما دیا جو اپنا زخمی بازو تھامے راہِ فرار اختیار کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ گولیوں نے ڈیٹرک کا راستہ روک لیا اور وہ حیرت انگیز پھرتی سے مڑ کر ایک الٹی ہوئی میز کے پیچھے چھپ گیا۔ جیک کی اسٹین گن سے نکلی ہوئی گولیاں میز کے آس پاس لکڑی کے فرش سے ٹکرانے لگیں۔ غالباً الٹی ہوئی میز کو محفوظ پناہ گاہ نہ سمجھتے ہوئے ڈیٹرک میز کے پیچھے سے نکل کر عمارت کی طرف بھاگا لیکن ابھی اس نے تیسرا قدم ہی اٹھایا ہو گا کہ جیک کی اسٹین گن کی ایک گولی اس کے حلق میں پیوست ہو گئی۔ وہ لٹو کی طرح گھوما اور وہیں ڈھیر ہو گیا۔ اس کی کٹی ہوئی شہ رگ سے خون اس طرح بہہ رہا تھا جیسے کسی جانور کو ذبح کر کے ڈال دیا گیا ہو۔

"گلمٹ!" جیک چیختا ہوا آگے بڑھا۔ اس کا رُخ اس شخص کی طرف تھا جس نے فیلڈ مارشل کی وردی پہن رکھی تھی۔ وہ فیلڈ مارشل جنرل گلمٹ کا ہم شکل تھا۔ اس نے نہایت پھرتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے فرش پر پڑے ہوئے ڈیٹرک کے پستول کی طرف چھلانگ لگا دی۔ اس کا ہاتھ ٹھیک پستول کے دستے پر پڑا تھا۔ پھر اس نے ٹریگر دبانے میں ایک لمحے کی بھی تاخیر نہیں کی تھی۔ آگے بڑھتا ہوا جیک رُک گیا۔ اس کے چہرے پر کرب کے تاثرات نمودار ہوئے اور ایک لمحے کو جسم اس طرح تن گیا جیسے تشنج کی کیفیت میں مبتلا ہو لیکن پھر دوسرے ہی لمحے وہ آگے کو جھکتا چلا گیا۔ اس کا ایک ہاتھ پیٹ پر تھا جہاں سے خون کا فوارہ بہہ نکلا تھا۔ گلمٹ کے ہم شکل کی چلائی ہوئی گولی نے اس کے پیٹ میں سوراخ کر دیا تھا۔

خوفزدہ نازی آفیسر پناہ حاصل کرنے کے لیے عمارت کی طرف دوڑ رہے تھے۔ آرنکس گولیاں برساتا ہوا بڑی پھرتی سے دروازے پر پہنچ گیا تاکہ وہ لوگ اندر داخل نہ ہو سکیں۔ اس کی دہاڑتی ہوئی اسٹین گن نے متعدد نازیوں کو ہلاک و زخمی کر دیا تھا لیکن آرنکس کو زیادہ دیر وہاں رُکنے کا موقع نہیں مل سکا تھا۔ اندرونی راہداری سے لاتعداد نازی دوڑتے ہوئے وہاں پہنچ گئے تھے۔ آرنکس نے گھوم کر اسٹین گن کا ٹریگر کھینچ لیا لیکن اسٹین گن خاموش رہی، میگزین خالی ہو چکا تھا۔ اس کی طرف آتے ہوئے نازیوں نے پوائنٹ بلینک پر فائرنگ شروع کر دی۔ آرنکس گھٹنوں پر جھکتا چلا گیا۔ نازی اسے اپنی گرفت میں لینے کے لیے اس کی طرف لپکے لیکن وہ جیسے ہی قریب پہنچے آرنکس نے اسٹین گن کو پوری قوت سے لٹھ کی طرح گھمایا۔

پلیٹ فارم پر موجود بعض نازی آفیسر اور ان کی ساتھی لڑکیاں ماریہ اور جیک کی اسٹین گنوں سے نکلنے والی گولیوں سے بچنے کے لیے پاگلوں کی طرح چیختے ہوئے چاروں طرف دوڑ رہے تھے۔ ان میں سے بعض نے جھیل میں چھلانگ لگا دی تھی۔ اس وقت تک لاتعداد نازی دوڑتے ہوئے عمارت سے باہر آ گئے تھے اور انہوں نے بائیں طرف سے ماریہ پر فائرنگ شروع کر دی تھی۔

ماریہ کو ایک لمحے کو یوں محسوس ہوا جیسے اس کے جسم پر زلزلے کی سی کیفیت طاری ہو گئی ہو۔ لاتعداد گولیاں اس کے جسم میں پیوست ہو گئی تھیں۔ اس کے ہونٹ بھنچ گئے اور ایک سسکاری سی نکل کر رہ گئی۔ اس کی آنکھوں میں بے پناہ کرب تھا۔ وہ لہرا کر گری۔ اس کے جسم کے متعدد حصوں سے خون بہہ رہا تھا لیکن اس کے باوجود گرتے ہوتے وہ چیخ کر جیک کو خبردار کرنے میں کامیاب ہو گئی تھی۔

"گلمٹ.... گلمٹ کو روکو.... وہ بھاگ رہا ہے....!"

جیک پر پستول سے فائر کرنے کے بعد گلمٹ کا ہم شکل سمجھا تھا کہ شاید وہ ختم ہو چکا ہے۔ اس کے ساتھ ہی اس نے فرار ہونے میں عافیت سمجھی۔ ماریہ کی آواز سُن کر جیک ایک

جھٹکے سے سیدھا ہوگیا اور اسٹین گن کا پورا میگزین دوڑتے ہوئے گلمٹ کے ہم شکل پر خالی کر دیا۔ اس کا جسم چھلنی ہوگیا۔ کئی گولیاں اس کے چہرے پر بھی لگی تھیں جس سے اس کی صورت بگڑ کر رہ گئی تھی۔

جیک کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آگئی لیکن اگر اسے یہ معلوم ہو جاتا کہ فیلڈ مارشل کی وردی میں ملبوس یہ شخص دراصل گلمٹ نہیں تھا تو پھر بھی وہ شاید کچھ نہ کر سکتا۔ اس کا جسم سامنے سے چلائی جانے والی گولیوں سے چھلنی ہو چکا تھا۔ اس کے ہاتھ سے اسٹین گن چھوٹ گئی اور وہ فرش پر ڈھیر ہوگیا۔

جیک کالاہن خون کے تالاب میں بے حس و حرکت پڑا تھا۔ وہ زندہ تھا لیکن اس میں جسم کے کسی حصے کو حرکت دینے کی سکت نہیں رہی تھی البتہ اس کی آنکھوں کی پتلیاں حرکت کر رہی تھیں اور وہ چھت پر تاریک خلا میں گھور رہا تھا۔

فائرنگ بند ہو چکی تھی۔ ماریہ اور آرنلس ختم ہو گئے تھے۔ متعدد نازی آفیسر جیک کے گرد گھیرا ڈالے کھڑے تھے جن کے ہاتھ بھی خون میں لتھڑے ہوئے تھے۔

"گلمٹ مر گیا.... تاریکی کا دیوتا.... ختم ہوگیا میں نے.... اسے مار دیا...." جیک مٹھیاں بھینچتے ہوئے بولا۔

اسکی بات کا جواب دینے کے بجائے اس کے گرد کھڑے ہوئے نازی عمارت کی طرف سے آنے والے شخص کو راستہ دینے کے لیے ایک طرف ہٹ گئے۔ وہ شخص قریب پہنچ کر جیک پر جھک گیا، وہ فیلڈ مارشل گلمٹ تھا۔

"تم نے میرے ہم شکل کو مارا ہے مسٹر!" گلمٹ کرخت لہجے میں بولا۔ "وہ میرا ہم شکل تھا جو اس قسم کی تقریبات میں میری جگہ لوگوں کے سامنے آیا کرتا تھا۔ آج بھی اس تقریب میں وہ میری نمائندگی کر رہا تھا جبکہ میں عمارت کے اندر ایک کمرے میں موجود تھا۔ تم نے صرف ایک اداکار کو قتل کیا ہے لیکن میں اس کی تعریف ضرور کروں گا۔ وہ واقعی بہت اچھا اداکار تھا۔ آج تک کوئی بھی اس کی اصلیت نہیں جان سکا تھا۔"

"نہیں.... تم مر چکے ہو...." جیک کے ہونٹوں سے مدھم سی آواز نکلی۔

فیلڈ مارشل گلمٹ کے کچھ کہنے سے پہلے ہی پلیٹ فارم پر ایک بار پھر بھگدڑ سی مچ گئی۔ جھیل کی طرف سے آنے والے طیاروں کی دہاڑتی ہوئی آواز لوگوں کی چیخوں پر حاوی ہو رہی تھی۔ یہ ان تین پی ۴۷... لڑاکا طیاروں کی آواز تھی جو جرمن طیاروں سے بچ کر ایک طویل چکر کاٹنے کے بعد یہاں پہنچے تھے۔ دہاڑتے ہوئے طیارے مشین گنوں کی گولیوں کی بارش برساتے ہوئے نکل گئے لیکن انھوں نے واپس آنے میں کسی تاخیر کا مظاہرہ نہیں کیا تھا۔ باری باری حملہ آور ہوتے ہوئے طیارے کلب کی عمارت اور اس کے کھلے ٹیرس پر گولیاں برسا رہے تھے۔ فیلڈ مارشل گلمٹ نہایت پھرتی سے فرش پر لیٹ گیا اور جیک کے جسم کی آڑ لینے کی کوشش کرنے لگا۔ اسے اتنا موقع نہیں مل سکا تھا کہ بھاگ کر عمارت میں پناہ حاصل کر سکتا۔ گولیاں موسلا دھار بارش کی طرح برس رہی تھیں۔

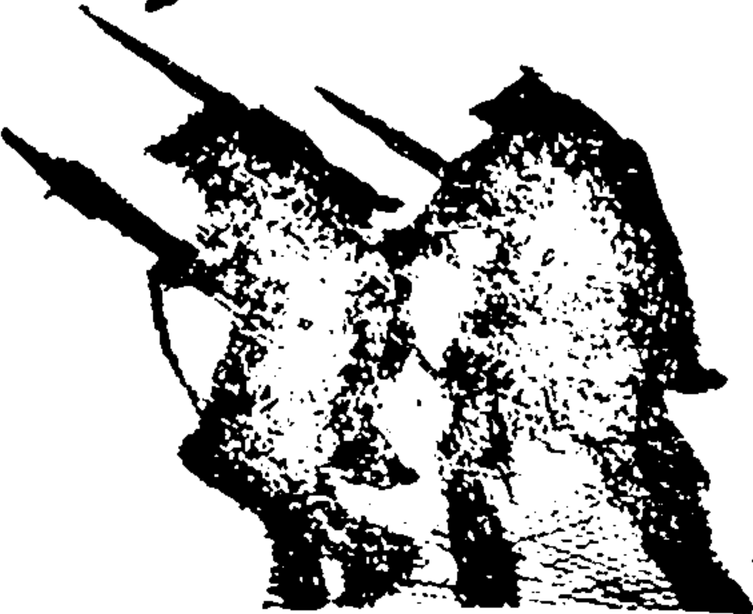
جیک نے گھٹنوں کے سہارے اٹھنے کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہو سکا لیکن وہ اپنا ایک ہاتھ پہلو میں پتلون کی جیب تک لے جانے میں کامیاب ہو چکا تھا۔ اس کی انگلیاں کسی چیز سے ٹکرائیں جسے اس نے گرفت میں لے لیا دوسرا ہاتھ اس نے نہایت سختی سے جنرل گلمٹ کی کلائی پر جما دیا تھا۔ اس کا سیدھا ہاتھ جب سامنے آیا تو گلمٹ لرز اٹھا اس میں ہینڈ گرنیڈ تھا جسے جیک بیلٹ کے ہک سے نکالنے میں کامیاب ہوگیا تھا۔

فیلڈ مارشل گلمٹ اپنا ہاتھ جیک کی گرفت سے چھڑانے کی کوشش کرنے لگا لیکن اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کی کلائی کسی آہنی شکنجے میں پھنس چکی ہو۔ جیک کا ہینڈ گرنیڈ والا ہاتھ منہ تک پہنچ چکا تھا اور وہ دانتوں سے پن نکالنے کی کوشش کر رہا تھا۔ جنرل گلمٹ نے دوسرے ہاتھ سے ہولسٹر میں لٹکا ہوا ریوالور نکال لیا اور پورا چیمبر جیک کے چہرے پر خالی کر دیا۔ جیک کا گرنیڈ والا ہاتھ ایک جھٹکے سے پیچھے ہٹا، پن اس کے بھینچے ہوئے دانتوں میں پھنس کر رہ گئی تھی۔ گلمٹ نے زوردار جھٹکا دے کر اپنا ہاتھ چھڑایا اور اس کے ساتھ ہی جیک کے ہاتھ میں دبا ہوا گرنیڈ پھٹ گیا۔ ایک کان پھاڑ دینے والا دھماکا ہوا اور فیلڈ مارشل گلمٹ کے ساتھ جیک کے جسم کے بھی پرخچے اڑ گئے۔



اس کے چھ گھنٹے بعد رات ڈیڑھ بجے ایک یو سی ۶۴ طیارہ اسی جنگل پر چکر لگا رہا تھا جہاں گزشتہ رات اسی قسم کا طیارہ جیک کالاہن کو نیچے اتار گیا تھا۔ پائلٹ کو رن وے پر روشنی کا کوئی سگنل دکھائی نہیں دیا تو اس نے طیارے کا رخ موڑ دیا۔ وہ لیفٹیننٹ جیک کالاہن کو لینے آیا تھا لیکن اب وہ سوچ رہا تھا کہ غالباً جیک جس مشن پر آیا تھا، اس میں کامیاب نہیں ہو سکا۔

واپسی کا رخ اختیار کرتے ہوئے پائلٹ نے جھیل کے کنارے ایک عمارت سے آگ کے شعلے اٹھتے ہوئے دیکھے تو وہ محض سر ہلا کر رہ گیا۔



KILL THE NAZI BUTCHER
Ronald F.Drucker


پرخطر راستوں میں

ہنری مال



پُرخطر رستوں میں

دوسری جنگِ عظیم سے تعلق رکھنے والی داستان، جو
برطانوی فوج کے ایک افسر نے اپنے عزم
و ہمت سے مرتب کی۔

ہنری مال کی کتاب SAFER THAN A KNOWN WAY کی تلخیص

میرا ذہن تاریکیوں میں ڈوب رہا تھا میری زخمی ٹانگ سے خون بہہ رہا تھا۔ میں نے تذبذب کے عالم میں چاروں طرف دیکھا، لیکن کوئی ہمدرد سایہ، کوئی روشنی، کوئی... اُمید نظر نہ آئی۔ میری نظر ریوالور پر پڑی اور میرے تاریک ذہن میں روشنی کا ایک کوندا لپکا۔

"ریوالور اٹھاؤ، اس کا رُخ چھاتی کی طرف کرو، ایک دو تین کہو اور ٹریگر دبا دو۔"

درد و کرب، اذیت اور پریشانی سے نجات کا یہ واحد راستہ تھا۔ میں نے ریوالور پکڑ لیا۔ اس کی نال سرد اور بے رحم تھی۔ تصوّر ہی تصوّر میں اپنی خون میں نہائی ہوئی لاش دیکھی، پھر.... گورکھا نائک پریم سنگھ کی لاش میرے سامنے اُبھری جس نے ایسے ہی حالات میں خودکشی کر لی تھی۔ میرے ذہن میں میرے ماں باپ، میرے گھر کی تصویریں پھیلنے لگیں اور وہ تمام مہربان ہمدرد اور شفیق چہرے ایک ایک کر کے میرے سامنے سے گزرنے لگے جن سے زندگی میں کبھی تعلق رہا تھا۔

"نہیں میں خودکشی نہیں کروں گا۔" میں نے سوچا۔ زندگی۔ خواہ وہ جاپانیوں کی قید ہی میں کیوں نہ گزرے بہر حال زندگی ہوتی ہے! سب چیزوں سے برتر اور عظیم!!

"لیکن گورکھا نائک پریم سنگھ نے بھی تو زندگی کی تمنا کی ہوگی۔ اس کے سامنے بھی تو مہربان چہروں نے رقص کیا ہوگا اس نے بھی تو چاہا ہوگا کہ آگ اور خون کے اس دریا سے.. دور اسے کسی ہسپتال میں بھیج دیا جائے جہاں علاج کے بعد وہ پہلے کی طرح توانا اور مضبوط ہو سکتا تھا، لیکن جاپانیوں کے... اگلے مورچوں کے قریب لڑتی ہوئی ہماری چنڈٹ افواج کو جنرل ونگیٹ کا حکم تھا۔"

چلنے سے معذور زخمیوں کو چھوڑ کر آگے بڑھتے رہو۔

"اور اسی لئے پریم سنگھ نے خودکشی کر لی تھی، کوئی... جذباتی تعلق اور وابستگی اسے باز نہ رکھ سکی۔"

گہرے سناٹے اور تنہائی کے شدید احساس سے بچنے کے لئے میں نے اپنے ذہن میں گزشتہ بارہ گھنٹوں میں پیش آنے والے ہولناک واقعات کو دہرانا شروع کر دیا۔ ہم مونگ مٹ کی پہاڑیوں میں لڑ رہے تھے۔ میں ایک چٹان کی اوٹ سے جاپانیوں پر اندھا دھند فائرنگ کر رہا تھا کہ میرے عقب میں مارٹر کا گولا پھٹا اور کسی نادیدہ قوت نے مجھے چٹان سے چھ فٹ نیچے ایک اور چٹان کی اوٹ میں دھکیل دیا....... فوج کے دوسرے۔ کالم کے بچے کھچے فوجی، جاپانیوں کے نرغے میں آ گئے تھے۔

چاروں طرف مہیب شور و غل برپا تھا۔

میں نے اُٹھنے کی کوشش کی، لیکن جنبش نہ کر سکا میری ٹانگیں بوجھل ہو رہی تھیں۔ جیسے ان پر کسی دیو قامت درخت کا تنا آگرا ہو۔ میں نے گردن گھما کر دیکھا، میری خاکی پتلون وائیں کولہے کے قریب سے سُرخ ہو رہی تھی۔ اور گرم گرم خون تیزی سے اُبل رہا تھا۔ میں نے درد سے کراہتے ہوئے اِدھر اُدھر دیکھا وہاں کوئی مددگار موجود نہ تھا۔

میرے سامنے پھر زخمی پریم سنگھ کی تصویر اُبھر آئی جو اسی طرح زخمی ہو گیا تھا اور میرے حکم کے مطابق اسے جنگل ہی میں چھوڑ دیا گیا تھا، کیونکہ محاذ پر روانگی کے وقت ہمیں یہی حکم ملا تھا، لیکن اس وقت میرے تصوّر میں یہ بات نہ آئی تھی کہ ایسا خود... میرے ساتھ بھی ہو سکتا ہے۔ اور میں پرانے افسروں کو اس حکم پر جزبز ہوتے دیکھ کر تمسخر سے ہنستا تھا! لیکن اب میں زخمی حالت میں یہاں پڑا تھا۔ تنہا، مجبور اور بے یار و مددگار!

مجھے اچھی طرح یاد ہے جب میں زخمی ہو کر گرا، تو میرا گورکھا اردلی گل بہادر، گولیوں کی بوچھاڑ کو چیرتے ہوئے میرے پاس آیا۔ اس کا چہرہ اس وقت کتنا مہربان تھا! اس نے پیچھے مڑ کر سیکنڈ ان کمان حوالدار لال بہادر کو بلایا اور گولیوں اور بموں کی بارش میں وہ دونوں مجھے ہماری عارضی پناہ گاہ تک لے آئے۔ پھر مجھے حوالدار گل بہادر کے سپرد کر دیا گیا جس نے میری پشت پر لگے ہوئے کئی انچ گہرے زخم کی مرہم پٹی کی۔

پھر ڈاکٹر کیپٹن سٹوکس گولیوں کی بارش میں مجھ تک پہنچ گیا اور میری ران کی ہڈی اور زخم کا معائنہ کیا۔

"کیا تم ٹانگ ہلا سکتے ہو؟" اس نے پوچھا، مارٹر کا ٹکڑا... شاید ابھی اندر ہی ہے۔"

میں نے ٹانگ ہلانے کی کوشش کی، تو درد کی لہریں میرے سارے جسم میں پھیل گئیں اور پسینے کے قطرے میری پیشانی پر.... جھلملانے لگے۔

"نہیں ڈاکٹر.... " میں کراہ رہا تھا۔ "میں نہیں ہلا سکتا!"

اگلے ہی لمحے مارفیا کا انجکشن میرے بازو میں اُتر رہا تھا اور میں سُرخ اور تاریک اندھیروں میں ڈوب رہا تھا۔

مجھے ہوش آیا، تو ابھی اندھیرا ہی تھا۔ کچھ پتہ نہ تھا کہ میں کہاں ہوں اور کتنے گھنٹے بے ہوش رہا ہوں۔

"سیر پی لیں صاحب!" گل بہادر نے مجھے ہوش میں آتے دیکھ کر پانی میرے منہ سے لگایا۔ دن بھر کی گرمی سے پانی تپا ہوا

تھا، لیکن اس وقت وہ مجھے آبِ حیات کی طرح ٹھنڈا اور میٹھا محسوس ہوا۔

"وہیلو، کیسے ہو؟" لیفٹیننٹ آرتھر لسٹ نے میرے قریب آ کر پوچھا۔ اس کی آواز میں میں نے اپنے لئے رحم کا جذبہ محسوس کیا۔

"جاپانی اب اپنے زخم چاٹ رہے ہیں۔" وہ اپنی دُھن میں کہتا چلا گیا۔ "ہم یہاں سے چلنے ہی والے ہیں۔ موونگ مٹ سے مزید کمک پہنچنے سے پہلے ہم پکی سڑک عبور کر لینا چاہتے ہیں۔"

"کیا ہم...... ابھی چل رہے ہیں؟" میں نے "ہم" پر زور دیتے ہوئے کہا۔ میری حالت اس ننھے سے بچے کی سی تھی جسے... بڑے لڑکے کھیل میں شامل نہ کر رہے ہوں، لیکن وہ زبردستی خود کو ان کے منصوبوں میں شامل سمجھتا ہو۔

"ہم...... آدھ گھنٹے تک چلیں گے۔" آرتھر نے بھی "ہم" پر زور دیا اور نظریں مجھ پر گاڑ دیں۔ گل بہادر بھی میری طرف دیکھ رہا تھا۔ دونوں کی آنکھوں میں جس سوچ کی پرچھائیاں ڈول رہی تھیں اس سے میں بخوبی واقف تھا۔

"اٹھنے کی کوشش کرو صاحب!" گل بہادر نے نرم آواز میں کہا۔

میں نے محسوس کیا میری ٹانگ اب تکلیف نہیں دے رہی۔ اس کے گرد پٹی بندھی تھی۔ اور میری ران اور کمر کے گرد روئی کی موٹی سی تہہ چپکا دی گئی تھی۔ گل بہادر میرے پاس آ کر بیٹھ گیا اور میری دوسری ٹانگ دبانے لگا۔

"اگر ذرا سا آرام کرنے کا موقع مل جائے تو یقین ہے کہ میں چنگا بھلا ہو سکتا ہوں۔" میں نے آرتھر سے کہا۔

"ہاں پیارے میں جانتا ہوں، لیکن ہم یہاں شدید خطرے میں گھرے ہیں۔ اگر آج تم ہمارے ساتھ چل سکو تو کل جنگل میں کسی جگہ آرام کر سکتے ہو۔"

میں نے حقیقت کا پامردی سے مقابلہ کرنے کا تہیہ کر لیا۔ آرتھر نے بتایا، ڈاکٹر سٹوکس تو بم کا ٹکڑا میرے جسم سے نکالنا چاہتا تھا لیکن کرنل الیگزنڈر نے کہا "ہمیں ابھی روانہ ہونا ہے۔" آرتھر فقرہ مکمل کرتے ہوئے مجھ سے آنکھیں نہ ملا سکا۔

"گویا کرنل الیگزنڈر نے میری موت کا پروانہ جاری کر دیا تھا۔ دوسرے لفظوں میں مجھے دوسرا پریم سنگھ بننا ہے۔" میں نے زہر خند لہجے میں کہا۔ میرے گرد گل بہادر کی گرفت مضبوط ہو گئی۔ میں آرتھر سے انگریزی میں باتیں کر رہا تھا، لیکن پریم سنگھ کے لفظ اور میرے لہجے سے وہ سب کچھ سمجھ گیا تھا۔ اس نے اپنی گرفت اور مضبوط کرتے ہوئے میری طرف دیکھا، ہم دونوں ایک ہی خوف کے گھیرے میں تھے۔

آرتھر پریشان سا نظر آ رہا تھا۔ جب سے جاپانیوں نے ہم پر پہلا حملہ کیا تھا۔ ہم مسلسل مصروف رہے تھے۔ اور مجھے.... موقع ہی نہ ملا تھا کہ میں آرتھر کو پریم سنگھ کے المیے کے بارے میں بتا سکتا۔ اب میں نے اسے بتایا!

"میں نے حکم دیا تھا۔" آرتھر کی طرف دیکھتے ہوئے میں نے کہا "پریم سنگھ کو پیچھے چھوڑ دیا جائے اور ---- اور اس نے خود کشی کر لی۔" آرتھر کی پیشانی عرق آلود ہو گئی، لیکن اس نے... مسکراتے ہوئے کہا۔

"بہرحال اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ جو کچھ اس کے... ساتھ ہوا وہی تمہارے ساتھ بھی ہو...." الفاظ ابھی اس کے منہ ہی میں تھے کہ کرنل الیگزنڈر اور میجر ڈنلوپ آ پہنچے۔

"اب بہتر ہو نا؟" کرنل نے لاپروائی سے پوچھا۔

"جی جناب!" میں نے چہرے سے مایوسیوں کے بادل دُور کرنے کی کوشش کرتے ہوئے جواب دیا۔ "بس تھوڑی کمزوری باقی ہے۔"

"ڈاکٹر کہہ رہا تھا تمہارا بہت سا خون ضائع ہو گیا ہے۔" کرنل نے اپنی آواز میں ہمدردی پیدا کرتے ہوئے پوچھا۔ "بہرحال اب تم ہو کیسے؟"

وہ خطرہ بالکل سامنے آ گیا تھا۔ میں مایوس ہو گیا۔ میرے زخموں سے ٹیسیں اٹھنے لگیں۔ پریم سنگھ کا سراپا ایک بار پھر میری نظروں کے سامنے ابھرا۔ مجھے سب کچھ یاد آنے لگا۔ خدا حافظ کہتے ہوئے اس نے کس گرمجوشی سے ہاتھ ملایا تھا۔ اس کے چہرے پر مسکراہٹ پھیلی تھی جو ہمت، استقلال اور انجام کا پامردی سے مقابلہ کرنے کی غماز تھی، لیکن میں..... کرنل کا کام آسان نہیں کر سکتا تھا جس طرح پریم سنگھ نے میرا کام آسان کر دیا تھا۔

"تمہارا زخم کاری نہیں ہے۔" کوئی میرے اندر سے بولا۔۔ تمہارا زخم کاری نہیں ہے یہ تو کچھ بھی نہیں، تمہیں کچھ روز آرام کی ضرورت ہے اور بس!"

۔ لیکن میں جانتا تھا کہ یہی چند روز باقی کالم کے لئے اہم ترین ہیں۔ اگر وہ جاپانیوں کی بڑھتی ہوئی قوت سے بچنا چاہتے ہیں، تو انہیں بغیر کسی وقفے کے تیز رفتاری کے ساتھ چلتے ہوئے دریائے شوالی کو پار کرنا ہو گا۔ ایسی حالت میں کالم کسی چلنے سے معذور زخمی کا متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔ میں نے کرنل کی طرف دیکھا اور محسوس کیا۔ وہ اپنے سوال کا جواب مجھ سے زیادہ خود جانتا ہے۔ اس نے اپنا ہاتھ میرے شانے پر رکھ دیا تھا بالکل اسی طرح میں

ـــ پریم سنگھ کے شانے پر ہاتھ رکھا تھا۔ وہی کربناک لمحے ـــ ایک بار پھر آگئے جن سے پریم سنگھ دوچار ہوا تھا۔

"میں جانتا ہوں تم کیا سوچ رہے ہو۔۔۔" کرنل نے کہا۔

"کیا تم چل سکتے ہو؟" کرنل کی آواز نرم اور ہمدردانہ تھی۔

میں نے پوری دلیری کے ساتھ کرنل کی آنکھوں میں جھانکا میں اسے بتانا چاہتا تھا کہ میں چل سکتا ہوں ـــ نہ بھی چل سکا، تو۔۔۔ دوسرے میری مدد کریں گے ـــ لیکن وہاں رحم و فہم اور ان کے پس منظر میں ہلکورے لیتی ہوئی ہلکی ہلکی بیزاری کے سوا کچھ نہ تھا۔ میں نے نظریں جھکالیں۔ اس کا کوئی فائدہ نہ تھا۔ میں دھوکا نہیں دے سکتا تھا۔

"نہیں۔۔۔ جناب" میں نے اٹک اٹک کر کہا۔ پریم سنگھ کی خاموش مسکراہٹ ایک بار پھر میرے سامنے تھی۔ یہ مسکراہٹ میری ہمت بڑھا رہی تھی۔

"لڑکے"، "ہم تمہیں سڑک تک لے جائیں گے"۔ کرنل نے نرمی سے کہا "اگر تم اپنی مدد کروگے، تو تمہارے بچنے کے بہت۔۔۔ امکانات ہیں"، اس نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر آہستہ سے دبایا اور میری ہمت بندھاتے ہوئے کہا، "گڈبائی اینڈ گڈلک"

"گڈلک پیارے" میجر ڈنلوپ نے بھی تیزی سے کہا۔

"آپ سب کے لئے بھی نیک خواہشات جناب!" میں نے جواب دیا۔ وہ دونوں مڑے اور جنگل کی وسعت میں غائب ہوگئے۔

اور یوں میری موت کا پروانہ جاری ہوگیا اور مجھے چھوڑنے کا فیصلہ ہوگیا۔ میرا انجام میرے سامنے تھا۔ میرے دل میں کسی قسم کا کوئی خوف نہ رہا تھا۔ میرے ذہن سے دباؤ اور الجھاؤ ختم ہوگیا۔ جو کچھ پیش آنے والا تھا وہ نہ میرے ہاتھ میں تھا نہ کرنل کے۔ اب سب کچھ خدا کے ہاتھ میں تھا۔ جونہی جاپانی ادھر سے گزریں گے میں اپنے آپ کو ان کے حوالے کردوں گا۔ میں نے فیصلہ کرلیا۔ ان کے قیدیوں کو۔۔۔ قتل کرنے کے بڑے قصے مشہور تھے، مگر یقیناً یہ قصے ہی ہوں گے۔ وہ اذیت ضرور دیتے ہوں گے؛ لیکن موت بہرحال قیدیوں کا مقدر نہ ہوتی ہوگی۔

آرتھر اور گل بہادر نے مجھے اسٹریچر پر ڈال کر اپنے ساتھ لے جانے کی پیشکش کی۔ لیکن میں جانتا تھا کہ ان اونچی نیچی گھاٹیوں میں یہ ناممکن ہے۔ پھر کرنل کا حکم بالکل واضح تھا۔

"انہوں نے مجھے اپنے کندھوں پر اٹھایا اور سڑک تک لے آئے۔ آہستہ آہستہ باقی کالم ہمارے پاس سے گزرتا رہا۔ ایک ایک کرکے وہ نظروں سے اوجھل ہوتے جارہے تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جن کے دوش بدوش میں لڑا تھا، جن کے ساتھ میں نے قہقہے لگائے تھے۔ اور ان کے ماضی، حال اور مستقبل کے بارے میں باتیں کی تھیں اور اب صرف ماضی تھا یا حال۔ مستقبل دھندلا گیا تھا۔

آرتھر اور گل بہادر نے سڑک عبور کی اور میرا زخمی وجود سڑک کے ساتھ ڈھلوان میں درخت کے ساتھ لٹکا دیا۔ "یہاں اس گمنام جگہ پر، اسی درخت کے ساتھ ٹیک لگائے میری زندگی ختم ہوجائے گی۔۔۔ اسی ویران جگہ پر۔۔۔"، میں نے سوچا۔

ہم تینوں چپ چاپ کھڑے تھے۔ کالم کا آخری سرا اب۔۔۔ درختوں اور جھاڑیوں کی اوٹ میں جا رہا تھا، پھر آخری فوجی بھی نظروں سے اوجھل ہوگیا۔ ہم تینوں تنہا رہ گئے تھے۔ آرتھر نے میری پانی کی بوتل دیکھی۔ وہ لبالب تھی۔ میں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ وہ لمحے میرے لئے ناقابلِ برداشت تھے۔ اور اگر وہ مزید ٹھہرتے، تو میں کسی ننھے بچے کی طرح رونے لگ جاتا۔

"اب جنگ کے بعد ملاقات ہوگی"، میں نے شوخ لہجے میں کہا۔

"گڈلک آمین" آرتھر نے میرا ہاتھ دبایا۔ تیزی سے مڑا اور۔۔ چلا گیا۔ گل بہادر ابھی تک وہیں تھا اور میری اردگرد کی جگہ صاف کر رہا تھا۔ "شکریہ گل بہادر" میں نے کہا "اتنی جگہ کافی ہے"

"نہیں صاب! یہ جگہ ایک آدمی کے لئے کافی ہوسکتی ہے دو کے لئے نہیں"

ایک لمحے کے لئے میں ہکا بکا رہ گیا۔ اور حیران حیران اس کی طرف دیکھتا رہا۔

"صاب! میں آپ کے ساتھ رہوں گا" اس نے کہا۔

اس کی وفاداری سے میں بہت متاثر ہوا۔ میرا وجود تشکر کے جذبات سے بھر گیا اور نیم رضامند ہوگیا۔ لیکن "گل بہادر" میں نے کہا "اس سے کیا ہوگا۔ میں چل نہیں سکتا اور ہم پکڑے جائیں گے۔ پھر بھی تو ہمیں علیحدہ علیحدہ ہونا پڑے گا۔ تمہیں کسی اور کیمپ میں اور مجھے کسی اور میں جانا ہوگا۔ تم چلے جاؤ، یہ میری خواہش ہے" میں ہچکچایا "اور یہ میرا حکم ہے" میں نے کہا۔

گل بہادر اپنا نچلا ہونٹ کاٹنے لگا، پھر ڈسپلن اس پر غالب آگیا اس نے اپنا ہاتھ میری طرف بڑھا دیا۔ ہم بڑے جوش سے مصافحہ کررہے تھے۔

"خدا حافظ جناب!" گل بہادر نے کہا "ہم دوبارہ ملیں گے، مجھے پتہ ہے ہم ملیں گے" پھر وہ مڑا اور پتوں کی چرچراہٹ بلند ہوئی ـــ وہ بھی جاچکا تھا۔

میں تنہا رہ گیا اور ژولیدہ خیالی کا شکار ہوگیا۔ کرنل کی آ

نہیں کرنا چاہیئے تھا۔ میں نے سوچا۔ میں کالم کے آخر میں تھا بہادر اور آر سفر کے اسٹریچر پر رہتا تو کیا ہو جاتا؟" جنگل کی عمیق تاریکی اور تنہائی میں ڈر اور خوف نے مجھے گھیر لیا۔ میں بخار میں پھنک رہا تھا۔ مجھ پر کپکپی طاری تھی۔ خون میرے زخم سے رس رہا تھا۔ مجھے یوں لگا کہ میں سمندر کی ہزاروں فٹ گہرائی میں ڈوب رہا ہوں۔۔۔ میرے چاروں طرف خاموشی تھی۔ بس کبھی کبھار کسی جانور کی ہیبت آواز سناٹا چیرتی ہوئی مجھ تک آپہنچتی، ورنہ ہر طرف سناٹے کی۔۔۔ حکمرانی تھی۔ میرے سامنے کوئی راستہ نہ تھا، مجھے وہیں بیٹھ کر۔ جاپانیوں کا انتظار کرنا تھا۔

آنے والے لمحات کے بارے میں بے سروپا باتیں سوچتے سوچتے مجھے نیند آگئی۔

پو پھٹنے سے ذرا پہلے میری نیند کسی شور سے ٹوٹی۔ میں۔ ایک دم اٹھ بیٹھا۔ میرا رواں رواں خوف کی لپیٹ میں آگیا۔ وہ شور کیسا تھا؟ میں کچھ طے نہ کر سکا۔ ہر طرف خاموشی اور سناٹا تھا۔ کوئی پرندہ تک نہ بول رہا تھا۔ پھر وہ شور دوبارہ اُبھرا۔ یوں جیسے دور کوئی موٹر چلی آتی ہو۔ میں اپنی جسمانی تکلیف کو بھول گیا اور رینگتے رینگتے کھڈ کے سرے تک آگیا۔ نیچے مونگ مٹ چھاؤنی سے آنے والی سڑک تھی۔ میں نے محض عادتاً اپنی ٹامی گن اٹھالی اور تاریکی میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگا۔ وہ بہت سے ٹرک تھے، ہر لحظہ قریب آرہے تھے۔ میری گرفت ٹامی گن پر اور مضبوط ہو گئی۔

پہلا ٹرک میرے پاس سے گزر گیا۔ پھر دوسرا اور تیسرا۔۔ ٹرک یکے بعد دیگرے زناٹے سے گزر گئے۔ میری جان میں جان آئی۔

"میں خوش قسمت ہوں۔" میں نے سوچا، لیکن چوتھا ٹرک عین اس جگہ آکر رک گیا جہاں میں چھپا ہوا تھا۔ اس پر سوار دس جاپانی سپاہی میری گن کی زد میں تھے۔ مجھے صرف ٹریگر دبانا تھا۔

میرے دماغ نے سگنل دیا کہ ٹریگر دبا دیا جائے۔ میرے ہونٹ سکڑ گئے۔ اور سانس اٹک گئی۔ ایک آدھ لمحے میں شعلہ۔۔۔ اگلتی گولیوں کی صورت میں جاپانیوں کی موت ان کی جانب لپکنے والی تھی۔ بس دو تین برسٹ انہیں ابدی نیند سلا سکتے تھے۔

"لیکن۔ لیکن اگر میں انہیں پہلے میگزین میں ختم نہ کر سکا تو؟"

سورج کا ایک کوندا لپکا۔ بچ رہنے والے جاپانی، درختوں میں چھپ کر مجھے ڈھونڈ نکالیں گے۔ اور پھر وحشیانہ اذیتیں دے دے کر ماریں گے۔ پہلے میرے ہاتھ کاٹیں گے، پھر میرے چہرے کو ناک سے محروم کر دیں گے۔ اور پھر آنکھیں۔۔۔۔۔ میں نے ٹریگر سے انگلی ہٹالی۔

وہ دو حصوں میں بٹ گئے۔ ایک دستہ میری طرف بڑھا۔ دوسرا سڑک کی پرلی طرف چلا گیا۔ وہ سڑک پر نشانات دیکھ رہے تھے۔ ایک جاپانی نے چلا کر دوسرے ساتھیوں کو متوجہ کیا۔ اس نے کوئی چیز تلاش کر لی تھی اور اب باقی ساتھیوں کو ہاتھ کے اشارے سے بتا رہا تھا۔ وہ سب مجھ سے ذرا ہی دور کھڑے تھے۔ شاید قدموں کے نشان تھے۔ جو میری طرف بھی آسکتے۔۔ تھے۔ میری پیشانی پسینے سے تر ہو گئی۔ اور ہونٹ خشک۔ میرا سانس رک گیا۔ موت چند لمحوں کے فاصلے پر کھڑی تھی۔

پو پھٹنے والی تھی اور ملگجا اجالا پھیل چکا تھا۔ جاپانی افسر۔ آہستہ آہستہ چلتا ہوا میرے اس قدر قریب آچکا تھا کہ میں اس کی۔ سانس کی آواز بھی سن سکتا تھا۔ اس نے ریوالور الٹے ہاتھ میں پکڑ لیا۔ اور سیدھے ہاتھ میں سنگین تھام لی۔ لمحہ لمحہ اذیت ناک تھا۔

تھوڑے فاصلے پر پہنچ کر جاپانی افسر رکا اور اپنے دونوں ساتھیوں کو آواز دی۔ یقیناً اس نے مجھے دیکھ لیا تھا۔ اور اب اطمینان سے اپنے ساتھیوں کو بلا رہا تھا۔ اور پھر میری۔۔۔ نظروں کے سامنے ہاتھ پاؤں کٹنے کا ہولناک منظر پھر گیا۔ لیکن ۔۔۔۔ لیکن یہ کیا؟ وہ زمین پر جھک گئے۔ اور پھر۔۔۔۔ معجزہ ہی ہوا وہ دوسری طرف ہو لیے۔۔۔ زمین پر نشانات دیکھتے ہوئے وہ مجھ سے دور ہوتے چلے گئے اور پھر ان نشانات تک پہنچ گئے۔ جو میرے دستے نے دریائے شوالی کی طرف مارچ کرتے ہوئے چھوڑے تھے۔ خوشی سے ان کے چہرے کھل اٹھے اور ان کا ٹرک انہیں لیئے تیزی سے مونگ مٹ کی طرف مڑ گیا۔ وہ جلد از جلد چھاؤنی میں اطلاع کرنا چاہتے تھے کہ ایک برطانوی دستہ سڑک عبور کر کے۔۔۔ دریائے شوالی کی طرف جا رہا ہے۔

سورج اب طلوع ہو چکا تھا۔ موت سر پر آکر ٹل گئی تھی۔ یقیناً یہ غیبی اشارہ تھا۔ قدرت میری معاون و مددگار تھی۔ پریم سنگھ کی تو ٹانگ ٹوٹ ہی گئی تھی، لیکن میرا تو صرف کولہا زخمی ہوا تھا۔ میں چل سکتا تھا۔ "مجھے چلنا چاہیئے۔" میں نے سوچا۔ "میں چلوں گا خواہ کتنی ہی تکلیف کیوں نہ ہو۔" میں نے فیصلہ کر لیا۔ اگر میں ایک میل روزانہ چلوں، تو تین ماہ میں چین پہنچ سکتا ہوں، صرف تین مہینے! مجھے کچھ اندازہ نہ تھا ان تین۔۔۔ مہینوں میں کھاؤں گا کیا؟ اور کیسے زندہ رہوں گا۔ بس ایک۔۔۔

...یم سی اُمید تھی کہ شان پہاڑوں کے قبائل میری مدد کریں گے۔ مجھے کھانے پینے اور آرام کرنے کی سہولت دیں گے۔ پھر مناسب وقت پر میں وہاں سے چین کی طرف نکل جاؤں گا اور وہاں سے وطن روانہ ہونا تو بہت آسان بات تھی آخر چینی ہمارے دوست تھے۔

خطرہ صرف یہ تھا کہ کسی دن کسی پہاڑ کی اوٹ سے نکلتے ہی میرے سامنے جاپانی دستے نہ آ جائیں، لیکن دوسرا کوئی راستہ بھی تو نہ تھا۔ لہٰذا یہ خطرہ مول لینا ہی تھا۔ میں نے اپنا سامان... کھول دیا اور صرف انتہائی ضروری اشیا پیک کر لیں تاکہ بوجھ کم سے کم ہو جائے۔ پانی کی بوتل، قطب نما، چاقو، پستول اور گولیاں بیگ میں ڈالیں۔ لیٹے لیٹے ہاتھ بڑھا کر ایک مضبوط بانس کا ٹکڑا کاٹا اور اسے چھرے سے چھیل کر اس پر پیراشوٹ کا کپڑا چڑھا دیا۔ یہ میری بیساکھی تھی۔ بسکٹوں کے دو ڈبے میں نے اپنی اپنی بیلٹ میں باندھ لیے خمیدہ چھرا، گرنیڈ، ٹامی گن اور دوسرا سامان وہیں رہنے دیا۔

پھر زخمی ٹانگ پر بوجھ ڈالے بغیر ہاتھ زمین پر رکھ کر اُٹھنے کی کوشش کی۔ درد کی لہریں میرے جسم میں پھیل گئیں۔ پیٹھ کا زخم... سخت تکلیف دے رہا تھا۔ میں کراہ ضبط نہ کر سکا۔ ذرا سا اُٹھا اور پھر گر گیا۔ اور درد سے چیخنے لگا۔ میں کسی چیز کا سہارا لیے بغیر اٹھنے سے قاصر تھا۔ زخم سے گرم گرم خون رسنے لگا۔ میں مایوسی اور بے بسی کے عالم میں آنکھوں میں آنسو لیے لیٹ گیا۔

درد تھما، تو میں نے پائپ سلگا لیا۔ آہستہ آہستہ کش لگاتے ہوئے میں سوچتا رہا۔ بے معنی اور بے سروپا سوچیں! پھر پائپ بجھ گیا۔ میری ہمت آپ ہی آپ عود کر آئی تھی اور میرے ذہن سے مایوسی کا کہر چھٹ گیا تھا۔ میں نے ایک بار پھر کوشش کرنے کا ارادہ کیا۔ لیکن پہلے پائپ سے لطف اندوز ہونے کے لئے جیب میں سے ماچس نکالی۔ تو میرا ہاتھ کسی کاغذ کے ٹکڑے سے ٹکرایا....

مجھے یاد آ گیا یہ کاغذ میری ماں نے اپنے خط کے ساتھ بھیجا تھا۔ اس پر لوئس ہاسکن کا وہ مقولہ درج تھا جو کنگ جارج ہشتم نے پہلی جنگ عظیم کے دوران کرسمس کے موقع پر قوم کے نام پیغام میں پڑھا تھا۔

میں نے نئے سال کے دروازے پر کھڑے آدمی سے کہا، "مجھے وہ شمع دو جس کی مدد سے میں گمنام راہوں پر حفاظت سے چل سکوں۔" اس نے جواب دیا، "تاریکی میں چلتے چلو اور اپنا ہاتھ خدا کے ہاتھ میں دے دو۔ یہ تمہارے لئے ہر روشنی سے بہتر اور ہر معلوم راستے سے محفوظ ہو گا۔" میں نے اس مقولے کو دوبارہ پڑھا اور کاغذ احتیاط سے اپنی جیب میں رکھ لیا۔ مجھے اپنے اندر ایک واضح تبدیلی محسوس ہوئی۔ ہمت اور عزم، طاقت اور استقلال! کیا ہوا جو میرے سامنے معلوم راستہ نہیں؟ کیا ہوا جو میرے ساتھی مجھے برما کے جنگلوں میں جاپانیوں کے رحم و کرم پر چھوڑ گئے ہیں۔ میں اپنا ہاتھ خدا کے ہاتھ میں دے دوں گا۔ میں راستوں سے... ناواقف ہونے کے باوجود مطمئن سا ہو گیا۔ میں نے بانس.. کے ٹکڑے کا سہارا لے کر دوبارہ اپنا وجود اوپر اٹھانا شروع کیا آہستہ آہستہ دھیمے دھیمے۔ درد بڑھتا گیا۔ میرا جسم ابھی آدھا زمین پر ہی تھا کہ میں پھر گر گیا اور درد سے کراہنے لگا۔ دیر تک میں لیٹا رہا لیکن میرا ارادہ کمزور نہ ہوا تھا۔

میں نے ارد گرد دیکھا۔ ذرا فاصلے پر ایک گڑھا سا تھا۔ ایک خیال بجلی کی طرح میرے ذہن میں لہرایا اور میں رینگتے رینگتے اس کے کنارے تک پہنچ گیا اور پھر بانس کو گڑھے میں اتار دیا۔ بانس کے سہارے میں نے اپنے پاؤں ایک ایک کر کے گڑھے میں اُتار دیئے اور آہستہ آہستہ خود کو نیچے گرانے لگا۔ میرے پاؤں زمین پر لگے، تو میں کھڑا تھا، بانس کے سہارے! اور میری زخمی ٹانگ زمین سے ذرا اونچی لٹک رہی تھی۔ میں کھڑا ہو گیا تھا۔ میرے سامنے ایک لمبی ڈھلوان تھی۔

"اے چین۔ میں آ رہا ہوں" میں خوشی سے چلایا۔

میں جنگل کے تاریک حصے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ میرے چاروں طرف دشمن ہی دشمن تھے۔ جاپانیوں کے علاوہ جنگل اور جنگل کا ہر رخ میرا دشمن تھا، پھر باغی قبائل کا خوف تھا۔ لیکن میں قدم قدم چلتا رہا۔ مجھے خبر تھی ایک بار بیٹھ جانے کے بعد میں کبھی نہ اُٹھ سکوں گا۔ خاردار راستوں اونچے نیچے نوکیلے پتھروں سے اٹے اس راستے پر چلتے ہوئے بار بار میں اُلجھتا اور میرے زخم سے ٹیسیں اُٹھنے لگتیں۔ اس طرح میں نے تین میل کا فاصلہ طے کر لیا۔ اب میرے سامنے میرے ساتھیوں کے قدموں اور... جاپانیوں کے بوٹوں کے نشانات تھے۔ یہاں سے راستہ دائیں بائیں مڑتا تھا۔ قدموں کے نشان دائیں طرف جا رہے تھے۔ میں نے بائیں طرف کا راستہ پسند کیا اور تھوڑی ہی دیر بعد میں درختوں سے گھرے ایک ہموار راستے پر کھڑا تھا۔ میں نے رات وہیں گزارنے کا فیصلہ کیا۔ میرے قریب ہی ایک چشمہ اُبل رہا تھا۔ میں نے چند بسکٹ کھائے، پانی پیا۔ اور مہربان نیند نے مجھے ہر فکر سے آزاد کر دیا۔

میری آنکھیں کسی کھٹکے سے کھلی تھی۔ میں نے ریوالور تھام لیا اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے کے باوجود کچھ...

تاریکی، خاموشی اور ہوا کے سوا کچھ نہ تھا۔ چند لمحے بعد پھر وہی آواز ابھری۔ وہ یقیناً قدموں کی چاپ تھی۔ "شاید جاپانی آپہنچے" میں نے سوچا۔ میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے اور میں پسینے میں شرابور ہو گیا۔ میں نے ریوالور کا گھوڑا چڑھایا "کلک" کی آواز سے خاموشی ٹوٹ گئی۔ اسی لمحے چاند بادلوں کی اوٹ سے نکل آیا۔ اور ہر چیز جیسے روشنی میں چمکنے لگی۔ میرے سامنے ایک ہراساں خرگوش کھڑا تھا۔۔۔۔ دوسرے ہی لمحے وہ قلانچیں بھرتا غائب ہوگیا۔ موت کا فوری خطرہ ٹل گیا تھا۔ میں نڈھال ہوکر گر گیا۔ اور ایک بار پھر گہری نیند سو گیا رات کے پچھلے پہر میں جاگ اٹھا۔ سردی سے کپکپاہٹ طاری تھی۔

ان جنگلوں میں دن خواہ کتنا ہی گرم ہو، رات ہمیشہ سرد ہوتی ہے۔ مجھے خیال آیا دن کے بجائے رات کو سفر کرنا چاہیئے۔ اس طرح ایک تو جنگل کی سردی سے محفوظ رہوں گا۔ دوسرے جاپانیوں سے مڈبھیڑ کا خطرہ کم ہو جائے گا۔ میں نے کمبل لپیٹا اور اپنا سفر شروع کر دیا۔ نیلے آسمان پر تارے چمک رہے تھے۔ دور سیاہ چوٹیاں آسمان سے گلے مل رہی تھیں۔ یہ نیپال کے پہاڑ تھے۔ جوں جوں آگے بڑھتا گیا۔ فطرت کی رنگینیاں زیادہ پُرکیف اور حسین ہوتی چلی گئیں۔ درد میں کمی آگئی تھی یا میرا دھیان دوسری طرف لگ گیا تھا۔

اور جب سورج طلوع ہوا، تو میں تھک کر چُور ہو رہا تھا۔ اِدھر اُدھر دیکھا تاکہ بیٹھنے کے لئے کوئی محفوظ جگہ مل جائے، لیکن ہر طرف ایک سے خطرے تھے۔ میں نے ہمت کی چند قدم چلا موڑ مڑتے ہی ایک ڈھلوان تھی۔ میں اس کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔

اٹھتی ہوئی درد کی لہریں سارے جسم میں پھیل رہی تھیں اور پھر وقفہ دُور دھبے سے نمودار ہوئے میرے بکھرے ہوئے حواس جیسے چونک کر مجتمع ہونے لگے۔ میں نے ریوالور نکالا اور ہوا میں اندھادھند گولیاں چلانے لگا۔ گولیوں کا شور۔ آخری آواز تھی۔ جو میں نے سُنی۔ پھر میرے چاروں طرف خاموشی اور تاریکی پھیل گئی۔

ہوش آیا، تو ایک زمین دوز کوٹھڑی میں پڑا تھا۔ جسم پر لباس کا نام تک نہ تھا۔ بس لاش کی طرح ایک کمبل میں لپیٹ دیا گیا تھا۔ درد کا نام و نشان نہ تھا۔ "کیا میں مر چکا ہوں۔ اور یہ کوئی دوسری دنیا ہے"

میں نے سوچا۔ سرہانے تانبے کے ایک جگ میں پانی رکھا تھا۔ میں غٹاغٹ پی گیا۔ جگ رکھنے کے لئے کروٹ لی" تو میری نظر زرد کپڑوں میں ملبوس ایک شخص سے ٹکرائی۔ اس نے سر سے پیروں تک دھاریوں والا لباس پہن رکھا تھا۔ یقیناً وہ بالائی شان قبیلوں کا بدھ پروہت تھا۔ شاید میں گرفتار ہو چکا تھا اور یہ شخص میری حفاظت پر مامور تھا۔ اس نے مجھے سر سے پاؤں تک کھا جانے والی نظروں سے دیکھا۔ میں نے اِرد گرد کا جائزہ لیا۔ کوئی بارہ فٹ لمبی چھ فٹ چوڑی اور تیس فٹ اونچی کوٹھڑی تھی۔ جس میں میں قید تھا۔ چھت تاریکی میں صاف.. نظر نہیں آرہی تھی۔ دروازے کے پٹ ساگوان کے تھے۔ دیواریں پتھریلی چٹان کی بنی ہوئی تھیں۔ فرار کا کوئی راستہ نہ تھا۔ بے بسی اور مایوسی کے عالم میں لیٹ گیا۔ کوٹھڑی کے باہر کوئی شخص پہرہ دے رہا تھا۔ مجھے اس کی ٹانگیں نظر آرہی تھیں۔ اس نے پنڈلیوں پر پٹی باندھ رکھی تھی۔ بالکل اس طرح جیسے جاپانی... باندھتے ہیں۔ بدھ پروہت نے میری طرف دیکھا۔ ہونٹوں پر انگلی رکھی اور ششش کیا اور باہر نکل گیا۔

میری پیٹھ پر بھی۔ پٹی بندھی تھی۔ میں کھاٹ سے نیچے اترنے لگا اور اپنی زخمی ٹانگ پر ہلکا سا دباؤ ڈالا۔ درد کی ایک معمولی سی لہر میری پشت میں ابھری۔ میں نے ایک قدم آگے... بڑھایا اور خوشی سے دیوانہ ہوگیا۔

میں پھر سے دونوں ٹانگوں پر چل سکنے کے قابل ہو چکا تھا۔ میں دوبارہ بستر پر لیٹا ہی تھا کہ دروازہ کھلا اور بدھ پروہت اندر آیا اس کے پیچھے سفید لباس پہنے ایک پست قامت شخص تھا۔ اور اس کے ساتھ بدھ پروہت کے لباس میں ایک دراز قد آدمی!

کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا۔ کہ میں کہاں ہوں اور یہ کون لوگ ہیں؟ دراز قامت شخص نے مجھ سے کچھ کہا۔ میں اس کی زبان نہ سمجھ سکا۔ "میں سردار ہوں" اب اس نے نیپالی زبان میں کہا۔

"میں سردار ہوں" اس نے دہرایا" مجھے آپ کی آمد سے مسرت ہوئی ہے جناب، مجھے خوشی ہے کہ آپ کا بخار اتر گیا ہے۔ اب آپ کو بھوک محسوس ہو رہی ہوگی"

میرا چہرہ خوشی سے چمک اٹھا۔ میں اس سے لپٹ گیا۔ میں دوستوں کی پناہ میں تھا۔ مایوسی کے جالے ٹوٹ گئے اور اندھیرے چھٹنے لگے۔

"شکریہ سردار! میں نے کہا۔ پلیز یہاں بیٹھو" میں نے کھاٹ کی طرف اشارہ کیا۔

وہ چپ چاپ بیٹھ گیا۔ ایک پست قد شخص خوان لے آیا اور میں نے یوں کھانا شروع کیا۔ جیسے پھر کبھی کھانے کو کچھ نہ ملے گا۔ اس دوران میں سردار نے مجھے بتایا کہ وہ کس طرح

...یا کی آواز سن کر میرے پاس پہنچے اور مجھے بے ہوشی کے عالم میں یہاں اٹھا لائے۔ یہ لوگ شان قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔ اور انہوں نے جاپانی بوٹ پہن رکھے تھے۔

انہوں نے میری مرہم پٹی کی اور پھر گاؤں میں لے گئے۔ سارا گاؤں میرے استقبال کو اُمڈ آیا۔ گاؤں کا خوشگوار ماحول بڑا پرسکون تھا۔ ہم چلتے چلتے سردار کے گھر آ گئے۔ بدھ پروہت نے سیڑھیاں چڑھنے میں میری مدد کی۔ سردار نے مجھے چند تمغے دکھائے اور کہا: میں برما اور آسام ملٹری پولیس میں تھا۔ ۱۹۱۵ء میں چوتھی برما رائفلز کی طرف سے گیلی پولی کی جنگ میں حصہ لیا۔ پھر ہمیں ہندوستان میں شمال مغربی سرحدی صوبے میں بھیجا گیا۔ وہاں ایک افغان قلعے پر حملے کے دوران زخمی ہو گیا۔ اور ۱۹۲۱ء میں فوج سے ریٹائر ہوا۔"

میں نے اسے بتایا کہ میرا والد بھی اسی محاذ پر تھا۔ اور وہ بھی زخمی ہو گیا تھا۔ اس سے ہم دونوں میں مزید قربت پیدا ہو گئی۔

کتنے ہی دن بیت گئے، سردار نے گاؤں کے گرد اپنے جوان متعین کر دیئے تھے۔ تاکہ جاپانیوں کی آمد سے ہم باخبر رہیں۔ رات کو میں اپنی کوٹھڑی میں جا سوتا۔ انہی دنوں میں نے سردار کو اپنے فوج میں بھرتی ہونے سے لے کر ان پہاڑوں تک زخمی حالت میں پہنچنے کی کہانی سنائی۔

میں سردار کے پاس بیٹھا باتیں کرتا رہتا اور سردار کے جاسوس ہمیں پل پل کی خبریں دیتے۔ ہمیں پتہ چلا کہ بہت سے برطانوی فوجی اطراف میں بکھرے ہوئے ہیں۔ اور دریا عبور کر کے چین کی طرف نکلنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اور جاپانیوں نے انہیں چاروں طرف سے گھیر رکھا ہے۔" پھر ایک دن ایک قاصد آیا، اور ہانپتے ہوئے بولا۔ . . . " جاپانی آ رہے ہیں آپ کے بہت سے ساتھی مارے گئے ہیں۔ وہ دریا عبور نہیں کر سکے۔ بچے کھچے لوگ جنوب کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ جاپانی مزید کمک کے بعد ان کا پیچھا کرنے والے ہیں۔ ان کا منصوبہ یہ ہے کہ وہ اس گاؤں میں ٹھہر کر تیاری کریں گے۔"

میں سوچ میں پڑ گیا۔ تھوڑی دیر بعد سر اٹھایا اور سردار سے کہا: جاپانیوں کے آنے سے پہلے ہی میں یہاں سے نکل جانا چاہتا ہوں۔"

میرے خیال میں جاپانی دن ڈھلنے سے پہلے یہاں نہیں پہنچ سکتے تھے۔ اس وقت تک میں بہت دور نکل جاتا۔ کالم ایک کے بچے کھچے فوجی اب یقیناً مغرب کی طرف ہٹ رہے ہوں گے۔ اور ذرا سی کوشش میں انہیں جا لوں گا۔ اب وہ مجھے پیچھے نہیں چھوڑ سکتے تھے۔ میں انہی کی طرح چل پھر سکتا تھا۔ ہم مغرب کی طرف سفر کریں گے۔ اور تین سو میل کا فاصلہ طے کر کے ہندوستان پہنچ جائیں گے۔ لیکن یہ تین سو میل کس قدر کٹھن تھے۔! راہ میں مصائب کے پہاڑ حائل تھے۔ دریا ہے، ناہموار، خاردار جنگل، گرمی، جاپانی اور کیڑے مکوڑے! کیا کیا رکاوٹیں نہ تھیں، لیکن ایک بار اگر دریائے چنڈون تک پہنچ گئے، تو پھر کوئی خطرہ نہ تھا۔

" دریائے چنڈون کے نو مین لینڈ تک پہنچنے کی دیر ہے۔ پھر یہ پہاڑوں سے آراستہ زندگی میری ہو گی۔" میں نے اونچی آواز میں کہا۔"

" لیکن صاب! سردار نے کہا۔" آپ کی ٹانگ!" اس نے میرے کولہے سے بندھی پٹی کو ہاتھ لگاتے ہوئے کہا۔" اگرچہ اب یہ بہتر ہے۔ لیکن آپ ٹھیک طرح سے نہیں چل سکتے، ہمارے ساتھ ہی کیوں نہیں رہ جاتے۔ ہم آپ کو آسانی سے چھپا سکتے ہیں۔ پورا گاؤں آپ کی حفاظت کرے گا۔"

میرے سامنے پہاڑ سا سفر آ کھڑا ہوا۔ مصائب کا کارواں میری نظروں کے سامنے پھر گیا۔ لمحے بھر کے لیے میرا حوصلہ ڈگمگایا، لیکن پھر جلدی ہی سنبھل گیا۔ مجھے ہر حال میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل کر دوبارہ جنگ میں حصہ لینا تھا۔

" شکریہ سردار۔" میں نے آہستگی سے کہا۔" مجھے جانا ہی ہے"۔ میری آواز میں ارتعاش تھا۔

میں نے سامان باندھا۔ سردار نے کھانے پینے کی چیزیں میرے تھیلے میں بھر دیں، ایک گائیڈ بھی میرے ساتھ کر دیا۔ تاکہ مجھے راہ پر لگا آئے۔

ابتدائی چند گھنٹے ہم مسلسل چلتے رہے۔ ہم جلد از جلد اتنی دور پہنچ جانا چاہتے تھے۔ کہ جاپانی ہمیں نہ پا سکیں۔ مجھے چلتے ہوئے کوئی خاص دقت پیش نہ آ رہی تھی۔ گھنے جنگل کو پار کر کے ہم سڑک پر پہنچے، تو سورج پہاڑوں کے پیچھے چھپ چکا تھا۔ ٹھیک اسی مقام پر میرے ساتھیوں نے مجھے چھوڑا تھا۔ میں نے گائیڈ سے کہا ذرا ٹھہرو۔

میں یہاں کچھ سامان چھوڑ گیا تھا۔ شاید مل جائے؛ یہ کہہ کر میں کھڈ کی طرف بڑھا۔ سب چیزیں ویسی کی ویسی پڑی تھیں۔ میں خوش ہو گیا جانے کیوں اکاچن (گائیڈ) نے انہیں بیگ میں ڈالا اور ٹامی گن اپنے کندھوں پر رکھ لی۔ اب ہم اسی ڈھلوان کی طرف بڑھے جہاں سے گل بہادر اور آہ سفر نے مجھے زخمی ہونے کے بعد اٹھایا تھا۔ ہم نے رات وہیں بسر کرنے کا فیصلہ کیا۔

جنگ کی ہولناک یادوں کے باوجود میں سکون سے سویا رہا۔ میں محسوس کر رہا تھا، کوئی عظیم پُراسرار قوت میری حفاظت کر رہی ہے۔ صبح ہوتے سے پہلے ہی ہم دوبارہ روانہ ہو گئے۔

دوپہر کے وقت، ہم پھر گھنے جنگل میں تھے۔ کاچن نے آگ جلا کر کھانا تیار کیا۔ میں نے ٹامی گن صاف کی اور کاچن کو اس کا طریقہ استعمال سمجھایا۔ اس کی آنکھیں شوق اور خوشی سے چمک اٹھیں اور جب میں نے اسے بتایا کہ بڑے تھیلے کا سلا سامان اور یہ گن اب اس کی ہے، تو وہ از حد ممنون ہوا۔

غروب آفتاب کے بعد ہم پھر چل کھڑے ہوئے۔ اب جنگل بہت گھنا ہو گیا تھا۔ کاچن میرے آگے آگے تھا۔ جنگل میں کچھ نظر نہ آتا تھا۔ ہر طرف اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ میں اندھوں کی طرح اس کے پیچھے پیچھے جھاڑیوں سے اُلجھتا، ٹھوکریں کھاتا چلتا رہا۔ پھر چاند نکل آیا۔ اور کچھ کچھ دکھائی دینے لگا۔ ہم رات گئے تک چلتے رہے اور تھک کر نڈھال ہو گئے۔ رات کے پچھلے پہر یوں کھلے جنگل میں سونا خطرناک تھا۔ ہم نے باری باری سونے کا فیصلہ کیا۔ جنگلی جانوروں کی خوفناک آوازیں وقفے وقفے سے ہمیں ڈراتی رہیں۔ پھر سب سے بڑا خطرہ جاپانی تھے۔ جو کسی وقت بھی آ سکتے تھے، لیکن رات خیریت سے گزر گئی۔

اگلی صبح سورج طلوع ہوتے ہی ہم نے سفر شروع کر دیا۔ اب جنگل کم گھنا تھا۔ ایک چڑھائی چڑھنے کے بعد ہمارے سامنے پتیلا میدان آ گیا۔ جس میں چاقو کی طرح تیز دھار والی گھاس تھی۔ ہمارے سفر کا یہ مشکل ترین مرحلہ تھا۔ کچھ دیر سستانے کے بعد ہم آگے بڑھے کاچن کو پورا یقین تھا، کہ اس راہ پر چلتے ہوئے ہم جلد ہی باقی ساتھیوں تک پہنچ جائیں گے۔ گھاس دور دور تک پھیلی ہوئی تھی۔ سہ پہر کے قریب ہم دوبارہ روانہ ہوئے، تو میرے گائیڈ نے شمال کی طرف ایک نیا راستہ دریافت کر لیا۔ اب ہم اس طرح چل رہے تھے۔ کہ ہمارے ایک طرف گھاس تھی دوسری طرف جنگل گائیڈ کے بغیر میں کبھی یہ راستہ تلاش نہ کر پاتا اور نوکیلی گھاس مجھے لہولہان کر دیتی۔ ہم زمین پر اپنے ساتھیوں کے نشانات دیکھتے جا رہے تھے لیکن کہیں کوئی نشان کوئی اشارہ نہ ملا۔

دو دن اسی طرح گذر گئے۔ صبح ہوتی، تو ہم سفر شروع کر دیتے۔ اور جب گرمی ناقابل برداشت ہو جاتی، تو درختوں کی اوٹ میں بیٹھ جاتے۔ شام تک سستاتے اور پھر وہی سفر، سفر اور سفر!! کانٹوں سے ہمارے پاؤں چھلنی ہو گئے۔ زخمی پاؤں سے پتھر ٹکراتے، تو سسکیاں نکل جاتیں، لیکن ہم چلتے رہے تیسرے دن دوپہر کے قریب کاچن اچانک زمین پر بیٹھ گیا۔

"صاب یہ دیکھو!" وہ چلایا

زمین پر قدموں کے نشان تھے۔ برطانوی فوجی بوٹوں کے نشان! میں خوشی سے چیخا، وہ مارا آؤ ان نشانات کا پیچھا کریں، یہ یقیناً میرے ساتھیوں تک جاتے ہیں"

کاچن اسی طرح زمین پر بیٹھا نشان دیکھتا رہا۔ قدرے توقف کے بعد مایوسی سے سر ہلاتے ہوئے بولا" صاب یہ کم از کم تین ہفتے پرانے ہیں۔ میرے جذبات پر اوس پڑ گئی۔ میں... اس کی رائے کو جھٹلا نہ سکتا تھا؛

تاہم اُمید کی ایک کرن اب بھی روشن تھی۔ شاید یہ نشانات جنرل ونگیٹ کی کسی دوسری فوج کے ہوں اور میرے ساتھی یہیں کہیں ہوں۔ انہیں ہونا ہی چاہیئے تھا۔

جلتے سورج تلے ہم چلتے رہے۔ پسینے سے کپڑے بھیگ رہے تھے۔ اور ہمیں مایوسی نے آ لیا۔ شام کے وقت مایوسیوں کے بادل اچانک چھٹ گئے۔ نئے تازہ نشانات ملے۔

"شاید آج صبح یہاں سے گزرے ہیں" کاچن نے کہا۔ میں نے کاچن کا شکریہ ادا کیا۔ اور اسے واپس بھیج دیا۔ اگلے چوبیس گھنٹوں میں میں اپنے لوگوں سے جا ملنے والا تھا۔

میں ایک بار پھر تنہا رہ گیا تھا۔ سوچیں میرے ذہن پر ہجوم کرنے لگیں۔ اس عالم میں خدا پر بھروسہ پھر میرا سہارا بنا۔ مایوسی اور ناامیدی میرے ذہن سے دور ہو گئی۔ اور میں تیزی سے چلتا رہا۔ گل بہادر اور آرتھر کی شبیہیں میرے سامنے ڈولتی رہیں، میں اس یقین کے ساتھ چلتا رہا کہ اپنے ساتھیوں تک ضرور پہنچ جاؤں گا۔

میرا خوراک کا تھیلا خالی ہونے کو تھا۔ مٹھی بھر چاولوں کے سوا کچھ بھی باقی نہ تھا، لیکن خدا کی مدد میرے ساتھ تھی۔ جلد ہی جنگلی سیبوں کے درخت شروع ہو گئے۔ میں نے ایک سیب توڑا وہ کھٹا تھا، لیکن میں کھا گیا۔ اور بہت سے سیب اپنے تھیلے میں بھر لیے۔

اگلے چند گھنٹے میری زندگی کے بدترین گھنٹے تھے۔ سب سے تکلیف دہ زہریلی مکھیاں تھیں۔ وہ میرے چہرے، گردن اور بازوؤں پر کاٹتیں اور میں درد سے بلبلا اٹھتا۔ خدا خدا کرکے شام ہوئی اور ان سے نجات ملی۔

ساری رات میں سویا رہا۔ مکھیوں سے تو نجات مل گئی لیکن جنگلی درندے میرے اطراف میں دہاڑتے رہے جیسے ہی سورج طلوع ہوا" میں پھر چل پڑا کوئی پون میل چلا ہوں گا کہ زخمی ٹانگ پھر سے درد کرنے لگی۔ میں چھڑی پر وزن ڈال کر چلنے لگا۔ اور میری رفتار بہت سست ہو گئی۔ ذرا ہی دیر میں میں پیچھے

یں ہار رہا تھا۔

سارا دن میں کسی نہ کسی طرح چلتا رہا۔ جنگل اب شور سے گونج رہا تھا۔ اور ان آوازوں کے سائے میرے تعاقب میں تھے جو جنگل کی وسعتوں سے بلند ہو رہی تھیں۔ یہ شور رفتہ رفتہ ناقابل برداشت ہو گیا۔ پھر میں ایک جگہ کھڑا ہو گیا اور پھر پاگلوں کی طرح چیخنے لگا۔ اس وقت تک چیختا رہا جب تک میرے گلے سے آواز نکلنا بند نہ ہو گئی۔ بہت دیر بعد میں نے اپنے حواس مجتمع کیے۔ اور دوبارہ چل کھڑا ہوا۔ سہ پہر کے قریب میں ایک اونچے ٹیلے پر تھا۔ میرے سامنے دُور دُور تک گھاس پھیلی تھی۔ میرے پاس کھانے کو کچھ نہ رہا تھا۔ میری نظر ایک چھپکلی پر پڑی جو ایک خشک چشمے کے کنارے اُونگھ رہی تھی۔ میں نے اسے دبوچ لیا۔ وہ کوئی اٹھارہ انچ لمبی تھی۔ اس کا جسم سانپ کی طرح تھا۔ میں نے چاقو کی مدد سے اس کی کھال اُتاری اور دھوپ میں رکھ دیا۔ سوکھ گئی، تو اسے ہڑپ کر گیا۔

تیسرے روز سہ پہر کے قریب گھاس کے اس سمندر میں سے نکل آیا۔ اب میں ایک بے آب و گیاہ صحرا میں کھڑا تھا۔ دُور تک کوئی متنفس نہ تھا۔ مایوسی ایک بار پھر عود کر آئی۔ میں بے دم ہو کر گر پڑا اور بے ہوش ہو گیا۔ نہ جانے کتنی دیر گرم ریت پر پڑا رہا۔ ہوش آیا، تو سورج ابھی تک چمک رہا تھا۔ نہ جانے یہ وہی دن تھا۔ یا دوسرا دن۔ کراہتا ہوا اٹھا اور پھر چل کھڑا ہوا۔ میرے منہ میں کانٹے سے بھر گئے تھے، حلق سوکھ گیا تھا۔ اور دُور دُور تک پانی کا نام و نشان نہ تھا۔ بہت دیر تک میں چلتا رہا۔ میری قوت ارادی اور جینے کا عزم اور خدا پر بھروسہ میرا واحد سہارا تھا۔

رات ہوتے ہوتے میں ایک جنگل میں پہنچ گیا۔ قریب ہی پانی بہنے کی آواز آ رہی تھی۔ میں دیوانہ وار اُدھر لپکا۔ وہ ایک ندی تھی۔ جس کے کنارے یہاں وہاں راکھ کے ڈھیر لگے تھے۔۔۔ یہاں کچھ لوگ رُکے تھے۔ اور وہ یقیناً میرے ساتھی تھے شاید وہ صبح کو یہاں سے چلے تھے۔ میں ان سے اب صرف بارہ گھنٹے کے فاصلے پر تھا۔ میں غٹاغٹ پانی پینے لگا۔ پھر سامان اٹھایا اور روانہ ہو گیا۔ میرے لئے یہی موقع تھا۔ اگر وہ دریا عبور کر گئے تو شاید میں کبھی اُن تک نہ پہنچ سکوں گا۔ مسلسل ایک گھنٹہ چلنے کے بعد اب میں ایک ڈھلوان پر چڑھ رہا تھا۔ چڑھائی چڑھنے کے بعد میرے سامنے ایک گاؤں تھا جاپانیوں کے خوف نے ایک بار پھر مجھے گھیر لیا۔ لیکن زمین پر برطانوی فوجی بوٹوں کے نشانات تقویت بخش رہے تھے۔ میں تیزی سے آگے بڑھا اور پھر وہ ایک جھنڈ کی اوٹ میں بیٹھے ہوئے نظر آ گئے۔

میری آہٹ پر ان سب نے مجھ پر رائفلیں تان لیں۔ ان کی ٹامی گنیں حرکت میں آ گئیں۔ "اوہ! خدا کی پناہ دیکھو تو۔ کون ہے؟" ڈاکٹر کیپٹن سٹوکس کی آواز اُبھری اور پھر میری۔۔۔ آنکھوں میں خوشی سے آنسو آ گئے۔ رائفلیں اور ٹامی گنیں زمین بوس ہو گئیں۔ اور مجھ پر سوالات کی بوچھاڑ شروع ہو گئی۔ "کس طرح یہاں پہنچے؟ کہاں رہے؟ ہم چلنے ہی والے تھے۔ ٹھیک وقت پر آئے ہو۔"

میں واقعی خوش قسمت تھا۔ آخری دو کشتیاں بچے کھچے فوجیوں کو دریائے اراودی کے پار لے جانے ہی والی تھیں۔ تھوڑی دیر بعد ہم کشتیوں میں سوار تھے۔ اور میں انہیں اپنی داستان سُنا رہا تھا۔

ایک کارپورل نے مجھے ان دنوں کی کہانی سُنائی جب میں ان کے ساتھ نہ تھا۔ بس معجزہ ہے جناب!" اس نے آخر میں کہا۔ "جو ہم بچ گئے۔"

دریائے اراودی ہماری راہ میں آنے والی پہلی رکاوٹ تھی۔ دریائے نوادر چنڈون پر یقیناً جاپانی زیادہ کڑی نگاہ رکھیں گے۔"

تقریباً پون راستہ طے کرنے کے بعد میں نے پوچھا! "آج کیا تاریخ ہے؟"

"شاید ۱۳ اپریل۔" ایک برطانوی سپاہی نے کہا۔ "ممکن ہے میں نے ایک آدھ دن کا حساب نہ رکھا ہو۔"

۱۳ اپریل کا مطلب تھا۔ ہمیں جاپانی مورچوں کے پیچھے نصف سے بھی کم راشن پر لڑتے ہوئے چھیاسٹھ دن ہو گئے تھے۔ ابھی مستقبل کی کوئی خبر نہ تھی۔

پچھلی کشتی ابھی آدھے راستے میں تھی۔ اور ہم ساحل سے کوئی سو گز کے فاصلے پر تھے۔ کہ اچانک جاپانیوں نے گولیوں کی بوچھاڑ کر دی۔ گولیاں ہمارے آس پاس گرنے لگیں۔ شام ہو چلی تھی اور سورج کی سُرخ کرنوں نے پانی کو سُرخ کر دیا تھا۔ اس سرخی میں۔۔۔ ہمارے دو آدمیوں کے خون کی سُرخی بھی شامل ہو گئی۔ دوسری۔۔۔ کشتی نے رُخ بدل دیا۔ ہم سب کشتی میں لیٹ گئے۔ کشتی کا توازن بگڑ گیا۔ اور وہ اُلٹ گئی۔ میرے لئے یہ سو گز موت کا سبب بن سکتے تھے۔ کیونکہ میں اپنی زخمی ٹانگ کے ساتھ تیر نہیں سکتا تھا، لیکن خوش قسمتی سے کشتی میرے ہاتھ سے نہ نکلی بلکہ میرے لئے ڈھال بن گئی۔ میرا سر اس کے پیچھے چھپ گیا۔ اور باقی جسم پانی میں تھا۔ میرے ساتھی چھپتے ابھرتے ساحل کی طرف تیرنے لگے۔ پانی کشتی کو بھی اسی رُخ بہائے لے جا رہا تھا۔



تین ساتھی ساحل پر پہنچ گئے۔ اور جاپانی مشین گن کے جواب میں درختوں کی اوٹ سے گولیاں چلانے لگے۔ پھر جانے کیوں اور کیسے دونوں طرف سے گولیاں چلنا بند ہو گئیں شاید۔ جاپانی بھاگ گئے تھے۔ یا جنگل میں کسی اور بہتر موقع کی تلاش میں چھپ گئے تھے۔ میں ساحل کے بہت قریب پہنچ گیا تھا۔ کشتی اب سیدھی ہو گئی تھی۔ میں نے اسے چھوڑ کر تیرنا شروع کر دیا۔ میری پشت سے ناقابل برداشت ٹیسیں اٹھنے لگیں گیلے کپڑوں اور بھاری بوٹوں نے تیرنا دوبھر کر دیا تھا! تاہم میں نے ہمت نہ ہاری اور کسی نہ کسی طرح ساحل پر پہنچ گیا۔

ساحل پر پہنچ کر میں نے ریوالور سے گیلی گولیاں نکالیں اور واٹر پروف بکس سے نئی گولیاں نکال کر ریوالور لوڈ کیا۔ میں چلنے ہی والا تھا۔ کہ درختوں میں سے ایک کارپورل نکلا اس کے پاس علاقے کا نقشہ تھا۔

ہمارے سامنے دو سو میل کا سفر تھا۔ اور کھانے کو کچھ بھی نہ تھا۔ سارا دستہ پھر منتشر ہو گیا تھا۔ اب تنہا یا دو دو آدمی اپنے طور پر جاپانیوں اور جنگل سے نکلنے کے لئے کوشاں تھے۔ ہم دو آدمی تھے۔ چاند نکل آیا تھا۔ کوئی دس منٹ ہی چلے تھے۔ کہ ایک زخمی فوجی ہماری راہ میں آیا۔ اور بری طرح زخمی تھا۔ اس کی چھاتی سے لہو ابل رہا تھا۔ آرتھر اور گل بہادر کا کہیں پتہ نہ تھا۔

اس نے ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے بتایا کہ وہاں اور لوگ بھی ہیں۔ ہم دونوں ادھر چل پڑے۔ وہ چودہ فوجی تھے۔ سب کے سب زخمی اور مایوس! اب میں ہی ان کا افسر تھا۔ "ہم دریائے چندون کو عبور کر کے انڈیا کی طرف نکل جائیں گے۔" کوئی کچھ نہ بولا۔ میں نے ان کی طرف دیکھا۔ ان میں سے تین دم توڑ چکے تھے۔ باقی گیارہ میں سے دو چلنے کے قابل نہ تھے۔ نو اگرچہ زخمی تھے۔ لیکن چل سکتے تھے۔

اب میں معذور ساتھیوں کو پیچھے نہ چھوڑ سکتا تھا۔ ان کے لئے اسٹریچر۔ بنوائے اور میں بارہ آدمیوں کا کمانڈر بن کر ایک ناممکن مشن پر روانہ ہو گیا۔

چلنے سے پہلے ہم نے اپنے ہتھیار، خوراک اور روپے بانٹ لیئے۔ ہر ایک کے حصے میں آٹھ روپے، چاولوں کی دو مٹھیاں اور ایک ایک رائفل اور تین تین راونڈ آئے۔ میری کمپاس اور کارپورل کا نقشہ ہمارے رہبر تھے۔ رات کی تاریکی کے ساتھ ہم خوف اور دہشت کے سایوں تلے چلتے رہے۔ صبح کے قریب ایک گاؤں کے سامنے پہنچے۔ ہم نے گاؤں کے کنارے دونوں اسٹریچر رکھ دیئے۔ اور نم آلود آنکھوں سے واپس جنگل کی طرف چل پڑے۔

ہمارے سامنے اور کوئی راستہ نہ تھا۔ شاید گاؤں والے رحم کھا کر ان کی مرہم پٹی کر دیں!

گاؤں سے کترا کر ہم پھر اپنے راستے پر ہو لیئے۔ ایک جگہ رُکے اور شام تک سوتے رہے۔ چاند نکلنے پر پھر آگے بڑھے۔ ہم ایک لائن میں چل رہے تھے۔ ہر لمحہ اذیت ناک تھا۔ ہمارے جسم سے طاقت ختم ہو رہی تھی۔

اب تک کوئی تین میل چلے ہوں گے ـــ اور وہ تین میل تین ہزار میل کے برابر لگتے تھے۔ اچانک کالم کے آخری سرے سے ایک چیخ بلند ہوئی۔ ایک برطانوی فوجی زمین پر پڑا کراہ رہا تھا۔ ہم سب ادھر بھاگے۔ وہ تھر تھرا رہا تھا۔ وہ ایک بار اٹھا اور لڑکھڑا کر گر گیا۔ کبھی نہ اٹھنے کے لئے! ہمارا ایک اور ساتھی بھی اسی طرح بھوک تھکاوٹ، پیاس اور اعصاب شکن کیفیت سے موت کے منہ چلا گیا۔ ہم صرف نو رہ گئے۔

تمام رات ہم گرتے پڑتے وقفوں سے چلتے رہے۔ زخمیوں کی حالت اور بھی نازک تھی۔ پھر وقفے لمبے ہوتے چلے گئے اور ہم دیر تک بے سدھ پڑے رہتے۔ پھر نہ جانے کون سی طاقت ہمیں اٹھنے پر مجبور کرتی۔ اور ہم ایک دوسرے کو پکارتے ہوئے اٹھتے اور گھسٹنے لگتے۔ صبح دم ایک گاؤں کے سامنے تھے۔ ہر طرح کے خطرے سے بے نیاز آگے بڑھتے چلے گئے۔

ایک کنوئیں پر ایک لڑکی پانی بھر رہی تھی۔ جونہی اس کی نظر ہم پر پڑی وہ گاؤں کی طرف بھاگی۔ ہم کوئی فیصلہ نہ کر پا رہے تھے۔ کیا گاؤں میں جاپانی موجود ہیں۔ جنہیں خبر دینے کے لئے وہ گئی ہے۔ ہم ایک دیوار کی اوٹ میں ہو گئے۔ ہم سب کی انگلیاں ٹریگروں پر جمی تھیں۔ ذرا دیر بعد گاؤں کی طرف سے بہت سے لوگ آتے دکھائی دیئے۔ ان کے چہروں پر مسرت انبساط اور شفقت تھی۔ ہم نے انگلیاں ٹریگروں پر سے ہٹا لیں۔

گاؤں والے بہت رحمدل نکلے۔ انہوں نے نہ صرف ہمیں پیٹ بھر کے چاول کھلائے، بلکہ بہت سی خوراک ساتھ بھی کر دی۔ زخمیوں کی مرہم پٹی جنگلی جڑی بوٹیوں سے کی۔ ہمیں بتایا کہ ذرا فاصلے پر ریلوے لائن ہے

جاپانی پہرہ دے رہے ہیں۔ وہ کل رات اس گاؤں میں آئے تھے۔ اور اب شمال کی طرف برطانوی فوجیوں کی تلاش میں چلے گئے ہیں۔ گاؤں کے سردار نے ہمارے ساتھ ایک گائیڈ کر دیا کہ وہ ہمیں جنگل کے راستے جاپانیوں کی راہ سے ہٹا کر لے جائے۔

ہم دو راتیں جنگل میں چلتے رہے۔ گائیڈ پہلی رات ہی واپس چلا گیا تھا۔ میری زخمی ٹانگ پھر سے درد کرنے لگی تھی۔ ہم سخت پریشان تھے۔ دو ہفتے بعد ہولناک بارشیں شروع ہونے والی تھیں۔ راستے مسدود ہونے سے پہلے جنگل سے نکلنا ضروری تھا۔

تیسرے دن صبح کے وقت ہم ایک گاؤں کے سامنے تھے۔ میں نے خطرہ مول لے کر ایک سارجنٹ کو بھیجا "آجاؤ" اس کی آواز گونجی۔ ہم سب گاؤں میں داخل ہوئے۔ اُف میرے خدا میرے سامنے آرتھر کھڑا تھا۔ میری آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ دوسرے ہی لمحے ہم ایک دوسرے کو بھینچ رہے تھے۔

"میں نے تمہیں اراوڈی پار کرتے دیکھا تھا، پھر فائرنگ شروع ہو گئی۔ اور تم دریا پار نہ اُترے" تو میں نے سوچا تم ڈوب گئے ہو" اس نے رُندھی ہوئی آواز میں کہا۔ کرنل الیگزنڈر اور میجر ڈنلوپ نے مجھے بچ جانے پر مبارک باد دی۔

میرے سب ساتھی موجود تھے۔ ریڈی، جان، ڈکی، فلادر وہ سب مجھ سے دوبارہ مل کر بہت خوش ہوئے۔ خود میرا حوصلہ دوچند ہو گیا۔۔۔۔

تاہم میری نظریں گل بہادر کو ڈھونڈ رہی تھیں۔ آرتھر سمجھ گیا۔ "وہ تمہیں دیکھنے کے لئے رُک گیا تھا" اس نے کہا۔ "تم جب کشتی میں آ رہے تھے۔ تو ہم نے تمہارا انتظار کیا" لیکن۔۔۔ اچانک جاپانی آ گئے اور ہم جنگل میں نکل گئے۔ مگر اس نے جانے سے انکار کر دیا۔ اس کے بعد اس کی کوئی خبر نہیں، لیکن ڈاکٹر۔۔ سٹوکس کے ساتھ کوئی بیس آدمی جنوب کی طرف نکل گئے ہیں۔ فلادر نے انہیں دیکھا تھا۔ میرا خیال ہے وہ اس پارٹی میں ہے۔

اچھا۔۔ خدا حافظ۔۔! آج مجھے ایڈوانس گائیڈ بننا ہے۔ رات کو ملاقات ہو گی" وہ چلا گیا۔ ہمیشہ کے لئے! ہمیں رخصت ہوئے تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی۔ کہ جاپانیوں نے فائرنگ شروع کر دی۔

(بہت عرصے بعد پتہ چلا کہ اسے قیدی بنا لیا گیا تھا۔ اور بعد میں گولی مار دی گئی) آدمی کٹے ہوئے درختوں کی طرح گرنے لگے۔ قریب ہی دریائے مو تھا۔ میں درختوں میں چھپا چھپاتا دریا میں اُتر گیا۔ دستے کے اور لوگ بھی تیر رہے تھے۔ ہم نو آدمی ایک ساتھ تھے۔ باقی دستہ دریا پار اُتر رہا تھا۔ کہ ادھر سے برین گنوں کے دہانے ان پر کھل گئے۔ میں نے پیچھے کی طرف دیکھا۔ جاپانی ہمارے۔۔۔ جوابی حملے سے سنبھل کر دوبارہ ہم پر فائرنگ کھول رہے تھے۔ دریا کے دونوں کناروں سے فائرنگ شروع ہو گئی۔ کوئی جائے امان نہ تھی!

ہم دریا میں چلتے رہے دونوں طرف سے گولیاں برس رہی تھیں۔ آخر کنارے پر پہنچ گئے اور ہم نے بھی فائر کھول دیا۔ جاپانیوں نے درختوں کی آڑ لے لی۔ اور گولیاں برسانے لگے۔ یکے بعد دیگرے ہمارے چار ساتھی مارے گئے اور ہم پانچ رہ گئے۔ ہم ایک جاپانی مشین گن کی طرف لپکے اور چند لمحوں میں ان دو جاپانیوں کا خاتمہ کر دیا۔ جو ہمارے ساتھیوں پر اندھا دھند فائرنگ کر رہے تھے۔

ہنگامہ تھما تو میں نے اردگرد نظر دوڑائی۔ ایڈی کرنل الیگزنڈر کو کندھے پر اٹھائے چل رہا تھا۔ کرنل کا لباس خون میں تر تھا۔ اور اس کی آنکھیں بند تھیں۔ خود میری پنڈلی میں سخت درد ہو رہا تھا۔ شاید گولی لگی تھی۔ میں نے زمین سے اُٹھنے کی ناکام کوشش کی۔ میری آنکھوں تلے اندھیرا چھا گیا اور میں بے ہوش ہو گیا۔

نہ جانے کتنی دیر بعد ہوش آیا۔ تو سورج غروب ہو رہا تھا۔ میرے منہ میں خون کا میٹھا ذائقہ تھا۔ بڑی مشکل سے آنکھیں کھولیں۔ سر میں سخت تکلیف تھی۔ منہ پر ہاتھ پھیرا۔ تو داڑھی خون میں رنگی ہوئی تھی۔ اور خون جم جانے سے بال سخت ہو رہے تھے۔

پیاس کے مارے حلق میں کانٹے چبھ رہے تھے۔ میں نے بوتل سے پانی پیا تو حواس قدرے بحال ہوئے اردگرد دیکھا میں ایک چٹان کے پاس لیٹا ہوا تھا۔ چٹان پر ایک فوجی میری طرف پشت کیے بیٹھا تھا۔ اس کی ٹوپی عجیب سی تھی۔ خاکی وردی پر ایسی ٹوپی!! میں حیران تھا کہ وہ ہندوستانی ہے یا برطانوی ہے یا گورکھا وہ مڑا۔ اُف خدایا! وہ جاپانی تھا۔ میرے ذہن میں سب کچھ گڈمڈ ہونے لگا۔ مایوسی، نقاہت اور افسردگی مجھ پر طاری ہونے لگی اور پھر میں بے ہوش۔

ہوش میں آیا، تو کینوس کی چھت والے ایک ٹرک میں تھا۔ ٹرک تیزی سے لڑکھڑا رہا تھا۔ راستہ یقیناً ناہموار تھا۔ میں کراہ اُٹھا۔ میرے ہاتھ بندھے ہوئے تھے۔ جاپانی فوجی جو غالباً میری نگرانی پر متعین تھا، میری طرف مڑا اور زور سے ہنسا۔ ٹرک رُک گیا۔ اگلی طرف سے چھ جاپانی نیچے اُترے۔ ان میں سے ایک نے میری طرف اشارہ کیا اور وہ قہقہے لگانے لگے مجھ پر پھر غشی طاری ہو گئی۔ ہوش میں آیا۔ تو ایک جاپانی افسر میرے سرہانے کھڑا تھا۔ اس کی سرد بے مہر آنکھیں مجھ پر گڑی تھیں۔ اس نے انگریزی

میں پوچھا۔ "افسر؟"

"ہاں" میں نے جواب دیا۔ پھر اس نے سنتری سے کچھ کہا اور چلا گیا۔ سنتری سنگین سے کر آگے بڑھا۔ میں موت کے لئے بالکل تیار تھا، لیکن .....

..... سنگین بھونکنے کے بجائے اس نے ایک ہی جھٹکے سے میرے ہاتھوں کی رسی کاٹ ڈالی اور اس مذاق پر قہقہے لگانے لگا۔ پھر اس نے پانی کی بوتل میرے آگے کر دی۔ میں غٹا غٹ پی گیا۔

تین دن اسی طرح گزر گئے۔ میں ٹرک پر پڑا رہتا۔ وہ مجھے کھانا اور پانی دے دیتے۔ وہ آپس میں ہنسی مذاق کرتے رہتے۔ مجھ پر طنز کرتے، قہقہے لگاتے۔ ٹرک کبھی رک جاتا کبھی چلنے لگتا۔ ایک روز سنتری نے ازراہ کرم خود ہی بتایا کہ ہم کالیوا جا رہے ہیں۔" یہ چنڈون کے کنارے ایک قصبہ ہے اور اس جگہ سے کوئی پچاس میل جنوب میں تھا جہاں سے میں نے چنڈون عبور کرنے کا منصوبہ بنایا تھا۔ کالیوا سے مجھے، میرے قیاس کے مطابق، رنگون کی کسی جیل میں بھیجا جانا تھا۔

شام کے جھٹپٹے میں ٹرک درختوں کے ایک جھنڈ میں کھڑا کر دیا گیا۔

رات کا پچھلا پہر تھا۔ کہ میری آنکھ کھل گئی۔ دونوں پہرے دار اور ٹرک کا ڈرائیور سو رہے تھے۔ انہوں نے مجھے اتنا ہی بے ضرر سمجھ لیا تھا۔ کہ باری باری پہرہ دینے کے بجائے دونوں پڑے خراٹے لے رہے تھے۔ میرے اندر بھاگ جانے کی خواہش پیدا ہوئی۔ کہیں بھی ۔ کسی بھی جگہ، اس منحوس ٹرک سے دور۔ میں نے اپنی رہی سہی قوت مجتمع کی اور اپنے ڈھانچے کو اٹھایا" میں زندہ رہوں گا" میں چنڈون عبور کروں گا۔ دنیا کی کوئی طاقت مجھے اس سے نہیں روک سکتی، عین اسی وقت ایک جاپانی سنتری جاگ اٹھا۔ شاید میری آواز زیادہ بلند ہو گئی تھی۔ میں دبک گیا۔ اور ایک بار پھر سو گیا۔

فائرنگ کی آواز نے مجھے پھر جگا دیا۔ دور سے گولیاں چلنے کی آواز آ رہی تھی۔ جاپانی پہلے ہی جاگ گئے تھے۔ اور ان کا افسر افراتفری میں انہیں آرڈر دے رہا تھا۔ وہ سب شتم پشتم اس طرف جا رہے تھے۔ ان کے افسر نے میری طرف دیکھا اور سنتری سے کچھ کہا اور خود آگے بڑھ گیا۔ غالباً وہ مجھے بھاگنے سے معذور سمجھ رہے تھے۔ سنتری بھی آوازوں کی سمت چل پڑا۔ اب میں تنہا تھا۔ میری طاقت عود کر آئی ایک عزم کے ساتھ میں نے فیصلہ کر لیا تھا۔ مجھے یہ خطرہ مول لینا ہی ہے۔ خواہ ناکامی کی صورت میں جاپانی مجھے گولی سے اڑا دیں۔ میں ٹرک پر سے اتر گیا۔ گھنا جنگل میرا رفیق تھا

میں ساری رات چلتا رہا۔ صبح کے وقت نڈھال ہو کر گر پڑا۔ جب جاگا، تو دن چڑھ چکا تھا۔ میں پھر چل کھڑا ہوا۔ میں اب بالکل تنہا تھا۔ میری کمپاس تک میرے پاس نہ تھی۔ کوئی نقشہ تھا۔ نہ خوراک۔ اور میں چنڈون عبور کرنے چلا تھا!

سہ پہر کے قریب میں ایک وادی میں جا نکلا جو سو گز لمبی تھی۔ شیریں چشمہ کلکاریاں مار رہا تھا۔ میں نے سیر ہو کر پانی پیا اور گھاس پر لیٹ گیا۔ اور دیر تک سوتا رہا۔ صبح اٹھا۔ وادی کا حسن پورے جوبن پر تھا۔ میرا سفر پھر شروع ہو گیا۔ بس چلتا رہا۔ بھوک لگی۔ تو جنگلی درختوں کے پھل توڑ کر کھا لیتا تاہم کئی کئی روز بھوکے پیاسے گزر جاتے۔ کئی بار ایسا وقت بھی آیا۔ کہ سورج کی تپش میں چلنا دوبھر ہو گیا۔ جان لبوں پر آ گئی۔ یوں لگتا تھا۔ لب بام دو چار ہاتھ ہے۔ اور کمند ٹوٹ جائے گی۔ لیکن خدا پر بھروسے نے ہر ہمت شکن مرحلے پر میرا ساتھ دیا۔ میں چلتا رہا..... چلتا رہا۔ چلتے چلتے گر پڑتا، پھر اٹھتا۔ اور چل کھڑا ہوتا۔ آخر میں اس راستے پر آ گیا۔ جو سیدھا دریائے چنڈون کی طرف جاتا تھا۔ آگے بڑھا، تو مجھے پانچ افسروں کے ساتھ بیٹھے ہوئے بارہ جوان نظر آئے۔ وہ... سب زمین پر نڈھال سے پڑے تھے میجر ڈنلوپ، جان اور فلاور میں تیزی سے آگے بڑھا میری آہٹ پر کسی نے بندوق نہ تانی۔ کسی نے نعرہ نہ لگایا۔ کسی نے خوشی کا اظہار نہ کیا۔ وہ سب ان احساسات سے عاری ہو چکے تھے۔ نڈھال، مایوس، لاغر اور خستہ حال!!

"تم پھر آ گئے" جان نے مجھے پاس سے گزرتے ہوئے دیکھا اور مریل سی آواز میں کہا۔ جان جس آدمی کے پاس بیٹھا، اس کا ایک بازو میری طرح پھول رہا تھا۔ میں نے غور سے دیکھا اس کا.. سارا جسم بیری بیری کا شکار ہو چکا تھا۔ اور میں سکتے میں آ گیا۔ وہ سارجنٹ فیبے تھا۔ اس نے آنکھیں کھولیں۔ مجھے دیکھا۔ وہ مر رہا تھا۔ اس نے رک رک کر کہا" وہ آپ کو نہیں مار سکتے جناب!! اور پھر آنکھیں بند کر لیں۔ میں وہیں بیٹھ گیا۔

سورج طلوع ہونے کے ساتھ ہی سارجنٹ فیبے کی زندگی کا چراغ گل ہو گیا۔ ہم نے اسے وہیں دفنایا اور آگے چل پڑے

اچانک ہمارے سامنے کی جھاڑیاں ہلنے لگیں۔ تھا ابد ایک بہت بڑا جنگلی بھینسا دندناتا ہوا نمودار ہوا۔ گولی چلنے کی آواز آئی اور بھینسا زمین پر گر کر تڑپنے لگا۔ ہم سب پاگلوں کی طرح دوڑے ذرا دیر میں ہم سب چاقوؤں، خمیدہ خنجروں، سنگینوں اور انگلیوں کے ذریعے اس کا گرم گرم گوشت کھا رہے تھے۔

ایک بڑی سفید جھنڈا لہراتا نظر آیا۔ ہم سب کے چلتے ہوئے ہاتھ اور منہ رک گئے میجر ڈنلوپ اس کی طرف بڑھا۔ آگے پلٹنی

ٹراپ ٹراپ پاؤں مارتا جا رہا تھا، ہم سب کی نظریں اسی پر جمی تھیں۔

"وہ غدّاروں کی فوج ہے" میجر نے واپسی پر کہا "انہوں نے مجھے ہتھیار ڈالنے کا الٹی میٹم دیا ہے۔ ان کے پیچھے جنگل میں جاپانی ہیں۔"

سنّاٹا چھا گیا۔ ہم سب مایوسی کے پاتال میں گر گئے۔ "ہر شخص آپ اپنا مختار ہے" میجر نے کہا "جو ہتھیار ڈالنا چاہتے ہیں یہیں رُک جائیں۔ دوسرے میرے پیچھے چلیں" اس نے الفاظ ختم کرتے ہوئے قدم بڑھا دیئے۔ وہ مخالف سمت میں جا رہا تھا۔ میں اس کے پیچھے ہو لیا۔ میرے آگے جان تھا۔ ہم پر گولیاں برسنی شروع ہو گئیں ہم نے بھی ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

میں کس پر گولیاں برسا رہا ہوں، مجھے کچھ پتہ نہ تھا۔ بس اتنا یاد ہے۔ میں نے آخری چھ راؤنڈ ریوالور میں بھرے اور پھر بے ہوش ہو گیا۔

ہوش میں آیا، تو سورج ابھی غروب نہیں ہوا تھا۔ میرے داہنے ہاتھ ایک درخت پر کاغذ لگا تھا۔

"اگر تم چنڈون عبور کرنے کی کوشش کرو گے، تو ڈوب جاؤ گے۔ تم مانی پور کے پہاڑوں سے کبھی نہ نکل سکو گے۔ انگریزوں کو ہندوستان کی طرف دھکیل دیا گیا۔ زندہ رہنے کا واحد راستہ ہتھیار ڈالنا ہے۔"

لیکن میں پھر چلنے لگا۔ چلتا رہا، حتیٰ کہ ایک کھلی جگہ پر پہنچ گیا۔ وہاں میجر ڈنلوپ، جان فلاڈوا اور دوسرے ساتھیوں کے... ساتھ بیٹھا تھا۔

ہم سارا دن وہاں پڑے رہے۔ مایوس اور اُداس!! پھر میجر اُٹھا اور بولا "اگر ہم اکٹھے سفر کریں گے، تو جاپانیوں کی نظر میں آجانا یقینی ہے۔ ایک ایک، دو دو کی ٹولی میں چلنا چاہیئے۔ یہاں سے چنڈون چند میل مغرب میں ہے۔"

"میں ہتھیار ڈالتا ہوں ایک انگریز فوجی چلایا۔ میں بھی ایک اور بولا۔ "میں اب ایک انچ آگے نہیں چل سکتا" دوسرے بہت سے فوجیوں نے بھی چلنے سے معذوری ظاہر کی۔

"تم سب اپنے مالک آپ ہو" میجر نے کہا۔ اس کی آواز میں نقاہت اور مایوسی تھی "رات بھر سوچ لو۔ صبح مجھے اپنے فیصلے سے آگاہ کر دینا۔"

میں کسی تذبذب کا شکار نہ تھا۔ میرا فیصلہ اٹل تھا۔ مجھے ہر صورت دریائے چنڈون تک پہنچنا تھا۔

رات گرم اور تکلیف دہ تھی۔ پھر بھی ہم سوتے رہے۔

مجھ میجر نے سب کو اکٹھا کیا: "اگر ہم ہتھیار نہیں ڈالیں گے۔ ہم دریا تک چلیں گے"۔ رات والے فوجیوں نے کہا۔

میجر کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ پھر اس نے اپنا منصوبہ بتایا اور ہمارے گروپ بنا دیئے۔ میں فلادو اور دوسرے چار برطانوی فوجیوں کے ساتھ تھا۔ آخری میلوں کا یہ سفر بھی کچھ کم صعوبت انگیز نہ تھا۔ ہم دن رات چلتے رہے۔ بانسوں اور جھاڑیوں کے درمیان، بتوں اور ٹہنیوں کے درمیان اور پھر اچانک ہمارے سامنے چنڈون آ گیا۔

میں بے خود ہو گیا۔ تین سو میل کا سفر کرنے کے بعد میں آٹھ سو گز چوڑے دریا کے کنارے کھڑا تھا۔ چنڈون میرے لئے .... حفاظت کا سمبل بنا رہا تھا۔ اس نے میری ہمت بندھائی تھی۔ میں اپنے آپ میں گم اس کے پانی کو دیکھ رہا تھا۔ پھر میری نظر میجر ڈنلوپ اور ڈی پر پڑی، وہ پانی میں اتر چکے تھے۔ میں نے.. فلادر کو دیکھا جو چند گز کے فاصلے پر ہانپ رہا تھا۔ میں نے اپنا وزن درست کیا۔ پانی کی بوتل اور ریوالور ایک طرف اور جوتے بیلٹ کے دوسری طرف باندھے۔ اپنی قمیض اتار کر بانس کے خشک ٹکڑے اس میں باندھے۔ یہ میری لائف بیلٹ تھی۔ جس پر مجھے چنڈون کی تند و تیز موجوں کے خلاف تکیہ کرنا تھا۔ جان.. فلادر واپس آ چکا تھا۔ ساحل پر اور بھی فوجی تھے۔ جو تیر نہیں سکتے تھے۔

میں دریا میں اتر گیا۔ ذرا آگے گیا تھا کہ فلادو مجھے آوازیں دینے لگا۔ "واپس لوٹ آؤ، بہاؤ بہت تیز ہے تم اسے پار نہیں کر سکتے"۔ میں چلتا رہا۔ "ٹھہرو! سنو! ہم آگ تیگ جا رہے ہیں۔ وہاں سے ہمیں کشتیاں مل جائیں گی"۔

"وہ نہیں" میں نے کہا۔ "میں جا رہا ہوں اور تم دیکھو گے، میں دریا عبور کر لوں گا"

"لیکن دیکھو پیارے دریا کس قدر تیز ہے۔ تم اسے پار نہیں.. کر پاؤ گے"۔ فلادو نے کنارے سے پکارا۔ میں نے اس کی بات نہ مانی تو اس نے مجھے بلا کر واٹر ونگز کا ایک جوڑا دیا۔ اس نے وہ شروع سے سنبھال کر رکھا تھا۔ کوئی ایک ہزار میل کے سفر میں انہیں اٹھائے رکھا تھا۔ اور اب وہ مجھے دے رہا تھا۔ "شکریہ" میں نے سرسری سے انداز میں کہا۔ مجھے اندازہ نہ تھا۔ وہ کس قدر قربانی دے رہا ہے۔ میں نے اسے اپنا ریوالور دے دیا۔ اس میں گولیاں بھری تھیں۔ "شکریہ"، میں اب کم از کم چھ جاپانیوں سے نبٹ سکوں گا۔"

دریا کے گرم پانی میں میں ہاتھ پاؤں مارنے لگا۔ بہاؤ تیز تھا۔

میں نے اپنے آپ کو واٹر ونگز کے سہارے پر چھوڑ دیا اور اپنے کمزور بازو اور ٹانگیں آہستہ آہستہ چلاتا رہا۔ کوئی دو سو گز کا فاصلہ باقی تھا۔ کہ واٹر ونگز جواب دے گئے۔ جنگل کی گرمی نے یقیناً ان میں سوراخ کر دیئے تھے۔ ان میں تیزی سے پانی بھر رہا تھا لیکن میں ذرا بھی فکرمند نہ تھا۔ مجھے اعتماد تھا۔ میں ڈوب نہیں سکتا۔ میں یہاں اتنی دور سے منزل کے اتنا قریب آ کر نہیں مر سکتا! میں دریا کے بہاؤ کے ساتھ ساتھ بہتا رہا۔ اور پھر۔ پھر میرے پاؤں زمین سے لگ گئے۔ میں نے دریا عبور کر لیا تھا۔"

میں دیر تک کنارے پر بیٹھا رہا۔ "شکر ہے خدایا" میں نے کہا۔ میرے سامنے جنگل میں برطانوی گشتی دستے تھے اور ان کے پیچھے چھاؤنی۔ اب کوئی خطرہ نہ تھا۔

میں پھر چل کھڑا ہوا۔ تیسرے دن ایک گشتی دستے تک پہنچ گیا۔ میں خوشی سے چلانے لگا اور دیر تک قہقہے لگاتا رہا میری آواز غیر انسانی ہوتی جا رہی تھی۔ انہوں نے مجھے پینے کے لئے پانی دیا اور میں سو گیا۔

دوسرے دن میں ہیڈ کوارٹر میں تھا۔ وہاں سے مجھے ہسپتال میں منتقل کر دیا گیا۔ اس روز مئی کی سولہ تاریخ تھی۔ مجھے امفل سے چلے پورے ایک سو دن ہو گئے تھے۔ میں بستر پر پڑا تھا۔ کہ ایک مانوس آواز میرے کانوں سے ٹکرائی۔ وہ گل بہادر تھا۔ ہمارے ہاتھ ایک دوسرے میں پیوست ہو گئے "صاب" اس نے سسکی سی بھری "صاحب"، اس نے پھر کہا۔ وہ اس سے زیادہ کچھ نہ کہہ سکا۔ باہر مون سون کی پہلی بارش شروع ہو رہی تھی۔ بادل گرج رہے تھے اور برسنے کو تھے۔



دلدل کے ساتھی





نسیم اقبال

جاپانیوں کی قید سے فرار ہونے والے چند فوجیوں کا سنسنی خیز قصہ

میجر ڈوگلس اور اس کے ساتھیوں کو گوریلا جنگ کی خصوصی تربیت دی گئی تھی، لیکن یہ تربیت مکمل نہیں تھی. جاپانی فوجی اس جنگ کے ماہر تھے اور انہوں نے اس طرلق جنگ سے امریکیوں کو شدید نقصان پہنچائے تھے، یوں بھی جاپان کے بہت سے محاذوں پر امریکی شدید مصیبتوں میں گرفتار ہوگئے تھے. بحیرہ بسمارک، آسٹوجیما، چیانگ کائی شیک، برما کے محاذوں پر جاپانیوں نے ایسی حیرت انگیز جنگ لڑی تھی کہ امریکیوں کے چھکے چھوٹ گئے تھے اور پھر امریکی ہائی کمان نے ہنگامی فیصلہ کیا کہ کچھ مخصوص کارکردگی کے مالک فوجی افسروں کو گوریلا جنگ کی تربیت دی جائے اور فوری طور پر اس پر عمل شروع ہوگیا. کئی کمپنیوں کو فلپائنی ماہرین کے زیر تربیت دے دیا گیا اور وہ انہیں جنگلوں میں جنگ کی تربیت دینے لگے. میجر ڈوگلس بھی اپنی کمپنی کے ساتھ تربیت لے رہا تھا. اس وقت وہ نبان کے علاقے میں تھے، یہ علاقہ بھی جاپانیوں سے محفوظ نہیں تھا. یہاں امریکی فوجوں کا کنٹرول نہیں تھا، بلکہ ہوتا یوں تھا کہ کبھی کوئی جاپانی کمپنی درختوں سے نکل کر امریکی دستوں پر حملہ آور ہوتی اور ان کو زبردست نقصان پہنچا کر جنگلوں میں روپوش ہوجاتی، اگر کبھی امریکی دستے کسی جاپانی کمپنی کو پالیتے تو چاروں طرف سے گھیر کر بھون ڈالتے. لیکن جنگلوں کی جنگ میں پلہ ہمیشہ جاپانیوں کا ہی بھاری رہتا.

میجر ڈوگلس کی کمپنی نبان کے قدرے محفوظ علاقے میں زیر تربیت تھی. فلپائنی کمانڈر زیلوس اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ انہیں تربیت دے رہا تھا کہ ایک رات جب کمپنی کے چھوٹے سے کیمپ میں خاموشی چھائی ہوئی تھی، اچانک جاپانی ان پر آپڑے، تربیت حاصل کرنے والے پوری طرح محتاط رہتے تھے. لیکن طویل تھکن سب پر غالب رہتی تھی. چنانچہ اگر وہ کبھی غافل ہوتے تو پھر پوری طرح غافل ہوجاتے تھے. اس رات بھی یہی ہوا تھا. تھکے ہوئے لوگ سو گئے تھے اور جاپانیوں کو بہترین موقع نصیب ہوا تھا. چنانچہ سوتے ہوئے فوجی بے دریغ گولیوں کا نشانہ بننے لگے. سنبھلتے سنبھلتے ان کا زبردست نقصان ہوچکا تھا، اور جونہی وہ جنگ کے لئے تیار ہوئے جاپانی درختوں میں روپوش ہوگئے. ان کا نشان بھی نہیں مل سکا تھا. رات کی تاریکی میں ان کا تعاقب بے سود تھا اور پھر اس وقت یہ بہادری حماقت تھی، اندازہ بھی نہیں ہوسکتا تھا کہ انہوں نے کونسا راستہ اختیار کیا ہے. یا پھر ممکن ہے وہ اسی لئے فرار ہوئے ہوں کہ امریکی ان کا تعاقب کریں اور وہ درختوں میں چھپ کر پیچھے



دں کو نشانہ بنالیں۔

چنانچہ میجر ڈوگریس نے تعاقب کی حماقت نہیں کی اور اپنے ساتھیوں کے ساتھ زخمیوں اور لاشوں کی دیکھ بھال کرنے لگا۔ اسے اپنی غفلت کا شدید رنج تھا۔ بے شمار افراد اس حملے کا شکار ہوگئے تھے، جاپانیوں نے کاری ضرب لگائی تھی چنانچہ جو زخمی تھے وہ بھی آہستہ آہستہ دم توڑ رہے تھے۔ اس کے علاوہ میجر ڈوگریس نے اس خطرے کو بھی نظر انداز نہیں کیا تھا کہ ممکن ہے گوریلے انہیں متعاقب نہ پاکر دوبارہ پلٹیں اور پھر تباہی مچانے کی کوشش کریں، اس لئے ڈوگریس نے مسلح افراد کو پہرے پر متعین کر دیا اور پھر یہ خوفناک رات آہستہ آہستہ گذر کر ختم ہوگئی۔

نقصان کا اندازہ تو دن کی روشنی میں ہی ہوا تھا۔ آدھے سے زیادہ افراد موت کا شکار ہوگئے تھے، سب سے زیادہ رنج فلپائنی کمانڈر زیلوس اور اس کے ساتھیوں کی موت کا تھا، وہ سب کام آگئے تھے۔ گویا اب یہ کمپنی یعنی اس کے بچے کھچے افراد ان جنگلوں میں بے سہارا ہوگئے تھے، وہ اب میجر ڈوگریس کی نگرانی میں تھے اور ان جنگلوں کے بارے میں کچھ نہیں جانتے تھے، انہیں نہیں معلوم تھا کہ اب وہ کونسی سمت اختیار کریں۔ بہر حال ان لوگوں کی حفاظت کی ذمہ داری اب میجر ڈوگریس پر تھی۔ اس کا فرض تھا کہ وہ ان لوگوں کو لے کر بحفاظت کسی اتحادی بٹالین سے جا ملے۔ جاپانی گوریلوں کو علم ہو چکا تھا کہ ان جنگلات میں کوئی امریکی کمپنی موجود ہے، اس لئے وہ بچے کھچے لوگوں کو بھی نظر انداز نہیں کریں گے، اس لئے ضرورت اس بات کی تھی کہ وہ فوری طور پر یہ جگہ چھوڑ دیں۔ میجر ڈوگریس نے ضروری ہدایات جاری کیں۔ تمام لاشوں کو یکجا کر دیا گیا۔ ظاہر ہے ان کی تدفین کا بندوبست نہیں ہوسکتا تھا۔ نہ جانے کتنی لاشیں ان جنگلات میں بے گور و کفن سڑ رہی ہوں گی

میجر ڈوگریس نے نہایت پھرتی سے تیاریاں مکمل کرائیں اور پھر باقی ماندہ افراد کے ساتھ وہ جگہ چھوڑ دی۔ وہ سمتوں سے قطعی ناواقف تھا لیکن بہر حال کوئی رخ اختیار کرنا ہی تھا۔ تمام لوگ ہراساں تھے۔ سب ہی جانتے تھے کہ فلپائنی افسر زیلوس کی موت کے بعد جنگلات کے راستے بالکل ہی مسدود ہوگئے ہیں۔ سمتوں کا تعین نہ ہونے کی بنا پر وہ کسی بھی وقت موت کا شکار ہو سکتے ہیں۔ لیکن میجر ڈوگریس ایک باہمت شخص تھا۔ اس نے ان لوگوں کے حوصلے بڑھانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی اور وہ جنگلوں کا سفر طے کرنے لگے، راستے انجانے تھے، قدم قدم پر موت کے منتظر۔

جس قدر ہو سکا جلد از جلد سفر کیا گیا۔ مرنے والوں کا ضروری ساز و سامان بھی ساتھ لے لیا گیا تھا جس میں خیمے اور کھانے پینے کی اشیاء شامل تھیں۔ یوں تو جاپان پر حملہ آور امریکی فوجیوں کو پورا پورا احساس تھا کہ یہاں آنے کے بعد زندگی واپس لے جانا ناممکن ہے، لیکن اس بے بسی کی موت سے وہ کچھ زیادہ ہی خوفزدہ تھے جس کا اظہار بہر صورت کسی فوجی کے لئے ممکن نہیں تھا لیکن میجر ڈوگریس ان کی اس کیفیت سے اچھی طرح واقف تھا لیکن خاموشی کے علاوہ اور کیا کر سکتا تھا، پورا دن اور ساری رات سفر میں گذر گئی درختوں کے ایک ایک پتے کی کھڑکھڑاہٹ انہیں چونکانے کا سبب بن جاتی تھی، اور اب ڈوگریس محسوس کر رہا تھا کہ فوجیوں میں مزید چلنے کی سکت باقی نہیں رہ گئی ہے، چنانچہ اس نے درختوں کے ایک جھنڈ کے نزدیک کیمپ لگا دیا اور فوجی اپنے اپنے کاموں میں مشغول ہوگئے۔ دن چمکدار تھا، چاروں طرف روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ ڈوگریس نے فوجیوں کو ضروری ہدایات جاری کیں اور پھر قرب و جوار کے علاقہ کی چھان بین کے لئے نکل گیا۔

ان کے پیش نگاہ کوئی خصوصی مہم تو تھی نہیں، بس صرف ان باقی ماندہ لوگوں کو صحیح سلامت کسی اتحادی گروہ تک لے جانا تھا۔ چنانچہ صرف اتنا سا کام تھا کہ جاپانی گوریلوں سے ان کی زندگی محفوظ رکھی جائے اور کسی بھی صحیح سمت کا تعین کر لیا جائے۔ میجر ڈوگریس نے صرف یہی جائزہ لینے کے لئے ایک لمبا چکر لگایا کہ جس جگہ انہوں نے کیمپ لگایا ہے وہاں سے گوریلا کارروائی کس انداز میں کی جاسکتی ہے۔ درختوں کا یہ جھنڈ اس قدر گھنا تھا کہ یہاں اچھی خاصی فوجیں آسانی سے چھپ سکتی تھیں، لیکن ڈوگریس نے ان درختوں پر بھی مسلح فوجیوں کو پہنچا دیا تاکہ گوریلا کارروائی اس طرف سے نہ ہو سکے۔ اس کے بعد اس نے درختوں کے آخری سلسلے کا رخ کیا، جو زیادہ دور نہ تھا۔ دو مسلح فوجی اس کے ساتھ تھے۔ درختوں کے دوسری جانب ایک چھوٹا سا سیاہ میدان نظر آیا، جس کے دوسری جانب پھر درختوں کا سلسلہ شروع ہوگیا تھا۔ یہ چھوٹا سا میدان اپنی رنگت کے اعتبار سے عجیب تھا۔ نہ جانے کیسی بو میجر ڈوگریس کے نتھنوں سے ٹکرائی۔ اس نے چند قدم آگے بڑھ کر اس بدبو کو جاننے کی کوشش کی لیکن اس کے ساتھ ہی ایک فوجی نے مضطربانہ انداز میں اس کا بازو پکڑ لیا۔

" سر آگے نہ جائیے "

" کیوں؟ " میجر چونک پڑا۔

" یہ خشک میدان نہیں ہے "

" کیا مطلب؟ "

" میرا خیال ہے یہ دلدل ہے، یقیناً یہاں پہلے کوئی جھیل ہوگی۔ جو اب خشک ہوگئی ہے اور اب دلدل بن گئی ہے، آپ اس سے اٹھتی گندھک کی بو محسوس کر رہے ہوں گے "

" اوہ " میجر بے ساختہ رک گیا، بلاشبہ اس شخص کا بیان درست تھا۔ میدان کی سیاہی مائل رنگت اور زمین کے پھٹے پھٹے ٹکڑے اس کی بات کی تائید کرتے تھے۔ میجر ڈوگریس نے میدان میں چاروں طرف نگاہ دوڑائی اور پھر وہ بے ساختہ اچھل پڑا۔ دور کافی دور کوئی چیز متحرک نظر آئی تھی۔

" پاؤل " ڈوگریس نے اپنے نوجوان ساتھی کا شانہ دباتے ہوئے کہا۔

" وہ دیکھو، وہ متحرک شے کیا ہے؟ "

" سر! میرا خیال ہے کچھ انسان ہیں جو دلدل میں غرق ہو رہے ہیں "

پاؤل نے جواب دیا۔

"واقعی۔ اوہ ممکن ہے وہ جاپانی فوجی ہوں، تم ذرا دوڑ کر دوربین لے آؤ۔" میجر ڈوگریس نے کہا اور باڈل بے ساختہ دوڑ گیا۔ چند لمحات کے بعد وہ دوربین آنکھوں سے لگائے میدان کے اس حصے کی طرف دیکھ رہے تھے۔ جہاں انسانی ہاتھ متحرک نظر آ رہے تھے۔

چھ افراد تھے جو تقریباً آدھے بدن تک دلدل میں غرق ہو چکے تھے اور شاید زندگی کی آخری جدوجہد کے طور پر ہاتھ ہلا رہے تھے، کسی انسانی امداد کے خواہاں۔ دوربین کے شیشوں نے ان کی شکلیں بھی واضح کر دیں اور انہیں دیکھ کر میجر ڈوگریس بُری طرح چونک پڑا۔ یقیناً یہ فلپائنی باشندے تھے شاید فلپائن کے گوریلے جو اس وقت اتحادیوں کی بھرپور مدد کر رہے تھے۔ جاپانی گوریلا مزاحمت کے جواب میں فلپائنی گوریلوں کی ایک ایک کارروائی قابل قدر تھی۔ چنانچہ اس وقت ان کی مدد نہ کرنا بڑی ہی غیر اخلاقی حرکت ہوگی۔

حالانکہ خود میجر ڈوگریس کمپنی مصائب میں مبتلا تھی، لیکن ان گوریلوں کو وہ اپنی زندگی پر کھیل کر بچانا چاہتا تھا، لیکن اتنی دور اور اس دلدل میں نصف سے زیادہ غرق شدہ لوگوں کو بچانے کی کوئی ترکیب ذہن میں نہیں آتی تھی۔

صرف چند لمحات میجر ڈوگریس نے سوچا اور پھر وہ اپنے کیمپ کی طرف دوڑ پڑا۔ دوسرے لمحے اس نے چیخ چیخ کر ہدایات دیں اور تقریباً پندرہ افراد کینوس کے خیمے کاندھوں پر اٹھائے درختوں کے سلسلے کے اختتام کی جانب دوڑ پڑے، میجر ڈوگریس ان کی رہنمائی کر رہا تھا۔ پھر اس نے جلدی سے خود بھی جوتے اتارے اور اپنے چند ساتھیوں سے بھی اپنی مدد کے لئے کہا۔ کسی کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ وہ کیا کرنا چاہتا تھا، جوتے اتارنے کے بعد ڈوگریس نے ایک خیمہ ہاتھوں میں پکڑا اور اسے اس انداز میں دلدل کی جھیل میں پھینک دیا جس طرح ماہی گیر مچھلیاں پکڑنے کے لیے جال پھینکتے ہیں اور پھر دوسرا خیمہ اس نے کنارے کے نزدیک دلدل پر ڈال دیا، پھر دو خیمے اپنے نزدیک رکھے اور کچھ ضروری چیزوں کے ساتھ خیمے پر اتر گیا۔ وہ خیمے پر لیٹ گیا تھا اور پھر وہاں سے لڑھکتا ہوا دوسرے خیمے پر پہنچ گیا۔ اس کی دیکھا دیکھی اس کے تین ساتھیوں نے بھی عمل کیا۔ وہ سمجھ گئے تھے میجر ڈوگریس کیا پروگرام رکھتا ہے۔ سخت دلدل پر پیروں کے بل تو چلا نہیں جا سکتا تھا۔ ظاہر ہے پاؤں دلدل میں دھنس جاتے لیکن موٹا کینوس چند لیٹے ہوئے لوگوں کا بوجھ تو اٹھا ہی سکتا تھا۔ وہ سب لڑھکتے ہوئے خیمے کے آخری سرے پر پہنچ گئے، تب انہوں نے پچھلا خیمہ دلدل پر سے سمیٹ لیا، اور پھر اسے سامنے اچھال دیا، اور اس کے بعد وہ اس دوسرے خیمے پر پہنچ گئے، پھر اسی انداز میں وہ آگے بڑھتے رہے، جان جوکھوں کا کام تھا۔ درحقیقت بڑی بے جگری کی ضرورت تھی اور کوئی بھی کسی کے لئے اس طرح جان کی بازی نہیں لگاتا، ماسوا ان کے جو اپنی زندگی ہی دوسروں کے لئے وقف کر دیتے ہیں۔ دلدل کہیں راستے میں نرم بھی ہو سکتی تھی۔ اس طرح دوسروں کی مدد کے خواہش مند خود اپنی زندگی سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتے۔ لیکن نہ جانے کونسا جذبہ انسان کو جان فروشی پر آمادہ کرتا ہے۔

اور جدوجہد کبھی ناکام نہیں رہتی۔ منزل قریب آتی جا رہی تھی، دلدل میں ڈوبنے والے بالکل نزدیک آ گئے تھے۔ یہاں تک کہ آخری خیمہ ان کے بالکل نزدیک پہنچ گیا، وہ نیم بے ہوشی کی کیفیت میں تھے، دلدل نے انہیں کسی اژدہے کی مانند سینے تک نگل لیا تھا۔ ان لوگوں کو سخت دلدل سے نکالنا بھی مشکل کام تھا۔ لیکن وہ، جو جان کی بازی لگا کر وہاں پہنچے تھے۔ اس آخری کام کو بھی انجام دینے میں کامیاب ہو گئے اور پانچوں انسانوں کو موت کے جبڑوں سے چھین لینے میں کامیاب ہو گئے۔

اسی انداز میں واپسی ہوئی۔ نہ جانے کتنے گھنٹے موت کی کشمکش میں مبتلا رہنے والے نیم بے ہوشی کی کیفیت میں تھے، ان کے حواس معطل تھے، یہاں تک کہ جب انہیں لا کر کنارے پر ڈالا گیا تو انہیں کوئی سدھ نہ رہی۔

یہ پانچوں فلپائنی ہی تھے، نرم نرم خدوخال والے کم سن۔ ان کے چہروں پر ایک عجیب سی جاذبیت تھی۔ انہیں ہوش میں لانے کی کوشش کی گئی، ان میں سے تین ہوش میں آ گئے لیکن دو ابھی تک بے ہوش تھے۔

میجر ڈوگریس اس پُرمشقت کام سے تھک گیا تھا۔ چنانچہ وہ زمین پر لیٹ کر گہری گہری سانسیں لینے لگا۔ کیمپ کے دوسرے لوگ زندگی کے دوسرے معمولات میں مصروف ہو گئے تھے، پھر کھانا کھایا گیا۔ چوتھا فلپائنی بھی ہوش میں آ چکا تھا، لیکن پانچویں کی حالت بہتر نہ تھی۔ اسے آرام سے کینوس کے بستر پر لٹا دیا گیا۔

میجر ڈوگریس سنبھلنے کے بعد ان لوگوں کی دلدہی میں مصروف ہو گیا اس نے ان چاروں کی خاطر مدارت کی اور ان سے ان کے مسائل کے بارے میں پوچھنے لگا۔ وہ سب بُری طرح خوفزدہ تھے اور اپنے پانچویں ساتھی کی طرف سے متفکر تھے۔ لیکن میجر ڈوگریس نے اپنی موجودگی میں ان کے ساتھی کی تیمارداری اور علاج کا بندوبست کیا۔ ان کے پاس کچھ دوائیں تھیں جو اس کے علاج کے سلسلہ میں استعمال کی جانے لگیں۔

کافی دیر کے بعد اس کی حالت بہتر ہوئی، ڈاکٹر سیکسن اس کی پوری نگہداشت کر رہا تھا، اسی نے ڈوگریس کو بتایا کہ بے ہوش شخص کی حالت اب نارمل ہے، اور ڈاکٹر کی رپورٹ سے اس کے ساتھی کسی قدر مطمئن ہو گئے۔

"کیا آپ لوگ اپنے بارے میں بتانا پسند کریں گے؟" ڈوگریس نے پوچھا

"ہم ایک فلپائنی گوریلا دستے سے تعلق رکھتے ہیں، ہم نے ایک بہت بڑی جاپانی فوج پر حملہ کیا تھا، اس کے بعد سے جاپانی ہمارے دستے کے تعاقب میں لگ گئے، چونکہ ہم نے انہیں زبردست نقصان پہنچایا تھا۔ اس لئے وہ ہمارے بدترین دشمن بن گئے اور کسی قیمت پر ہمیں نہ چھوڑنے پر تل گئے۔ ہماری تعداد تقریباً ستر تھی، لیکن آہستہ آہستہ ختم ہوتے ہوتے ہم صرف پانچ رہ گئے۔ پچھلی رات بھی ہم نے ایک جاپانی کمپنی کو نقصان پہنچایا، اور جاپانیوں نے ہمارا تعاقب کیا، لیکن ہم دلدل میں آ پھنسے اور یہ اتفاق ہی تھا کہ جاپانی اس طرف نہیں آئے ورنہ وہ ہمیں گولیوں کا نشانہ بنا دیتے۔ رات سے ہم دلدل میں غرق ہو رہے تھے، لیکن زندگی تھی جو دلدل اتنی نرم نہیں تھی کہ ہم آسانی سے غرق ہو جاتے، دوسرے آپ لوگ پہنچ گئے۔"

"وہ میرے سر دوستو! مجھے تم سے ہمدردی ہے۔ اور میں خوش بھی ہوں کہ میں تمہارے کسی کام آسکا۔ اس کے علاوہ ہماری بھی خوش بختی ہے کہ ہمیں تم مل گئے۔"

"کیا مطلب؟"

"ہمارا تعلق اس دستے سے ہے جو یہاں گوریلا جنگ کی تربیت حاصل کر رہا ہے، لیکن پچھلی رات ہی ہم پر بھی مصیبت ٹوٹ پڑی اور جاپانی گوریلوں نے ہمارے آدھے سے زیادہ افراد ختم کر دیئے۔ بدبختی یہ ہے کہ ہم ان جنگلات میں کسی راستے سے واقف نہیں ہیں اس لئے ہم اتحادی فوجوں کو تلاش بھی نہیں کر سکتے۔"

"ہم ہر طرح سے آپ کی مدد کے لئے حاضر ہیں، آپ نے جس انداز میں ہماری زندگیاں بچائی ہیں ہم اسے کبھی فراموش نہیں کر سکیں گے۔" فلپائنی دستے کے ایک سپاہی نے جواب دیا، ڈوگریس نے خوشی سے گردن ہلادی۔ راستے کے متعلق نہ جاننے کی وجہ سے وہ کسی قدر پریشان تھا لیکن اب اس کی یہ مشکل حل ہو گئی تھی۔ کم از کم اپنے ساتھیوں سے جا ملنے کی جدوجہد تو پوری دلجمعی سے کی جا سکتی تھی۔ باقی رہے دوسرے معاملات تو وہ تو زندگی کے ساتھ تھے قسمت آئندہ جو بھی راہ متعین کر لے۔

اور درحقیقت تقدیر ان کے لئے کچھ دوسرے راستے متعین کر رہی تھی، پورا دن انہوں نے اسی جگہ گذارا، بظاہر یہ محفوظ جگہ تھی، درختوں پر چڑھے لوگ دور دور تک کی نگرانی کر رہے تھے اور انہوں نے بتایا تھا کہ گھنے درختوں کے درمیان کوئی تحریک نہیں ہے، گوریلوں کا پانچواں آدمی ابھی تک ہوش میں نہیں آیا تھا، شام کو اسے سخت بخار ہو گیا تھا۔

پھر رات کو میجر ڈوگریس نے اپنے خاص لوگوں سے اور فلپائنی سپاہیوں سے مشورہ کیا۔

"کیا خیال ہے، کیا رات کو سفر کیا جائے؟"

"میرا مشورہ ہے کہ تھوڑا بہت راستہ طے کر لیا جائے، ہمارے سامنے کوئی مخصوص کام تو ہے نہیں، آپ لوگوں کو اب امریکی فوجوں سے جا ملنا چاہئے، ہم بھی اتنی مختصر تعداد میں رہ گئے ہیں کہ کوئی کارروائی نہیں کر سکتے، اس لئے اب یہاں رکنا فضول ہے، دن کی روشنی میں ہم کوئی مناسب قیام گاہ تلاش کریں گے اور راتوں کو سفر کریں۔" ایلکانز نے جواب دیا، یہ ایک فلپائنی سپاہی تھا۔

"مناسب ہے۔" میجر ڈوگریس نے ان سے اتفاق کیا اور پھر اس نے روانگی کی تیاریوں کا حکم دیا، خیمے باندھ لئے گئے۔ ایک کینوس کے بستر کو ڈنڈے باندھ کر اسٹریچر کی شکل دے دی گئی جس پر فلپائنی سپاہی کو ڈال دیا گیا۔ اور پھر رات کی تاریکی میں سفر شروع کر دیا گیا۔ رات بھر کوئی خاص واقعہ پیش نہیں آیا۔ صبح کی روشنی پھوٹی تو درختوں کا سلسلہ ختم ہو گیا تھا اور وہ چھوٹے کے پہاڑوں کے ایک درے میں پہنچ گئے۔ چاروں طرف ایک ناگوار بو پھیلی ہوئی تھی۔ انہوں نے ایک مناسب جگہ کا انتخاب کیا اور خیمے لگا دیئے، جگہ ایسی منتخب کی گئی تھی کہ یہاں سے دور دور تک نگاہ رکھی جا سکے۔ میجر نے چند افراد کو فوراً پہرے پر مقرر کر دیا اور پھر بقیہ سپاہی دوسری تیاریوں میں مصروف ہو گئے۔ فلپائنی سپاہی ابھی تک بے ہوش تھا، اور ڈاکٹر کا خیال تھا کہ اب اس کی بے ہوشی خطرناک دور میں داخل ہو گئی ہے۔

لیکن کیا بھی کیا جا سکتا تھا۔ اس کے علاوہ ان کے پاس اور کوئی ترکیب نہیں تھی۔ اس وقت بھی آسمان پر سورج پوری آب و تاب سے چمک رہا تھا۔ فضا خوب گرم ہو گئی تھی۔ فوجی زیادہ تر خیموں میں تھے سوائے ان کے جو پہرے پر تھے اور جن کی ڈیوٹی ہر دو گھنٹے کے بعد بدل جاتی تھی۔ میجر ڈوگریس بھی اپنے خیمے میں خاموش بیٹھا تھا۔ اس کی نگاہیں فلپائنی سپاہی کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں نہ جانے اس بے چارے کی زندگی کتنی باقی رہ گئی ہے، لیکن اس قدر طویل بیہوشی کی وجہ کیا ہو سکتی ہے، بظاہر اس کے بدن پر زخم وغیرہ بھی نہیں تھا۔ لباس بے داغ تھا سوائے دلدل کے سرمئی پلاسٹر کے جو ان پانچوں کے لباس پر چڑھ گیا تھا، لیکن لباس کے سلسلہ میں ان کی کوئی مدد نہیں کی جا سکتی تھی۔ کیونکہ دوسرے لباسوں کا کوئی بندوبست نہیں تھا۔ ویسے بھی پلاسٹر سوکھ کر جھڑ جانے والی چیز تھی اور پھر دوران جنگ ان معمولی باتوں کی پرواہ بھی نہیں کی جاتی۔

ڈوگریس چہل قدمی کرتا ہوا سپاہی کے نزدیک پہنچ گیا۔ فلپائنی باشندے مخصوص خدوخال کے مالک ہوتے ہیں، یہ سپاہی بہت کمسن تھے ان کے چہروں پر داڑھی بھی نہیں آیا تھا۔ لیکن اس وقت ڈوگریس کو بے ہوش سپاہی کے چہرے پر ایک عجیب سی کیفیت محسوس ہوئی۔ ایک انوکھی کیفیت اور وہ اس پر جھک گیا۔

چھوٹی سی پیشانی، مخصوص ساخت کی بند آنکھیں، چھوٹی سی ناک حسین تراش کے دہانے ہونٹ اور شفاف ٹھوڑی، ٹھوڑی سے نیچے شفاف گردن۔ چہرے پر ایسی چکناہٹ اور ملائمت تھی کہ یقین نہیں آتا تھا کہ وہ صنف قوی میں سے ہیں لیکن ___ وہ صنف قوی میں سے ہیں بھی یا نہیں۔

یہ خیال ڈوگریس کے ذہن میں اس قدر جم گیا کہ وہ حقیقت معلوم کرنے کے لئے بے چین ہو گیا، چند لمحات کھڑا سوچتا رہا، پھر خیمے کے دروازے پر پہنچا اور باہر جھانکا۔ تمام فوجی یا تو اپنے خیموں میں تھے یا اپنے کاموں میں مصروف تھے، کوئی اس خیمے کے آس پاس موجود نہیں تھا۔ ڈوگریس آگیا اور پھر اس نے بے ہوش فوجی کا سینہ ٹٹولا۔ سینے کے لباس کے نیچے سخت کپڑے تھے، اس لئے اس نے بے ہوش فوجی کے اوپری لباس کو پیٹ پر سے اوپر کھینچ لیا اور پھر تھوڑی سی طاقت سے اسے اوپر تک سرکا لیا۔ اور پھر اس کے بدن میں چیونٹیاں رینگنے لگیں، سفید پیٹ اور اس سے اوپر زنانہ پوشیدہ لباس، جو انتہائی حد تک کسا ہوا تھا۔ غالباً جوانی کی سرکشی کے نشانات کم کرنے کے لئے یہ زبردستی کی گئی تھی ___ تو اس کا خیال درست نکلا۔ یہ ___ یہ سب لڑکیاں ہیں ___ یہ سب لڑکیاں ہیں۔ جو ان کی مدد کے لئے نکل آئی ہیں۔ اس کے دل میں ان کی عزت اور محبت اور بڑھ گئی۔ اس نے جلدی سے لڑکی کا لباس برابر کر دیا۔ جس بات کو وہ اتنی شدت سے چھپانے پر آمادہ ہیں اسے دوسروں کی نگاہوں میں نہیں آنا چاہیئے، اور پھر دوسرے طور پر بھی یہ انکشاف مناسب نہیں ہوگا۔ نہیں کہا جا سکتا جنگلوں میں بھٹکنے والوں کو کتنا وقت ان جنگلوں میں گزارنا پڑے، اور پھر جنگ سے بیزار لوگ ذہنی تفریح حاصل کرنے کے لئے بے چین ہو جائیں گے، ان میں آپس میں اختلاف پیدا ہو جائیں گے اور وہ بھول جائیں گے کہ یہ کون ہیں۔ خاصی مشکل صورتحال پیدا ہو جائے گی، اس لئے ___ اس لئے ___ وہ ایک گہری سانس لے کر لڑکی کے نزدیک سے ہٹ گیا۔ اور پھر اس نے فوری طور پر کچھ فیصلے کئے۔ فلپائنی گوریلوں کو علیحدہ دو خیمے فراہم کر دیئے جائیں تاکہ یہ راز راز رہ سکے اور ان لوگوں کو بھی یہ وقت گذارنے میں مشکلات نہ پیش آئیں۔

سورج ڈھلنے لگا اور اس وقت گھڑیوں میں پانچ بجے تھے، جب فلپائنی لڑکی کو ہوش آگیا۔ اس کے منہ سے نکلی ہوئی ایک آواز نے ڈوگریس کو اپنی طرف متوجہ کیا تھا۔ ڈوگریس اس کے نزدیک پہنچ گیا۔ اور پھر اس نے نہایت نرمی سے پوچھا۔

" کیسی طبیعت ہے تمہاری ؟"

لڑکی خالی خالی نگاہوں سے اسے دیکھتی رہی اور پھر اس کی آنکھوں میں عجیب سے تاثرات ابھر آئے، پھر وہ بمشکل بولی۔

" کیا ___ کیا تمہارا تعلق اتحادی فوجوں سے ہے، تمہارے بدن پر امریکی فوجیوں کی وردی ہے ؟"

" ہاں۔ میں امریکی ہوں، اور میرا نام ڈوگریس ہے ؛"

" اوہ ___ لیکن میرے ساتھ ___ تم نے ___ اوہ ___ میں ..."۔ وہ گھبرائی ہوئی نگاہوں سے چاروں طرف دیکھنے لگی اور پھر چونک کر بولی: "لیکن ہم تو ___ ہم تو دلدل میں پھنس گئے تھے ؛"

" ہاں۔ تمہیں بچا لیا گیا ؛"

" لیکن ___ میری ___ میرے ساتھی ...؟"

" تمہارے تمام ساتھی بھی بچا لئے گئے ہیں ؛"

" اوہ۔ شکریہ ہے ؛" لڑکی کے چہرے پر کسی قدر سکون کے آثار نظر آئے، ڈوگریس نے اندازہ لگا لیا تھا لڑکی بے اختیار میری ساتھی کہنا چاہتی تھی، لیکن پھر اس نے میری کو میرے سے میں تبدیل کر دیا تھا اور ڈوگریس نے بھی مسکرا کر اس کے اس جھوٹ کو تسلیم کر لیا تھا۔

" میں اپنے ساتھیوں سے ملنا چاہتا ہوں ؛" وہ بولی۔

" ہاں۔ میں ابھی انہیں تمہارے پاس بھیجتا ہوں ؛" ڈوگریس نے کہا اور خیمے سے باہر نکل گیا۔ پھر اس نے چاروں فلپائنی لڑکیوں کو اس کی ساتھی کے پاس بھیج دیا اور سورج ڈھلے جب وہ دوبارہ خیمے میں آیا تو پانچوں لڑکیاں مطمئن اور مسرور تھیں۔ پانچویں لڑکی نے بھی بڑے پرخلوص انداز میں دوبارہ اس کا شکریہ ادا کیا تھا۔

" اوہ۔ مسٹر ڈوگریس! آپ نے جس انداز میں ہماری زندگیاں بچائی ہیں ہم اس کے لئے بے حد شکر گذار ہیں ؛"

" یہ تو ہمارا فرض تھا، آپ لوگ بھی تو ہمارے لئے سرفروشی کر رہے ہیں ؛" لڑکی مسکرا کر رہ گئی، لیکن اس کے چہرے سے بدستور نقاہت عیاں تھی۔

اور رات کو جب ڈوگریس نے سفر کا پروگرام طے کیا تو لڑکی کے لئے اسٹریچر کا ہی

ب کیا۔ حالانکہ اس نے اسٹریچر پر سفر کرنے سے منع کیا تھا، لیکن ڈوگرلیس نے اصرار کر کے اسے اسٹریچر پر ہی رہنے دیا اور پھر طویل سفر کے دوران وہ برابر لڑکی کی خبر گیری کرتا رہا۔

امریکی فوجی عام طور سے عورتوں کے معاملے میں اس قدر مخلص نہیں ہوتے۔ وہ تو شکار دیکھو، مارو اور کھاؤ کے قائل ہوتے ہیں۔ لیکن ڈوگرلیس کے بدن میں یا تو امریکی خون ہی نہیں تھا یا پھر وہ ضرورت سے زیادہ ٹھنڈا تھا۔ اپنے دل میں وہ لڑکی کے لئے عجیب سے جذبات پا رہا تھا حالانکہ لڑکی اس بات سے مطمئن تھی کہ ڈوگرلیس اسے صرف کم سن نوجوان سمجھتا ہے۔

رات کا سفر جاری رہا اور نہ جانے وہ کتنی دور نکل آئے۔ فلپائنی لڑکیاں انہیں راستہ بتا رہی تھیں، لیکن بدبختی ان کے ساتھ چل رہی تھی صبح کی روشنی پھوٹنے میں تھوڑی ہی دیر باقی تھی کہ اچانک گولیاں برسنے لگیں۔ ان کے چاروں طرف گولیوں کا حصار قائم ہو گیا، اور پھر چاروں طرف سے جاپانی ٹوٹ پڑے، انہیں بُری طرح گھیر لیا گیا تھا۔ میجر ڈوگرلیس کے لئے اب ہتھیار ڈالنے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ وہ اس وقت جنگ کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ انجانی جگہ تھی اور پھر ان کی تعداد بھی جاپانیوں کے مقابلے میں نہ ہونے کے برابر تھی۔ چنانچہ ڈوگرلیس کے حکم سے ہتھیار ڈال دیئے گئے اور جاپانیوں نے ان سب کو قیدی بنا لیا، اور اس کے بعد کا سفر صعوبتوں کا سفر تھا، جاپانی انہیں لئے ہوئے تبان پہنچ گئے، جہاں دوسرے امریکی قیدیوں کا کیمپ بنا ہوا تھا۔

اور اس کیمپ کا نگراں کیپٹن ادمارا تھا۔ ایک انتہائی سنگدل انسان وحشت و بربریت کا پیکر، اس نے امریکی قیدیوں پر مظالم کے پہاڑ توڑ دیئے تھے۔ نئے گرفتار شدہ قیدیوں کو بھی اسی کیمپ میں دھکیل دیا گیا، انکے ساتھ فلپائنی گوریلے بھی تھے جن پر جاپانیوں نے کوئی خاص توجہ نہیں دی تھی۔ کیپٹن ادمارا کے حکم سے نئے آنے والے قیدیوں کے لئے کیمپ کا مشرقی حصہ مختص کر دیا گیا اور میجر ڈوگرلیس اپنے ساتھیوں کو تحمل سے کام لینے کا سبق دینے لگا۔ حالات ایک دم بگڑ چکے تھے۔ کیپٹن ادمارا کے انداز سے احساس ہوتا تھا کہ وہ خالص دشمنوں کا سا سلوک کرے گا۔

یہ لوگ صبح سے گرفتار ہوئے تھے اور اب سورج ڈھلان پر آ چکا تھا لیکن ابھی تک انہیں پانی کے لئے بھی نہیں پوچھا گیا تھا، خوراک تو در کنار، سر پر کھلا آسمان تھا اور دھوپ کی شدت جلد جھلسا رہی تھی۔

میجر ڈوگرلیس حالات کا بغور جائزہ لے رہا تھا اور اس سلسلے میں خاصا پریشان تھا، پھر شام ہو گئی۔ بھوکے پیاسے قیدی نقاہت محسوس کر رہے تھے، لیکن سب خاموش تھے۔ کہہ بھی کیا سکتے تھے، کر بھی کیا سکتے تھے کیپٹن ادمارا سفاک درندہ قیدیوں کی طرف سے بالکل لاپرواہ تھا۔ وہ ان پر مظالم تو کر سکتا تھا لیکن خوراک نہیں دے سکتا تھا اور حالات آشندہ نہ جانے کونسا رخ اختیار کریں۔ بہرصورت دوسرے قیدیوں کی طرح وہ بھی



رات کے سناٹے میں جاگتے رہے۔ نیند کسے آتی۔ پورا دن بھوک اور پیاس میں گذر گیا تھا۔ حیرت ان دوسرے قیدیوں پر تھی جو پہلے سے یہاں موجود تھے، ان میں کوئی عورت نہیں تھی، لیکن وہ کسی حد تک مطمئن تھے۔

وہ لڑکی جو بیمار تھی، سارکس کے نام سے پکاری جاتی تھی۔ دوسرے قیدیوں کی مانند ان کے انداز میں بھی ایک صبر کی سی کیفیت جھلکتی تھی چونکہ وہ بھی مرد سپاہیوں کی حیثیت سے ڈوگرلیس کے ساتھ تھیں، اس لئے سارکس اس کے بالکل قریب زمین پر لیٹی ہوئی تھی۔

• مسٹر ڈوگرلیس ! رات کے نہ جانے کونسے پہر اس نے ڈوگرلیس کو پکارا۔

• اوہ۔ سارکس تم نہیں ۔۔ سوئے ؟ ڈوگرلیس اسے سوئے کی جگہ سوئی کہنے والا تھا، لیکن ان کا بھرم توڑنے سے کیا فائدہ ؟ اگر وہ خود کو مرد ثابت کرنے پر تلی ہوئی ہیں تو یہی ٹھیک ہے۔

• ہاں، نیند نہیں آ رہی ؟

• کیوں ؟

• بس یونہی پریشان کن خیالات ذہن میں آ رہے ہیں ؟

• ہم فوجی ہیں سارکس، جس وقت ہم اپنا وطن اپنی زمین چھوڑتے ہیں تو سوچ لیتے ہیں کہ ہمیں صرف مصائب میں زندگی گذارنی ہے، ہمیں حالات سے پریشان نہیں ہونا چاہئے، میرا خیال ہے تم بھوکے ہو ؟

• ہاں، پیاسا بھی ہوں۔ بلکہ پیاس زیادہ شدید ہے ؟

• یقیناً۔ لیکن ہمیں دوسرے قیدیوں کو بھی دیکھنا چاہئے جو نہ جانے کب سے کیپٹن ادمارا کی قید میں ہیں ؟ ان بے چاروں کے ساتھ نہ جانے کب سے یہ سلوک ہو رہا ہو گا ؟

• ہاں۔ لیکن اب ہو گا کیا ؟ سارکس نے پوچھا۔

• جو کچھ بھی ہو گا دیکھا جائے گا، تم سونے کی کوشش کرو ؟

• اچھا ! اس نے معصومیت سے کہا اور کروٹ بدل کر لیٹ گئی۔

رات یونہی گذر گئی اور دوسری صبح کیپٹن ادمارا نے اعلان کیا کہ

قیدیوں کو نباں سے بنگ لے جایا جائے گا اور وہاں سے مرتل کیمپ جو امریکی قیدیوں کا سب سے بڑا کیمپ تھا۔

قیدیوں کی تعداد تقریباً ایک ہزار تھی جبکہ نگران دستے ان سے کم تھے۔ جاپانیوں کا خیال تھا کہ قیدیوں کو نہ تو پیٹ بھر کھانا دیا جائے اور نہ حسبِ خواہش پانی، تاکہ وہ کمزور اور لاغر رہیں اور فوجیوں سے بغاوت نہ کر سکیں۔ پہلے سے جو قیدی موجود تھے، ان کی حالت پہلے ہی خراب کر دی گئی تھی۔ دن کی روشنی میں جب قیدی قافلے کی شکل میں چلے تو میجر ڈڈ گرلیس نے انہیں دیکھا، مدقوق چہرے آنکھوں سے ویرانی ٹپکتی تھی، ہونٹ خشک تھے اور پھر جاپانی قیدیوں کے مظالم گھٹتے ہوئے قیدی بھوکے سفر کر رہے تھے، بہت سے ایسے تھے جو چلتے چلتے گر پڑتے تھے، لیکن ادمارا کے مددگار کوڑے مار مار کر انہیں پھر کھڑا کر دیتے تھے، اور قیدی زندگی کے بوجھ کو گھسیٹنے لگ جاتے۔ جاپانی سپاہی امریکی قیدیوں کے ساتھ نہایت ذلت آمیز سلوک کر رہے تھے۔ کیپٹن ادمارا نے ڈبل مارچ کا حکم دیا، تاکہ تھکے ہوئے بھوکے پیاسے قیدی اور تھک جائیں اور کسی کام کے نہ رہیں۔ اس نے قیدیوں کو حکم دے دیا تھا کہ اگر کسی کی رفتار سست ہوئی تو اسے گولی سے اڑا دیا جائے گا، اور بدبخت ادمارا اپنی اس بات پر عمل کرنے پر قادر تھا۔ چنانچہ ایک بوڑھے اور لاغر قیدی کے پاؤں جواب دے گئے تو وہ چلتے چلتے گر پڑا، کیپٹن ادمارا نے اپنی بیلٹ میں لگا ہوا پستول نکال کر آرام سے اس کی پیشانی کو نشانہ بنایا اور بدنصیب بوڑھے کے منہ سے ہلکی سی آواز نکلی۔ اس نے دو چار ہاتھ پاؤں مارے اور پھر سرد ہو گیا۔

تمام سپاہی چلتے چلتے رک گئے، میجر والشر نے ادمارا سے گفتگو کرنے کی اجازت مانگی اور ادمارا نے اسے اپنے سامنے طلب کر لیا۔ بوڑھے میجر کے چہرے پر بے پناہ سکون تھا۔ وہ ادمارا کی چھوٹی چھوٹی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

"کیا بات ہے، تم لوگ رک کیوں گئے؟" ادمارا نے پوچھا

"میں آپ سے کچھ گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔"

"چند الفاظ میں کہو، ہمیں ساٹھ میل کا سفر طے کرنا ہے۔"

"ڈبل مارچ کی کیا ضرورت ہے، ہم اطمینان سے بھی جا سکتے ہیں۔" میجر والشر نے کہا۔

"کس بات کی ضرورت ہے اور کس بات کی نہیں، یہ میں جانتا ہوں۔"

"لیکن میرے ساتھیوں کی حالت درست نہیں ہے، وہ تین دن سے بھوکے اور پیاسے ہیں۔"

"تب انہیں مر جانا چاہیے۔ بس جاؤ۔ اور سنو، اگر کسی نے ڈبل مارچ کا ساتھ نہیں دیا، کسی نے ذرا سی بھی قانون شکنی کی تو اسے اسی وقت قتل کر دیا جائے گا۔ ہمارے پاس اتنا وقت نہیں ہے کہ ہم کسی کی تیمارداری کریں، جاؤ۔" ادمارا نے سنگدلی سے کہا اور میجر والشر واپس اپنے ساتھیوں میں آ گیا۔ اس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ سنگدل ادمارا سے انسانیت کی بھیک مانگنا فضول ہے۔ میجر ڈڈ گرلیس نے بھی یہ گفتگو سن لی تھی اور اندازہ لگا لیا تھا کہ خود اس کے ساتھیوں کو بھی اسی صورتحال سے دوچار ہونا پڑے گا۔ پہلے سے موجود قیدیوں کی حالت اس کے ساتھیوں سے کہیں زیادہ خراب تھی، وہ خود بھی پیاسا تھا اور اس کے ساتھی بھی، لیکن انہیں جو قیدی یہاں پر نظر آئے تھے ان کی حالت سے ڈھارس مل رہی تھی۔ ان لوگوں کے چہرے چمڑے کی طرح خشک ہو گئے تھے۔ فاقوں کی وجہ سے ان کے چہروں پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ لباس تار تار تھے اور جسموں پر میل جما ہوا تھا۔ جاپانیوں کا محافظ دستہ کسی بھی انسان کی سست روی پر اسے ٹھوکریں مارتا اور گھسیٹ کر آگے بڑھا دیتا، لیکن اس کے منہ سے کوئی آواز نہ نکلتی اور وہ خاموشی سے ڈبل مارچ میں شامل ہو جاتا۔

اتفاق کی بات تھی کہ میجر ادمارا ڈبل مارچ میں ڈڈ گرلیس سے زیادہ دور نہیں تھا۔ چنانچہ ڈڈ گرلیس اس کی ساری حرکتیں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔ ایک جاپانی سپاہی ایک امریکی افسر کو دھکے دیتا ہوا میجر ادمارا کے سامنے لایا اور اس کے قریب لا کر افسر کے ایک زوردار لات رسید کر دی۔

"کیا بات ہے؟" ادمارا نے بدستور کرخت لہجے میں پوچھا۔

"سر! ہم اور میرے ساتھی تین روز سے بھوکے اور پیاسے ہیں، ہم خوراک نہیں مانگتے لیکن پیاس ناقابل برداشت ہے، ہمیں تھوڑا سا پانی دے دیا جائے۔"

"اوہ۔" ادمارا پُر تحقیر انداز میں ہنس پڑا۔ "یہ تو تمہیں پہلے سوچنا چاہیے تھا کہ تم جاپانیوں سے مقابلہ کر رہے ہو، اب جنگ کرنے آئے ہو تو بھگتو۔"

"لیکن ہمارے پانی کے ذرائع تمہارے آدمیوں نے تباہ کر دیئے ہیں۔ ہماری زبانیں خشک ہیں، یہ دیکھو۔" امریکی افسر نے اپنا منہ کھول دیا، اس کی زبان خشک ہو رہی تھی اور پیاس کی شدت سے تالو سے چپکی جا رہی تھی۔

ادمارا پھر ہنس پڑا۔ "ہمیں ابھی تم لوگوں سے لڑنا ہے، ہم کو بھی پانی کی ضرورت پڑے گی، اس لئے تمہیں پانی نہیں دیا جا سکتا۔" اس نے جواب دیا۔ اور امریکی افسر نے یاس بھری نگاہوں سے اسے دیکھا۔

"تب ہمیں تھوڑی دیر دم لینے کی اجازت دی جائے، ہمارے پاؤں اس قابل نہیں رہے ہیں۔" امریکی افسر نے اپنے پیروں کی طرف اشارہ کیا جن پر آبلے پڑے ہوئے تھے۔

"کسی بھی سپاہی نے اگر رکنے کی کوشش کی تو اسے گولی سے اڑا دیا جائے گا، سمجھے۔"

"لیکن سر...." امریکی افسر نے کچھ اور کہنا چاہا لیکن کیپٹن ادمارا نے اس کے پیٹ پر ایک زوردار لات رسید کر دی۔ امریکی افسر شدتِ تکلیف سے پیٹ پر دونوں ہاتھ رکھ کر زمین پر اوندھا گر گیا۔ ایک سپاہی نے اس کی پشت میں سنگین گھونپنے کی کوشش کی ہی تھی کہ میجر ڈڈ گرلیس اور اس کے ایک ساتھی نے لپک کر امریکی افسر کو اٹھا لیا۔ دونوں آدمی اس کے بازوؤں میں ہاتھ ڈال کر اسے ڈبل مارچ اسٹائل میں گھسیٹنے کی کوشش کرنے لگے، اور ادمارا کریہہ انداز

ں پڑا۔

"ٹھیک ہے، یہ ٹھیک ہے۔ اگر کوئی نیچے گرا تو اسے اٹھانے کی کوشش نہیں کی جائے گی، بلکہ سنگینوں سے اس کے بدن کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جائیں گے۔ چلو اور چلتے رہو۔" اور مجبور و بے کس قیدی چلنے لگے۔

ڈوگریس بخوبی اندازہ لگا چکا تھا کہ یہ سفر موت کا سفر۔۔ ہے، اسے اپنی تو زیادہ پرواہ نہیں تھی لیکن اپنی ساتھی لڑکیوں کے بارے میں بڑے افسوس سے سوچ رہا تھا کہ وہ ان کی کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ یہ لڑکیاں مفت میں ان کے ساتھ آپھنسی تھیں۔ سارکس کی حالت بدستور خراب تھی۔ اسے بھی اس ڈیل مارچ کا ساتھ دینا پڑ رہا تھا۔ شام کو تقریباً سات بجے جب جاپانی سپاہی خود بھی تھک گئے تو انہوں نے بھوری پہاڑیوں کے دامن میں قیدیوں کا پہلا کیمپ لگایا۔ فوری طور پر لکڑیوں کے پول کھڑے کر کے ان پر خار دار تاروں کی باڑھ باندھ دی اور قیدیوں کو مویشیوں کی مانند اس میں ہانک دیا۔

قیدیوں کی ٹکڑیاں مختلف حصّوں میں بٹ کر بیٹھ گئیں۔ محبت اور اخوت کا ایک خوبصورت مظاہرہ دیکھنے میں آیا۔ سب اپنی اپنی تکالیف، اپنے اپنے زخم بھول کر ایک دوسرے کی تیمارداری میں مصروف ہو گئے، اور ایک دوسرے کے زخموں کا علاج کرنے کی کوشش کرنے لگے۔

کیپٹن امارا کو ان کی زندگی سے تو کوئی دلچسپی نہیں ہو سکتی تھی۔ لیکن شاید کوئی ایسا حکم بھی موجود تھا جس کی رو سے اسے زیادہ سے زیادہ قیدیوں کو زندہ وونل لے جانا تھا، اس لئے سورج چھپے کہیں کہیں آگ روشن ہوئی اور قیدیوں کے ایک گروہ کو خوراک فراہم کی گئی۔ یہ اندازہ نہیں ہو سکا تھا کہ صرف ایک گروہ کو خوراک کیوں فراہم کی گئی، جب کہ دوسرے بھی تباہ حال تھے۔ پانی کے بھی چند گھونٹ تقسیم کئے گئے۔ امریکی افسر یہ کوشش حاصل کرنے کے بعد دوسری ٹکڑیوں کا جائزہ لینے لگے، تاکہ جہاں جس کی حالت خراب پائیں، اس کی مدد کی جا سکے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ صرف ان قیدیوں کو خوراک دی گئی ہے جو سب سے پہلے کے بھوکے ہیں، اور ان بھوکے لوگوں کا وقت چار دن تھا۔

میجر ڈوگریس اور اس کے ساتھی سب سے بو نمبر تھے، چنانچہ ان کی حالت زیادہ خراب نہیں تھی۔ خود میجر ڈوگریس کی ہمت نہ پڑی کہ وہ کسی سے چند گھونٹ پانی طلب کر لے۔ چنانچہ وہ رات بھی انہیں اسی طرح گذارنی پڑی تھی۔

رات کے آخری پہر سارکس کی حالت پھر بگڑ گئی، اس پر غشی طاری ہو گئی تھی لیکن وہ لوگ اس کے لئے کچھ نہ کر سکے، ڈوگریس کو دوسری صبح کا خوف تھا، جب انہیں پھر سے مارچ شروع کر دینا تھا۔

ڈوگریس کے ساتھی اونگھ رہے تھے، کوئی کسی کی طرف متوجہ نہیں تھا۔ سب کے سب اپنی اپنی مصیبتوں میں گرفتار تھے۔ ڈوگریس نے سارکس کی طرف دیکھا۔ تاروں کی چھاؤں میں یہ چہرہ بے حد خوبصورت لگ رہا تھا۔ بیمار بیمار سا، ہونٹوں پر خشکی جمی ہوئی تھی۔ کبھی کبھی چھوٹی سی سرخ زبان باہر نکل آتی تھی اور سوکھے ہونٹوں کو تر کرنے کی ناکام کوشش کر کے واپس چلی جاتی لیکن زبان تو خود خشک تھی وہ ہونٹوں کی کیا مدد کرتی۔

میجر ڈوگریس نے بے چین نگاہوں سے چاروں طرف دیکھا۔ پانی کہیں نہیں تھا، اس لڑکی کے لئے اس کا دل تڑپ رہا تھا، پانی کہاں سے فراہم کیا جائے۔ بڑی مشکل پیش آگئی تھی، کاش وہ کسی سے چند قطرے پانی طلب کر لیتا۔ لیکن اب وہ اس کے لئے پانی کہاں سے فراہم کرے۔

"پانی ۔۔ پا ۔۔ نی ۔" سارکس کے ہونٹوں سے کمزور آواز نکلی اور ڈوگریس مضطربانہ انداز میں کھڑا ہو گیا۔ اس کی مٹھیاں بھینچ گئی تھیں۔ کہاں سے لائے پانی، لیکن بے بسی کے علاوہ اور کیا ملتا۔

وہ اپنی جگہ پر بیٹھ گیا اور اس نے سارکس کا سر اٹھا کر اپنے زانوں پر رکھ دیا۔ دل چاہ رہا تھا کہ سارے تکلفات بالائے طاق رکھ کر سارکس کو اس کی اصل حالت میں لے آئے، لیکن یہ بھی اس کے لئے نقصان دہ ہوتا۔

بڑی بے بسی سے رات گذری، صبح کو خود بخود اس کی حالت بہتر ہو گئی۔ ہوش میں آنے کے بعد اس نے ڈوگریس کی جانب دیکھا اور اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"اوہ مسٹر ڈوگریس، میرا خیال ہے آپ میرے لئے کافی پریشان ہیں۔"

"نہیں سارکس، میں سب ہی کے لئے پریشان ہوں، جو حالات تم دیکھ رہے ہو، ان کے تحت یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہم زندگی کے بھیانک ترین دور سے گذر رہے ہیں، آئندہ حالات سخت سے سخت ہوتے جائیں گے، میں تمہارے لئے فکر مند ہوں۔"

"نہیں مسٹر ڈوگریس، اب میں اتنا کمزور بھی نہیں ہوں، بس موسمی اثرات مجھ پر حاوی ہیں، ٹھیک ہو جاؤں گا۔"

"ہاں۔ یقیناً" ڈوگریس نے تسلّی دینے والے انداز میں کہا۔

قیدیوں کو زیادہ آرام کی مہلت نہیں دی گئی، اور وونل کیمپ کا سفر دوبارہ شروع کر دیا گیا۔ وہی مصائب، وہی آلام، تپتا سورج، بنجر زمین پیاس کی شدت، بھوک کا احساس، پیروں کے آبلے، شام کی ٹھنڈک اور پھر وہی بیکراں وسعتوں میں مصائب کے شکار لوگوں کا ہجوم۔ اس رات قیدیوں کی دوسری ٹکڑی کو خوراک دی گئی۔ کمبخت امارا نے راستے میں بھی کئی بھوکے پیاسے قیدیوں کو قتل کرا دیا تھا۔ لیکن آج سارکس کی حالت زیادہ خراب نہیں تھی۔ وہ دوسرے لوگوں کی مانند نظر آ رہی تھی۔ اس کی اس حالت سے میجر ڈوگریس کسی حد تک مطمئن تھا۔

ویسے ان دنوں وہ خود کو کافی احمق سمجھ رہا تھا، اسے محسوس ہو رہا تھا کہ وہ سچ مچ اس فلپائنی لڑکی سے بہت متاثر ہو گیا ہے، حالانکہ وہ فوجی تھا زندگی کے نشیب و فراز ہی اس کا مقدر تھے، گولیوں کی سنسناہٹ اور آگ کی سرخ زبان ہی اس کی زندگی کا مقصد تھے، اس لئے آپ دیکھا، زندگی میں حسن و عشق کی چاشنی کا وجود نہیں تھا، لیکن یہ نرم نرم سے نقوش اس کے سخت دل پر نشان ڈال گئے تھے، اور اب انجام نہ جانے کیا ہو۔

رات ویسی ہی بھیانک تھی، سارکس کمزور آواز میں حتی الامکان اس سے گفتگو کرتی رہی اور پھر ہونٹ ایک دوسرے سے چپک گئے۔ پیاس کی شدت نے قوتِ گویائی ختم کر دی تھی، اس نے بے بسی سے ہاتھ پاؤں پھیلائے اور پھر ڈوگریس کی گود میں سر رکھ دیا، یہ اعتراف تھا اپنی نسوانیت کا جیسے اس نے خود کو چھپانے کی کوشش میں ہار مان لی تھی۔ اس کے ساتھ ہی اس نے بمشکل تمام ڈوگریس کو دیکھا اور پھر جیسے ساری قوت مجتمع کر کے بالکل باریک آواز میں بولی۔

• میجر اب میں اپنی ساری قوت کھو چکا ہوں، میں ۔ میں اب۔۔۔۔

اس نے زبان باہر نکال دی اور پھر آنکھیں بند کر لیں۔

ڈوگریس پر دیوانگی سی طاری ہو گئی تھی۔ سارکس اس کے سامنے بے بسی سے دم توڑ دیگی تو پھر اس کی زندگی بھی بے معنی ہے، لیکن کیا کرے۔ اور پھر ایک ہی ترکیب اس کے ذہن میں آئی۔ اس نے چاروں طرف نگاہیں دوڑائیں ہتھیار ڈھکنے کے بعد ان سے ایک ایک چیز لے لی گئی تھی۔ لیکن ڈوگریس کی اندرونی جیب میں وہ نیل کٹر موجود تھا جس میں ایک چھوٹا سا چاقو بھی پھنسا ہوا تھا۔

آہ ۔ کاش پہلے ہی یہ ترکیب سمجھ میں آجاتی، نیل کٹر نکال کر اس نے اس کا چھوٹا سا چاقو کھولا اور پھر اطمینان سے اسے اپنے بازو میں اتار دیا چاقو باہر نکالنے سے خون کی ایک پتلی سی دھار بہہ نکلی۔ اس نے بازو سارکس کے ہونٹوں سے لگا دیا۔ ڈوگریس کے خون کی نمی پاتے ہی سارکس نے ہونٹ کھول دیئے اور آنکھیں بند کئے کئے خون کے قطروں کو چوسنے لگی۔

ڈوگریس کو خوشی تھی کہ اس کے بدن کی توانائی اس کی محبوب سارکس کے لئے زندگی بخش ثابت ہوگی۔ بلاشبہ اس کے خون کا ایک ایک قطرہ سارکس کی تشنگی بجھانے کے کام آجائے تو زندگی کا اس سے بڑا مقصد اور کیا ہو سکتا ہے۔ محبوب کے لئے زندگی لٹانے میں جو مزہ ہے اسے دل والے ہی جانتے ہیں۔ اس نے اپنے لہو سے سارکس کی پیاس بجھا دی، اور سارکس کے چہرے کی رونق صاف محسوس کی جا سکتی تھی۔ اس کی سانسوں میں یکسانیت آگئی تھی۔ اس نے دوبارہ آنکھیں کھول دیں اور خالی خالی نگاہوں سے ڈوگریس کو دیکھنے لگی۔ ڈوگریس کے توانا بدن سے اب بھی خون رس رہا تھا اب اس خون کو روکنے کی ضرورت تھی، اس کا ایک ایک قطرہ اس کے لئے اہم تھا کیونکہ اس نے اب محبوب کی زندگی کا راز پا لیا تھا۔ اس کے بدن کا پانی سارکس کی زندگی کے کام آسکتا تھا۔

اور پھر سارکس کے حواس واپس آگئے، اس نے ڈوگریس کی گود میں سر رکھے رکھے اسے پکارا:

• میجر!
• کیسے ہو سارکس؟
• ٹھیک ہوں، شاید مجھے چکر آگیا تھا؟
• شاید! ڈوگریس نے مختصراً کہا۔
• لیکن۔۔۔۔
• ہاں کہو؟ ڈوگریس نے پیار بھری نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔
• مجھے کچھ عجیب سا محسوس ہو رہا ہے؟
• یعنی۔۔۔؟
• مجھے سخت پیاس لگ رہی تھی؟
• ہوں۔ پھر؟
• اب نہیں لگ رہی؟
• یہ تو اچھی بات ہے؟ ڈوگریس نے مسکراتے ہوئے کہا۔
• اس کے علاوہ مجھے اپنے بدن میں بھی توانائی محسوس ہو رہی ہے؟
• خوب؟ میجر بدستور مسکرا رہا تھا۔
• لیکن آخر کیوں؟
• یہ تو تم ہی بتا سکتے ہو دوست، بلکہ مجھے بھی بتاؤ تاکہ میں بھی تمہاری ترکیب سے استفادہ حاصل کر سکوں؟
• میں کیا بتاؤں، میرے منہ کا ذائقہ بھی بدلا بدلا سا ہے، نہ جانے کیوں ۔ نہ جانے کیوں
• بس اب سونے کی کوشش کرو، تاکہ کل صبح کے سفر کے لئے تیار ہو سکو؟

ڈوگریس نے کہا۔ اور سارکس نے سعادتمندی سے گردن ہلا دی، اور پھر وہ ڈوگریس کی گود سے سر ہٹا کر سونے کی کوشش کرنے لگی۔ ڈوگریس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ اسی طرح اس کی گود میں سر رکھے سوتی رہے، لیکن یہ بات وہ سارکس سے کہہ نہیں سکتا تھا۔ چنانچہ ایک ٹھنڈی سانس لے کر اس نے خود بھی زمین پر سر رکھ دیا اور اچانک اسے بڑی زور کا چکر آگیا۔ خون کی اچھی خاصی مقدار نکل گئی تھی اور پھر بھوک پیاس۔ وہ خود بھی کافی کمزور ہو گیا تھا۔ اس نے پوری قوت سے آنکھیں بھینچ لیں اور اس کیفیت پر قابو پانے کی کوشش کرنے لگا۔

ہر گزرنے والا دن پہلے دن سے زیادہ سخت ہوتا تھا۔ قیدیوں کی حالت زیادہ سے زیادہ خراب ہوتی جا رہی تھی اور ان کے افسروں کو اس بات کا پورا پورا احساس تھا۔ چنانچہ دوسری صبح تینوں میجر ایک جگہ یکجا ہو گئے۔ وہ تینوں اس انداز میں جمع ہوئے تھے کہ جاپانیوں کو احساس نہ ہو سکے، میجر ڈوگریس بھی ان میں شامل تھا۔ انہوں نے مختصر الفاظ میں ایک دوسرے سے اپنا تعارف کرایا، اور پھر میجر والٹر کہنے لگا۔

• ہمارے سپاہی موت کے بالکل نزدیک پہنچ چکے ہیں دوستو تمہیں بھی اس کا احساس ہوگا؟
• یقیناً؟
• کیا ہمیں اسی کسمپرسی سے جان دے دینا چاہیے؟
• لیکن ہم کر بھی کیا سکتے ہیں؟
• کچھ کرنا ہی ہوگا؟
• مثلاً؟ میجر فلیکس نے پوچھا
• کیپٹن اعلا جس قدر سنگدل انسان ہے، اسے دیکھتے ہوئے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اس سفر ہی میں وہ ہمارے آدھے آدمیوں کو ختم کر دے گا۔ باقی لوگ بھی وہاں پہنچتے پہنچتے مر جائیں گے؟

... یہی احساس ہوتا ہے "

• تب پھر کیوں نہ ہم زندگی کے لئے جدوجہد کریں "

• لیکن کیسے میجر؟

• میں وہی بتانا چاہتا ہوں، محافظ دستے کی تعداد بہرحال ہماری تعداد سے بہت کم ہے، اگر ہم چالاکی سے کام لیں "

• لیکن پروگرام کیا ہے؟

• بس جس وقت ڈبل مارچ کے لئے ہماری لائن بنائی جائے تو ہمیں ایسے لوگوں کو کنارے پر رکھنا چاہئے جو دوسروں سے مضبوط اور بہتر کارکردگی کے مالک ہوں۔ محافظ دستے کے لوگ ہمارے ساتھ ساتھ دونوں طرف پھیلے ہوتے ہیں۔ ہمیں بیک وقت ان پر حملہ کرکے ان کے ہتھیار چھین لینا چاہئیں اور پھر جس قدر جلد ممکن ہو ان کا صفایا کردیا جائے "

• اوہ۔ ترکیب عمدہ ہے، لیکن اس کے اہم پہلوؤں پر غور کرلینا چاہئے "

• مثلاً؟

• ہمارے تمام آدمی قریب المرگ ہیں، کیا ان میں اتنی سکت ہے کہ وہ بغاوت میں حصہ لے سکیں؟

• بے شک نہیں ہے، لیکن ان میں سے سب جانتے ہیں کہ انہیں ڈبل مارچ میں حصہ لینا ہے اور اگر انہوں نے کیپٹن اومارا کے احکامات کی خلاف ورزی کی تو انہیں قتل کردیا جائے گا، کیا وہ زندگی کے لئے آخری جدوجہد نہیں کریں گے؟

• میرا خیال ہے بہت سے لوگ تیار ہو جائیں گے "

• لیکن ہمارے پاس وقت بہت کم ہے، ہمیں صرف چند لمحات میں اس پوری اسکیم پر عمل درآمد کے لئے تیاریاں کرلینی ہیں۔ میرا خیال ہے یہ اسکیم نہایت ضروری ہے، اگر ہم نے یہ نہ کیا تو شاید دونل کیمپ تک ایک بھی قیدی زندہ نہ پہنچے، ہم اس لئے ہمت کرسکتے ہیں کہ ہمارے محافظوں کی تعداد بہت زیادہ نہیں ہے، ہمیں یہ بھی علم ہے کہ اس بغاوت میں ہم میں سے بہت سے مارے جائیں گے، لیکن اگر کامیاب ہوگئے تو زندہ بچنے والوں کی زندگی ہمارے کام آسکتی ہے۔ اس کے علاوہ کیپٹن اومارا ہمارے ساتھ جو سلوک کررہا ہے، اس کی وجہ پر شاید آپ لوگوں نے توجہ نہیں دی؟

• کیا مطلب میجر؟

• میرا دعویٰ ہے میجر، کہ کیپٹن اومارا کو اپنے سپاہیوں کی تعداد میں کمی کا پورا پورا احساس ہے، وہ جانتا ہے کہ اگر قیدیوں نے بغاوت کردی تو انہیں سنبھالنا مشکل ہو جائے گا، اس لئے انہیں زیادہ سے زیادہ مصائب میں گرفتار کرکے اس قدر لاغر کردینا چاہتا ہے کہ وہ کسی قسم کی بغاوت کے قابل ہی نہ ہوسکیں "

• بالکل ٹھیک، میں آپ سے متفق ہوں "

• بس تو پھر فوری کارروائی شروع کردیں، میرا خیال ہے جاپانی روانگی کی تیاریوں میں مصروف ہوچکے ہیں اور وقت بہت ہی کم ہے "

تینوں منتشر ہوگئے، میجر ڈڈگریس نے اپنی ٹکڑی کے سپاہیوں کا جائزہ لیا اور نگاہوں ہی نگاہوں میں انتخاب کرلیا کہ کن لوگوں کو اس کام پر مامور کرنا ہوگا اور پھر اس نے انتہائی خفیہ انداز میں ان لوگوں کو اپنے گرد جمع کرلیا، اس نے نہایت ہی ہوشیاری سے اپنا مافی الضمیر سمجھایا اور جتنے لوگوں کا اس نے انتخاب کیا تھا، ان میں سے ایک بھی ایسا نہ تھا جس نے اس تجویز کی مخالفت کی ہو۔

دوسرے دونوں میجر بھی اپنے کام میں مصروف تھے، جس کا اندازہ میجر ڈڈگریس بخوبی لگا رہا تھا اور جب معمول کے مطابق ڈبل مارچ کے لئے ترتیب ہوئی تو مضبوط تر لوگ قیدیوں کے دونوں بازوؤں پر تھے اور یہ سب ذہنی طور پر آخری فیصلے کے لئے تیار تھے۔

اپنے اپنے دستے کی نگرانی کے لئے تینوں میجر پوری طرح ہوشیار تھے، وہ ایک مخصوص فاصلے تک پہنچ کر کام شروع کرنا چاہتے تھے، اس کے علاوہ یہ بات بھی ذہن میں تھی کہ رات کے آرام سے کسی قدر تازہ دم سپاہی طویل سفر سے تھک نہ جائیں، ان میں کارکردگی کی قوت باقی رہے تو بہتر ہے، اس لئے وہ جلد از جلد اس سچویشن پر آجانا چاہتے تھے جہاں سے کام شروع کردیا جائے اور خوش بختی تھی کہ اس کا موقع بھی جلد ہی مل گیا۔

اس وقت وہ درے سے گذر رہے تھے، دونوں طرف اونچی پہاڑیاں تھیں اور درہ خاصا تنگ تھا۔ فوجیوں کی چند جیپیں اچھلتی کودتی آگے بڑھ رہی تھیں۔ ناہموار راستے کی وجہ سے ڈرائیونگ کرنے والوں کو بھی بڑی مشکلات پیش آرہی تھیں اور وہ حواس باختہ تھے۔

اور اس سے بہتر موقع اور کوئی نہیں ہوسکتا تھا۔ چنانچہ میجر والٹر نے ڈرامہ شروع کردیا۔

دو آدمی اچانک نیچے گر گئے اور قیدی چلتے چلتے رک گئے۔ فوراً تین چار جاپانی سپاہی ان کے نزدیک پہنچے اور انہیں ٹھوکریں مارنے لگے، وہ ان سے اٹھنے کے لئے کہہ رہے تھے، لیکن قیدیوں میں اتنی سکت نہ تھی کہ وہ اٹھ کر کھڑے ہوسکتے۔

کیپٹن اومارا نے کچھ گڑبڑ دیکھی تو وہ اپنی جیپ آگے لے گیا، اور قیدیوں کے قریب پہنچ کر صورت حال معلوم کرنے لگا۔ پھر جب اسے تفصیل معلوم ہوئی تو جیپ سے نیچے اترا اور گرے ہوئے قیدیوں کے کئی ٹھوکریں رسید کردیں۔

لیکن یہ ڈرامہ اسی لئے ہوا تھا کہ اومارا کی توجہ اس طرف ہو جائے اور عقب سے گڑبڑ شروع کردی جائے، دونوں میجر پوری طرح ہوشیار تھے اور دفعتاً انہوں نے اشارہ کیا، دونوں سمت سے قیدیوں نے مسلح سپاہیوں کی جیپوں پر اور پیدل سپاہیوں پر چھلانگیں لگادیں۔ ہر چند کہ یہ لوگ نیم مردہ حالت میں تھے، لیکن زندگی کے حصول کا تصور انسان کے جسم میں کئی گنا طاقت

بڑھا دیتا ہے، یہی کیفیت ان لوگوں کی تھی۔ انھوں نے پوری قوت سے پستہ قد جاپانی سپاہیوں کو دبوچ لیا اور پہلے ہی حملے میں ان کی رائفلیں قیدیوں کے قبضے میں آگئیں۔ اس کے علاوہ ان کے پیش قبض بھی نکال لئے گئے تھے۔

جاپانی سنبھلے، لیکن دیر ہو چکی تھی۔ قیدیوں نے فوراً ان پر حملہ کر دیا تھا اور بہت سے جاپانی سپاہی ان کا شکار ہو گئے۔ کیپٹن ادمارا کو جس وقت صورت حال کا اندازہ ہوا تو دیر ہو چکی تھی، وہ قیدی جو اس پروگرام میں شریک بھی نہ تھے اپنے ساتھیوں کو جاپانیوں سے برسرپیکار دیکھ کر خود بھی ان پر ٹوٹ پڑے تھے، اور نہتے ہی کئی کئی قیدی ایک ایک جاپانی سے چمٹ گئے تھے۔

ادمارا کی آنکھوں میں خون اتر آیا، اس نے اسٹین گن سیدھی کی اور قیدیوں پر اندھا دھند فائرنگ شروع کر دی، بہت سے قیدی شکار ہوئے تھے، لیکن دوسرے لمحے میجر ڈوگریس اس کی پشت پر پہنچ گیا۔ ادمارا کی جیپ کے ڈرائیور نے ڈوگریس کو ہلاک کرنے کی کوشش کی لیکن ڈوگریس نے خود کو بچاتے ہوئے ادمارا کی پشت پر ایک لات رسید کر دی، اسٹین گن ادمارا کے ہاتھ سے نکل گئی، لیکن اسی وقت ڈرائیور نے جیپ ایک جھٹکے سے آگے بڑھا دی۔

چنانچہ ڈوگریس جیپ سے نیچے گر پڑا، اس طرف امریکی سپاہی جاپانیوں پر پوری طرح حاوی ہو گئے تھے، انھوں نے اپنی تعداد سے پورا پورا فائدہ اٹھایا تھا اور ایک ایک جاپانی سپاہی چھ چھ امریکیوں کے قبضے میں تھا۔ آتشی ہتھیاروں کا استعمال تو تقریباً ختم ہو چکا تھا، وہ ہتھیار استعمال کئے جا رہے تھے جو قریب سے زیادہ موثر ہوتے ہیں۔

لیکن اس میں بھی وہ اپنی تعداد کی بناء پر زیادہ کامیاب تھے اور تھوڑی ہی دیر میں سارے کے سارے جاپانی فوجی کام آگئے، ان کی لاشیں چاروں طرف بکھری پڑی تھیں اور امریکی قیدی اپنی ساری کیفیت بھول کر خوشی کے نعرے لگا رہے تھے، صرف کیپٹن ادمارا بچ نکلنے میں کامیاب ہو گیا تھا لیکن کسی نے اس کے تعاقب کی ضرورت نہیں محسوس کی تھی حالانکہ جیپیں موجود تھیں۔ لیکن خستہ حال قیدیوں کو اس وقت ادمارا کی بجائے ان کے چھوڑے ہوئے خوراک کے سامان اور پانی سے زیادہ دلچسپی تھی۔

وہ سب ان ذخائر پر ٹوٹ پڑے، تینوں میجر اشک بار آنکھوں سے اپنے آدمیوں کی یہ کیفیت دیکھ رہے تھے۔ تب اچانک میجر ڈوگریس کو فلپائنی لڑکیوں کا خیال آیا اور اس نے قیدیوں کی بھیڑ میں چاروں طرف نگاہ دوڑائی، لڑکیاں ایک کونے میں سمٹی ہوئی تھیں۔ اور یہ عورت اور مرد کا فرق تھا۔ باقی سارے قیدی خوراک پر ٹوٹے پڑ رہے تھے اور ڈوگریس جانتا تھا کہ نہ جانے کب کے بھوکے اس وقت کچھ نہیں چھوڑیں گے چنانچہ وہ خود بھی ایک جیپ کی جانب لپکا اور اپنے دو اور ساتھیوں کی مدد سے خوراک کی خاصی مقدار حاصل کر کے لڑکیوں کے نزدیک پہنچ گیا۔

سارکس کی آنکھوں میں اسے دیکھ کر عجیب سے تاثرات ابھر آئے۔

• ہیلو سارکس! میجر نے مسکراتے ہوئے اسے پکارا اور پھر اپنے ساتھیوں کا شکریہ ادا کر کے خوراک ان چاروں تک پہنچا دی اور اس کے بعد وہ سارکس کے نزدیک پہنچ گیا۔

• شکر ہے ہمیں وقتی طور پر جاپانیوں کی قید سے نجات مل گئی؛ سارکس نے کہا۔

• ہاں سارکس، آؤ کھانا کھائیں؛ اس نے خوراک کا ایک حصہ حاصل کر کے اور سارکس کا بازو پکڑ کر کہا۔ سارکس اس کے ساتھ چل پڑی۔ دوسرے لوگوں سے وہ ذرا فاصلے پر پہنچ گئے تھے۔

• بیٹھو؛ اس نے کہا اور دونوں بیٹھ گئے، سارکس کی نگاہیں اس کا بغور جائزہ لے رہی تھیں اور ان آنکھوں میں محبت کے سوتے پھوٹ رہے تھے، تب اس نے ڈوگریس کے بازو پر ہاتھ رکھ دیا۔

• آپ کے بازو پر زخم ہے مسٹر ڈوگریس؛

• اوہ۔ ہاں۔ ہلکی سی چوٹ ہے، لیکن تمہیں کیسے معلوم؟

• کیا آپ نے مجھے اس قابل چھوڑا ہے کہ میں زندگی کے کسی دور میں آپ کے اس احسان کا بدلہ چکا سکوں؛

• کونسے احسان کی بات کر رہے ہو سارکس؟ ڈوگریس نے پوچھا

• میرے ایک ساتھی نے مجھے گذری رات کے عجیب و غریب واقعے کی تفصیل بتائی تھی؛

• اوہ۔ کونسا واقعہ؟

• بلاشبہ آپ کے لہو نے مجھے زندگی کے نئے راستوں کی طرف گامزن کر دیا لیکن جو احسان آپ نے کیا ہے، اس کی مثال انسانی تاریخ میں مشکل سے ملے گی، آپ مجھے بتائیں کونسے جذبے نے آپ کو اس پر مجبور کیا؟

• اوہ۔ سارکس میرے دوست، مجھے شرمندہ کرتے ہو، ایک انسانی فرض تھا جسے میں نے پورا کر دیا، ہماری رگوں میں دوڑتا خون ہماری اپنی ملکیت نہیں ہے، یہ خون ہمارے وطن کی امانت ہے، اگر اس کے چند قطرے کسی ایسے شخص کے کام آجائیں، جو ہمارا مخلص اور مددگار ہو، جو ہمارے لئے خون کی ہولی کھیلنے آگیا ہو تو اس میں کیا حرج ہے؛

• نہیں، پھر بھی یہ بہت زیادہ ہے، تم نے مجھے بہت شرمندہ کیا ہے؛

• اگر تم اس خیال کو ذہن سے نکال دو تو میں تمہارا شکر گذار ہوں گا؛ ڈوگریس نے کہا۔

• ٹھیک ہے کھانا کھاؤ؛ سارکس نے کہا اور ڈوگریس اس کے ساتھ کھانا کھانے میں مشغول ہو گیا۔

تھوڑی دیر بعد تمام قیدی جاپانیوں کی خوراک چٹ کر چکے تھے۔ اور پھر جب پیٹ بھر گیا تو زندگی کا خیال آیا جیپیں بہت کم تھیں اور افراد زیادہ۔ پھر بھی تینوں میجر مل کر اسلحہ اور بچے کھچے سامان کی تقسیم پر متفق ہو گئے۔ اب بات سمت کے تعین کی تھی، اس سلسلے میں فلپائنی گوریلوں نے مدد کی اور انھوں نے ایک سمت کا تعین کر کے سفر شروع کر دیا۔

میجر ڈوگریس بھی ایک جیپ میں بہت سے فوجیوں کے ساتھ سوار

فوجیوں میں فلپائنی بھی شریک تھے اور سارکس خصوصی طور میجر ڈوگریس کے ساتھ تھا، راستے میں ڈوگریس نے اسے مخاطب کیا۔

"تمہارا کیا خیال ہے سارکس، کیا ہم نے صحیح راستہ اختیار کیا ہے؟"

"مجھے یقین ہے۔" سارکس نے اعتماد سے جواب دیا۔

"اس طرف سے ہم کہاں پہنچیں گے؟"

"اوکوشاہ، جہاں امریکی چھاؤنی موجود ہے۔"

"اوہ۔ تو ہم اس رخ پر نکل آئے ہیں!"

"ہاں، راستے میں ہمارا علاقہ بھی پڑتا ہے۔"

"کیا مطلب؟"

"ہماری اصطلاح میں اسے گرین ڈنگ کہا جاتا ہے، فلپائنی گوریلوں کا ایک خفیہ ہیڈ کوارٹر یہاں موجود ہے۔"

"اوہ۔ تو کیا وہیں سے چلے تھے؟"

"ہاں۔ ہم وہیں سے چلے تھے اور ہمارا یہ عارضی ہیڈ کوارٹر بظاہر کافی مضبوط ہے، حالانکہ جاپانی فوجی انتہائی کوششوں میں مصروف ہیں کہ اسے تباہ کر دیا جائے لیکن ہم اپنے ہیڈ کوارٹر کے قریب کسی جاپانی کتے کو بھی مارنا پسند نہیں کرتے کہ اس کی نشاندہی نہ ہو جائے۔ چنانچہ ہمارا یہ ہیڈ کوارٹر ابھی تک عام نگاہوں سے محفوظ ہے۔"

میجر ڈوگریس مطمئن ہو گیا۔

اور پھر سارکس کے بیان کی تصدیق ہو گئی۔ زیادہ سفر نہیں کیا تھا کہ فلپائنی گوریلوں کی قرب و جوار میں موجودگی کا ثبوت مل گیا۔ یہ ثبوت پندرہ سولہ جاپانیوں کی لاشوں کی شکل میں تھا۔ بڑے بھیانک انداز میں انہیں قتل کیا گیا تھا۔ ان میں سے چند کے سینوں میں لمبے لمبے بانسوں کے نیزے گڑھے ہوئے تھے، کئی کی گردنیں ان کے شانوں سے علیحدہ کر دی گئی تھیں۔ تقریباً تمام لاشیں برہنہ تھیں، گوریلے ان کا سارا ساز و سامان لے گئے تھے جس میں نہ صرف ہتھیار بلکہ ان کا لباس بھی شامل تھا۔

سارکس انہیں دیکھ کر مسکرا دی، میجر ڈوگریس رک کر لاشوں کا جائزہ لینے لگا۔

"میرا خیال ہے انہیں قتل ہوئے زیادہ وقت نہیں گذرا۔"

"ہاں، ان کے جسموں سے بہتے ہوئے خون سے یہی اندازہ ہوتا ہے۔" سارکس نے تائید کی۔

"اس کا مقصد ہے کہ وہ یہاں سے زیادہ دور نہیں گئے ہوں گے۔"

"میں انہیں پکارنے کی کوشش کرتی ہوں۔" سارکس نے کہا اور پھر وہ جوتے اتار کر نزدیک کے ایک درخت پر چڑھنے لگی۔ میجر ڈوگریس اس باہمت لڑکی کو بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔ اس نے خود کو مرد ظاہر کرنے کے لئے ہر ممکن کوشش کی تھی۔ بلاشبہ اس نے اپنے موٹے لباس میں نسوانیت کے وہ تمام خطوط چھپانے کی کوشش کی تھی جو اس کی اصلیت کی چغلی کھا سکتے تھے لیکن ذرا سی گہری نگاہ دیکھنے پر اس کا ایک ایک انداز کہہ دیتا تھا کہ وہ صنف قوی میں سے نہیں ہے۔ درخت پر چڑھتے ہوئے اس کی پتلی کمر اور ابھرے ہوئے کولہے نہایت دلکش محسوس ہو رہے تھے۔ ڈوگریس کے ہونٹوں پر ایک معنی خیز مسکراہٹ پھیل گئی، لیکن دوسرے لمحے اس نے مضطربانہ انداز میں سارکس کا جائزہ لیا۔

گر نہ جائے کہیں۔ اور وہ بے اختیار اس درخت کے نیچے جا کھڑا ہوا جس پر سارکس چڑھی تھی۔ پھر اس نے سناٹے میں کسی الو کی آواز سنی، جو مسلسل چیخ رہا تھا۔

کئی منٹ کے بعد اسے احساس ہوا کہ یہ آواز درحقیقت الو کی نہیں، سارکس کسی مخصوص اشاراتی زبان میں کسی کو پکار رہی تھی اور پھر اس دلچسپ آواز کا جواب بھی مل گیا۔ کافی فاصلے پر کوئی اور الو چیخ رہا تھا۔

سارکس کے منہ سے خوشی کی چیخ نکل گئی اور پھر اس نے درخت پر ہی سے چیخ کر کہا:

"اوہ۔ مسٹر ڈوگریس ہمارے ساتھی زیادہ دور نہیں ہیں، اس کے علاوہ لائن بھی کلیئر ہے یعنی ان اطراف میں کوئی جاپانی موجود نہیں ہے۔"

"بہت خوب، تو کیا تم نے انہیں کوئی پیغام دیا ہے؟"

"نہیں، صرف ان کی موجودگی کا اندازہ کیا تھا، آپ بتائیں کہ کیا انہیں کوئی پیغام دینا ہے؟"

"ہاں، میرا خیال ہے کہ انہیں اپنی موجودگی کی اطلاع دو اور ان سے کہو کہ وہ ہمارے پاس پہنچ کر ہمیں اپنی طرف گائیڈ کریں۔"

"او کے۔" سارکس نے کہا، اور فضا میں الو کی آوازیں پھر ابھرنے لگیں۔

چند ساعت پھر ان آوازوں کا تبادلہ ہوتا رہا، اور اس کے بعد خاموشی چھا گئی، پھر سارکس نیچے اتر آئی، اس کی آنکھوں کی چمک سے خوشی کا اندازہ ہو رہا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے اپنوں میں آ کر وہ بہت خوش ہو۔ ڈوگریس اس کی چمکدار آنکھوں کی مسکراہٹ پر خود بھی مسکرانے لگا دل کے انتہائی گوشوں میں وہ اس لڑکی کے لئے انتہائی گہرا قرب پا رہا تھا۔

پھر وہ وہیں رک کر آنے والوں کا انتظار کرنے لگے۔

گوریلوں کی تعداد کافی تھی، سب کے سب مختلف قسم کے ہتھیاروں سے مسلح تھے، ان کا خصوصی اسلحہ جو کہ بانسوں اور دوسری لکڑیوں سے تیار کیا ہوا تھا، انتہائی مہلک تھا اور اس کے بارے میں میجر ڈوگریس کو بخوبی معلومات تھیں، اس کے علاوہ ان کے پاس وہ اسلحہ بھی تھا جن پر جاپانی فوجوں کے نشانات تھے، یقیناً یہ جاپانیوں سے جھڑپوں میں حاصل کیا گیا ہوگا۔

آنے والوں نے ان کی خستہ حالی کا جائزہ لیا اور پھر انہوں نے انھیں ساری سہولتیں فراہم کر دیں، اور اس طرح وہ فلپائنی گوریلوں کے عارضی ہیڈ کوارٹر پہنچ گئے۔

پہاڑی ٹیلوں کے نیچے طویل و عریض غاروں میں ان لوگوں

نے ہیڈ کوارٹر قائم کیا تھا۔ نہیں کہا جا سکتا تھا کہ یہ غار قدرتی تھے، یا غیر قدرتی۔ بہر صورت فلپائنی گوریلوں نے یہاں بڑے زبردست انتظامات کئے تھے۔ آتشی اسلحوں کے بڑے بڑے انبار موجود تھے، اس کے علاوہ خوراک کے عظیم الشان ذخائر، پانی اور دوسری تمام اشیاء مہیا کر لی گئی تھیں۔

غرض وہ اسے ایک مکمل پناہ گاہ کہہ سکتے تھے۔ ان لوگوں کی انتہائی خاطر مدارت کی گئی، فلپائنی ان کے ساتھ بہت اچھا سلوک کر رہے تھے، غار انتہائی کشادہ تھا اور اس کے ایک دور افتادہ حصے میں ان کی رہائش کا بندوبست کیا گیا تھا، ضرورت کی ساری چیزیں مہیا کر دی گئی تھیں، اور شمعدانوں کے ذریعے غاروں کو روشن کیا گیا تھا۔

اور اس وقت شمعدانوں سے احساس ہوتا تھا کہ رات ہو چکی ہے، تب میجر ڈوگرلیس کے کیبن میں ایک خوبصورت لڑکی داخل ہوئی۔ اس کے جسم پر فلپائن کا مخصوص لباس تھا اور ہاتھوں میں ایک ٹرے، جس میں رکھے ہوئے برتنوں سے کافی کی سوندھی خوشبو اٹھ رہی تھی۔ اس نے فلپائنی تہذیب کے مطابق کافی کی ٹرے تپھر کی میز پر رکھی اور پھر جھک کر سیدھی کھڑی ہو گئی، گویا اجازت کی منتظر ہو۔

لیکن میجر ڈوگرلیس کی نگاہیں اس کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں، اور وہ دل ہی دل میں مسکرا رہا تھا۔ سارکس کے بارے میں پہلے سے نہ جانتا ہوتا تو اس لڑکی کو دیکھ کر حیران رہ جاتا، کیونکہ اس کے نقوش ہو بہو سارکس کی مانند تھے، گویا سارکس ہی اس کے سامنے موجود تھی۔

"کیا میں آپ کے لئے کافی بناؤں؟" لڑکی نے پوچھا۔

"ہاں۔ لیکن میرے نزدیک آؤ سارکس۔"

"سارکس۔۔" لڑکی بوکھلائے ہوئے انداز میں بولی۔

"ہاں۔" ڈوگرلیس نے جواب دیا۔

"اوہ۔ سوری جناب! کیا آپ مسٹر سارکس کی بات کر رہے ہیں؟"

"جی نہیں، مس سارکس کی۔" ڈوگرلیس بے تکلفی سے آگے بڑھ آیا، اور اپنے دونوں ہاتھ لڑکی کے شانوں پر رکھ دیئے۔

"اوہ۔ ہم۔ میرا مطلب ہے، میرا نام اوبرینا ہے۔"

"شاید سارکس اوبرینا۔" ڈوگرلیس مسکرا کر بولا۔ لڑکی کی کسمساہٹ پر بھی اس نے اس کے شانے نہیں چھوڑے تھے، اور وہ مسکراتی نگاہوں سے ڈوگرلیس کو دیکھنے لگی۔

"کیا میں مسٹر سارکس کو بلا لاؤں؟"

"نہیں، وہ میری نگاہوں کے سامنے موجود ہے، ادھر دیکھو۔" ڈوگرلیس نے اس کی ٹھوڑی کے نیچے ہاتھ رکھ کر اس کا رخ اپنی طرف کر لیا۔

"مسٹر ڈوگرلیس، میں واقعی اوبرینا ہوں۔"

"ہو گی، لیکن تم میرے لئے سارکس ہی ہو۔" ڈوگرلیس نے کہا۔ "تم خود کو چھپانے کی جتنی بھی کوشش کر لو، لیکن تمہارے بدن سے میرے خون کی بو آتی ہے۔"

"اوہ۔ ڈوگرلیس۔" لڑکی نے دونوں بازو ڈوگرلیس کی گردن میں حمائل کر دیئے۔ "لیکن مجھے حیرت ہے کہ تم مجھے دیکھ کر ذرا بھی حیران نہیں ہوئے۔ کیا میری بدلی ہوئی شکل تمہارے لئے تعجب خیز نہیں ہے؟"

"نہیں سارکس، کیونکہ میں بہت پہلے سے تمہیں اس حیثیت سے جانتا تھا۔"

"ایسے، وہ کیسے؟"

"میں نے اس وقت تمہیں پہچان لیا تھا جب تم پر طویل بے ہوشی طاری تھی۔"

"اوہ۔" سارکس نے اپنا سر اس کے سینے پر رکھ دیا۔ "اور تم نے اس کا اظہار کبھی نہیں کیا۔"

"تم نہیں کرنا چاہتی تھیں سارکس اور ظاہر ہے، جو بات تمہیں پسند نہیں تھی، میں اس کو انجام دے کر تمہاری دل شکنی نہیں کر سکتا تھا۔"

"اوہ۔ ڈوگرلیس ۔ ڈوگرلیس، کیا تمام امریکی سپاہی تمہاری طرح ہوتے ہیں، تم بے حد فراخ دل اور مخلص انسان ہو، میں تم سے محبت کرتی ہوں۔" سارکس نے بے اختیار ہو کر کہا۔

"سارکس ۔ سارکس۔۔" ڈوگرلیس نے بے اختیار ہو کر اسے اپنے بازوؤں میں بھینچ لیا اور پھر اس کے ہونٹوں پر، آنکھوں پر اور رخساروں پر بے پناہ بوسوں کی بارش کر دی۔ "میں بھی تمہیں چاہتا ہوں سارکس اور جب ہم جاپانی فوجوں کو شکست دے کر اپنے ملک واپس جائیں گے تو کیا تم میرے ساتھ چلنا پسند کرو گی؟"

"میں تم سے دور رہنا بھی چاہوں ڈوگرلیس تو نہیں رہ سکتی۔ میرے بدن میں موجود تمہارا خون مجھے کہاں سکون لینے دے گا۔" سارکس نے اس کی محبت کے جواب میں بھرپور محبت کا جواب دیا۔

اور پھر جب تقریباً پندرہ دن کے بعد قیدیوں کا یہ بڑا جتھا یوکوہاما کی امریکی چھاؤنی کی طرف روانہ ہوا تو سارکس اس کے ساتھ تھی۔ پستہ قامت فلپائنی لڑکی اپنی زبان پر کاربند تھی، اور بے شمار فوجی معرکوں میں وہ ڈوگرلیس کے شانہ بشانہ رہی۔

اور ۱۹۴۵ء کے اختتام پر جب ڈوگرلیس امریکی ساحل پر اترا تو اس کے ساتھ فلپائنی حسینہ سارکس اس کی بیوی کی حیثیت سے اس کے ساتھ تھی، اور جب عقیدت مندوں نے میجر ڈوگرلیس کو پھولوں سے لاد دیا تو اس نے اپنی گردن سے ہار اتار کر سارکس کے گلے میں ڈال دیئے اور پھر اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر اسے اپنے بالکل قریب کر لیا۔

کوئی اعتراض ہے آپ کو؟



خون رنگ سحر

خون رنگ سحر

دُوسری جنگِ عظیم کے خُون پسینے، آنسوؤں اور شُعلوں سے جنم لینے والی ہوشربا داستان جو آج بھی اپنے دامن میں آزادی کے متوالوں کے لیے ایک پیغام رکھتی ہے۔

فریڈی انائٹ کی معروف کتاب "دی فرنچ ریزسٹینس" کی تلخیص ——— طاہر اسدی

۱۰ مئی ۱۹۴۰ء کا دن فرانس کی تاریخ کا تاریک ترین دن تھا۔ اس روز نازی جرمنی نے بلجیم پر حملہ کر کے فرانس کی طرف پیشقدمی شروع کی۔ ۱۰ جون کو اٹلی نے بھی فرانس کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا اور ۱۴ جون کو جرمن فوجیں پیرس میں داخل ہو گئیں۔ فرانس پر جرمنوں کا قبضہ ہو گیا۔ اپنی فوجوں کی شکست کے بعد فرانس کے لاکھوں عوام جرمنوں کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوئے۔ اگلے چار برس اُس عظیم تحریکِ مزاحمت کے تھے جس کی داستان آج بھی اُن قوموں کے لیے ایک مثالی جدّوجُہد کی حیثیّت رکھتی ہے جو کسی سامراجی ملک کی جارحیّت کا شکار ہو گئے ہوں۔

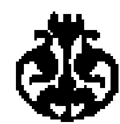
۱۹۳۳ء میں جرمنی نے نازی پارٹی کے سربراہ اڈولف ہٹلر کی قیادت میں تیزی سے اُبھرنا شروع کیا۔ بڑے بڑے صنعتکار ہٹلر کے حامی تھے۔ اُنھوں نے دل کھول کر ہٹلر اور اُس کے طُوفانی دستوں کی ہر ممکن مدد کی۔ اسلحے کے "بادشاہوں" نے جرمنی کی پولیس اسٹیٹ کو ہر قسم کا اسلحہ مہیّا کیا۔ عوامی لیڈروں نے جرمنی کی بالادستی کے نام پر متوسط طبقے کو مسحور کیا۔ یہودیوں اور آزاد خیال لوگوں کا جینا حرام ہو گیا۔

دوسری طرف عالمی اقتصادی بحران سے فرانس بھی شدید متأثّر ہوا۔ داخلی انتشار کے باعث کئی حکومتیں بنیں اور بگڑیں۔ اپریل، مئی ۱۹۳۶ء میں فسطائیّت کے خلاف جدّوجُہد کے نام پر پاپولر فرنٹ نے انتخابات جیتے اور سوشلسٹ رہنما لیون بلوم نے فرانس میں حکومت بنائی، لیکن اس کے ساتھ ہی فرانس ہڑتالوں کے چنگل میں پھنس گیا۔ اُدھر فرانس کا متوسط طبقہ پاپولر فرنٹ کا کمیونزم کی طرف جھکاؤ دیکھ کر اُس سے بیزار ہو گیا۔ اُنہیں علم تھا کہ بالشوزم کے آتے ہی ملک کے اسکولوں کالجوں، ریستورانوں، دفتروں فیکٹریوں اور گلی کُوچوں میں تصادم شروع ہو جائے گا۔ بے شمار پیشہ ور لوگوں، کھاتے پیتے کارکنوں، تاجروں اور دائیں بازو کے سوشلسٹوں کا پاپولر فرنٹ سے اعتماد اُٹھ گیا۔ وہ یہ سوچنے لگے کہ پاپولر فرنٹ کی حکومت کے پردے میں رُوس، فرانس کا نظم و نسق چلا رہا ہے۔

اسی اثنا میں جنرل فرانکو نے اسپین کی جمہوری حکومت کا تختہ اُلٹ دیا ——— اُسے ہٹلر اور مسولینی کی حمایت حاصل تھی۔ اسپین کی حکومت نے فرانس سے مدد طلب کی، لیکن اُس نے انکار کر دیا۔ لیون بلوم کی حکومت نے اعلان کیا کہ وہ اسپین کے اندرونی معاملات میں مداخلت نہیں کرے گی۔ فرانسیسی حکومت نے اسپین کو اسلحہ فراہم کرنے پر بھی پابندی عائد کر دی۔

حکومت کی اس سرد مہری کے خلاف فرانس کے طول و عرض میں احتجاج کا طُوفان اُٹھ کھڑا ہُوا۔ فرانسیسیوں نے چندہ جمع کر کے اسپین کے جمہوریّت پسندوں کو خوراک، کپڑے اور ادویات وغیرہ بھیجیں، لیکن فرانس کی حکومت ٹس سے مس نہ ہُوئی۔ فرانسیسی وزیرِ اعظم لیون بلوم نے فسطائیّت کے خلاف متّحدہ محاذ بنانے کے لیے رُوس سے مذاکرات شروع کر دیے، لیکن اُن کا کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ اُدھر برطانیہ کے دباؤ سے لیون بلوم حکومت کو فرانک کی قیمت بھی کم کرنی پڑی۔ ان تمام باتوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ سینٹ میں لیون بلوم کو شکست کا سامنا کرنا پڑا اور وہ مستعفی ہو گئے۔ ۱۹۳۸ء کے موسمِ خزاں میں ہٹلر کو یقین ہو گیا کہ

جمہوری حکومتیں "مداخلت نہیں کریں گی اور اسپین میں فرانکو کو فتح نصیب ہوگی۔ اب اس نے وسطی یورپ کے جرمن بولنے والے لوگوں کو متحد کرنے کے منصوبے پر عمل درآمد شروع کیا اور ۱۲ مارچ ۱۹۳۸ء کو جرمن فوجیں آسٹریا میں داخل ہوگئیں۔ یہی حال چیکوسلواکیہ کا ہوا۔



فرانس میں ان دنوں ڈیلاڈیئر وزیراعظم تھے۔ انہوں نے نازی جرمنی کو خوش کرنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ فرانس کے وزیرِ خارجہ جارج بونے اور جرمن وزیرِ خارجہ، فان رِبن ٹراپ کے درمیان ایک سرحدی معاہدہ بھی ہوا۔ ۱۹۳۹ء ہی میں اسپین کی جمہوری حکومت ختم ہوگئی، تو وہاں کے بے شمار افراد پناہ حاصل کرنے کے لیے فرانس میں داخل ہوگئے۔ فرانس کی حکومت نے جرمنی کو خوش کرنے کے لیے انہیں گرفتار کرکے کیمپوں میں ڈال دیا ــــ

۱۵ مارچ ۱۹۳۹ء کو ہٹلر نے پورے چیکوسلواکیہ پر قبضہ کرلیا۔

۲۰ اگست ۱۹۳۹ء کو روس اور جرمنی کے درمیان جنگ نہ کرنے کا معاہدہ ہوا، تو فرانس میں کمونزم دشمن جذبات کو اور ہوا ملی اور بائیں بازو کے فرانسیسیوں نے بھی اس بات کو انتہائی نفرت سے دیکھا کہ روس نے ایک ابھرتی ہوئی فسطائی قوت کے آگے گھٹنے ٹیک دیے ہیں۔ فرانس کے پورے متوسط طبقے کی سوچ یہی تھی کہ کمونسٹ دشمنی حب الوطنی کے مترادف ہے۔

یکم ستمبر ۱۹۳۹ء کو جرمن فوجیں پولینڈ میں داخل ہوگئیں اور ۳ ستمبر کو برطانیہ میں چیمبرلین حکومت نے اور فرانس میں ڈیلاڈیئر حکومت نے جرمنی کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا۔

ڈیلاڈیئر حکومت نے فرانسیسیوں کو بتایا کہ وہ فرانس کی دفاعی میجینو لائن پر مکمّل بھروسہ رکھیں۔ مارشل پتیاں اور جنرل اسٹاف نے بھی دعویٰ کیا کہ میجینو لائن ناقابلِ تسخیر ہے اور جرمن حملے سے اسے کوئی ضرر نہیں پہنچے گا، لیکن ملک کے دانشور طبقے کو ان دعووں پر یقین نہ تھا۔ آندرے ماریس نے اپنی یادداشت میں لکھا: ''ایک مبصّر کی حیثیّت سے جب میں نے بلجیم کے محاذ کا دورہ کیا تو مجھے میجینو لائن دیکھنے کا بھی اتّفاق ہوا۔ یہ دیکھ کر مجھے بڑا تعجّب ہُوا کہ بلند بانگ دعووں کے علی الرّغم یہ دفاعی لائن نہایت کمزور ہے۔ جگہ جگہ کھائیاں کھُدی ہوئی تھیں جن میں کنکریٹ کی چھوٹی چھوٹی کھڑکیاں تھیں، لیکن یہ کھائیاں اُس وقت تک مؤثّر ثابت نہ ہو سکتی تھیں جب تک اُن میں ٹینک شکن توپیں نصب نہ کی جاتیں، مگر بدقسمتی سے ٹینک شکن توپیں بہت کم تھیں۔ مزید برآں یہ کھائیاں بھی ۱۹۱۴ء کے ڈیزائن کی تھیں۔ مجھے حیرت ہوتی تھی کہ یہ جرمنوں کے دیوقامت ٹینکوں اور مسلسل بمباری کا مقابلہ کس طرح کریں گی۔ اس لائن کے ساتھ ساتھ نفیس ہتھیاروں سے لیس نفیس فرانسیسی سپاہی گشت کرتے رہتے۔ مجھے اس خیال نے غمزدہ کر دیا کہ جرمنوں کے طوفانی حملے کے سامنے یہ دفاعی لائن تنکوں کی طرح بکھر جائے گی اور یہ نفیس فرانسیسی سپاہی یا تو مارے جائیں گے یا قیدی بنا لیے جائیں گے۔''

سیاسی شعور سے بہرہ ور فرانسیسی کارکنوں کو بھی اپنی فوجی ہائی کمان کی سوچ میں بڑے تباہ کُن خلا کا احساس تھا۔ جب جرمن طیّاروں نے پولینڈ پر بمباری شروع کی تو فرانسیسیوں کو اسپین پر جرمنوں کی بمباری یاد آ گئی۔ فرانسیسی جانتے تھے کہ اُن کی فوجی ہائی کمان لکیر کی فقیر، بیوروکریٹ، از کار رفتہ اور نااہل ہے۔

فرانسیسی اسلحہ ساز فیکٹریوں میں تیّار ہونے والا اسلحہ بھی کچھ اتنا اہم نہ تھا۔ مزید برآں رینالٹ اسلحہ ساز فیکٹریز میں تیس ہزار کارکُن کام کرتے تھے، مگر گزشتہ موسم خزاں میں اُن میں سے سات ہزار نکال دیے گئے۔ بڑے بڑے سرمایہ داروں کو اپنا سرمایہ ''محفوظ'' ممالک میں منتقل کرنے کی اجازت مل گئی تھی۔ رینالٹ فیکٹریوں میں ٹینکوں کے بجائے کاریں تیّار ہو رہی تھیں۔ بڑی بڑی صنعتوں کو بھی جنگی سازوسامان تیّار کرنے کی ہدایت نہ ملی۔ فرانس میں فولاد کا ''بادشاہ'' ایم ڈی ویینڈل خام لوہا جرمنی میں اپنے چچازاد بھائی ہرفان ویینڈل کو دھڑا دھڑ بھیج رہا تھا اور بے اندازہ رقم کما رہا تھا۔

دسمبر ۱۹۳۹ء میں رُوس نے فن لینڈ پر حملہ کر دیا۔ فنلیوں نے مارچ ۴۰ء تک مزاحمت کی۔ فرانس اور برطانیہ میں ایک شور مچ گیا۔ سپریم وار کونسل نے چرچل کے بیان کے مطابق باکو میں تیل کے کنوؤں پر بمباری کرنے کا منصوبہ بنایا ''تاکہ رُوس کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کیا جا سکے'' مگر پھر یہ منصوبہ ترک کر کے فیصلہ کیا گیا کہ سویڈن کے راستے تین چار ڈویژن فوج فن لینڈ پہنچا دی جائے، لیکن سویڈن نے راستہ دینے سے انکار کر دیا۔ اب فرانس کے وزیرِاعظم ڈیلاڈیئر نے برطانوی حکومت کے مشورے کے بغیر ساٹھ ہزار رضاکار اور ایک سو بمبار طیّارے فن لینڈ بھیجنے کا فیصلہ کیا۔ منصوبے بنتے اور اُدھڑتے رہے اور ۱۲ مارچ ۱۹۴۰ء کو فن لینڈ نے اپنی شکست تسلیم کر لی اور ہتھیار ڈال دیے۔ بہرحال فن لینڈ پر رُوسی حملہ ڈیلاڈیئر حکومت کے لیے بھی ایک کاری ضرب ثابت ہُوا اور وہ مستعفی ہو گئی۔

❁

۲۱ مارچ ۱۹۴۰ء کو پال رینالڈ نے فرانس میں نئی کابینہ تشکیل دی۔ پولینڈ پر مکمّل قابو پانے کے بعد جرمنی نے ڈنمارک، ناروے اور ہالینڈ پر حملے کی تیّاریاں شروع کر دیں۔ اُنہوں نے برطانیہ کے شمالی ساحل پر بارودی سرنگیں بھی بچھا دیں۔ چرچل نے اُنہی دنوں فرانس کو پیش کش کی کہ رائل ایئرفورس رائن کے علاقے میں بارودی سرنگیں بچھانے میں فرانس کی مدد کرنے کو تیّار ہے، مگر فرانس نے یہ پیشکش مسترد کر دی۔ دراصل وہ کوئی ایسی کارروائی نہیں کرنا چاہتا تھا جس سے جرمنی کو فرانس پر حملہ کرنے کا بہانہ مل سکے۔

فرانس کے خلاف جرمن آتش فشاں پھٹنے والا تھا۔ اُدھر فرانس کے اربابِ اختیار ؎

ارادے باندھتے تھے، سوچتے تھے، توڑ دیتے تھے
کہیں ایسا نہ ہو جائے، کہیں ویسا نہ ہو جائے

وہ اس اُصول پر عمل پیرا تھے کہ دُشمن کے خلاف نامہربان

نہ ہؤ ورنہ وہ خفا ہو جائے گا۔

اپریل میں جرمنی نے ڈنمارک اور ناروے پر حملہ کر دیا مئی میں یہ دونوں ملک پامال ہو چکے تھے ـــــ ان پر تسلط جمانے کے بعد جرمنی نے ۱۰ مئی کو مغربی یورپ کا رُخ کیا اور ہالینڈ اور بلجیم پر حملہ کر دیا۔ جرمن طیاروں کی بمباری اتنی تباہ کن تھی کہ ہالینڈ کا شہر روٹرڈم سُلگتے ہوئے کھنڈرات میں تبدیل ہو گیا۔ برطانوی اور فرانسیسی فوجیں بلجیم کو بچانے آگے بڑھیں، مگر وہ جرمن فوج کی پیشقدمی نہ روک سکیں۔ جرمن فوج کے پانزر ڈویژنوں نے میجینو لائن کو تہس نہس کر کے رکھ دیا اور فرانس کے اندر ساٹھ میل تک گھس گئے۔ ۱۵ مئی کو فرانس نے وزیر اعظم چرچل کو اطلاع دی کہ ہم جنگ ہار چکے ہیں۔

جرمن فوج کے بکتر بند دستے انتہائی تیزی سے میجینو لائن کے شگافوں میں سے فرانس میں داخل ہو رہے تھے۔ ۲۰ مئی کو وہ ایبے ویل میں داخل ہو گئے اور انہوں نے شمالی فوجوں کی مواصلاتی لائن کاٹ دی۔ انہیں کہیں بھی مزاحمت کا سامنا نہ کرنا پڑا۔ جرمن ٹینکوں کی تیز رفتاری کا یہ عالم تھا کہ ایک ایک دن میں چالیس چالیس میل کی پیشقدمی کر رہے تھے۔ پانچ برطانوی بریگیڈ ارّاس کا دفاع کر رہے تھے۔ اگر رومیل کے چار سو ٹینکوں کے طوفانی حملے کے آگے انہیں پسپا ہونا پڑا۔ دوسرے محاذوں پر بھی فرانسیسی اور برطانوی فوجوں کی حالت بڑی ابتر تھی۔ دریں اثنا جرمن فضائیہ نے انتہائی بے رحمی سے فرانسیسی بندرگاہوں پر بمباری کی اور فرانس کی تمام سڑکیں بے گھر ہونے والے لوگوں سے بھر گئیں۔

۲۸ مئی کو بلجیم کے شاہ نے اپنی فوجوں کو ہتھیار ڈالنے کی ہدایت کر دی۔ بلجیم کی شکست سے فرانس میں مایوسی اور بڑھ گئی۔ وزیر اعظم پال رینا ڈ نے اعلان کیا کہ جرمنوں کے مقابلے کے لیے دوسری دفاعی لائن تیار کی جائے گی اور آخری فتح تک جدّوجہد جاری رہے گی، مگر یہ شاندار الفاظ جرمنوں کی پیشقدمی نہ روک سکے۔ ڈنکرک میں چار لاکھ اتحادی افواج جرمنوں کے پھیلائے ہوئے جال میں پھنسی ہوئی تھیں۔ اُن میں سے تین لاکھ اڑتیس ہزار دو سو چھبیس افراد کو پسپا ہونا پڑا اور انہیں ڈنکرک سے نکالنے کے لیے آٹھ سو اکسٹھ جہاز استعمال کیے گئے۔ پسپا ہونے والوں میں چھبیس ہزار ایک سو پچھتر فرانسیسی فوجی تھے۔ بے شمار اسلحہ نازیوں کے ہاتھ لگا۔ اس پسپائی کے باوجود برطانیہ کے وزیر اعظم چرچل نے اعلان کیا کہ ہم کھاڑیوں میں کھیتوں میں میدانوں میں گلیوں میں اور پہاڑیوں میں لڑیں گے اور ہتھیار نہیں ڈالیں گے۔ یہی جذبہ فرانسیسیوں کے دلوں میں بھی موجزن ہوا اور انہوں نے پیرس کو ایک ناقابلِ تسخیر قلعہ بنا دیا۔

فرانس جرمن جارحیت کے سامنے بُری طرح لڑکھڑا رہا تھا۔ اب جرمنوں نے ساحلی کارروائیوں کو سمیٹتے ہوئے جنوب کی جانب بڑھنا شروع کر دیا۔ آٹھ جرمن پانزر ڈویژنوں نے مارنے کو فتح کیا۔ ۱۲ جون تک وہ لورے اور اُس کے آگے اور لینز تک پہنچ چکے تھے۔ پیرس کا دفاع کرنے والی فوجیں منتشر ہو گئیں۔ فرانسیسی دارالحکومت کو کھلا شہر قرار دے دیا گیا اور ۱۴ جون کو جرمن فوجیں اُس میں داخل ہو گئیں۔ ایک ماہ سے بھی کم عرصے میں جرمنی نے پورے فرانس کو تاخت و تاراج کر دیا اور فرانسیسی فوج کو تباہ کر ڈالا۔ فرانسیسی دارالحکومت پیرس پکے ہوئے پھل کی طرح اُن کی جھولی میں آن گرا اور یہ سب کچھ فرانسیسی ہائی کمان کی بدانتظامی کے باعث ہوا۔



برطانوی وزیر اعظم چرچل نے فرانسیسی حکومت کو لڑائی جاری رکھنے پر بہت اُکسایا، لیکن پال رینا ڈ کی کابینہ بالکل حوصلہ ہار چکی تھی۔ مینڈل اور ڈیگال جرمنوں کے خلاف گوریلا کارروائیوں کے حق میں تھے۔ جنرل ویگان اور پتیان کے نزدیک جنگ کا کوئی فائدہ نہ تھا۔ اُن کا خیال تھا کہ اب فرانس میں امن قائم ہونا چاہیے۔ پتیان کے بارے میں چرچل کی رائے بہت بُری تھی۔ اُس نے ایک مرتبہ وزیر اعظم پال رینا ڈ سے کہا کہ یہ شخص (پتیان) بہت خطرناک ہے، اس پر ہمیشہ شکست خوردگی طاری رہتی ہے۔ بہر حال پال رینا ڈ کی حکومت مستعفی ہو گئی۔ مارشل پتیان نے حکومت کی سربراہی سنبھال لی اور قوم سے اپیل کی کہ جرمنوں سے تعاون کیا جائے۔ اُس نے اپنی حکومت کا صدر مقام بورڈ ے کو بنایا ـــ برطانوی وزیر اعظم چرچل نے یہ تجویز بھی پیش کی کہ جرمنی کا مقابلہ کرنے کے لیے برطانیہ اور فرانس ایک جنگی کابینہ بنائیں، لیکن فرانسیسی حکومت نے اسے بھی مسترد کر دیا۔ پتیان نے اعلان کیا کہ برطانیہ بھی ختم ہو چکا ہے۔ اب اُس کے ساتھ کسی قسم کا اتحاد ایک لاش

کو کندھوں پر اُٹھانے کے مترادف ہوگا۔

ادھر فرانس کا یہ حال تھا کہ لُٹے پُٹے بے گھر فرانسیسیوں کے قافلے اُدھڑی ہُوئی سڑکوں پر رواں دواں تھے، لیکن اُن کی کوئی منزل نہ تھی۔ ساٹھ لاکھ شہری اور بے شمار فوجی اُن میں شامل تھے۔ اُنھیں نہ آرام میسّر تھا، نہ خوراک اور پانی اور نہ کوئی اور سہولت۔ اس پر مستزاد یہ کہ جرمن طیّارے اُن لاتعداد قافلوں پر مشین گنوں سے فائرنگ کر کے اور خوف و ہراس پھیلا رہے تھے۔ یہ ۱۴ جون کی ایک اُداس دوپہر تھی جب جرمن فوجیں انتہائی تزک و احتشام سے پیرس میں داخل ہُوئیں اور چند لمحوں کے بعد ایوانِ نمائندگان اور ایفل ٹاور پر جرمن سواستکا لہرانے لگا۔ وزارتوں کے دفاتر، عجائب گھروں اور فرانس کی قومی یادگاروں پر جرمن سنتری پہرہ دینے لگے۔ فرانس کی نئی حکومت نے فرانسیسیوں کو پُرسکون رکھنے کے لیے پیرس کی دیواریں پوسٹروں سے بھر دیں جن میں فرانسیسیوں سے اپیل کی گئی تھی کہ وہ جرمن فوجیوں پر بھروسا کریں۔ تین فرانسیسی سیاستدانوں، مینڈل، ڈیلاڈیئر اور کیمپنشی نے افریقہ فرار ہونے کی کوشش کی، لیکن جرمن فوجیوں نے اُنھیں پکڑ کر پتیاں کے حوالے کر دیا جس نے اُنھیں "غدّار" قرار دے کر جیل میں ڈال دیا؛ البتّہ چارلس ڈیگال اور چند دیگر سیاستدان ایک بحری جہاز کے ذریعے برطانیہ پہنچنے میں کامیاب ہوگئے۔ ڈیگال نے برطانیہ پہنچتے ہی لندن ریڈیو سے قوم کے نام پیغام نشر کیا کہ وہ متّحد ہو اور جرمنوں کا مقابلہ جاری رکھے۔ اس کے ساتھ ہی اُس نے برطانیہ میں آزاد فرانسیسی فوج تشکیل دے دی۔ اس سے فرانسیسیوں کے دل میں اُمّید کی ایک نئی کرن پیدا ہُوئی۔ ڈیگال نے اعلان کیا کہ فرانس کو غلام نہیں بنایا جا سکتا۔ اُس نے اس شکست کا ذمّے دار فوجی ہائی کمان کو ٹھہرایا اور دُنیا کو یقین دلایا کہ فرانس ختم نہیں ہُوا۔

پتیاں حکومت نے جرمنی کے ساتھ جنگ بندی کا جو معاہدہ کیا، اُس کی شرائط کو پُوری فرانسیسی قوم نے انتہائی توہین آمیز قرار دیا۔ پہلے تو جرمنوں کا رویّہ قدرے بہتر رہا۔ پھر اُنھوں نے فرانس کو اس طرح کھانا شروع کر دیا جیسے ٹڈّی دل ہرے بھرے کھیت کو چٹ کر جاتا ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ خوراک اور دوسری تمام اشیا بازاروں سے غائب ہوگئیں۔ جرمنوں نے فرانس کے لیے جو کاغذی کرنسی چھاپی تھی، اُس کی کوئی قدر و قیمت نہ رہی۔ پیرس کے لوگ جرمنوں کو انتہائی نفرت کی نگاہ سے دیکھتے۔ سینما گھروں میں جب جرمن نیوز ریل دکھائی جاتی، تو تمام فرانسیسی باہر آ جاتے۔ جرمنوں نے بھنّا کر حکم دیا کہ سینما گھروں کے دروازے بند کر دیے جائیں۔ اس پر فرانسیسی شور مچاتے اور مختلف جانوروں کی بولیاں بولنے لگتے۔ جرمنوں نے تنگ آ کر حکم دیا کہ نیوز ریل دکھاتے وقت دروازے کھُلے رکھّے جائیں اور روشنی گُل نہ کی جائے۔ فرانسیسیوں نے اس کا یہ جواب دیا کہ وہ اپنے ساتھ اخبارات اور کتابیں لے جاتے۔ جونہی جرمن نیوز ریل شروع ہوتی، وہ مطالعے میں مصروف ہو جاتے۔ ایک مرتبہ پیرس کے ایک تھیٹر میں شو روک کر روشنیاں گُل کر دی گئیں اور اعلان ہُوا: "شو اس لیے روکا گیا ہے کہ رائل ایئر فورس کے بمبار طیّارے پیرس کی جانب بڑھ رہے ہیں۔" اس اعلان پر اتنی تالیاں بجائی گئیں کہ اس تھیٹر کی تاریخ میں کبھی نہ بجی ہوں گی۔



چارلس ڈیگال کی تقریر سے پہلے بھی فرانس کے محبِّ وطن عناصر جرمنوں کے تسلّط کے خلاف جدّوجُہد کرنے کے بارے میں سوچ رہے تھے۔ دو رہنما تھوریز اور جیکوئس ڈوکلوز فرانس ہی میں تھے اور جرمنوں کے خلاف زیرِ زمین سرگرمیاں منظّم کرنے کے منصوبے بنا رہے تھے۔ اُن کا ایک بیان پمفلٹ کی شکل میں خفیہ طور پر شائع ہُوا اور چپکے چپکے محبِّ وطن عناصر میں تقسیم کر دیا گیا۔ اس بیان میں دونوں رہنماؤں نے قوم سے اپیل کی کہ وہ متّحد ہو کر غیرملکی جارحین اور اُن کے مرغانِ دست آموز کے خلاف جدّوجُہد کا آغاز کریں۔ مادرِ وطن کو اب صرف عوام سے اُمّید ہے۔ عوام کے حوصلے اور اعتماد ہی سے آزادی کے حصول کے لیے غیرملکی حملہ آوروں کے خلاف محاذ قائم کیا جا سکتا ہے۔ قوم متّحد ہوگی، تو ملک کو آزادی نصیب ہوگی۔ اس بیان سے متوسّط طبقے کا مورال بلند ہوگیا۔

چارلس ڈیگال نے لندن ریڈیو سے تقریر نشر کی تو ولولے جوان ہوگئے۔ نوجوانوں پر خصوصاً ڈیگال کی تقریر کا بہت اثر ہُوا اور وہ آہستہ آہستہ منظّم ہونے لگے۔ ادھر بے روزگاری اور کھانے پینے کی اشیا کم ہونے کے باعث بھی ملک میں بڑی بے چینی تھی؛ چنانچہ عوام ان تمام مصائب کے ذمّے دار جرمنوں کے خلاف متّحد ہونے لگے۔ نوجوان پکنک کے بہانے دُور دراز کے علاقوں میں نکل جاتے اور

۱۷۶۱ء میں ڈنمارک میں ایک بچہ پیدا ہوا۔ دو سال کی عمر میں وہ اپنی مادری زبان فرفر بولنے لگا اور جب تین برس کا ہوا، تو دنیا کی بیشتر زبانیں بول سکتا تھا۔ ۱۷۶۴ء میں شاہِ ڈنمارک نے اُسے اپنے دربار میں بلایا، مگر وہ محل میں داخل ہوتے ہی مرگیا۔

مادرِ وطن کی آزادی کے لیے منصوبے بناتے اور عملی کارروائیوں کا پروگرام ترتیب دیتے۔ کئی غیر قانونی پرچے بھی نکل آئے جو رات کے اندھیرے میں سائیکلوسٹائل مشینوں پر چھپتے اور پو پھٹتے ہی ہاتھوں ہاتھ تقسیم ہوجاتے۔ نوجوانوں نے یوتھ بریگیڈ قائم کیے اور تین تین ارکان پر مشتمل گروپ بنائے۔ پیرس کے ہر گلی کوچے میں نوجوانوں کی سرگرمیاں زور شور سے شروع ہوگئیں اور دیواروں پر جرمنوں کے خلاف پوسٹر اور نعرے لکھے جانے لگے۔ جرمنوں کے ہتھیار چھڑالینے کی وارداتیں عام ہوگئیں اور تحریکِ مزاحمت نہ صرف پیرس بلکہ پورے مقبوضہ علاقے میں شروع ہوگئی۔ اگست اور ستمبر کے مہینوں میں سبوتاژ کرنے کی کارروائیاں اتنی بڑھیں کہ حکام پریشان ہوگئے۔ ان کارروائیوں سے ٹیلی مواصلاتی رابطوں اور ریل گاڑیوں کو بہت نقصان پہنچا۔ جرمنوں نے سبوتاژ کی کارروائیاں کرنے والوں کا پتا بتانے کے لیے دس ہزار فرانک انعام رکھا اور اعلان کیا کہ جس علاقے میں دہشت پسندانہ کارروائیاں ہوں گی، وہاں ہتھیار اُٹھانے کے قابل کسی فرد کو نہیں بخشا جائے گا، لیکن جرمنوں کی تمام دھمکیوں اور بھاری اجتماعی جرمانوں کے باوجود یہ سرگرمیاں جاری رہیں۔ نوجوان عموماً جرمنوں کی گاڑیاں جلا دیتے اور اکا دُکا جرمن کو موت کے گھاٹ اُتار دیتے۔ بیشتر فرانسیسی فوجیوں نے اپنا اسلحہ جرمنوں کے حوالے کرنے کے بجائے جنگلوں، وادیوں اور ندی نالوں میں پھینک دیا تھا۔ نوجوانوں کی ٹولیاں یہ اسلحہ ڈھونڈلاتیں اور جرمنوں کے خلاف استعمال کرتیں۔ نوجوانوں کی کارروائیاں بڑھیں تو فرانسیسی فوجی بھی اُن میں شامل ہوگئے۔ اُنھوں نے نوجوانوں کو تربیت دینی شروع کردی اور یُوں جرمنوں کے خلاف لڑنے والی مختلف تنظیمیں قائم ہوگئیں۔

اس کے ساتھ ہی جرمن اپنے اصلی رُوپ میں آگئے۔ اُنھوں نے بے شمار فرانسیسیوں کو پکڑ کر موت کے گھاٹ اُتارا، اُن پر شدید مظالم کیے اور لاتعداد افراد جرمنی میں واقع بیگار کیمپوں میں پہنچا دیے۔ لندن ریڈیو سُننے کے جرم میں ہزاروں افراد کو سخت ترین سزائیں دی گئیں، لیکن فرانس کے طُول و عرض میں لندن ریڈیو سُننا عوام اپنا فرض سمجھتے تھے۔ ڈیگال اور دیگر محبِ وطن رہنماؤں کی تقریروں نے پُورے فرانس میں آگ بھڑکا دی۔ پیرس یونیورسٹی مزاحمتی تحریک کا گہوارہ بن گئی اور طلبہ اور اساتذہ نے پُورے جوش اور ولولے سے تحریک کو منظم کرنے میں حصّہ لیا۔ اساتذہ کے لکھے ہُوئے پمفلٹ اور کتابچے تقسیم کرنے کا فرض طلبہ نے سنبھالا۔ جلد ہی اُن طلبہ نے اپنا ایک اخبار بھی نکال لیا۔ کچھ نوجوانوں نے فرانسیسی کلچر کے تحفظ کا بیڑا اُٹھایا۔ طلبہ جرمنوں کے زیرِ سایہ قائم ہونیوالی پتیاں حکومت پر بھی تُند و تیز حملے کرتے۔ اُنھوں نے اس حکومت کے ارکان کا جینا حرام کردیا۔ جرمنوں نے فرانسیسی ماہرِ طبیعیات، پال لینگوین کو گرفتار کیا تو طلبہ نے پیرس، سوربون اور دُوسرے علاقوں میں طوفان برپا کردیا۔ جمعہ ۸ نومبر کو ایک بہت بڑا ہجوم سوربون یُونیورسٹی کے سامنے جمع ہوگیا اور پال لینگوین کی رہائی کے لیے زبردست نعرے لگائے۔ پتیاں حکومت کی پولیس اور جرمن فوجیوں نے اس ہجوم کو چاروں طرف سے گھیر لیا، مگر مُظاہرین کا جوش و خروش دیکھ کر اُنھیں کوئی کارروائی کرنے کی جُرأت نہ ہُوئی۔ پتیاں حکومت نے انتباہ کیا کہ آئندہ کوئی مظاہرہ برداشت نہیں کیا جائے گا، لیکن طلبہ نے ۱۱ نومبر کو پھر ایک زبردست مظاہرہ کیا۔ ایلیسی کیپ اس ہنگامے کا مرکز تھا۔ طلبہ نے کٹھ پتلی پتیاں حکومت کی پولیس سے باقاعدہ مقابلہ کیا۔ اسی اثنا میں جرمن فوجیوں کی گاڑیاں پہنچ گئیں جنھوں نے طلبہ پر اندھا دُھند فائرنگ کی اور دستی بم پھینکے۔ اس کارروائی سے بے شمار طلبہ ہلاک و زخمی ہُوئے اور ایک سو چالیس گرفتار کرلیے گئے۔ جرمنوں کی اس شقاوت پر پُورا فرانس بھڑک اُٹھا۔ تحریکِ مزاحمت تیز تر ہوگئی اور تقریباً تمام سیاسی جماعتیں بھی اس میں شریک ہوگئیں۔ جرمنوں کا تشدّد بڑھا تو مزدوروں نے اس کے جواب میں فیکٹریوں میں سبوتاژ کی وارداتیں شروع کردیں اور تیل کے ذخائر کو نذرِ آتش کرنے لگے۔ خوراک اور دوسرے سازوسامان سے لدی ہُوئی گاڑیاں جُونہی جرمنی کا رُخ کرتیں، اُنھیں اُڑا دیا جاتا اور پٹڑیاں اکھاڑ دی جاتیں۔ ان کارروائیوں کی سزا موت تھی، مگر

فرانسیسی اس سزا سے خوف زدہ نہ ہوئے اور یہ کارروائیاں جاری رہیں۔ فرانسیسی حریت پسند عمارات کو یہ کارروائیاں کرتے اور اندھیرے میں غائب ہو جاتے۔

۱۹۴۱ء میں برطانیہ کے وزیرِ اعظم چرچل نے برطانوی انٹیلی جنس سروس کے ایجنٹوں کو حکم دیا کہ وُہ پیراشوٹوں کے ذریعے فرانس میں اُتریں اور وہاں کے حریت پسندوں کی ہر ممکن مدد کرنے کے علاوہ جرمنوں کے خلاف کارروائیاں بھی کریں۔ اُن بہادر ایجنٹوں نے انتہائی خطرناک کارنامے انجام دیے اور انفرادی بہادری کی مثالیں قائم کیں۔ اُن میں سے بیشتر موت کے گھاٹ اُتر گئے یا جرمنوں کی گولیوں کا نشانہ بن گئے۔ فرانسیسی حریت پسندوں کی اپنی تحریک بھی پوری شدت سے جاری رہی۔ ۱۹۴۱ء کے اواخر تک لندن میں "آزاد فرانس" کو پورے متوسط طبقے کی حمایت حاصل ہو چکی تھی۔ "آزاد فرانس" کی ہدایت پر ہزاروں فرانسیسی کوئی بھی اقدام کر گزرتے۔ وُہ فرانسیسی قیدیوں کو پناہ دیتے، خفیہ ایجنٹوں کو چھپنے کی جگہ مہیا کرتے اور اُنہیں محفوظ مقامات تک پہنچاتے۔ وہ پیغام رسانی بھی کرتے اور اِن کاموں کی انجام دہی میں اپنی جانوں کی بھی پروا نہ کرتے۔

جنوری ۱۹۴۳ء کے آغاز میں جرمنی کو سٹالن گراڈ کے محاذ پر شدید نقصان اُٹھانا پڑا۔ وولگا کے علاقے میں اُن کی صفیں منتشر ہونے لگیں۔ اُدھر رائل ایئر فورس کے بمبار طیاروں نے جرمنی پر آگ برسانی شروع کی اور یوگوسلاویہ اور یونان کے حریت پسندوں نے برطانیہ کی مدد سے جرمنوں کے خلاف اپنی سرگرمیاں بڑھا دیں۔ اسی زمانے میں ایک فرانسیسی رہنما فرنانڈ گرینیئر فرانس کے ایک قید خانے سے فرار ہو کر لندن پہنچ گیا اور ڈیگال کے ساتھ آزادی کی جد و جہد میں شریک ہو گیا۔ اُس نے برطانیہ کے طول و عرض میں گھوم پھر کر برطانوی رائے عامہ کو فرانسیسیوں پر توڑے جانے والے مظالم سے آگاہ کیا۔ پوری دُنیا کی نظریں سٹالن گراڈ پر لگی ہوئی تھیں۔ آخر نازیوں کو انتہائی خوفناک شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ فروری ۱۹۴۳ء میں رُوسیوں کی فتح کا اعلان ہوا تو پورے یورپ نے اطمینان کا سانس لیا۔ ہٹلر نے جرمنی کے بچوں اور بوڑھوں کو بھی شمالی رُوس کے محاذ پر بھیج دیا؛ چنانچہ افرادی قوت کے لیے اُس نے فرانس پر قابض جرمن حکام کو ہدایت کی کہ فیکٹریوں، کارخانوں اور کھیتوں میں کام کرنے کے لیے فرانسیسیوں کو جرمنی بھیجا جائے لیکن

تحریکِ مزاحمت کے کارکنوں نے اس کا پوری قوت سے مقابلہ کیا۔ اُنھوں نے پٹڑیاں اُکھاڑیں، ریلوے انجن تباہ کیے اور پُل اُڑائے، تاکہ فرانسیسی اور دُوسرا ساز و سامان ٹرینوں کے ذریعے مغربی جرمنی نہ پہنچایا جا سکے۔

۱۰ جولائی ۱۹۴۳ء کو اتحادی فوجیں سسلی میں اُتریں۔ اٹلی نے جنرل آئزن ہاور کے ہاتھوں شکست کھائی اور مسولینی مستعفی ہو گیا۔ اب فرانس میں تحریکِ مزاحمت اور تیز ہو گئی۔ فرانسیسی رہنماؤں نے اعلان کیا کہ ہمیں اپنی آزادی پر کامل یقین ہے۔ مکمل فتح کی منزل تک پہنچنے کے لیے ہماری فاتحانہ پیش قدمی جاری رہے گی۔ آزادی کی روشنی نے فرانسیسیوں کے بجھے ہوئے چہرے جگمگا دیے ہیں۔ تمام محبِ وطن فرانسیسیوں کا فرض ہے کہ اپنے سیاسی اختلافات بالائے طاق رکھ کر کندھے سے کندھا ملا کر آزادی کی جنگ میں حصہ لیں اور فسطائی بربریت کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم کر دیں۔ فتح تب ہی حاصل ہو گی جب پوری فرانسیسی قوم متحد ہو جائے گی۔ فرانسیسی رہنماؤں کے اس اعلان نے پورے فرانس میں ایک نئی رُوح پھونک دی خصوصاً جزیرہ کارسیکا کے حریت پسندوں نے اطالوی فسطائیوں کا ناطقہ بند کر دیا اور اٹلی کی شکست کے بعد کارسیکا کے رہنماؤں نے فرانس کی پیتاں حکومت سے رابطہ منقطع کر کے آزاد فرانس سے رابطہ قائم کر لیا۔

۱۹۴۳ء کا موسمِ سرما فرانسیسیوں کے لیے بے پناہ مصائب لے کر آیا۔ کھانے پینے کی اشیا بالکل ناپید ہو گئیں۔ عورتیں اور بچے بھوک سے گلی کوچوں میں روتے نظر آتے تھے۔ ان حالات میں بھی جرمنوں نے ترانوے ہزار مویشی، تین سو چالیس ٹن چربی، چالیس ہزار ٹن گندم، دوائیاں اور سبزیاں ریل گاڑیوں میں بھر کر فرانس سے جرمنی پہنچائیں۔ شدید سردی میں لاکھوں فرانسیسی بھوک سے دم توڑ گئے۔ فرانس کی فیکٹریوں میں جرمنی کے لیے جنگی ساز و سامان تیار ہوتا تھا۔ فرانسیسی کارکنوں نے جان پر کھیل کر ان فیکٹریوں کی مشینیں تباہ کر دیں۔ ہر فرانسیسی جرمنوں کے خلاف جو کچھ بھی اُس سے ہو سکتا تھا کر گزرتا۔ اِدھر برطانوی طیاروں نے اسلحہ اور سبوتاژ کی کارروائیوں میں استعمال ہونے والا ساز و سامان دھڑا دھڑ فرانس پر گرانا شروع کر دیا۔ تحریکِ مزاحمت کے کارکن یہ ساز و سامان اکٹھا کرتے اور پھر جرمنوں پر دوزخ کے دروازے کھول دیتے۔ جرمنوں نے

بھی اپنی سرگرمیاں تیز کر دیں۔ انہوں نے خفیہ پیغامات پکڑنے اور ٹرانسمیٹر تلاش کرنے کی مساعی بڑھا دیں۔ گستاپو کے ایجنٹوں نے فرانسیسیوں پر غیر انسانی تشدّد کیا اور بے شمار حرّیت پسندوں کو مَوت کے گھاٹ اتار دیا۔ ایک رپورٹ کے مطابق کم و بیش اٹھارہ ہزار فرانسیسیوں کو حبّ الوطنی کی بنا پر مَوت کا مزا چکھنا پڑا۔ دو ہزار پانچ سو اٹھہتر فرانسیسی جرمنی کے بیگار کیمپوں میں ختم ہو گئے اور آٹھ ہزار تین سو اکاسی ہڈیوں کے ڈھانچے بن کر جرمنی سے واپس آئے۔

۱۹۴۴ء کے اواخر میں تقریباً ہر محاذ سے جرمن نازیوں کی پسپائی شروع ہو گئی۔ ناروے، یونان، ڈنمارک، ہالینڈ اور یوگوسلاویہ میں حرّیت پسندوں نے جرمنوں پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا۔ لندن سے ڈیگال کی عبوری حکومت نے فرانس کی تحریکِ مزاحمت کو پوری طرح کنٹرول کیا۔ فرانسیسیوں کو اب خاصا اسلحہ باہر سے ملنے لگا تھا جو طیاروں کے ذریعے فرانس کے محفوظ مقامات پر گرایا جاتا۔ محبِّ وطن فرانسیسیوں نے اب یہ کوشش بھی شروع کر دی کہ یہ اسلحہ کمیونسٹوں کے ہاتھ نہ لگنے تاکہ وہ اسے اپنے "مخصوص عزائم" کی تکمیل کے لیے استعمال نہ کر سکیں۔

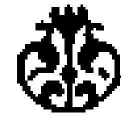
جرمنوں کے علاوہ پتیان حکومت کی پولیس نے بھی فرانسیسیوں پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا۔ وہ اس شبہے میں کسانوں کے کھیت جلا دیتے اور مکان مسمار کر دیتے کہ اُن میں حرّیت پسند چھپے ہوئے نہ ہوں؛ چنانچہ اُن کی حفاظت کے لیے شہریوں پر مشتمل پرائیویٹ فوج قائم کی گئی اور اُسے باہر سے ملنے والے اسلحے سے لیس کر دیا گیا۔ جرمنوں نے بارہ ہزار فوجیوں، بھاری توپخانے اور طیاروں کی مدد سے ویرکورس میں اس فوج پر حملہ کر دیا اور بے شمار افراد کو مَوت کے گھاٹ اُتار دیا۔ ان تمام مشکلات کے باوجود موسم سرما گزرتے ہی حرّیت پسندوں کی کارروائیوں میں تیزی آگئی۔ جُون کے وسط میں تین سو بیس حرّیت پسندوں کے ایک گروپ نے جس کا مرکز ایک جنگل میں تھا، تین ہزار جرمنوں پر حملہ کر کے اُنہیں ناقابلِ تلافی نقصان پہنچایا اور جنگل میں غائب ہو گیا۔ پُورے فرانس میں یہی صورتِ حال تھی۔ حرّیت پسندوں کے گروہ اپنی پناہ گاہوں سے نکل کر جرمنوں پر حملہ کرتے اور پھر پناہ گاہوں میں جا چھپتے، اُنہیں اپنے رہنماؤں کی طرف سے یہی ہدایت تھی کہ ضرب لگاؤ اور غائب ہو جاؤ۔

جرمن اسلحے سے بھری ہُوئی ایک ٹرین تولوز پیرس لائن پر سفر کرنے والی تھی۔ حرّیت پسندوں کو خبر ملی تو انہوں نے اُس کو اُڑانے کا فیصلہ کر لیا۔ مقامی پولیس کے اہل کاروں پر قابو پایا اور اُن کی وردیاں پہن کر ٹرین میں سوار ہو گئے۔ ٹرین میں ۲۳ جرمن محافظ بھی تھے ___ گاڑی جُونہی آرجینٹن کے علاقے میں پہنچی، حرّیت پسندوں نے جرمنوں پر قابو پا لیا، پھر گاڑی کو ایک اسٹیشن کی سائڈنگ پر لے گئے اور اُسے تباہ کر ڈالا۔ بدقسمتی سے چند جرمن بچ کر فرار ہو گئے۔ اُنہوں نے لیموجس پہنچ کر جرمن حکام کو اس واقعے کی اطلاع دی۔ چار سو جرمن فوجی فرانسیسیوں کے اس کامیاب حملے کا انتقام لینے کے لیے دو بکتر بند گاڑیاں ساتھ لیے آرجینٹن پہنچے۔ حرّیت پسندوں نے آخری گولی تک دشمن کا مقابلہ کیا اور پھر جنگل میں غائب ہو گئے۔ جرمن آرجینٹن میں داخل ہُوئے اور مقامی آبادی کو اُن کے گھروں کے سامنے گولیوں سے اڑا دیا۔ اُنہوں نے عورتوں، بچّوں اور بُوڑھوں کو بھی نہ چھوڑا۔ مرنے والوں کی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ خُون گلیوں میں بہہ نکلا۔ جنوبی نازیوں کی تنظیم ایس ایس نے بے گناہ فرانسیسیوں پر بے پناہ مظالم کیے۔ تنظیم کے ارکان جہاں بھی جاتے، مَوت اور دہشت اُن کے جلو میں ہوتی۔

۶ جُون کو اتحادی فوجیں نارمنڈی میں اُتریں۔ جرمن دستے اُن کی پیش قدمی روکنے کے لیے نارمنڈی کی طرف بڑھے، لیکن یہ سفر اُن کے لیے ڈراؤنا خواب بن کر رہ گیا۔ جن ٹرینوں میں نازی فوجی اسلحہ سمیت سفر کرتے، فرانسیسی اُنہیں راستے میں پٹڑی سے اُتار کر اُڑا دیتے۔ وہ سڑکوں پر رکاوٹیں کھڑی کر دیتے اور جُونہی جرمن فوجی قافلے وہاں پہنچتے، گھات لگا کر ہلّا بول دیتے۔ نتیجہ یہ کہ سفر کے دوران میں جرمن ہمیشہ اعصابی کشیدگی کا شکار رہتے۔ ایس ایس کی ایک کمپنی ایک چھوٹے سے قصبے اوراڈور میں پہنچی۔ اُس نے قصبے کے چار سو مکانات کو جلا دیا۔ سات سو مکینوں میں سے پانچ سو زندہ جل کر ہلاک ہو گئے۔ اُن میں عورتوں اور بچّوں کی تعداد زیادہ تھی۔ دو سو افراد پر جرمنوں نے فائرنگ کی۔ پُورے قصبے میں صرف ایک خاتون بچ سکی، لیکن یہ بربریّت بھی فرانسیسی حرّیت پسندوں کے ولولے سرد نہ کر سکی۔

جُمعہ ۵ جُون ۱۹۴۴ء کو برطانوی اور امریکی فوجیں جنرل آئزن ہاور کی قیادت میں ہیمپشائر کے کسی ساحلی مقام سے پانچ ہزار جہازوں میں سوار ہُوئیں، اُنہیں دو ہزار طیاروں نے فضائی تحفّظ مہیا کیا۔ جہازوں نے رات کی تاریکی میں چینل عبور کی اور ۶ جُون کو صبح نو بجے نارمنڈی کے ساحل پر لنگر انداز ہو گئے۔ آٹھ لاکھ پچھتر ہزار

اتحادی فوجیوں نے نارمنڈی کے ساحل پر قدم رکھا۔ اس فوجی کارروائی کا خفیہ نام "آپریشن اوورلارڈ" تھا۔ اتحادی فوجوں کے آنے سے فرانسیسیوں کا جذبۂ آزادی عروج پر پہنچ گیا۔ بدقسمتی سے کین کے شہر پر قبضہ کرنے کا جو منصوبہ جنرل منٹگمری نے بنایا تھا، خراب موسم کے باعث کامیاب نہ ہو سکا۔ اس خدشے کے پیشِ نظر کہ جرمن اس شہر میں اور گرد و نواح کے علاقے میں اپنی افواج مجتمع نہ کر لیں، اتحادی طیاروں نے بے رحمی سے کین پر بمباری کی اور پورا شہر شعلوں کی لپیٹ میں آ گیا۔ جلتے ملبے سے اُٹھنے والے دھوئیں کے بادل پچاس میل کے فاصلے سے بھی دیکھے جا سکتے تھے۔ جب کینیڈا کے فوجی دستے ایک ماہ کی مسلسل بمباری کے بعد اس شہر میں داخل ہوئے تو کچھ بھی نہیں بچا تھا۔ ادھر تحریکِ مزاحمت کے جیالوں نے فوجیوں کے سے جوش اور ولولے کے ساتھ ہر جرمن چوکی پر حملے شروع کر دیے۔ اُنھوں نے نہایت قیمتی اطلاعات بھی اتحادیوں کے ہیڈ کوارٹر تک پہنچائیں۔ "ڈی ڈے" تحریکِ مزاحمت کے کارکنوں کے لیے ایک سگنل تھا کہ وہ فعال ہو جائیں۔ جرمن نازی اب چکی کے دو پاٹوں میں آ گئے تھے۔ سامنے اتحادی فوجیں اور پیچھے تحریکِ مزاحمت کے جیالے کارکن تھے۔ اُن کارکنوں نے جرمنوں کے اسلحے اور پٹرول کے بے شمار ذخائر نذرِ آتش کیے اور خاصے شہر اور قصبے دشمنوں کے قبضے سے آزاد کرا لیے۔ ان کا جذبۂ سرفروشی اتنا شدید تھا کہ عموماً یہ فوجوں سے خاصے آگے رہتے تھے اور اکثر شہروں میں اتحادی فوجوں سے پہلے داخل ہو جاتے۔ اُنھوں نے نانتیز سے نارمنڈی جانے والے جرمن ڈویژنوں کو پندرہ روز تک راستے ہی میں روکے رکھا۔ یہ ڈویژن اُس وقت نارمنڈی پہنچے جب جنگ ختم ہو چکی تھی، چنانچہ وہاں قدم رکھتے ہی گرفتار کر لیے گئے۔ ایک فرانسیسی ادیب کے بقول تحریکِ مزاحمت کے کارکن نہ ہوتے تو اتحادی فوجوں کو فرانس آزاد کرانے میں دانتوں پسینہ آ جاتا۔ اُنھی کارکنوں نے نارمنڈی اور برٹینی میں اتحادی فوجوں کا راستہ صاف کیا۔



۱۴ جون ۱۹۴۴ء کو چارلس ڈیگال نے فرانس کی سرزمین پر قدم رکھا اور حریت پسندوں کو ایک نیا ولولہ مل گیا۔ شمال مغربی فرانس میں جرمنوں اور حریت پسندوں کی تنظیم ایف ایف آئی میں شدید جنگ جاری تھی اور باقی ماندہ فرانس کی حالت ایک آتش فشاں کی سی تھی جس کا لاوا اُبل رہا تھا اور بس پھٹنے ہی والا تھا۔ حریت پسند اب خاصے تربیت یافتہ ہو چکے تھے اور اُنھیں برطانیہ کے علاوہ بھگوڑے جرمنوں سے بھاری مقدار میں اسلحہ مل چکا تھا۔۔۔ پوری فرانسیسی قوم جرمنوں اور پتیاں حکومت کے خلاف اُٹھ کھڑی ہوئی۔ آتش بیان مقرر حریت پسند عوام میں اس طرح گھومتے جیسے مچھلی پانی میں گھومتی ہے اور اُنھیں آخری جدوجہد کے لیے تیار کرتے۔ پتیاں حکومت کے افسروں اور پولیس اہل کاروں کی دلی ہمدردیاں بھی تحریکِ مزاحمت کے کارکنوں کے ساتھ تھیں۔ یہ افسر کارکنوں کو اطلاعات مہیا کرتے، لباس اور خوراک کے ٹکٹ دلاتے اور اگر کوئی کارکن پکڑا جاتا، تو اُس کو رہا کروانے کی سرتوڑ کوشش کرتے۔

سواستکا کے نشانوں والے جرمن طیاروں نے بھی فرانسیسیوں پر آگ برسانے میں اگلے پچھلے ریکارڈ مات کر دیے۔ اُدھر جرمن فوجی جو بھی ہلتی ہوئی چیز دیکھتے اُس پر بے دریغ فائر کر دیتے لیکن حریت پسندوں کی راہ میں کوئی چیز رکاوٹ نہ بن سکی۔ وہ جس علاقے پر بھی قابو پاتے، سب سے پہلے جیل خانوں کے دروازے کھولتے اور تمام قیدیوں کو رہا کر دیتے۔

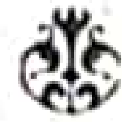
۱۹۴۴ء کے وسط میں حریت پسندوں کی ایک پارٹی گوریلا آپریشن کے بعد واپس آ رہی تھی کہ گرفتار کر لی گئی۔ گرفتار شدگان میں تین اہم رہنما بھی شامل تھے۔ جرمنوں نے اُنھیں جیل خانے میں بند کر دیا۔۔۔ حریت پسندوں کی مقامی زیرِ زمین فوجی کمیٹی نے اُنھیں رہا کروانے کا فیصلہ کیا، کیونکہ خدشہ تھا کہ جرمن یا تو اُنھیں ہلاک کر دیں گے یا جرمنی کے کسی بیگار کیمپ میں بھیج دیں گے۔ پندرہ روز تک وہ منصوبے کے ہر پہلو پر غور کرتے رہے۔ آخر یہ کام چوبیس حریت پسندوں کی ایک جماعت کو سونپ دیا گیا۔ اُنھیں رسی کی سیڑھیاں، اسلحہ اور چاقو مہیا کیے گئے۔ جیل خانے سے کچھ فاصلے پر ایک بہت بڑی وین کھڑی کر دی گئی جس پر سوار ہو کر سب کو اپنے ٹھکانے پر پہنچنا تھا۔ صرف ایک مسئلہ باعثِ تشویش تھا: جیل کا کتا بھونکنے لگے تو اُس سے کیسے نپٹا جائے۔ ایک رضاکار نے پیش کش کی کہ میں گوشت کا ٹکڑا اور کلہاڑی لے کر کتے کی طرف بڑھوں گا اور اگر گوشت دیکھ کر بھی وہ بھونکنے سے باز نہ آیا تو کلہاڑی سے تین چار وار کر کے اُسے ہمیشہ کے لیے خاموش کر دوں گا۔ ایک مقامی پولیس کانسٹیبل جو حریت پسندوں کا حامی تھا اور جس کی جیل خانے

پر ڈیوٹی تھی، اس بات پر آمادہ ہو گیا کہ کارروائی کی رات وہ قیدیوں کو تیار رہنے کا پیغام پہنچا دے گا۔

کارروائی کی رات پارٹی کے ارکان انتہائی خاموشی سے جیل کی دیوار تلے جا پہنچے اور رسّی کی سیڑھیوں کے ذریعے چھت پر پہنچے اور پھر اندر اُتر گئے۔ پلک جھپکنے میں اُنہوں نے محافظ عملے پر قابو پالیا اور پتیان حکومت کے پولیس انسپکٹر کو دھمکی دی کہ ہماری تعداد ڈھائی سو ہے، مزید برآں پُورے جیل خانے میں بارودی سُرنگیں بچھا دی گئی ہیں؛ اگر ایک بھی گولی چلائی، تو اُس کی آواز ان سرنگوں کو اُڑانے کا اشارہ ہوگی اور ہمارے ساتھی انہیں اُڑا دیں گے۔ یہ سُن کر جیل کے محافظ عملے کے ہاتھ پاؤں پھُول گئے۔

حرّیت پسندوں نے اُن کے ہتھیار چھین لیے اور اپنے ساتھیوں کو لے کر جیل سے نکل آئے۔ کُتا چونکہ گوشت پاکر بھونکا نہیں تھا، اس لیے واپسی پر اُسے گوشت کا ایک اور ٹکڑا "پیش" کیا گیا......

حریت پسند جیل سے نکل کر وین میں بیٹھے اور گاتے بجاتے اپنے ٹھکانے کی طرف روانہ ہو گئے۔



ساڑھے چار سال کی اس جدوجہد میں فرانسیسی ریلوے کے کارکنوں نے جو کردار ادا کیا، وہ ناقابلِ فراموش ہے۔ یہ کارکن دشمن کے فوجی دستوں اور اسلحے کی نقل و حمل کے بارے میں حریت پسندوں کو معلومات مہیّا کرتے، اسلحے اور گولہ بارُود کی گاڑیاں تباہ کر دیتے، دشمن کی ڈاک سروس کو سبوتاژ کرتے، پارسل کھول لیتے اور اہم دستاویزات پر قبضہ کر لیتے۔ اُنہوں نے ریل کی پٹڑیوں اور اسٹیشنوں کو بھی ناقابلِ تلافی نقصان پہنچایا۔ ریلوے کارکن گاڑیوں کو روکنے کے لیے بھی مختلف ہتھکنڈے استعمال کرتے۔ کبھی گیئر بکسوں میں ریت اور لوہے کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے ڈال دیتے، کبھی ربڑ کی ویکیوم بریک ٹیوبیں کاٹ ڈالتے اور کبھی لیبل تبدیل کر کے مارسیل جانے والی گاڑی کو بورڈے پہنچا دیتے۔ ان ریلوے کارکنوں نے بہت سے انجن اور بوگیاں بھی ناکارہ کر دیں؛ تاکہ دشمن اُن سے فائدہ نہ اُٹھا سکے۔ جب کبھی غذائی اشیا اور دوسرا قیمتی ساز و سامان جرمنی پہنچانے کے لیے گاڑیوں میں لادا جاتا، ریلوے کارکن حریت پسندوں کو اطلاع دے دیتے؛ چنانچہ جونہی گاڑی راستے میں کسی غیر آباد مقام پر پہنچتی، وہ اُس پر حملہ کر دیتے اور پٹڑی سے اُتار کر تمام اشیا لُوٹ لیتے۔ غذائی اشیا مقامی لوگوں میں تقسیم کر دیتے اور اسلحہ خود لے جاتے۔ ریلوے کارکن یہ بھی دھیان رکھتے کہ فرانسیسی مسافروں کو کوئی نقصان نہ پہنچے۔ یہ کارروائیاں اتنی خوفناک تھیں کہ جرمنوں نے فرانسیسی ریل گاڑیوں پر سفر کرنا چھوڑ دیا۔ ریل گاڑیاں اُن کے لیے موت کا پھندا بن چکی تھیں۔ ریلوے کارکنوں کو اپنے کارناموں کی بھاری قیمت بھی ادا کرنی پڑی۔ جرمنوں نے ۱۴۱۱ کارکن قیدی بنائے، تین سو کو گولی مار دی، دو ہزار ایک سو دو کو ملازمتوں سے الگ کر کے بھُوکا مرنے کے لیے چھوڑ دیا اور آٹھ ہزار کو جرمنی کے بیگار کیمپوں میں پہنچا دیا۔

"ڈی ڈے" کے بعد تو ریل گاڑیوں کی نقل و حرکت مکمل طور پر مفلوج ہو گئی اور ہزاروں جرمن فوجی، اتحادیوں سے لڑنے کے لیے محاذ تک نہ پہنچ سکے۔

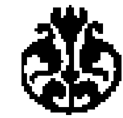


۱۴ جولائی ۱۹۴۴ء کو پیرس کے لوگوں نے اپنے قومی دن کی تقریبات کا آغاز بھرپور مظاہروں سے کیا۔ جرمن فوجوں کی دہشت کے باوجود قریباً ایک لاکھ فرانسیسی، پیرس کے گلی کوچوں میں نکل آئے۔ اُنہوں نے ہاتھوں میں اپنے سہ رنگے قومی پرچم پکڑ رکھے تھے۔ پولیس نے مظاہرین میں گھُس کر پرچم چھیننے کی کوشش کی مگر ناکام رہی۔ اتحادی فوجوں کی آمد کے بعد پیرس کے باشندوں میں بھی ہیجان پیدا ہوا اور اُنہیں یقین آگیا کہ آزادی کی منزل اب دُور نہیں۔ اقتصادی بدحالی نے نازیوں کے مسائل میں اضافہ کر دیا۔ اُنہیں اردگرد کے علاقوں میں بھی ہڑتالوں، مظاہروں اور بھوک کے خلاف احتجاج کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ مغرب سے اتحادی فوجوں کی پیشقدمی شروع ہوئی، تو پیرس میں بھی آزادی کی کوششیں منظم ہونے لگیں۔ پیرس کمیٹی برائے آزادی نے مختلف منصوبے بنائے۔ بنیادی نعرہ تھا "کارروائیوں کو مربوط کیا جائے"۔ عوام سے اپیل کی گئی کہ وہ ایک محبِ وطن ملیشیا قائم کریں۔ کمیٹی نے ہدایت کی کہ جرمنوں کو رسد پہنچانے کے لیے نقل و حمل کے ذرائع مسدود کر دیے جائیں۔

۱۴ اگست کو سب سے پہلے ریلوے کارکنوں نے ہڑتال کی۔ اُن کی حمایت میں محکمہ ڈاک کے ملازمین نے بھی کام چھوڑ دیا اور پھر ہڑتال کی یہ لہر دُوسرے محکموں تک جا پہنچی۔

۱۸ اگست تک ٹیکسٹائل ورکر اور دیگر صنعتوں کے کارکن

بی کام چھوڑ گئے۔ تمام بازار، مارکیٹیں اور اسٹور بند ہوگئے۔ بنکوں ور انشورنس کمپنیوں میں بھی کام بند ہوگیا۔ پیرس کے سب سے ڑے ہسپتال پر جرمنوں کا قبضہ تھا۔ حرّیت پسندوں نے اس سپتال سے جرمنوں کا تمام اسلحہ اُڑا لیا اور ڈھائی سو جرمنوں کو، جو یمار اور زخمی تھے یرغمال بنا لیا۔ آخر جرمن حکام کو اُن کے عوض بے شمار محبِّ وطن فرانسیسیوں کو رہا کرنا پڑا۔ حرّیت پسندوں کی تنظیم ایف ایف آئی نے عوام کو ہدایت کی کہ وہ تمام مواصلاتی رابطے منقطع کر دیں، ریل کی پٹڑیاں اکھاڑ ڈالیں، سڑکیں توڑ دیں، رخت کاٹ پھینکیں، دشمنوں کے لیے پھندے بنائیں اور اُن کے راکز پر حملہ کر کے اُنہیں ختم کرنے کی ہر ممکن کوشش کریں، گسٹاپو ے ایجنٹوں، جاسوسوں اور مخبروں کو ہلاک کر ڈالیں، دشمن کے لیے رآمد تمام فیکٹریاں بند کر دیں، گوریلا کارروائیاں باہم مربوط کریں اور شمن کے کام آنے والا سامان تباہ کر ڈالیں۔



چارلس ڈیگال نے بھی اہلِ پیرس کو پیغام بھیجا کہ وہ جرمنوں پر کاری ضرب لگائیں۔ چنانچہ شہر کے لوگوں نے دشمن کو شکست دینے کے لیے تمام ممکنہ اقدامات شروع کر دیے۔ جرمنوں نے صورتِ حال پر قابو پانے کے لیے موت کا بازار گرم کر دیا، لیکن تحریکِ مزاحمت کا راستہ نہ روک سکے۔

اگست کے تیسرے ہفتے میں پیرس کے لوگوں کا اپنے شہر پر مکمل کنٹرول ہوگیا۔ حرّیت پسندوں نے پولیس کے مرکز اور ہوٹل ڈی ولی پر قبضہ کر لیا۔ جرمنوں نے ان عمارتوں پر دوبارہ قبضہ کرنے کی پوری کوشش کی مگر ناکام رہے۔ شہریوں نے تمام گلی کوچوں کی ناکہ بندی کر لی اور اُن میں رکاوٹیں کھڑی کر دیں۔ ان اقدامات سے جرمنوں کے لیے تیزی سے نقل و حرکت کرنا ممکن نہ رہا۔

حرّیت پسندوں نے اب ریوالوروں اور دستی بموں سے جرمن فوجیوں کا صفایا شروع کر دیا۔ گلی کوچوں میں جنگ شروع ہوگئی۔ آزادی کے متوالوں نے ۱۹ اگست کو ڈرانسی کیمپ پر قبضہ کر کے ان ہزار یہودیوں اور سیاسی قیدیوں کو رہا کرا لیا جو گزشتہ دو برس سے وہاں قید تھے۔ کئی اور سرکاری عمارتیں بھی جرمنوں کے قبضے سے آزاد کرا لی گئیں۔

نازیوں نے پیرس کی سب سے بڑی مارکیٹ "ہالیز" کو تباہ کرنے

کا منصوبہ بنایا، مگر ایف ایف آئی کے مسلح کارکن جرمنوں سے پہلے مارکیٹ میں پہنچ گئے اور انہوں نے اُسے ایک قلعہ بنا دیا۔ جب جرمن ٹینک اس مارکیٹ کی طرف بڑھے تو فرانسیسیوں نے دستی بموں سے جرمن ٹینک اُڑا دیے۔ دن بھر جنگ ہوتی رہی۔ آخر جرمنوں کو پیچھے ہٹنا پڑا۔ اگرچہ اس جنگ میں بے شمار حریت پسند کام آئے، مگر ہالینز کو بچا لیا گیا۔

شہر میں خوراک کی قلت ہوئی، تو ایف ایف آئی کے کارکنوں نے خوراک کے جرمن ذخائر پر اندھا دھند حملے کیے اور ان پر قبضہ کرکے خوراک شہریوں میں تقسیم کر دی۔ آٹے سے لدی ہوئی ایک ٹرین جرمنی جا رہی تھی۔ فرانسیسیوں نے سینٹ ڈینس کے علاقے میں اُسے روک کر تمام آٹا لوٹ لیا۔ حریت پسندوں نے پیرس کے شہریوں کو اس شدت کی جنگ میں فاقہ کشی کا شکار نہ ہونے دیا۔ بسا اوقات وہ بستی گولیوں میں تیس تیس میل دور جا کر کھانے پینے کی اشیا حاصل کرتے اور شہر لاتے۔ یہ اشیا نہ صرف شہریوں کو بلکہ لڑنے والی ٹولیوں کو بھی باقاعدہ سپلائی ہوتیں۔

۲۱ اگست کو "پیرس لیبریٹی بر لائے آزادی" نے شہریوں سے اپیل کی: "پیرس کے باسیو! تمہاری جدوجہد کے باعث شہر کا بیشتر حصہ دشمن کے تسلط سے آزاد ہو گیا ہے۔ یہ پہلی بڑی فتح ہے جو تم نے حاصل کی ہے، لیکن جدوجہد اُس وقت تک جاری رہنی چاہیے جب تک پورا پیرس زیکن دشمن سے پاک نہ ہو جائے! تمام لوگ اس جنگ میں شامل ہوں۔ دشمن کی نقل و حرکت روک دی جائے، درخت کاٹ دیے جائیں، سڑکوں پر گڑھے کھود دیے جائیں تاکہ دشمن کے ٹینک آگے نہ بڑھ سکیں۔ اتحادی فوجیں جب پیرس میں آئیں گی تو ہم فتحمند لوگوں کی طرح اُن کا استقبال کریں گے۔"

دریں اثنا پورے پیرس میں جگہ جگہ نازیوں کی گاڑیاں جل رہی تھیں۔ قدم قدم پر جرمنوں کی لاشیں تھیں۔ شہر کے بیشتر حصوں سے دھواں اُٹھ رہا تھا۔ گلی کوچے نعروں، چیخوں اور مشین گنوں کے فائروں سے گونج رہے تھے۔ لوگوں کو شدید مشکلات کا سامنا تھا، لیکن اُن کے چہرے آزادی کی خوشی سے دمک رہے تھے۔

حریت پسندوں کی ایک پارٹی نے پورٹ ڈی اورلینز میں جرمن گیراج پر حملہ کیا اور تمام فوجی گاڑیوں پر قبضہ کر لیا۔ ۲۳ اگست کو چارلس ڈیگال پیرس کے قریب پہنچے اور اُسی رات کو شہریوں کے ایک وفد نے اُن سے ملاقات کی۔ ۲۴ اگست کو ایک طیارے نے نوترے ڈیم کے گرجے کے سامنے اشتہار گرائے جن میں حریت پسندوں سے کہا گیا تھا کہ وہ حوصلہ برقرار رکھیں، اتحادی فوجیں پہنچ رہی ہیں۔

رات قریباً نو بجے اتحادی فوجوں کے ہراول دستے پورٹ ڈی اورلینز پہنچ گئے اور ایک گھنٹے کے بعد انہوں نے پیرس کے مرکز کی طرف فاتحانہ مارچ شروع کر دیا۔ اتحادی فوجوں کے آتے ہی نوترے ڈیم کی مترنم گھنٹیاں بجنے لگیں —— اور پھر اُن کا شور پورے پیرس میں پھیل گیا۔ بموں اور گولوں کے دھماکوں میں گھنٹیوں کی یہ آواز بڑی عجیب لگ رہی تھی۔

۲۵ اگست کو دن کے گیارہ بجے پیرس میں متعین جرمن جرنیل فان شولتیز نے غیر مشروط طور پر ہتھیار ڈال دیے اور پیرس آزاد ہو گیا۔ ۲۶ اگست کو ڈیگال پیرس میں فاتحانہ داخل ہوئے، تو اُن کا انتہائی ولولہ انگیز استقبال ہوا۔ وہ جب نوترے ڈیم کے سامنے محرابِ فتح تک پہنچے تو فرانسیسیوں نے اشکبار آنکھوں سے اُنہیں پھولوں سے لاد دیا۔

جنرل ڈیگال کی آمد سے تحریکِ مزاحمت اور اتحادی فوجوں کی پیشقدمی نقطۂ عروج پر پہنچ گئی اور بالآخر وسطِ ستمبر تک پورا فرانس جرمن تسلط سے آزاد ہو چکا تھا۔ ❁

غلام محمد صاحب (گورنر جنرل پاکستان) کی تحریر پڑھنا آسان نہ تھا۔ خوش قسمتی سے وہ میرے نوٹ پر دستخط کر کے واپس کر دیتے تھے۔ ایک بار تین چار سطریں اپنے دستِ مبارک سے لکھ دیں۔ میں نے پڑھنے کی لاکھ کوشش کی کامیاب نہ ہوا۔ ساتھیوں کو دکھایا، وہ بھی نہ پڑھ سکے۔ چنانچہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ انہوں نے اپنی تحریر دیکھی، پوچھا "کب سے تمہارے پاس ہے؟" عرض کیا "تین دن سے۔" فرمایا "تم کیسے توقع رکھتے ہو کہ میں تین دن تک یاد رکھوں، میں نے کیا لکھا تھا؟"

(مشتاق احمد وجدی ریٹائرڈ کنٹرولر جنرل پاکستان)

سائے کی آنکھ





تحریر: جیفری ہاؤس ہولڈ

ترجمہ و تلخیص: اعظم بیگ

دوسری جنگِ عظیم کے پس منظر سے جنم لینے والی
ایک سحر انگیز کتاب 'واچران دی شیڈو' کی تلخیص
جس کے واقعات و کردار
ایک دوسرے سے عجیب انداز میں
آنکھ مچولی کھیلتے ہیں۔

سائے کی آنکھ

۲۰ مئی ۱۹۵۵ء کی صبح کو میں سُرخ گکھڑی کی عادات کا دلکش مطالعہ کر رہا تھا کہ دروازے پر ڈاکیے نے دستک دی۔ میرے کمرے کی کھڑکیاں کھلی تھیں۔ میں اپنی نشست سے اٹھا اور باہر نکلنے سے پہلے کھڑکیاں بند کرنے لگا تاکہ اندر آنے والی ہوا سے میرے کاغذات بکھر نہ جائیں۔ ایک آدھ منٹ کی تاخیر اس لیے بھی ہوگئی کہ ایک کھڑکی کی چٹخنی پھنس گئی تھی۔ ڈاکیہ میرے نام ایک چھوٹا سا پارسل لے کر آیا تھا جو وہ مجھے ذاتی طور پر دینا چاہتا تھا۔

بالآخر جب میں اپنے کمرے سے نکل کر ڈیوڑھی کے راستے راہداری تک پہنچا تو اچانک ہی دھماکا ہوا اور دیواروں کا چوبی حاشیہ ٹوٹ کر بکھر گیا۔ میں بھاگ کر صدر دروازے تک گیا باہر سڑک پر ڈاکیے کا جسم دو ٹکڑے ہو چکا تھا۔ قریب ہی ڈاکخانے کی سُرخ گاڑی کھڑی تھی۔ گلی میں لوگوں کا ہجوم اکٹھا ہو رہا تھا۔ میں نے کھانے والے کمرے میں سے ایک پردہ اُتارا اور لے جاکر ڈاکیے کی لاش اس سے ڈھانپ دی۔ لوگوں نے مجھ پر سوالوں کی بوچھاڑ شروع کر دی۔ مجھ سے کوئی جواب نہیں بن رہا تھا۔ خوفزدہ ہجوم نے یہ سمجھا کہ ڈاکیے کی موت محض ایک حادثہ ہے۔

جلد ہی پولیس پہنچ گئی۔ ایک تربیت یافتہ ٹیم کی طرح اُنہوں نے مردوں اور خواتین کو جائے وقوعہ سے ہٹایا۔ لاش کی جامہ تلاشی لی اور پارسل کا ہر ٹکڑا اچھی طرح پرکھا۔ تھوڑی دیر بعد ایک ایمبولنس آئی اور بدقسمت ڈاکیے کی لاش لے گئی۔

میرے گھر کے صدر دروازے پر پولیس گارڈ تعینات کر دی گئی۔ مجھے پولیس اسٹیشن چلنے کو کہا گیا۔ سپرنٹنڈنٹ پولیس کے دفتر پہنچ کر مجھے قدرے سکون ملا۔ وہ میری ہی عمر کا ایک سمجھدار اور شریف انسان تھا۔ اُس نے صاف کہہ دیا کہ اس دھماکے کا اصل شکار میں تھا۔

"مسٹر ڈینلیم! کیا آپ اس واردات کے پس منظر میں پوشیدہ کسی مقصد کے بارے میں جانتے ہیں؟ اور کیا آپ کو اس سلسلے میں کسی پر شک ہے؟" سپرنٹنڈنٹ نے مجھ سے سوال کیا۔

"مجھے کبھی یہ خیال نہیں آیا تھا کہ کوئی مجھے قتل ہونے کا اہل سمجھتا ہے۔" میں نے جواب دیا۔

"مسٹر ڈینلیم! کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ یہ واقعہ کس طرح پیش آیا؟"

میں نے اُسے تمام تفصیل بتائی اور کہا کہ ڈاکیے کی دستک پر جب دیر تک اُسے کوئی جواب نہ ملا تو اُس نے اس پارسل کو میرے لیٹر بکس میں ڈالنے کی کوشش بھی کی تھی۔ شاید یہ دھماکہ کسی تار کے ڈھیلا پڑنے یا کسی اندرونی ڈھکنے کے کھلنے سے ہونا قرار پایا ہوگا۔ لیکن یہ پارسل لیٹر بکس میں پھنس گیا جس سے تیزاب یا کسی اور آتش گیر مادے کا سلنڈر ٹوٹ گیا ہوگا یا پھر لبلبی کا سپرنگ چھوٹ گیا ہوگا۔"

"مجھے یاد پڑتا ہے کہ آپ انٹیلی جنس کے کسی شعبے میں تھے۔" سپرنٹنڈنٹ نے کہا۔ "کیا آپ کو یقین ہے کہ اس کے پس پردہ اُس زمانے کا کوئی عمل کارفرما ہو؟"

"میں تو سوچ بھی نہیں سکتا۔" میں نے جواب دیا۔

"کیا آپ مجھے مزید کچھ بتائیں گے؟" اُس نے کہا۔

میں نے خفیہ رازوں کے قانون میں پناہ لی اور کہا کہ اس معاملے میں وہ دفتر جنگ سے رابطہ قائم کر سکتا ہے۔ وہاں سے اُسے جو کچھ معلوم ہوگا، وہ بالکل درست ہوگا اور اُسے بھی اپنے ہی تک محدود رکھنا ہوگا۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ میرے گھر پر ڈاکیے کی ہلاکت سے اُسے میرے ماضی کے حالات کا علم ہو سکے۔

پھر ایک انوکھا واقعہ پیش آیا۔ مجھے کسی نامعلوم ادارے کی طرف سے ایک ایسا پمفلٹ موصول ہوا جس میں نازی جرمنی کے جنگی قیدیوں کے کیمپوں میں کیے جانے والے مظالم کی تصاویر چھپی ہوئی تھیں۔ ایک تصویر کے ایک کونے پر ایک چھوٹا سا نشان تھا۔ یہ یوخن والڈ کی تصویر تھی۔ اس میں فوجی افسروں کی طعام گاہ دکھائی گئی تھی۔

میں نے دیا یا میں وزارتِ انصاف میں تعینات اپنے

[illegible] ط لکھا۔ ۱۹۴۳ء سے ہماری خط و کتابت نہ ہوئی مگر ہمارے تعلقات بدستور استوار تھے۔ ہم دونوں آسٹریا کے باشندے تھے۔ اس کے علاوہ ایک اور بات بھی مشترک تھی۔ ہٹلر اور اُس کے تمام حواریوں سے نفرت۔ اُس نے لکھا کہ یوحن والڈ کے سابقہ سٹاف کے علاوہ اور کسی سے انتقام لینے کے واقعات نہیں ہوئے۔ ایک میجر گسٹاف سپردن، جیل سے رہا ہونے کے دو روز بعد اپنے گھر کے باہر قتل ہوگیا تھا۔ قاتل نے کسی قسم کے نشانات نہیں چھوڑے تھے اور نہ کسی نے اس قتل پر کوئی خاص توجہ دی تھی۔ اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ میجر گسٹاف بہت ہی ظالم افسر سمجھا جاتا تھا۔

ایک ماہ بعد کیپٹن والٹر ڈنفس کو ایک پرانی فیکٹری میں بند کر کے مار ڈالا گیا۔ پوسٹ مارٹم سے معلوم ہوا کہ اُسے تین روز تک متواتر جسمانی اذیتیں دے کر ہلاک کیا گیا تھا۔ ظاہر ہے یہ کام کسی ایسے مجرم کا تھا جو یوحن والڈ کی جیل سے فرار ہوگیا تھا۔

تیسرا شکار ہائنز ویبر تھا۔ اُس کے خلاف اس کے سوا اور کوئی الزام نہیں تھا کہ وہ گسٹاپو کا رکن تھا اور یوحن والڈ جیل میں ایک گارڈ کی حیثیت سے متعین تھا۔ اُسے بھرے بازار میں چھرا گھونپا گیا تھا مگر اُس کی جان بچ گئی تھی۔ اب اُس کی دن رات حفاظت کی جانے لگی تھی۔ چند ماہ بعد یہ نگرانی ختم ہوگئی۔ اُس کا قاتل بڑا ہوشیار اور ستم ظریف تھا۔ اُس نے پولیس مین کا روپ دھارا، ویبر کو جان کے خطرے سے خبردار کیا اور بحفاظت ایک گلی کے نکڑ پر لے گیا۔ یہاں پہنچ کر اُس نے ویبر کو تسلی دی اور اپنی جیب سے مشروب نکال کر اُسے پیش کیا۔ ویبر نے بوتل منہ سے لگائی اور وہیں اُس کا وقت پورا ہوگیا۔

"میرے دوست! ہمیں اسکول میں سکھایا گیا تھا کہ غیر ضروری سوال نہ کریں مگر مجھے ایک بات پر شدید تجسس ہے۔ اگر تم کسی ممکنہ قاتل کی تلاش میں ہو تو سکاٹ لینڈ یارڈ کی مدد حاصل کرلو۔ بین الاقوامی پولیس انٹرپول کے ذریعے ان تینوں وارداتوں کی تفصیلات اُن تک پہنچ چکی ہوں گی۔" میرے ہم وطن دوست نے خط ختم کرتے ہوئے لکھا تھا۔



پہلی جنگِ عظیم کے بعد پیدا ہونے والا افراطِ زر جب ختم ہُوا اور آسٹریا کی جمہوریہ کو استحکام میسر آیا تو خاندانی جائداد سے مجھے کافی حصّہ ملا تھا۔ اس سے مَیں نے اچھی اور اعلیٰ تعلیم حاصل کی اور آرام سے زندگی بسر کرنے لگا۔

مَیں نے جنگلات کی سائنس میں اعلیٰ ڈگری حاصل کی تھی۔ ۱۹۳۵ء میں حکومت نے مجھے جنگلات کے ایک مطالعاتی دورے پر امریکہ بھیج دیا۔ مَیں وہیں تھا جب ہٹلر کی فوجوں نے ویانا پر قبضہ کرلیا۔ ہٹلر کے متعلق مَیں شروع ہی سے تنقیدی رویہ رکھتا تھا۔ مَیں نے اپنی رائے کبھی اخفا میں نہ رکھی اور اکثر نازیوں کے خلاف زہر اگلتا رہتا۔ ریاست واشنگٹن کے جنگلات میں نازیوں کے جاسوس بھی تھے۔ سرحد کے اُس پار کینیڈا کا ایک باشندہ میرا دوست اور ہم منصب تھا۔ وہ نازیوں کے متعلق میرے خیالات سے بخوبی آگاہ تھا۔ اُس نے مجھے اتحادیوں کے لیے جاسوسی کرنے پر آمادہ کرلیا۔ ۱۹۳۹ء میں مجھے خفیہ طور پر لندن بھیجا گیا جہاں مَیں نے ایک برس تک تربیت حاصل کی۔ یہاں میرا افسر ایک کرنل ایان پرو تھا۔

فوجی تربیت کے اختتام پر مَیں واپس امریکہ پہنچا۔ وہاں انکشاف ہُوا کہ مجھے بحرالکاہل کے اُس پار سائبیریا ریلوے کے ذریعے ویانا میں داخل ہونا ہے۔ مَیں روس پر ہٹلر کے حملے سے ذرا پہلے ۱۹۴۱ء کے موسمِ بہار میں ویانا پہنچنے میں کامیاب ہوگیا۔ مجھ پر کسی کو شک بھی نہ ہوسکا۔ مَیں نے اپنی من گھڑت کہانی بڑی احتیاط سے مرتب کی تھی۔ مَیں نے اتنا طویل اور دشوار سفر ہٹلر کی خاطر لڑنے کے لیے طے کیا تھا۔ مَیں ایک ایسا دیوالیہ امیر آدمی بن گیا جس نے اپنی راہ خود بنائی ہو۔

جس آدمی سے مجھے احکامات ملتے تھے وہ اُن دنوں وزارتِ قانون میں تعینات تھا۔ اُسے مَیں نے خط بھی لکھ دیا تھا۔ نازیوں کے نزدیک وہ قابلِ اعتماد شخص تھا۔ اُس نے مشورہ دیا کہ مَیں ایک ایسے شخص کا روپ دھار لوں جسے گھنے جنگلوں

دلچسپ حقائق

۱۔ قدیم مصری باشندے گینڈے کی چربی کو پھپھوندی والی باسی روٹی میں ملا کر بطور دوا استعمال کرتے تھے جس سے انہیں سو فیصد فائدہ ہوتا تھا۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ پنسلین کی ابتدائی شکل تھی جیسا کہ ان دنوں وہ پھپھوندی ہی سے حاصل کی جاتی ہے۔

۲۔ قدیم چینی جب تک تندرست رہتے، اپنے ڈاکٹر کو بل ادا کرتے مگر جونہی بیمار پڑتے، ادائیگی بند کر دی جاتی۔

۳۔ کبھی مشرقِ بعید میں کالی کھانسی کا علاج مریض کے منہ میں زندہ مینڈک رکھ کر کیا جاتا تھا۔

۴۔ پیٹ کے کیڑے آنتوں میں بعض مرتبہ تیس پینتیس فٹ لمبائی کو پہنچ جاتے ہیں۔

۵۔ خون کی عروقِ شعریہ بال سے پچاس گنا پتلی ہوتی ہیں۔



...ی جنگی کارروائیوں کے لیے فوجی یونٹوں کو تربیت دینے پر مقرر کیا گیا ہو۔ اگرچہ رُوس میں جرمن افواج کو تقریباً تمام اہم علاقوں پر مکمل کنٹرول حاصل تھا، تاہم وہ خفیہ ایجنٹوں اور مقامی مزاحمتی گروپوں سے بھی خائف تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ ان علاقوں میں پولیس فورس پھیلا دی جائے جو ایسے ناپسندیدہ افراد کی نگرانی کرے۔

مجھے فوری طور پر یہ ڈیوٹی سونپ دی گئی۔ یہ ایک مشکل کام تھا مگر میرے مقاصد کے لیے بے حد سازگار۔ ان سرگرمیوں سے مجھے فوجوں کی نقل و حمل کا پتہ چلتا رہتا اور اس طرح ملنے والی خفیہ اطلاعات میں فوراً لندن بھیج دیتا۔ پھر مجھے ایک یونٹ کی کمان دے دی گئی لیکن رُوسی جنگلات میں بھیجنے کے بجائے ہمیں اٹلی کے کوہستانی ایپی نائن میں رکھا گیا۔ یہاں بڑے درخت نایاب ہو چکے تھے۔ اٹلی میں نازی جرمنی کے مخالف دو اور افراد میری کمان میں تھے۔ یہ دونوں بھی آسٹریا کے باشندے تھے۔

اٹلی نے ہتھیار ڈال دیے تو ہمیں اپنے جوہر دکھانے کا ایک موقع ملا اور ہم نے جنگی قیدیوں کے ایک پورے کیمپ کو آزاد کرانے کا منصوبہ بنایا۔ اس منصوبے کی طوالت کے باعث ہم نے قدرے تساہل اختیار کیا؛ چنانچہ نازیوں کو شک ہو گیا — انہوں نے میرے دو ساتھیوں کو سزا کے طور پر قبریں کھودنے کی ذمے داری سونپ دی۔ میں ایک لحاظ سے پولیس افسر تھا، اس لیے مجھے گُسٹاپو میں تعینات کر دیا گیا اور بعد میں لوخن والڈ کے قیدی کیمپ میں بھیج دیا گیا۔ اس کا مقصد صرف میرے خاندانی نام کو بدنام کرنا تھا کیونکہ ہٹلر گسٹاپو کو اچھا نہیں سمجھتا تھا۔ مجھے جیل کے ریکارڈ کا انچارج بنایا گیا۔ اس سے ایک فائدہ یہ ہوا کہ اس طرح میں اُن کے تقریباً تمام احکامات اور کارروائیوں کی رپورٹوں کا مطالعہ کر سکتا تھا۔

جنگِ عظیم ختم ہوئی تو بوخن والڈ کے محافظ گرفتار کر لیے گئے۔ میں وہاں سے بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ میرے دوست ڈیان پرو نے میرے لیے برطانوی پاسپورٹ حاصل کر لیا تھا کیونکہ برطانیہ میں ڈینھم نامی ایک مشہور کمپنی کی شاخ موجود تھی۔



اور آج نو برس کے بعد میں اُس سے مل رہا تھا۔

"میرے یار چارلس! تم تو ذرا بھی نہیں بدلے۔" اُس نے مجھے دیکھتے ہی خوشی سے چہکتے ہوئے کہا۔

اگلے ہی لمحے ہم دونوں مشروب پی رہے تھے اور میں اُسے اپنی کہانی سُنا رہا تھا۔

"تو اب یہ ظاہر ہے کہ ایسا کوئی شخص جو بوخن والڈ میں قیدی رہا ہو، اُس نے انتقام لینے کے لیے یہ تمام عرصہ انتظار کیا ہو اور میں اُس کا آئندہ شکار ہوں۔" میں نے اپنی سرگزشت ختم

...؟ تم وہاں جیلر نہیں تھے۔ تم کسی کو بھی ایذا یا سزائے موت دینے میں ملوث نہیں تھے۔" اُس نے کہا۔ اور پھر کچھ توقف کے بعد بولا: "ممکن ہے کوئی سابق نازی سپاہی جو تازہ تازہ رہا ہُوا ہو، ہٹلر کے خلاف جاسوسی کے الزام میں تم سے بدلہ لینا چاہتا ہو۔"

"مَیں نے تو ہر بات خُفیہ رکھی تھی۔ پھر یہ بات بھی ہے کہ جنگ کے اختتام پر سابق دشمن ایک دوسرے سے بدلہ نہیں لیا کرتے۔ یہ اُن کے اُس کردار کے بالکل منافی ہے کیونکہ وہ تو پہلے ہی بے حد تھک چکے ہوتے ہیں۔"

ایان نے کہا: "اچھا ہم سیدھے سکاٹ لینڈ یارڈ کے پاس چلتے ہیں۔ وہاں کوئی تو واقف مل ہی جائے گا۔ اُن سے کہہ کر تمہارے لیے حفاظتی گارڈ کا بندوبست ہو سکتا ہے۔"

"ہائنز ویبر پر بھی تو حفاظتی گارڈ متعین تھی۔" مَیں نے قدرے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"اُسے چھوڑو، مگر تمہاری حفاظت ضرور ہو گی۔"

مَیں نے اُسے یاد کرایا کہ کسی بھی پرائیویٹ شہری کی اچھی طریق پر ہمیشہ کے لیے حفاظت نہیں کی جا سکتی۔

ایان کچھ سوچتے ہُوئے بولا: "اگر تمہاری یہ سرگزشت شائع کرا دی جائے تو . . . . ؟"

"ایان! مجھے کسی ایسے آدمی سے ملنا پسند نہیں جو یہ جانتا ہو کہ مَیں گسٹاپو کا کپتان تھا۔ یہ سچ ہے کہ مَیں نے فرار کے منصوبے بنائے تھے۔ اُن میں سب سے نمایاں فرار کیتھرین ڈیسیئر اور ادلگا کرڈل کا ایوز بروک سے اُس وقت بھاگ نکلنا تھا جب انھیں گیس چیمبر میں بند کر کے سزائے موت دی جانے والی تھی۔"

ایان نے کہا: "مَیں نے تمہیں اُسی وقت کہا تھا کہ تم نے جارج کراس کا انعامی تمغہ ٹھکرا کر بہت بڑی غلطی کا ثبوت دیا ہے۔"

"کوئی انسان کسی اعزاز کو بدنام نہیں کرتا۔ مَیں نے اُس وقت جو کیا وہ ایک دانشمندانہ فعل تھا۔" مَیں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ "اور ایان! ایک کام تم سے جو چاہتا ہُوں وہ یہ ہے کہ تم اب خُفیہ ایجنٹ بن جاؤ جیسا کہ مَیں اتنے برس تمہارے لیے کام کرتا رہا ہُوں۔ اس کے علاوہ رہنے کو ایک گھر چاہیے۔ اس میں ملوث کرنے کی گستاخی پر معذرت خواہ ہُوں۔"

اُس نے قدرے سنجیدگی سے جواب دیا: "میرا ایک پڑوسی ہے۔ اُس کی اراضی پر تم جا سکتے ہو۔ مَیں اُس سے بات کروں گا۔ گو یہ شہر سے بہت دُور ہے مگر بہتر جگہ ہے۔ لیکن تم اُس قاتل کو اپنا پیچھا کرنے پر کیسے مجبور کرو گے؟"

"یہ تو بہت ہی آسان ہے۔ جونہی وہ میرے گھر کو بند پائے گا، درجن بھر افراد سے میرا پتہ پُوچھنے پر مجبور ہو گا۔" مَیں نے کہا۔

"لیکن اس سے تو وہ بوکھلا جائے گا۔" ایان نے اعتراض کیا۔ "تمہارا پتہ اُسے آسانی سے نہیں ملنا چاہیے۔ اگر شیر کو شکار کرنے کے لیے بھیڑ باندھنی پڑے تو شیر کو یہ احساس دلانا ضروری ہے کہ بھیڑ کو اُس نے خود تلاش کیا ہے۔"

"اُسے یہ فیصلہ کرنے میں زیادہ دیر نہیں لگے گی کہ میں اپنے روزمرہ کے معمول پر واپس آ گیا ہُوں اور مجھے پولیس کی حفاظت بھی میسّر نہیں۔" مَیں نے کہا۔

"تو پھر کیا ہونا چاہیے؟" ایان نے پُوچھا۔

"مجھے ایک بندوق درکار ہے۔" مَیں نے اطمینان سے جواب دیا۔

"یہ میرے بس کی بات نہیں کیونکہ پولیس کا محکمہ لائسنس جاری کرنے سے پہلے ضروری تفصیلات جاننا چاہتا ہے۔" ایان نے معذرت کر دی۔

اس پر گفتگو ختم ہو گئی۔ مَیں نے ایان سے اجازت لی اور چلا آیا۔



مَیں نے ایک حوصلہ مندذہن سے اُس مکان کے بیڈ رُوم کی کھڑکی سے دیکھا جو ایان نے میرے لیے منتخب کی تھی۔ یہ جگہ بکنگھم شائر میں مرن شولٹ کے کلیسائی حلقے میں

گاؤں سے ایک میل کے فاصلے پر تھی۔ شمال اور مشرق میں فدر جنوبی مڈلینڈ کے دھندآمیز میدان تھے۔ جہاں تک نظر جاتی چیڑ اور شاہ بلوط کے درخت اُگے ہوئے تھے۔ بعض مقامات پر درختوں اور جھاڑیوں کے نیچے چھوٹے چھوٹے گھروندے بنے ہوئے تھے جن میں لومڑ اور گیدڑ بسیرا کرتے۔

میں جس کاٹج میں ٹھہرا ہوا تھا اُس کا نام وارن تھا۔ یہاں بجلی، ٹیلیفون اور پانی کی سہولتیں میسر تھیں۔ پانی ایک قریبی چشمے کے ذریعے لایا گیا تھا۔ چشمے کے نواح میں بید کی جھاڑیاں تھیں۔

مکان کے سامنے آدھ ایکڑ میں پھیلا ہوا ایک باغ تھا اور اُس سے آگے لانگ ڈاؤن کا نہایت وسیع چٹیل میدان جو دورانِ جنگ ہوائی اڈے کے طور پر استعمال ہوا تھا۔ شکستہ رن وے، ہوائی حملے سے بچاؤ کی پناہ گاہیں اور ہینگر ابھی تک موجود تھے۔ وہاں بھیڑوں اور مویشیوں کے ریوڑ چرتے رہتے۔

پہلے چند روز تو اردگرد کے علاقے کا مکمل معائنہ کرنے میں صرف ہوئے۔ ایان اور میں نے کلیڈن بروک کے نزدیک بکنگھم جانے والی سڑک کا پل اپنی ملاقاتوں کے لیے منتخب کیا۔ اُس نے مشورہ دیا کہ وہ روزانہ شام کے چار بجے اپنی کار میں یہاں سے گزرا کرے گا۔ اُس نے کہا کہ ندی میں بید کے ٹھنٹھوں پر عام طور پر پڑا رہنے والا گھاس پھونس اگر برقرار ہوا تو وہ سمجھے گا کہ سب ٹھیک ہے اور اگر یہ گھاس پھونس یہاں سے ہٹا ہوا ملا تو اس کا مطلب ہوگا کہ تم قریب ہی کہیں موجود ہو۔

اُس روز بدھ تھا۔ سہ پہر کے وقت میں 'پانچ آف ہٹن' میں بیٹھا ہوا پُرلطف مشروب سے لطف اُٹھا رہا تھا۔ ریستوران کے مالک نے بتایا کہ یہ مشروب کرنل ایان کے کارخانے کا تیار کردہ ہے۔

"کیا تم نے جنگ میں کرنل کے ماتحت بھی کام کیا تھا؟"
میں نے پوچھا۔

...س نیس سارجنٹ تھا۔ ایک مرتبہ ان کے بیٹے ... سے کر گیا تو وہ ایک اور افسر سے محوِ گفتگو تھے۔ میری موجودگی میں بھی دونوں گفتگو کرتے رہے۔ خدانخواستہ اگر میں کوئی سوال پوچھ بیٹھتا تو وہ مجھے کچا ہی چبا ڈالتے۔ یہی بات میں نے آئزک پیروس کو بھی بتائی تھی۔"

"وہ کون ہے؟" میں نے پوچھا۔

"ڈسٹرکٹ کونسل کا ملازم ہے۔ گزشتہ روز ایک اجنبی اُس کے پاس آیا تھا جو اُس سے ہنٹ روڈ کا پتہ پوچھ رہا تھا۔"

اُس نے معنی خیز نظروں سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا: "کیا یہ بات تمہارے مطلب کی ہے؟"

میں نے اثبات میں سر ہلایا اور پوچھا کہ وہ کس طرح کا آدمی ہے۔

"دراز قد، گندمی رنگ، اور شیو کیے ہوئے۔" اُس نے جواب دیا۔

"کیا وہ غیر ملکی تھا؟" میں نے پوچھا۔

"نہیں۔ آئزک پیروس نے کہا تھا کہ وہ ایک بھلا مانس شخص ہے۔"

واپسی پر میں نے ہنٹ روڈ کے بجائے کھیتوں کی راہ اختیار کی اور بڑی احتیاط کے ساتھ اپنے گھر کے پچھلے دروازے سے اندر داخل ہوا۔ ڈھلتے سورج کی سنہری کرنیں باورچی خانے کی کھڑکی میں سے چھن چھن کر اندر آ رہی تھیں۔ فرش پر ایک باریک ڈوری اور چرمُر بھُورا کاغذ پڑے تھے۔ نرگسی کوفتے جو میں بنا کر کھانے والی میز پر رکھ گیا تھا، کُتّے کے پیٹ میں جا پہنچے تھے جو آرام سے قریب ہی لیٹا ہُوا تھا۔ میں نے اُسے اُٹھانے کے لیے بلند آواز سے پکارنا ہی چاہا تھا کہ مجھے احساس ہُوا یہ غیر فطری انداز میں لیٹا ہُوا ہے۔ مجھے شک گزرا کہ آگے میری موت منتظر ہے، چنانچہ فوراً ہی میں اُلٹے قدموں پلٹ گیا۔

میں بائیں باغ میں بید کی جھاڑیوں کے اندر چھپ گیا۔ احاطے کی باڑ قریب ہی تھی۔ باغ کی تین اطراف میں ایک گہری کھائی تھی۔ میں اس کے ساتھ ساتھ چلتا ہُوا سامنے گیٹ تک آیا اور پھر اسی طرح لوٹ گیا۔ راستے کی ساری جھاڑیاں چھان ماریں مگر وہاں کوئی بھی دکھائی نہیں دیا۔ میں ایک بار پھر کچن میں آیا، وہاں سے ترکاری کاٹنے والا بڑا چاقو اُٹھایا اور ڈھال کے طور پر استعمال کرنے کے لیے ایک چھوٹا سا کمبل اپنے بائیں ہاتھ کے گرد لپیٹ لیا۔ میں نے اپنی تمام تر مہارت بروئے کار لاتے ہوئے گھر کی بالائی منزل کے سارے کمروں کی تلاشی لی۔ اپنی پُشت کی حفاظت کرتے ہوئے میں تیزی سے ایک کمرے کا دروازہ کھولتا اور کمبل والا ہاتھ آگے رکھتے ہوئے اندر داخل ہو جاتا مگر اندر کوئی بھی نہ ہوتا۔ اس طرح میں نے گھر کے تمام کمرے دیکھ ڈالے۔

خستہ حال اعشاریہ بائیس بور کا ریوالور ملنے کے بعد میں ڈرائنگ روم میں آ کر بیٹھ گیا۔ اُس نے پہلے سے میری واپسی اور طریقِ آمد و رفت کا مشاہدہ کیا — یہ اطمینان کر لینے کے بعد کہ اس گھر کو اور کوئی نہیں دیکھ رہا، وہ اندر داخل ہُوا تھا اور اُس نے نرگسی کوفتوں میں زہر ملا دیا تھا۔ کُتّا ابھی زندہ تھا۔ میں نے حریف کی پُراسرار حرکات کا کھوج لگانے کے لیے پورے گھر کا بغور جائزہ لیا اور پُرانی عادت کے مطابق کسی خاص جگہ چھپایا گیا مائیکروفون ڈھونڈنے لگا۔ میں جانتا تھا کہ یہاں اس کی ضرورت نہیں؛ تاہم اس طرف سے اطمینان کر لینا ضروری تھا۔ اور اسی تلاش میں یہ معلوم ہُوا کہ میرے ٹیلیفون کی تاریں کاٹ دی گئی ہیں۔

ٹیلیفون کٹ جانا اور کُتّے کا اُکھڑی اُکھڑی سانسیں لینا اس بات کا اشارہ تھے کہ وہ یہیں کہیں چھپا ہُوا انتظار کر رہا ہے۔ اُس کی نیت یہ لگتی تھی کہ اگر کوئی اور وہاں نہ آیا اور اُس کے لیے راستہ صاف ہُوا تو وہ مجھے چھُرا گھونپ دے گا۔ اب اس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں تھا کہ چھپ کر پچھلے دروازے سے کھسک جاؤں اور معمول کے مطابق صدر دروازے سے اندر آؤں تاکہ اُسے معلوم ہو جائے کہ میں رات بسر کرنے کے لیے گھر آ گیا ہُوں۔

میں نے اپنا پستول جیب میں رکھا، دُور ہی گلے میں دبکائی اور لمبی لمبی گھاس کے کھیت میں گھس گیا۔ مغرب کی طرف شاہ بلوط کا ایک بڑا درخت تھا۔ میں اس کے اوپر چڑھ گیا اور تقریباً تیس فٹ کی بلندی پر پہنچ کر شاخوں میں چھپ کر بیٹھ رہا۔ جہاں تک نظر جاتی تھی، گھاس ہی گھاس دکھائی دیتی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد میں نیچے اتر آیا اور گاؤں کے اُس پار ہرن شولٹ کی طرف چل دیا۔ ہرن شولٹ کے بائیں باغ میں پہنچ کر میں کھلی سڑک پر آگیا اور بے پروائی سے گھر کی طرف چلنے لگا۔ شام کا دھندلکا چھا رہا تھا۔ ابھی مجھے تقریباً نصف میل کا سفر کرنا تھا۔

اچانک مجھے خیال آیا اگر اُس نے یہ سوچتے ہوئے کہ میں کہیں بچ نہ نکلوں، آہستگی سے دوبارہ باورچی خانے میں پہنچ کر گلے کو اندر بے ہوش پڑے دیکھ لیا، تو اس صورت میں وہ بڑھتی ہوئی تاریکی میں سڑک کے کنارے کسی جھاڑی کے پیچھے چھپ کر میرا انتظار کر رہا ہوگا۔ اور جونہی میں اُس کے قریب سے گزروں گا، وہ مجھ پر حملہ آور ہوگا۔

بالآخر میں گھر پہنچ گیا۔ میں نے دروازہ کھولا، پستول میرے ہاتھ میں تھا اور مجھے یقین تھا کہ اگر وہ میرا انتظار کر رہا ہے تو اب مجھ سے بچ نہیں سکتا۔ روشنی جلائے بغیر میں نے تمام کمروں کی تلاشی لی اور باورچی خانے میں آگیا۔

اور حیرت انگیز طور پر گلا وہاں سے غائب تھا۔

اگلی صبح ناشتے کے بعد میں نے خود ہی گھر کی صفائی کی۔ نو بجے کے لگ بھگ ٹیلیفون کی گھنٹی بجی۔ باورچی خانے کی دیوار کی اوسط میں ہو کر میں نے ایک لمبی چھڑی سے ٹیلیفون کا ریسیور نیچے گرا دیا۔ کوئی دھماکا نہ ہوا۔ ریسیور اٹھا کر کان سے لگایا تو ادھر سے خالہ جارجینا کی آواز سنائی دی۔ وہ گلہ کر رہی تھی کہ میں نے اُسے اپنے اس جگہ پہنچنے کا بتایا کیوں نہیں۔ اور مجھے حیرت تھی کہ اُسے میری یہاں موجودگی کا علم کیسے ہوا۔ وہ دیر تک ایڈمرل کنوبل اور اُس کے خوبصورت گھوڑے کا ذکر کرتی رہی

۱۔ ریشمی کپڑے دھونے کے لیے ایسا کوئی صابن یا پاؤڈر استعمال مت کیجیے جس میں انزائم شامل ہوں ورنہ کپڑا صابن کے پانی میں حل ہو جائے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ پروٹین، انزائم میں حل ہو جاتے ہیں اور ریشم پروٹین ہے۔

۲۔ اگر شہد کی مکھی ڈنک مار دے تو اس کا شافی علاج یہ ہے کہ اُس جگہ پر گیلا نمک لگا دیجیے۔ زہر کا اثر فوراً زائل ہو جائے گا۔ نمک تیس منٹ تک لگا رہنے دیں۔ نیز آلو، تمباکو، گیلا خوردنی سوڈا یا گیلی اسپرین بھی مکھی کے ڈنک کا اثر زائل کر دیتے ہیں۔



ڈاکیے کی ہلاکت کے دو روز بعد ایڈمرل کنوبل ہمارے ہاں آیا تھا۔ اُس نے بڑے شاہانہ انداز میں اپنا تعارف کرایا اور اس پُراسرار سانحے پر افسوس کا اظہار کیا۔ خالہ اس وقت گھر موجود نہیں تھی۔ وہ گھڑ سواری کے اسکول گئی ہوئی تھی جہاں وہ انسٹرکٹر تھی۔ میں نے ایڈمرل کو ڈرائنگ روم میں بٹھایا اور مشروب پیش کیا۔ وہ میری خالہ کے بارے میں واقعی فکرمند تھا۔ غالباً بم کے واقعے نے اُسے چونکا دیا تھا۔

"دراصل ہم آج سے پہلے بھی مل چکے ہیں۔" اُس نے کہا۔

"مجھے سوچنا پڑے گا مگر..."

"نہیں، تمہیں سوچنے کی ضرورت نہیں۔" اُس نے بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "یہ ۱۹۱۲ء کی بات ہے۔ میں وہاں نائب بحری اتاشی تھا جب تمہارے والدین سے پہلی بار ملا۔ تم اُس وقت صرف دو ہفتوں کے تھے۔ پھر اکثر ملاقاتیں ہونے لگیں۔ تمہاری خالہ جارجینا سے میری شادی ہونا قرار پائی تھی لیکن پھر وہ اپنے چچازاد بھائی ڈینہم کی محبت میں گرفتار ہو گئی۔ یوں روابط کا سلسلہ آگے نہ بڑھا۔"

ایا کہ وہ ابھی تک غیر شادی شدہ ہے
کے گھر میں اُس کی مہمان بن کر رہی ہے۔
یہ بھی معلوم ہوا کہ اس نے گھوڑے پالنے کا کاروبار شروع کر رکھا ہے۔

شام کے وقت میں نے خالدہ کو بتایا کہ ایڈمرل کنوبل آیا تھا تو خالدہ کی آنکھوں میں نسوانیت کی شرمیلی جھلک ابھرتی دکھائی دی۔ اُس نے ایڈمرل کو چائے پر مدعو کیا۔ وہ مقررہ وقت پر چلا آیا۔ اُس نے باتوں باتوں میں ایک عربی گھوڑے کی اتنی تعریف کی خالدہ کو اُس کے دیدار کا شوق پیدا ہو گیا۔ اُس خوبصورت گھوڑے کا نام نُورِ جہاں تھا۔

چند روز بعد خالدہ نے ایڈمرل کے گھر سے مجھے فون کیا اور کہا کہ میں سہ پہر اُسے ملنے آیا کروں۔ میں نے وعدہ کر لیا۔



اور بکنگھم شائر میں ایک دوپہر میں بیڈ روم میں پردوں کے پیچھے کھڑے ہو کر دُوربین سے اِردگرد کا جائزہ لے رہا تھا کہ ایک خرگوش دکھائی دیا جو تقریباً دو سو گز پرے پُھدک رہا تھا۔

خرگوش اپنے سامنے کی چیز آخر وقت میں دیکھتا ہے مگر پیچھے کی چیز اُسے آسانی سے نظر آجاتی ہے۔ گھاس کھاتے ہوئے جب وہ خرگوش ایک مخصوص انداز سے اُچھلا تو مجھے علم ہو گیا کہ اُسے ڈرایا گیا ہے۔ دُوربین میں گھاس کے پیچھے ایک سیاہ دھاگہ تنا دکھائی دیا۔ اس جگہ ہوائی حملے سے بچاؤ کی ایک پناہ گاہ بھی تھی۔ اُس کے اندر چھپا ہُوا کوئی شخص دکھائی نہیں دیتا تھا۔

کچھ دیر بعد وہاں مزید حرکت ہوئی۔ یہ کسی کا سر تھا۔ میں اپنے مطالعے کے کاغذات اور دُوربین سمیٹ کر سامنے کے دروازے سے باہر نکل آیا۔ میں نے مکان کا چکر لگایا اور پھر باڑ کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ میں ایک ایسی گلی میں جانا چاہتا تھا جو تقریباً دو فرلانگ تک سیدھی چلی جائے تاکہ معلوم ہو کیا واقعی کوئی میرا پیچھا کر رہا ہے۔ جب میں ایک ایسی ہی گلی کے آخر میں پہنچا تو میرے پیچھے دو آدمی چلے آرہے تھے۔ ان کے علاوہ ایک خاتون سائیکل پر سوار آرہی تھی۔ ایک آدمی

اپنی [illegible] تا تھا اور [illegible] رہا تھا۔ میں سمجھ گیا یہی اصل آدمی ہے۔ اُس گلی سے ہوتا ہُوا وہ آئیلز بری روڈ پر آنکلا اور پھر دائیں طرف مُڑ گیا۔

شاک پہنچ کر میں گرجا گھر کے باہر ٹھہرا اور اس کی بلند عمارت دیکھنے لگا جو برطانوی طرزِ تعمیر کا حسین شاہکار تھی۔ میں نے دائیں بائیں نگاہ ڈالی اور گرجے کے اندر داخل ہو گیا۔ کوئی بھی تو میرے پیچھے نہیں تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد میں گرجا گھر سے باہر نکلا تو میں نے دیکھا وہی شخص گلی کے دوسری طرف ڈاکخانے کے پاس کتابوں کی دُکان پر کھڑا ورق گردانی کر رہا ہے۔ میں جونہی اُس کی طرف بڑھا، وہ اُس سڑک پر چل نکلا جس کی مجھے توقع تھی۔ یہ سڑک سنسان تھی اور اس کے دونوں طرف قدآور جھاڑیاں اُگی ہوئی تھیں۔ یہاں کسی کو قتل کر کے غائب ہو جانا قدرے آسان تھا۔

میں ایک عوامی بیت الخلا کے صحن میں سے گزر کر اُس کی نظروں سے اوجھل ہو گیا اور ایک قریبی مکان کے باورچی خانے سے ہوتا ہُوا کھیتوں میں نکل آیا۔ میں نے لانگ ڈاؤن میں ایک بہت اچھی جگہ تلاش کر لی اور اوٹ میں بیٹھ رہا۔ اُس نے وہاں تک آنے میں کچھ دیر کر دی۔ پھر جو شخص میرے نزدیک سے گزرا وہ میرے تصورات سے کہیں مختلف تھا۔ وہ اگر چاہتا تو میرے گھر کے سامنے کمرہ کرائے پر لے کر رہ سکتا تھا اور میں اُسے کبھی پہچان بھی نہ پاتا — ایک ہاتھ میں بریف کیس اور دُوسرے میں چھتری تھامے خوش پوش آدمی اعلیٰ افسر معلوم ہوتا تھا۔ وہ میری حفاظت پر مامور پولیس کے کسی بھی دستے کے بیچ میں سے اپنے سر کو ہلکی سی جنبش دے کر گزر سکتا تھا۔ اُس نے بھورے ٹوئیڈ کا بہترین سُوٹ اور ہلکے بھورے رنگ کی ٹوپی زیبِ تن کر رکھی تھی۔

اب ہم کھلی جگہ نکل آئے تھے جہاں وہ اپنی دُوربین سے میری تمام حرکات دیکھ سکتا تھا۔ میں احتیاط سے چلتے ہوئے لُومڑی کے بھٹ تک آ پہنچا۔ یہ ایک خاص قسم کا بھٹ تھا جو سرسبز کانٹے دار جھاڑیوں کے نیچے بیس گز تک پھیلا ہُوا

تھا۔ گھنی جھاڑیوں کے پیچھے دُوسری طرف بید کا ایک سُوکھا درخت تھا۔ مَیں نے جھاڑیوں کی چند شاخیں کاٹیں تاکہ بیٹھنے کے لیے جگہ بنائی جائے۔ ابھی یہ کام کر ہی رہا تھا کہ اُوپر کی طرف جہاں گھاس گھنی تھی بہت سے پرندے اُڑے۔ اب جو دیکھا تو وہ کہیں نظر نہ آیا۔ مَیں نے سوچا جہاں سڑک ندی کو کاٹتی ہے، وہاں وہ ضرور میرا انتظار کر رہا ہوگا کیونکہ یہ جگہ کسی لاش کو ٹھکانے لگانے کے لیے نہایت موزوں تھی۔

اب مَیں ندی کے بہاؤ کی طرف چل دیا تاکہ وہ آزادی سے میری حرکات کا مشاہدہ کر سکے۔ پھر اُس کی نظروں سے اوجھل ہوتے ہی مَیں دَوڑ پڑا کیونکہ مجھے ایان سے مقرّرہ جگہ ملنا تھا اور میرے پاس فقط آدھ گھنٹہ رہ گیا تھا اور فاصلہ کچھ زیادہ ہی تھا۔ آج اُس کی مدد بہت ضروری تھی۔

مَیں عین وقت پر مقررہ پُل تک پہنچ گیا۔ وہاں آخر کر پیروس اطمینان سے بیٹھا سڑک کے کنارے اُگے خاردار پتّوں والے پودے کاٹ رہا تھا۔ مَیں نے قریب جا کر اُسے مخاطب کیا تو اُس نے کاغذ کا ایک پُرزہ مجھے تھما دیا جو ایان پرڈ نے اُسے دیا تھا۔ اُس پر لکھا تھا "مَیں ساڑھے چار بجے پہنچ سکوں گا۔ اُس اجنبی کے بارے میں ایک اور رپورٹ ملی ہے، مَیں اُس کا جائزہ لے رہا ہُوں۔"

عین ساڑھے چار بجے ایان پرڈ اپنی گاڑی لے کر آ گیا۔ اُس میں بیٹھ کر ہم بکنگھم کی طرف چل دیے۔ وہ کچھ بُجھا بُجھا سا دکھائی دے رہا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اُسے جم ملٹن کی تلاش تھی اور وہ نہیں مل رہا تھا۔ مَیں سمجھ گیا کہ وہ ملٹن کو خفیہ طور پر استعمال کرنا چاہتا ہے۔ مَیں نے گزشتہ رات سے لے کر اب تک کی ساری رُوداد اُسے کہہ سُنائی۔

"لیکن تمہیں چاہیے تھا اُسے وہیں پکڑ لیتے۔" اُس نے کہا۔

"مَیں پہلے بھی کہہ چکا ہُوں کہ گولی چلانے میں پہل نہیں کروں گا۔ پھر اِس بے ضرر آوارہ گرد نے ابھی تک میرے خلاف کوئی جارحانہ کارروائی بھی تو نہیں کی۔ اگر مَیں اُسے بلا جواز قتل کر دیتا تو مجھے اپنی صفائی دینے میں خاصی مشکل پیش آتی۔"

ایان نے پولیس کی مدد حاصل کرنے کا مشورہ دیتے ہُوئے کہا "مَیں ابھی پولیس کے چیف کانسٹیبل کو فون کرتا ہُوں۔ وہ میرا بہت اچھا دوست ہے۔"

مَیں نے قدرے توقف سے یہ مشورہ قبول کر لیا، چنانچہ چیف کانسٹیبل سے گفتگو کے بعد اُس نے بتایا کہ رانگ ڈاؤن سے نکلنے والی سڑکوں پر رات ۹ بجے سے ۱۲ بجے تک ٹریفک پولیس کے دو کانسٹیبل گشت کریں گے اور سڑک پر کھڑی ہر گاڑی پر نگاہ رکھیں گے۔ اُس نے یہ بھی بتایا کہ اُس نے مرلن شولٹ کے نزدیک سٹاک روڈ پر پیروس کا پہرہ لگا دیا ہے۔

شام کا وقت تھا۔ تیز ہوا چلی اور بُوندا باندی شروع ہو گئی مگر زیادہ بارش نہ ہُوئی۔ ساڑھے چھ بجے کے لگ بھگ مَیں گھر سے نکلا اور شمال کی جانب پگڈنڈی پر چل دیا۔ ایان اپنی پوزیشن پر پہلے ہی موجود تھا جہاں سے وہ بہتر طور پر نشانہ لگا سکتا تھا۔ جھاڑیوں والے میدان میں ایک جگہ مجھے بہت بڑا بھٹ دکھائی دیا۔ مَیں نے جھاڑی کی ایک شاخ اس طرح موڑ کر باندھ دی کہ اُس کے پتّے بھٹ کے دہانے پر لٹکتے ہو گئے۔ پھر مَیں نے لومڑیوں کے اس قلعہ نما بھٹ کا آخری چکر لگایا اور شاید یہ دشمن کی نظروں کے عین سامنے ہُوا۔

مَیں کچھ دُور ایک درخت پر چڑھ کر خاموشی سے بیٹھ گیا۔ سُورج غروب ہُوا اور ہر سُو دھندلکا چھانے لگا۔ لمبی لمبی گھاس میں چھپے ہُوئے تیتروں نے اپنی اپنی بولیاں بولنی شروع کر دیں۔ ایک اُلّو کہیں سے اُڑتا ہُوا میرے سامنے والی شاخ پر آن بیٹھا۔ اُس نے اپنے پنجوں میں شاید ایک چُوہا پکڑ رکھا تھا۔

بوریت دُور کرنے اور اپنے آپ کو مصروف رکھنے کے لیے مَیں نے اپنی توجّہ لومڑیوں کی طرف کر لی۔ ایک لومڑ جو شاید ندی میں اُتر گیا تھا ایک گاٹے کے نزدیک بیٹھ

تو وہ پھنکار کر ایک طرف ہو گئی۔ میرے ذہن میں اچانک خوف ابھرا مگر جلد ہی ماحول پر خاموشی طاری ہو گئی۔ میں نے ایان کے پوزیشن بدلنے کی آواز سنی۔ نیند مجھ پر بھی غلبہ پانے کی کوشش کر رہی تھی۔ میں نے پہلو بدلا کیونکہ درخت کی شاخ پر ایک ہی انداز میں بیٹھے بیٹھے ٹانگوں میں ناقابلِ برداشت درد اٹھنے لگا تھا۔ میں نے ٹانگیں اوپر اٹھائیں اور گھٹنوں پر ٹھوڑی رکھ کر قدرے آرام سے بیٹھ گیا۔

میری اس حرکت نے مجھے بچا لیا۔ میں نے ترچھی نظروں سے اس بھٹ کی طرف دیکھا۔ مجھے اس کے ایک جانب کچھ حرکت دکھائی دی۔ ایک سایہ سا تھا جس نے زمین سے اپنے آپ کو علیحدہ کیا اور درخت کی جانب دوڑا۔ شاید اس وقت گولی چلانے کا بہترین وقت تھا مگر مجھے اس کا مطلق خیال نہیں رہا۔ میں جست لگا کر نیچے لمبی لمبی گھاس میں آن گرا جس نے مجھے چھپا لیا۔ ایان چلایا اور "رسٹرنگ" سے نکلنے کی کوشش کرنے لگا۔ دھندلا سایہ جو درخت کے نیچے پہنچ چکا تھا، اس نے چھلانگ لگائی اور لمبے لمبے ڈگ بھرتا اندھیرے میں غائب ہو گیا۔

جب ہم کیچڑ میں اس کے قدموں کے نشان تلاش کر رہے تھے تو ہمیں ایک جلی ہوئی جھاڑی دکھائی دی۔ صاف ظاہر تھا کہ اس نے جیب میں سے کوئی کاغذ نکال کر جھاڑیوں کو آگ لگانے کی کوشش کی تھی مگر وہ اتنی جلدی آگ نہ پکڑ سکیں۔ اگر اس کے پاس اخبار یا کوئی اور بڑا کاغذ ہوتا تو شاید وہ کامیاب ہو جاتا کیونکہ ہوا بھی قدرے موافق تھی۔ سوکھی جھاڑیاں اور بھٹ میں جمع شدہ سوکھے پتے ایک ہی شعلے سے بھڑک اٹھتے اور ایان کو اس قلعہ نما بھٹ سے نکلنے کا موقع نہ مل سکتا۔ اس قسم کی ظالمانہ اور وحشت انگیز حرکت نے ہم دونوں کو ہلا کر رکھ دیا۔ ایان کا خیال تھا کہ اب وہ کچھ دیر کے لیے خاموشی اختیار کرے گا۔



اس روز جمعہ تھا اور میں دیر تک سوتا رہا۔ ایان گزشتہ وغیرہ خریدنے گیا ہوا تھا۔ تقریباً دس بجے کے قریب میں پوسٹ آفس پہنچ گیا۔ وہاں فیرن نے مجھے پراسرار انداز میں بتایا کہ یہاں ایک آدمی تمہارا انتظار کر رہا تھا اور وہ ابھی ابھی یہاں سے نکلا ہے۔ فیرن خود ہی اس کی تلاش میں گیا۔ تقریباً پندرہ منٹ بعد لوٹا۔ اس کے ساتھ ایک ٹھگنا سا آدمی تھا جو ایک کاشتکار لگتا تھا لیکن اس کے تیکھے نقوش اور صاف ستھرا لباس یہ ظاہر کرتا تھا کہ وہ کوئی معمولی شخص نہیں۔

فیرن نے اس کا تعارف کراتے ہوئے کہا: "ان کا نام جم ملٹی ہے اور جم! یہ پروفیسر چارلس ڈنیم ہیں۔"

میں نے جم سے یہ کہنے کی جسارت کر ہی لی کہ کرنل ایان پہلے اسے تلاش کر رہا تھا۔ اس نے میری بات نظرانداز کرتے ہوئے پوچھا: "کیا آپ نے فریڈ گاربل کے متعلق سن رکھا ہے؟"

"نہیں" میں نے جواب دیا۔

"فریڈ اپنے ذخیرے ہی میں رہتا ہے۔ جنگل کی رات میں اسے خام لوہے کے بارے میں بتانے گیا تو اس کے اصطبل میں ایک نیا گھوڑا دکھائی دیا۔ گھوڑا خوبصورت تھا۔ اس نے بتایا کہ یہ گھوڑا میرا نہیں۔ میرے استفسار پر اس نے کہا تھا جم! تم اس گھوڑے کو بھول جاؤ۔"

"میرا خیال ہے وہ گھوڑا کسی شکاری کا ہے لیکن اس موسم میں جبکہ یہاں شکار نہیں ہوتا یہ شکاری کیا کر رہا ہے۔" جم نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا: "فریڈ سے رخصت ہو کر میں سیدھا راستہ اختیار کرنے کے بجائے چکر کاٹ کر جنگل میں سے ہو گیا۔ اب جو کچھ میں نے وہاں دیکھا وہ بھی سن لو۔ اور یہ بات میں کبھی نہ کہتا مگر تم فیرن کے گہرے دوست ہو، لہٰذا بتائے دیتا ہوں۔

"یہ تقریباً ساڑھے نو بجے کا وقت تھا۔ بلوک پچھلی طرف سے فریڈ کے مکان میں داخل ہوا۔ کچھ دیر بعد جب وہ باہر نکلا تو اس نے گھڑسواری کا لباس اور لمبا کوٹ پہن رکھا تھا۔ شکاریوں والا ہیٹ اس کے سر پر تھا۔ وہ اس گھوڑے پر سوار ہو کر چلا گیا۔"

"جب تم نے فریڈیگارلب کے ہاں اُسے پچھلی طرف سے آتے دیکھا تھا تو کیا وہ لانگ ڈاؤن کی طرف سے آیا تھا؟" میں نے جم سے پوچھا۔

"نہیں تمہاری طرف سے وہ نہیں آسکتا تھا۔"

جونہی ایان گھر آیا، میں نے اُسے تمام قصہ سنایا اُس نے فوراً پولیس کے گشتی دستے کو فون کیا اور پوچھا کہ آیا گزشتہ رات کوئی گھڑسوار پولیس کی گاڑی کے نزدیک سے گزرا تھا۔ جواب اثبات میں تھا۔ ایک گشتی پارٹی ایک گھڑسوار کے قریب سے گزری تھی۔ سوار نے شریفانہ لباس زیب تن کر رکھا تھا چنانچہ اُس پر شبے کا ہرگز کوئی جواز نہ تھا۔ ایان کا خیال تھا کہ اب ہمیں سیدھا پولیس اسٹیشن چلنا چاہیے۔ پولیس اس کا سراغ لگا کر اس کی شناخت کرسکتی ہے۔

پولیس کو ملوث کرنے سے میں جتنا بچنا چاہتا تھا، اتنا ہی ایان اس پر زور دے رہا تھا۔ وہ مُصر تھا کہ پولیس کو تمام کہانی سُنا دینی چاہیے اور یہ کہ میں اُس وقت تک پولیس کی حفاظت میں رہوں جب تک وہ اپنی تحقیقات مکمل نہ کرلے۔ میں ایسا کرنے کے حق میں نہیں تھا مجھے یہ گوارا نہ تھا کہ میرے دشمن پر سوالات کی بوچھاڑ کی جائے، اُسے ڈرایا یا دھمکایا جائے، اور پھر اُسے آزاد چھوڑ دیا جائے تاکہ وہ مہینوں بعد اُس وقت پھر آدھمکے جب مجھے توقع ہی نہ ہو۔

ایان نے مجھے خبردار کیا کہ اگر تمہارا یہی رویہ رہا تو عین ممکن ہے کہ تمہیں سرِعام پھانسی پر لٹکنا پڑے۔ میں نے کہا یہ میرا اور اُس کا ذاتی معاملہ ہے اور تمہیں اپنا دوست جانتے ہوئے میں اُمید رکھتا ہوں کہ تم پولیس کو مداخلت سے باز رکھو گے۔

ایان مان گیا مگر وہ اس پر بے حد ناخوش تھا۔



اب میں نے خود جم ملٹن کو ڈھونڈنے کا فیصلہ کیا۔ فیرن سے جم کا پتہ معلوم کیا اور چل پڑا۔ جب میں نے جم کے گھر کا پھاٹک کھولا تو ایک بڑے سے کوّے نے میرا استقبال کیا۔ وہ بُری طرح چلایا اور ...

ہاتھ سے ہٹانا چاہا تو اُس نے ایک زبردست ٹھونگا مارا تھا پھر جھپٹ کر میرے کندھے پر آن بیٹھا۔ جم ملٹن کی دونوں بچیاں باغیچے میں کھیل رہی تھیں۔ انہوں نے کھلکھلا کر میری یہ حالت دیکھی تو ایک نے بلند آواز سے کہا: "مسٹر اپنا کان سنبھالیے۔"

کوّے نے پھر ایک ٹھونگا مارا۔

"اسے کوّے کے سوا اور کچھ مت کہیے۔" دوسری بچی نے شرارت آمیز افسردگی سے کہا۔

"میرا خیال تھا تم آتے ہی ہوگے۔ اس لیے باہر نکل آیا۔" جم نے گھر کے پچھواڑے سے نمودار ہوتے ہوئے کہا۔

اتنے میں سامنے والے دروازے سے مسز ملٹن بھی نکل آئیں۔ اُن کا لباس گھریلو اور کوٹ بہت پرانی وضع کا تھا۔ سفیدی مائل بھورے بال چہرے کی رنگت سے مماثلت رکھتے تھے۔ انہوں نے مسکراتے ہوئے مجھ سے مصافحہ کیا اور پھر واپس اندر چلی گئیں۔

جب ہم دونوں اکیلے رہ گئے تو میں نے جم کو اصل معاملہ بتایا اور پھر پوچھا:

"اُس نے گھوڑا کہاں سے لیا تھا؟"

"برن مین پاس کاسل کے اصطبل سے۔" جم نے جواب دیا۔ "اُس خوش لباس گھڑسوار نے اپنا نام کرینک شا بتایا تھا اُس نے اپنا وزن کم کرنے کے بہانے یہ گھوڑا کرائے پر لیا تھا روزانہ تقریباً نو بجے وہاں آتا، گھوڑا لے کر چلا جاتا اور شام ڈھلنے سے پہلے پہلے پلٹ آتا۔ پھر عموماً وہ ٹیکسی منگواتا اور دس بجے رات والی گاڑی سے واپس لندن چلا جاتا۔ بدھ کو خلافِ معمول وہ رات گیارہ بجے واپس آیا۔ اس کا جواز اُس نے یہ پیش کیا کہ وہ دوستوں کی محفل میں بیٹھ گیا تھا۔ اور گزشتہ رات وہ کہہ کر چلا گیا کہ اب کچھ روز تک نہیں آسکے گا۔"

"ابّو بیلچہ کہاں ہے؟" جم کی بڑی بچی نے ہماری گفتگو کا سلسلہ منقطع کرتے ہوئے پوچھا۔

"کوٹھڑی کے پچھواڑے بچوں کے پلوں کے پاس پڑا ہے۔" جم نے جواب دیا۔

نے کہا مگر جم نے اُسے ڈانٹ کر بھگا دیا۔

مسز ملٹن نے ہم سب کو ناشتے کے لیے بُلایا۔ پالتو کوا بھی ہمارے ساتھ تھا۔

"ہمیں اس بات کا پتہ چلانا ہے کہ کرینک شا نے بُوڑھے فریڈ گاربل کے سامنے رات گیارہ بجے تک گھوڑا رکھنے کا جواز کیا پیش کیا ہوگا؟" ناشتے کی میز پر جم نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا۔

"تم اس کی فکر نہ کرو۔ مَیں فریڈ سے یہ معلوم کر لوں گی۔" مسز ملٹن نے پُراعتماد انداز سے کہا۔

رات کا کھانا کھانے کے بعد جم ملٹن نے اپنا ہیٹ پہنا اور باورچی خانے کے باغیچے سے گزر کر ہم بارہ دری میں آ نکلے۔ بارہ دری کے اندر ردّی گھریلو اشیا اور دیگر کچرا بھرا ہُوا تھا اور ساتھ ہی ایک خستہ حال سیاہ موٹر کار کھڑی تھی۔ جم نے کار کا تعارف کراتے ہوئے کہا کہ یہ مُردے اُٹھانے والی گاڑی ہے اور پٹرول کچھ زیادہ ہی کھاتی ہے۔ مسز ملٹن اور جم اُس میں سوار ہوئے اور گاڑی دندناتی ہوئی چل پڑی۔ مَیں وہیں بچّیوں کے پاس ٹھہر گیا۔ اُس وقت ہلکی ہلکی پھوار پڑ رہی تھی۔

دونوں میاں بیوی رات دس بجے لَوٹے۔ وہ دونوں اپنی کامیابی پر خوش تھے۔ گاربل نے پہلے تو انہیں ٹالتے ہوئے کہہ دیا کہ کرینک شا اب واپس نہیں آئے گا، تاہم جب مسز ملٹن نے کریدا تو اُس نے تسلیم کیا کہ کرینک شا کی طرف سے اُسے جلد ہی ٹیلیفون موصول ہوگا، لیکن اُس نے وقت اور جگہ بتانے سے انکار کیا۔ فریڈ نے غیر یقینی انداز میں اُن سے یہ بھی پُوچھا تھا کہ کیا واقعی کوئی کرینک شا کے بارے میں پُوچھ رہا ہے۔

مَیں نے مسز ملٹن اور جم کا شکریہ ادا کیا۔ جم نے اپنی بیوی سے کہا: "شیڈ کے اندر تم نے اتنا کاٹھ کباڑ جمع کر رکھا ہے کہ کسی روز بچّوں کو یہاں کھیلتے ہوئے چوٹ لگ سکتی ہے۔"

"کیا ہے اُس میں؟" اُس نے پُوچھا۔

"تم نے وہاں ترپال اور تختوں کا ٹُوٹا ہُوا گملا بھی پھینک رکھے ہیں۔"

"چلو چل کر دیکھیں۔"

کمرے سے باہر نکلے تو مَیں نے جم سے پُوچھا کہ جب تم نے گاڑی نکالی تھی تو کیا شیڈ کو تالا نہیں لگایا تھا۔ اُس کا کہنا تھا کہ وہ تالہ لگا کر گیا تھا۔

ہم شیڈ کے پاس پہنچے تو جم چونک اُٹھا۔ "شاید اندر کوئی ہے۔" اُس نے کہا۔

اندر کسی کی موجودگی کا امکان ضرور تھا۔ ممکن تھا کسی نے بارش کی وجہ سے وہاں پناہ لی ہو۔ جم نے بتّی جلائی اور مَیں خاصا محتاط ہو کر گودام کے اندر داخل ہُوا۔ میرا ایک ہاتھ جیب میں تھا۔ اندر واقعی ایک ٹُوٹا ہُوا گملا پڑا تھا اور ایک ترپال جس نے تاروں کے دو بڑے بنڈل ڈھانپ رکھے تھے۔ اِن بنڈلوں کے پیچھے ایک آدمی بخوبی چھپ سکتا تھا۔ مَیں نے لکڑیوں کے ڈھیر میں سے تقریباً دو فٹ لمبی ایک مضبوط لکڑی اٹھائی۔ گودام اچھی طرح دیکھا بھالا مگر وہاں کوئی نہ تھا۔

ہم نے گودام بند کیا اور چلے آئے۔ مَیں نے اپنے دشمن کو محسوس کر لیا تھا۔ مَیں نے جم سے پُوچھا کہ فریڈ گاربل کے اصطبل کیسے ہیں۔ اُس نے بتایا کہ وہاں وکٹوریہ طرز کا ایک فارم ہے جس کے پچھلی جانب گول میدان ہے۔ میدان کے تین اطراف میں گھوڑوں اور مویشیوں کے لیے اصطبل بنے ہوئے ہیں۔

جم نے توقّف کے بعد کہا: "مگر اُس گھوڑے کے بارے میں کیا کہا جائے جو زین اُتارتے وقت غائب ہو گیا تھا؟ اگر کرینک شا پولیس کو مطلوب ہے تو وہ سب سے آخر میں اُسے اُس اصطبل میں تلاش کرے گی اور اگر پولیس والوں نے دن بھر وہاں ٹھہرنے کا فیصلہ کر لیا ہے تو عین ممکن ہے کہ وہ وہاں آنے والے شخص کو دیکھ سکیں اور شاید اُس کی گفتگو بھی سن لیں۔"

مَیں نے جم سے وہیں ٹھہرنے کو کہا اور خود زین پر

رینگتا ہوا گودام کے پچھلی طرف گیا۔ میں نے بڑی احتیاط سے اپنا سر اُٹھا کر ماحول کا جائزہ لیا۔ یہ جگہ اونچائی پر تھی۔ روشنی ابھی خاصی تھی تقریباً دس فٹ نیچے ریتلی زمین پہ ایک بیلچہ پڑا دکھائی دیا اور پھر میں نے انسانی قدموں کے تازہ نشانات بھی دیکھے۔

یہ سب کچھ دلچسپ تھا اُس نے اضطرار مگر ہوشمندی سے جم کے گھر کا جائزہ لیا تھا۔ وہ ایک گڑھے میں بیٹھ کر ہمیں دیکھتا رہا تھا لیکن پھر وہاں سے بھی ہٹ گیا تھا۔

میں نے مسز ملٹن اور بچیوں کو خدا حافظ کہا جم اور میں اُس کی گاڑی میں ہرن شولٹ کی طرف روانہ ہوئے یہ ایک نرالی گاڑی تھی۔ اس کی چھت ایک مضبوط ترپال سے ڈھانپی گئی تھی اور اندر خوبصورت نقش ذ نگار بنے ہوئے تھے۔

میں نے راستے میں ایک مرتبہ پھر اس مسئلے کی ممکنہ وجوہات پر غور کرنا شروع کیا۔ ایک خیال تھا کہ اگر بارش سے بناہ لینے والا شخص جم کے اچانک وہاں پہنچنے پر ایک جست لگا کر تار کے بنڈلوں کے پیچھے چھپ گیا تھا تو وہ گودام سے کیسے باہر نکلا؟ جم کی آنکھوں کے سامنے بچ نکلنے کا کوئی امکان نہیں تھا۔

اور پھر میں نے 'اُسے' دیکھ لیا۔ میں فوراً ہی سیٹ پر نیچے کو دبک گیا اور اپنے ہونٹوں پر اُنگلی رکھ کر خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ میں نے آہستگی سے کہا کہ وہ گاڑی سیدھی پولیس چوکی لے چلے۔ اُس نے حیرت سے میری طرف دیکھا۔ میں نے اپنے انگوٹھے سے پچھلی طرف اشارہ کیا جہاں سیاہ چوبی تختہ اُس کے اور ہمارے درمیان حائل تھا۔ جم سمجھ گیا۔ صرف یہی ایک جگہ تھی جہاں کرینک شا ہو سکتا تھا۔ جب اُسے ہمارے گودام کی طرف آنے اور تالہ کھولنے کا احساس ہوا تو وہ پھرتی سے اُس گاڑی کے پچھلے حصے میں سوار ہو گیا تھا۔

جم نے مشرق کی طرف گاڑی موڑی اور دو تین منٹ بعد شاہراہ نمبر پانچ پر پہنچ گیا۔ یہاں ٹریفک قدرے زیادہ تھی۔ ہم نے گاڑی کے ایمرجنسی ہارن سے فائدہ اُٹھایا اور جنازے کے احترام میں دُوسری گاڑیاں اُسے راستہ دیتی گئیں۔ چوراہے پر جم کو ایک لمحے کے لیے رُکنا پڑا۔

"لکڑی کا تختہ کتنا موٹا ہے؟" میں نے جم سے پُوچھا۔

"یہ خاصا موٹا اور پختہ ہے۔" اُس نے جواب دیا۔

"وہ دروازے کے راستے باہر نکل سکتا ہے۔" میں نے خدشہ ظاہر کیا۔

"نہیں۔ یہ مُردے لے جانے والی گاڑی ہے۔ اس کے دروازے پر اندر کی طرف کوئی ہینڈل نہیں۔" وہ بولا۔

میں نے خوشی سے قہقہہ لگایا کہ صیاد اب خُود جال میں آپھنسا ہے۔

پولیس کی ایک گاڑی نے ہمارے قریب سے گزر کر جم کو رُکنے کا اشارہ کیا۔ اُس نے گاڑی روک لی۔ ایک پولیس کانسٹیبل نے قریب آکر کہا کہ تم نے پچھلے چوراہے پر ٹریفک کے اشارے کی خلاف ورزی کی ہے۔ اُس نے جم سے گاڑی کے کاغذات اور ڈرائیونگ لائسنس طلب کیا۔ اتنے میں دُوسرا کانسٹیبل بھی ہمارے پاس آپہنچا تھا۔ اُس نے گاڑی پیچھے سے کھولنے کا حکم دیا۔

"آپ خُود ہی کھول لیں اور دروازہ کھولتے وقت ذرا کواڑ کی اوٹ میں رہیں۔" میں نے اُسے خبردار کیا۔

حیرت انگیز طور پہ گاڑی خالی تھی اور ترپال کی چھت ایک طرف سے کٹی ہوئی تھی۔ وہ شخص بچ نکلنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ ترپال کو سہارا دینے والا آہنی جنگلہ اُس کے لیے سیڑھی کا کام دے گیا تھا۔ ہمارا شکار کسی چوراہے پر یا پولیس اہلکاروں سے ہماری گفتگو کے دوران میں خاموشی سے باہر کود گیا تھا۔



اگلی صبح میں ایڈمرل کنوبل اور خالہ جارجینا سے ملنے چل پڑا۔ ایڈمرل میرے استقبال کے لیے خُود موجود

ـئے تو خالہ باورچی خانے میں ترکاری کاٹ رہی تھی اور نُورجہاں اُس کے نزدیک کھڑا تھا۔ مجھے دیکھ کر تو خالہ کی باچھیں ہی کِھل اُٹھیں اور وہ "میرے پیارے چارلس" کہہ کر مجھ سے لپٹ گئی۔

نُورجہاں نے یہ دیکھتے ہوئے کہ ہماری توجہ دُوسری طرف ہے، کٹی ہوئی ترکاری سے اپنا مُنہ بھر لیا۔

خالہ جارجینا نے اُسے شٹشکارتے ہوئے کہا: "مَیں اِس گھوڑے کو پھر کبھی باورچی خانے میں نہیں گھُسنے دُوں گی۔ اور اس دروازے پر تالہ چڑھانا ہی پڑے گا۔"

"مَیں اسے آج شام بند کر دُوں گا۔ جارجی! تم تو برداشت کر لو گی لیکن مجھے اُس بےچاری لڑکی پر ترس آتا ہے۔" ایڈمرل بولا۔

"کونسی لڑکی؟" مَیں نے پُوچھا۔

"بینیٹا... پادری میتھیو گلون کی بیٹی۔" ایڈمرل نے جواب دیا۔ "وہ ایک اشتہاری کمپنی میں بطور آرٹسٹ کام کر رہی ہے، تاہم اُسے لندن پسند نہیں اور دہ تیسرے ماہ یہاں چلی آتی ہے۔

میرے خیال میں یہ لڑکی فقط اپنے باپ کے اخراجات بڑھانے کے لیے ادھر کا رُخ کرتی ہے۔" خالہ نے کہا۔

تھوڑی ہی دیر بعد ہنس مکھ پادری اُدھر آتا دکھائی دیا۔ اس وقت نُورجہاں اپنی مالکن کے شانے ہولے ہولے سہلا رہا تھا۔ میتھیو نے فخریہ بتایا کہ یہ اصلی عربی النسل گھوڑا ہے اور اُس کا ایک ساتھی پادری اسے کرمان سے لایا تھا۔

"یہ تو بالکل ہی جاہل جانور ہے۔" خالہ نے ترش لہجے میں کہا۔ "چراگاہ سے باہر نکل کر گاؤں کے بچّے ڈراتا رہتا ہے اور کاروں کے پیچھے بھاگنا اس کا معمول ہے۔"

"مسز ڈینہم! مَیں جلد ہی اس چراگاہ کے گرد ایک باڑ لگوا دُوں گا۔" پادری بولا۔

بینیٹا گلون بھی ہمارے پاس باورچی خانے میں آ گئی۔

عقل مندی

پولٹری فارم کے مالک نے اپنے ایک دوست سے کہا: "جب بھی سیلاب آتا ہے، سینکڑوں چُوزے ڈوب کر ہلاک ہو جاتے ہیں۔ اب تمھی بتاؤ مَیں کیا کروں۔ مَیں تو قلاش ہوتا جا رہا ہُوں۔"

دوست نے چند لمحے سوچا اور پھر بولا: "تم چُوزوں کی جگہ بطخیں کیوں نہیں پال لیتے؟"

مجھے اُس میں لندن شہر کی کوئی جھلک دکھائی نہ دی۔ خُوبصورت لمبے ریشمی بال قدرے سانولے چہرے پر بھلے معلوم ہو رہے تھے۔

اُس رات کھانا بہت اچھا رہا۔ بینیٹا مہذّب لڑکی تھی۔ اُس کا کہنا تھا کہ اُس نے خالہ سے میرے بارے میں بہت کچھ سُن رکھا تھا۔ وہ گلہریوں پر میری تصنیف بھی پڑھ چکی تھی لیکن میری اس تحقیق سے اتفاق نہ تھا کہ گلہریاں اپنی دُم کی مدد سے درختوں پر چھلانگیں لگاتی ہیں۔

"بیٹی! مسٹر چارلس ڈینہم تو اس معاملے میں اتھارٹی کی حیثیت رکھتے ہیں، تم ان سے کیسے اختلاف کر سکتی ہو؟" اُس کے والد نے کہا۔

بینیٹا نے سنجیدگی برقرار رکھتے ہوئے کہا: "مَیں آپ کو بتاتی ہوں کہ اصل میں ہوتا کیا ہے۔" پھر اُس نے ایڈمرل سے ایک پنسل مانگی اور ایک ردّی لفافے پر گلہری کی دُم اور بالوں کا خاکہ بنایا۔ میرے دل نے اُسی وقت تسلیم کر لیا کہ وہ ٹھیک ہی کہتی ہے اور مَیں نے بھونڈے انداز میں ایک بات کہہ دی ہے۔

ایڈمرل کے ہاں گزرنے والے دنوں میں بینیٹا کو سمجھنے کا خاصا موقع ملا۔ مجھے اپنی جوانی کے دن یاد آ گئے۔ وقتی طور پر یہ چھوٹی سی دُنیا بہت ہی پُرکشش لگی تاہم اُسے مَیں حاصل نہیں

کر سکتا تھا۔ میری اور بینیٹا کی عمروں میں بیس برس کا فاصلہ تھا۔ پُراسرار حریف نے میرے لیے جو اُلجھن پیدا کر رکھی تھی اُس کا تقاضا ہی کچھ اور تھا۔ میں اُن سب کو اسٹیج ڈرامے کے ایسے دلکش اداکاروں کی طرح دیکھ رہا تھا جن کے جذبات و احساسات میں تماشائی شریک تو ہو سکتے ہیں مگر اُن تک رسائی حاصل نہیں کر سکتے۔

ایک روز باتوں باتوں میں خالہ کہنے لگی: "باتھ اینڈ ویسٹ کے ایک محافظ کا نام بریگین ہے۔ وہ سانولے رنگ کا ایک اچھا شاہسوار ہے۔ عمر چالیس برس ہے۔ اُس نے ایک مرتبہ مجھ سے پُوچھا تھا کہ میں کہیں مسز وان ڈینہم تو نہیں۔ خدا جانے اُسے وان کا لفظ کہاں سے معلوم ہوا تھا۔ چارلس جب سے برطانیہ میں آیا ہے، اس نے یہ نام کبھی استعمال نہیں کیا۔ میں ضرور اُس شخص کو پہلے کہیں مل چکی ہوں۔"

"خالہ! تمہاری اُس سے گفتگو کہاں ہوئی تھی؟" میں نے پُوچھا۔

"ڈاؤ مارٹن پہ ___ جہاں میں نُور جہاں پر سواری کی مشق کر رہی تھی۔"

میں جانتا تھا کہ خالہ اور ایڈمرل بہت کچھ جان چکے ہیں۔ میں یہ بھی اندازہ لگا سکتا تھا کہ انہیں یہ سب کچھ کس نے بتایا ہو گا۔

"آپ کو ایان نے کتنا کچھ بتایا ہے؟" میں نے پُوچھا۔

"تمہارا جگری یار ایان!" خالہ نے طیش میں آتے ہوئے جواب دیا۔ "اس نے تو بہت کم بتایا ہے۔"

ایڈمرل بولا: "تمہارے ساتھ مشکل یہ ہے کہ تم اپنے بھی خیر خواہ نہیں ہو۔ تم سمجھتے ہو کہ تمہارا کوئی دوست نہیں ہو سکتا۔"

میں نے سرِ تسلیم خم کیا۔ ایڈمرل نے سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے پُوچھا: "جب سے ڈاکیہ ہلاک ہُوا ہے تم کس بات کے پیچھے پڑے ہو؟"

میں نے انہیں مختصر سی داستان سُنا ڈالی۔ اس دوران میں خالہ اُٹھ کر بیڈ روم میں آرام کرنے چلی گئی۔ اپنی کہانی ختم کرنے کے بعد میں نے ایڈمرل سے مشورہ طلب کیا۔

"میرے خیال میں تمہیں اس شخص کا کھوج لگانے کے لیے پولیس کی اسپیشل برانچ کا تعاون حاصل کرنا پڑے گا۔ ایک بوبی ٹریپ (پھندا) استعمال کرو۔ تمہارا طریق کار دُرست ہے مگر میں اسے پسند نہیں کرتا۔" پھر اُس نے ہمدردی کے لہجے میں کہا: "چارلس! تم میرے ساتھ ہی قیام کرو۔ جب تک تم یہاں ہو، وہ کچھ نہیں کر سکتا۔ تمہیں یہاں خاموشی سے رہ کر یہ جانچنا چاہیے کہ وہ کہاں غلطی کا مرتکب ہوتا ہے۔"

یہ بات دُرست تھی؛ چنانچہ میں نے کچھ عرصے کے لیے وہیں ٹھہرنے کا فیصلہ کر لیا۔ یہاں چیٹنگ مارٹن میں میں کبھی تنہا نہ ہوتا تھا۔ مجھے باتھ اینڈ ویسٹ کا محافظ اگرچہ دیکھ سکتا تھا لیکن اُس کے لیے مجھ پر بے خبری میں حملہ آور ہونا ممکن نہ تھا۔ اس جگہ مجھے ہر طرح سے آرام تھا مگر یہ آرام اُس وقت غارت ہوتا محسوس ہوتا جب سوچتا کہ میں کس قدر بدنصیب ہوں جو اپنی جیب میں ریوالور ڈالے بغیر کہیں گھوم پھر نہیں سکتا۔

ممکن ہے بینیٹا میرے متعلق یہ سمجھتی ہو کہ مجھے کوئی بھوت پریت چمٹ گیا ہے یا کسی ماہرِ نفسیات کی ضرورت ہے لیکن خالہ نے میرے متعلق اُسے اتنا کچھ بتا دیا تھا کہ حقیقت اُس کی نظروں سے اوجھل نہ رہی تھی۔ ایک دوپہر ہم وادی میں سے گزر رہے تھے۔ چلتے چلتے میں نے دو مرتبہ پیچھے مُڑ کر دیکھا تو بینیٹا دھیرے سے بولی: "چارلس! کوئی بھی تمہارا پیچھا نہیں کر رہا۔" میں نے اپنی بے چینی پر معذرت کی تو اُس نے کہا: "لیکن یُوں لگتا ہے جیسے تمہیں واقعی کسی کا انتظار ہو۔"

"قدرت کا مشاہدہ کرنے والا ہر شخص ہمیشہ ایسا ہی کرتا ہے۔" میں نے فلسفیانہ انداز میں کہا۔

ایک دوپہر میں اور بینیٹا کا والد اصطبل صاف کر رہے تھے۔ وہ گھوڑے کی زین کو صابن لگاتے ہوئے کہنے لگے: "ڈین ایکر کے جھُنڈ میں سُرخ گلہریاں ہیں، کیا آپ انہیں دیکھنا پسند کریں گے؟" درختوں کا یہ جھُنڈ خشک وادی کے دہانے پر تھا۔



...کے بعد سے کبھی سُرخ گلہری نہیں ... قصبے سے گزروں گا تو ضرور وہاں ٹھہر کر اُن کا مشاہدہ کروں گا۔" مَیں نے جواب دیا۔

اگلی شام گگون سے ملاقات ہُوئی تو وہ بہت خوش تھا کہ اُس نے سُرخ گلہریاں دیکھ لی ہیں۔ اُس نے بتایا کہ ایک گلہری تو بالکل اُس کے قدموں میں آن پہنچی تھی۔ اُس نے بسکٹ کا ایک ٹکڑا اُس کی طرف پھینکا۔ گلہری نے اُسے دونوں اگلے پاؤں میں پکڑا اور بڑے مزے سے کھا گئی۔

"ڈیڈی! یہ کسی کی پالتو گلہری ہوگی۔" بینٹا بولی۔

مَیں خود وہ گلہریاں دیکھے بغیر نہ رہ سکا۔ ویِن ایکڑ کے جُھنڈ میں واقعی چار سُرخ گلہریاں تھیں۔ یہ چھوٹے چھوٹے جانور بہت ہی خُوبصُورت تھے۔ اُن کی دم غیر معمولی طور پر سُرخ تھی جس سے اُن کی رنگت میں تضاد بہت ہی بھلا معلوم ہوتا تھا۔



اپنے میزبان کے ساتھ میری ملاقات صرف رات کے کھانے پر ہوتی۔ ہم کبھی چائے یا ظہرانے پر اکٹھے نہ ہُوئے۔ پھر ایک روز مَیں یہ سُن کر حیران رہ گیا کہ مجھے بھی جنرل تھامس پاسلور کی دعوت میں شریک ہونا ہے۔

"یہ جنرل کون ہے؟" مَیں نے پُوچھا۔

"اُس علاقے کا ایک بڑا زمیندار ہے۔ کرنسٹر کے اُس پار رہتا ہے مگر لندن جیسے شہر سے دُور بھی وہ تمہیں بہترین پکوان کھلائے گا۔" ایڈمرل نے اُس کی تعریف کرتے ہُوئے کہا۔

جنرل تھامس کو دیکھتے ہی مجھے ایک تازہ پکڑا ہُوا جھینگا یاد آگیا۔ اس لیے نہیں کہ وہ ٹھگنے قد کا تھا بلکہ اس لیے کہ اُس کی سلیٹی مائل مُونچھیں بڑے تمسخرانہ انداز کی تھیں۔ لیڈی پاسلور بھی تقریباً اسی نوع کی عورت تھی مگر قدرے کم۔ اُس کے چہرے کا رنگ کِھلتا ہُوا گلابی تھا اور اُس نے لباس بھی گلابی ہی زیب تن کیا ہُوا تھا۔ وہ اپنے جیون ساتھی کی طرف دیکھ دیکھ کر پُھولی نہیں سماتی تھی۔ وہ اُس کے سوا کچھ اور کر بھی تو نہیں سکتی تھی کیونکہ جنرل تھامس نے سلسلۂ کلام کہیں توڑا ہی نہیں تھا۔ وہ اپنی

یادداشتوں میں سے چیدہ چیدہ واقعات ہمیں سُناتا رہا۔ تھوڑی دیر بعد، شاید بور ہو کر لیڈی تھامس وہاں سے کھسک گئی۔ جنرل تھامس نے ہمیں سگار اور مشروب پیش کیا اور پھر مجھ سے مخاطب ہُوا:

"چارلس! مَیں نے سُنا ہے کہ آجکل تم کسی مشکل میں پھنسے ہُوئے ہو؟"

"مشکل؟" مَیں ایک مرتبہ تو چکرا گیا۔ پھر مَیں نے یکسر نفی میں سر ہلا دیا۔

"ہاں، یاد آیا، کوئی بم کا واقعہ ہے۔" جنرل نے کہا "فرانسیسی پولیس کے چند اہلکار میرے پاس آئے تھے۔ وہ جاننا چاہتے تھے کہ آیا تم اُس شخص کا حلیہ بتا سکتے ہو جس نے تمہیں بم کا پارسل بھیجا تھا؟"

"نہیں، مَیں نہیں بتا سکتا۔ کیا پیرس کی طرف سے یہ پُوچھ گچھ ہُوئی تھی؟" مَیں نے پُوچھا۔

"اعلیٰ ترین حکّام کی طرف سے۔" جنرل نے جواب دیا۔

واپسی پر ایڈمرل کنویل نے ایک موڑ پر گاڑی روک لی اور بولا "چارلس! تم اس سے کیا اندازہ لگاتے ہو؟"

"مجھے اُس کی بات پر یقین نہیں آتا۔ شاید فرانس کی طرف سے اس سلسلے میں بات ہُوئی ہو" مَیں نے جواب دیا۔

"لیکن ــــ لعنت بھیجو جی! ہم جس کا پیچھا کر رہے ہیں، وہ تو انگریز ہے۔"

"اگر ایسا ہے تو بھی فرانس میں اُس کے بعض بارسوخ دوست موجود ہوں گے۔"

ایڈمرل نے گاڑی پھر چلا دی۔ پہاڑی راستے سے ہوتے ہُوئے ہم اب کاٹس والڈ کی چوٹی پر پہنچ گئے تھے۔ وہ گاڑی چلا رہا تھا اور مَیں نیچے وادی تک جاتی بل کھاتی سڑک اور ہری بھری ڈھلان کا نظارہ کر رہا تھا۔ اچانک مجھے خیال آیا کہ میرا دشمن شاید کسی خوشگوار شام براہِ راست میرے پاس آئے گا ــــ مگر کہاں؟ خالہ جارجینا سے ملاقات کرنے اور یہ جان لینے کے بعد کہ ہم کچھ دیر کے لیے چیپنگ مارٹن میں رہیں گے، اُس کا اقدام کیا

ہوگا؟ شاید وہ کبھی بار فرانس کا چکر لگا آیا ہو اور رین ایکڑ کے جھنڈ میں بھی گیا ہو۔

فرانس ــــ درختوں کا جھنڈ ــــ گھریلوں کی سُرخ دُمیں ــــ ایک نقشہ میرے ذہن میں اُبھرا۔ وہ فرانسیسی نسل کی گھریاں تھیں، اسی لیے تو مجھے اُن کا گھونسلا کہیں دکھائی نہیں دیا تھا۔ تین گھریاں جنگل تھیں لیکن ایک جو سینٹ فرانسس کے پادری سے مانوس ہوگئی تھی، پالتو جانور فروخت کرنے والے سے خریدی گئی تھی۔ مَیں نے یہ خیال اپنے ہی تک محدود رکھا۔

خالہ صحن میں بیٹھی تمباکو نوشی کر رہی تھی۔ مجھے آتے دیکھ کر بہت خوش ہوئی۔ اُس کا محوڈ فوجی رسالے کے کسی مہربان کرنل جیسا لگ رہا تھا۔ وہ بارُعب مگر دُکھی خاتون تھی۔ اُس نے اپنے تمام دُکھ اپنے ہی دل میں رکھے ہوئے ہیں۔

تقریباً پون گھنٹے کے بعد اُس نے چرچ کی کھڑکی میں سے کسی کے چلّانے کی آواز سُنی۔ کوئی مدد کے لیے پکار رہا تھا۔ نُورجہاں نے چراگاہ اور چرچ کے درمیان لگا ہوا لکڑی کا گیٹ توڑ ڈالا تھا۔ گرجے کے ہال میں پہنچ کر گھوڑا آرام سے کھڑا ہوگیا۔ اندر ایک انسان کو دیکھ کر وہ بہت خوش ہوا۔

خالہ نے گھوڑے کو پکڑ کر اصطبل میں بند کیا۔ گرجے کے باہر لوگوں کا ایک ہجوم اکٹھا ہو چکا تھا۔ مَیں نے اعلان کیا: "اب نُورجہاں چاہتا ہے کہ اس سے سخت کام لیا جائے"

خالہ بولی: "چارلس! مَیں تم سے متفق نہیں۔ جب ایک گھوڑے کے گرد لق و دق صحرا ہو تو اُسے اپنے مالک کے خیمے

جیبے کے تام پر جھپٹتے ہوئے میں نے کہا "میرا خیال ہے قبل اس کے کہ میتھیو گلوان اصطبل میں سونا شروع کر دے، میں نُورجہاں کو لے کر بکنگھم شائر کا ایک چکر لگا آؤں۔ کیا مجھے اس کی اجازت دے دو گی؟"

"نہیں چارلس! لیکن بینٹا دے سکتی ہے۔" خالہ نے جواب دیا۔ بینٹا درختوں کے جھنڈ میں چہل قدمی کر رہی تھی۔ پادری کی قیام گاہ کے سبھی افراد اِدھر اُدھر جا چکے تھے۔ میں بینٹا کے پاس گیا اور اپنی تجویز پیش کی جو اُسے پسند آئی۔ پھر ہم اکٹھے میتھیو گلوان کے پاس گئے۔ وہ اپنے کمرے کے اندر مصروفِ مطالعہ تھا۔ اُس نے بھی اتفاق ظاہر کیا مگر مجھے اُس سے ایک وعدہ کرنا پڑا کہ میں ایک روز میں بیس میل سے زیادہ سفر نہیں کروں گا اور نُورجہاں کی اچھی طرح دیکھ بھال کی جاتی رہے گی۔

میں نے سفر کا پروگرام بنایا۔ مجھے یقین تھا کہ نُورجہاں کے ساتھ سفر کرنے سے اُسے مجھ پر قاتلانہ حملہ کرنے کی ترغیب ملے گی اور اُس پر کوئی شک بھی نہیں کر سکے گا۔

اگلے روز صبح ناشتے پر ایڈمرل کنوبل کو اپنے پروگرام سے آگاہ کیا۔ اُس نے کہا "یہ تمہارا کھلونا نما پستول مجھے بالکل پسند نہیں۔ یہ تو کسی شخص کو زخمی بھی نہیں کر سکتا۔" قدرے توقف کے بعد وہ بولا "میں تمہیں راز کی ایک بات بتاتا ہوں۔ میں نے اپنے جنگی نوادرات محفوظ جگہ پر رکھے ہوئے ہیں؛ حالانکہ مجھے معلوم ہے کہ یہ غلط اور خلافِ قانون ہے۔ میرے پاس دھماکہ خیز اسلحہ رکھنے کا اجازت نامہ بھی ہے۔"

ایڈمرل مجھے اپنے بیڈ رُوم میں لے گیا اور ایک الماری کا تالا کھولا۔ وہاں مختلف انواع کے تاریخی ہتھیار رکھے ہوئے تھے۔ اُن میں ایک جرمن خنجر نیزے کا ٹوٹا ہوا پھل اور ایک جاپانی تلوار بھی تھے۔ اُس نے ۵ء۹ بور کا ایک ریوالور میرے ہاتھ میں تھماتے ہوئے کہا "تمہیں یہ اپنے پاس رکھنا چاہیے۔"

"مگر نہیں ـــــ یہ مناسب نہیں۔" یہ کہہ کر میں نے وہاں ایک جرمن رائفل بھی دیکھی جس سے ایک سو گز تک ٹھیک نشانہ لگایا جا سکتا تھا۔ میں نے رائفل ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا "اس کے کارتوس مل جائیں تو میں اس کی صحیح کارکردگی کا اندازہ لگا لوں۔"

ایڈمرل بولا "اچھا کل صبح میں لندن جاؤں گا تو بحریہ کے دفتر سے کارتوسوں کے چند ڈبے تمہیں لا دوں گا۔ وہاں میرا ایک دوست کام کرتا ہے۔ مگر تم کب روانہ ہو گے؟"

پاسلور کا خط کل تک پیرس پہنچ جائے گا۔ ہمارا دوست تین چار دن میں اس کا جواب جان جائے گا اور اس کا اگلا قدم دلیری سے ہمارے قریب تر آنا ہو گا۔ اُس وقت میں روانگی کے لیے تیار ہوں گا۔"

"وہ گھوڑوں کی دُنیا میں داخل ہو چکا ہے اور جان سکتا ہے کہ مسز ڈینہیم ایک عربی گھوڑے کو سدھا رہی ہے۔ پھر فوراً ہی تمہارے پیچھے لگ جائے گا۔" ایڈمرل نے خیال ظاہر کیا۔

میں نے مُسکراتے ہوئے کہا "اُمید ہے کہ اس بار بھی وہ گاربل کا سہارا لے گا اور اگر اُس نے ایسا کیا تو میری گرفت میں ہو گا۔"



سیون کے میدانی علاقے میں دُور اُفق پر ایک عربی گھوڑا اور اُس کا سوار بار بار دکھائی دے رہے تھے۔ وہ دیہات جہاں سے میں اپنی روزمرہ کی ضروریات خریدتا اور وہ کاشتکار جن سے خیمہ لگانے کی اجازت لیتا تھا، اُسے ہماری خبر دے سکتے تھے؛ تاہم فضا پُرسکون تھی۔ سُورج اپنی پُوری آب و تاب سے ہری بھری گھاس پر اپنی گرم گرم سنہری کرنیں نچھاور کر رہا تھا۔ خوف ایک مناسب احتیاط میں سمٹ چکا تھا اور اب مجھے اپنے پیچھے قدموں کی ہر آہٹ پر چونکنا نہیں پڑتا تھا۔

خالہ جارجینا نے راستے میں پڑنے والی ایسی تمام سراؤں اور فارموں کی ایک فہرست مجھے دی تھی جہاں رات کے وقت گھوڑے رکھنے کا بندوبست تھا لیکن میں نے انہیں استعمال نہیں کیا۔ میرا معمول تھا کہ میں سرِ شام ہی کوٹس والڈ ندی کے کنارے درختوں کے جھنڈ میں کسی محفوظ مقام پر اپنا خیمہ نصب کر لیتا اور نُورجہاں کو ایسی جگہ باندھتا جہاں سے وہ درختوں کے بیچ میں سے آنے والے راستے کی نگرانی کر سکتا تھا اور جب

دیکھتا کہ رات ڈھلنے تک اس طرف کوئی آیا ہے نہ کسی کو میرے پڑاؤ کا علم ہوا ہے، تو میں اطمینان سے سو جاتا۔

پادری جیفیو گلون کو میں روزانہ ایک پوسٹ کارڈ ارسال کر کے اپنی خیریت کی خبر دیتا رہا۔ اُسے یہ خدشہ تھا کہ نُورجہاں ابھی مکمل طور پر سدھایا نہیں گیا، اس لیے کہیں وہ مجھے تنگ نہ کر رہا ہو لیکن یہ جانور مناسب حد تک اطاعت پذیر ثابت ہُوا تھا۔

راستے میں استفسار کرتے تو میں انہیں بتاتا کہ ہانبری سے ہوتا ہُوا ہرن شولٹ تک جاؤں گا جہاں میرا اپنا مکان ہے اور میں وہاں چند روز قیام کروں گا۔ اس سے ایک مقصد یہ بھی تھا کہ دشمن کو میرا تعاقب کرنے میں آسانی رہے۔

چھٹی رات میں نے برکلیے اور بکنگھم کے درمیانی علاقے میں پڑاؤ ڈالا اور اگلے روز گاؤں کے دوسری طرف جم ملٹن سے ملنے گیا۔ میرے پہنچنے کے آدھ گھنٹہ بعد وہ اسی تابوت گاڑی میں آیا۔ اُس کے پاس چند ڈبے اور تھیلے تھے۔ وہ نُورجہاں کو اپنے گھر میں دیکھ کر حیران ہی تو رہ گیا۔

وہ سانولا شخص فریڈ گاربل سے دوبارہ ملنے نہیں آیا تھا۔ مسز ملٹن کو اس کا پُورا یقین تھا۔ ہمارے شکار نے وقت مقررہ پر ٹیلیفون کیا تھا اور اُسے بتا دیا گیا تھا کہ اُس کی نقل و حرکت کے متعلق کسی قسم کی تحقیقات نہیں کی گئی، اور یہ کہ میں وارن سے چلا گیا ہوں۔ اس سے مطمئن ہو کر اُس نے پُوچھا کہ میں ہرن شولٹ میں کیا کرتا رہا اور یہ کہ میرا ساتھی کون تھا۔ اُس نے تاریخ اور وقت بتا دیا جب وہ ان دو سوالوں کا جواب جاننے کے لیے ٹیلیفون کا انتظار کرے گا۔ اسی دوران میں گاربل کو ڈاک سے ایک لفافہ وصول ہُوا جس میں ایک ایک پونڈ کے بیس نوٹ تھے۔

پہلے سوال کا جواب ہر کوئی جانتا تھا۔۔۔ یہ کہ میں جنگل میں پھرنے والی لومڑیوں کا مشاہدہ کرتا رہا تھا۔ جہاں تک اس سوال کا تعلق تھا کہ لومڑیوں کے علاقے میں سانولے شخص کو پکڑنے کی ناکام کوشش میں کس شخص نے میرا ساتھ دیا تھا، کم از کم مسز ملٹن کچھ نہیں جانتی تھی؛ چنانچہ فریڈ گاربل کے پُوچھنے پر اُس نے بس اتنا ہی کہا تھا: "ایک اور پروفیسر ہو گا۔"

میں نے 'شیر' کو منصوبہ بنانے کے لیے وقت دیا تھا۔ اُس پر اپنا روزمرہ کا معمول بھی ظاہر کر دیا اور اُسے یقین دلایا کہ کوئی اور میری حفاظت نہیں کر رہا۔ لہٰذا میرے سفرِ واپسی میں حملہ ہونے کا امکان تھا۔

چوتھے روز میں نے جنوب کا راستہ اختیار کیا۔ میری منزل وائل گیٹ تھی۔ اس علاقے میں گھوڑے کے لیے پانی اور پوشیدہ رہنے کے مقامات کم تھے، لہٰذا میں نے خالد کی فراہم کردہ فہرست کا جائزہ لیا۔ تین چار میل کے فاصلے پر مجھے اپنے مطلب کی جگہ مل گئی۔ وہاں ایک خاتون نے میرا استقبال کیا۔ اُس نے مجھے اُن گھڑسواروں کے ناموں کی فہرست دکھائی جنھوں نے اُس کی سرائے میں قیام کیا تھا۔ اُن میں زیادہ تعداد خواتین کی تھی۔ خاتون مجھے میرا کمرہ دکھانے لے گئی جس کی تعریف کرتے تھکتی نہیں تھی لیکن جب میں نے نچلے کا خالی گودام رات بسر کرنے کے لیے منتخب کیا تو وہ خاموش ہو رہی۔ گودام درختوں کے ایک چھوٹے سے جھنڈ میں قدرے سُنسان جگہ تھا۔ اس کے اندر ایک طرف چشمے کے پانی کا نل بہہ رہا تھا۔

درختوں کا یہ جھنڈ رات کی تاریکی میں بھی دکھائی دے سکتا تھا اور خطرتو دُوربین سے یا میرے نام بار بار ٹیلیفون کر کے جانا جا سکتا تھا کہ میں اُس میں چھپا ہُوا ہوں۔ میں جتنا اس جگہ کا جائزہ لیتا اُتنا ہی مجھے احساس ہوتا کہ بس اب میرا آخری وقت آن پہنچا ہے۔ 'شیر' ایک خاموش مگر پھرتیلا حملہ کرنے کے بعد میری لاش ٹھکانے لگانے سے پہلے رات بھر یہاں آرام بھی کر سکتا تھا۔۔۔ لیکن جب تک میں اُس کے ہاتھ میں بندوق نہ دیکھ لیتا، اُسے ہلاک نہیں کر سکتا تھا۔

شام کے چار بجے کا عمل تھا۔ میں نُورجہاں کی مالش کر رہا تھا۔ اتنے میں گھوڑے کے ٹاپوں کی آواز سُنائی دی۔ میں چونک گیا لیکن چند ہی لمحے بعد یہ دیکھ کر خوشگوار حیرت ہُوئی کہ گھوڑے پر سوار حسینہ چلی آ رہی ہے۔

"تم نے ہمیں کیسے تلاش کر لیا؟" میں نے چھوٹتے ہی پُوچھا۔

...ب لکھا تھا کہ تم آج سٹو آن وولڈ کے ... جارجینا نے اپنے کسی دوست سے مجھے ایک گھوڑا لا دیا۔ ڈیڈی پریشان ہو رہے تھے۔ تم فارم کی سرائے میں آرام سے کیوں نہیں رہتے؟" بیٹا بولی۔

"وہاں بہت سارے گتے ہیں اور نور جہاں کو اُن کی موجودگی پسند نہیں۔" میں نے جواب دیا۔

ہم زمین پر بکھرے سوکھے پتوں کے اُوپر بیٹھ گئے۔ اُس نے کہنا شروع کیا: "چارلس! جب سے تم ہم سے جُدا ہو کر آئے ہو، ہم سارا وقت تمہاری ہی باتیں کرتے رہتے ہیں۔ جارجینا نے تمہارے متعلق مجھے سب کچھ بتا دیا ہے ـــ آسٹریا میں خُفیہ تنظیم، جرمن گسٹاپو اور ریونز برک کی عورتوں کی حفاظت، سبھی کچھ۔ اور پھر یہ کہ تم نے جارج کراس کا تمغہ لینے سے انکار کر دیا تھا۔ تم سب سے زیادہ مغرور شخص تھے۔"

"مجھے یقین ہے کہ میں نے کبھی اپنے آپ کو مغرور نہیں سمجھا۔"

"تم سنوز بچے ہی ہو۔" اُس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "تم نے کبھی بھی گرافٹ وان ڈیٹھم بننے کی کوشش نہیں کی ـــ مغرور کہیں کے! فرض کرو آج ہم دونوں میں سے کوئی ایک مر جائے تو کون بُرا ہو گا؟"

اُس نے عجب سوال کیا تھا۔ اس کی گہرائی میں اُترتے ہوئے مجھ پر انکشاف ہُوا کہ وہ مجھ سے رشتۂ الفت استوار کیے ہوئے ہے۔



:: آپ کا دل وقفوں سے دھڑکتا ہے۔ اگر پوری زندگی کے وقفے شمار کیے جائیں تو پتہ چلے گا کہ دل نے کم و بیش بیس برس کا عرصہ ساکن رہ کر گزارا ہے۔

:: آپ اپنے دل کی دھڑکن نہیں سن سکتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دھڑکن فقط دل کے پٹھوں کا خاموش سکڑاؤ ہے۔ اگر ہم کسی دوسرے کے سینے پر کان لگا کر سُنیں تو جو آواز سنائی دیتی ہے وہ دل کے والو بند ہونے کی ہوتی ہے۔

:: دل ایک منٹ میں ۷۲ مرتبہ دھڑکتا ہے اور ۷۵ سال کی عمر تک اڑھائی ارب مرتبہ دھڑک چکا ہوتا ہے۔

:: دل کا بایاں نصف حصہ، دائیں نصف کی نسبت زیادہ مضبوط اور طاقتور ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بائیں حصے کو پورے جسم تک خون پہنچانا ہوتا ہے جبکہ دایاں حصہ فقط پھیپھڑوں کو خون پہنچاتا ہے۔

سات بج چکے تھے۔ نور جہاں اور اُس کی ساتھی گھوڑی ٹیلے کی چوٹی پر چڑھ کر مشرق کی طرف نیچے اُتر گئے تھے۔ بڑی سڑک پر ٹہلتے ٹہلتے کچھ اور گفتگو کرنے کے بعد ہم نے جُدا ہو جانا ہی مناسب خیال کیا۔

کٹے ہوئے درختوں کے بیچوں بیچ چلتے ہوئے مجھے ایک بار پھر کسی گھوڑے کے قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ میں جاننا چاہتا تھا کہ سوار کون ہے۔ قریب ہی کہیں آڑ لینے کے بجائے میں نور جہاں کو ایک ڈھلان پر سے چکر دلوا کر اپنی گودام سرائے میں پلٹ آیا۔ کھیتوں میں شام کا دھندلکا پھیل رہا تھا اور علاقہ بالکل سنسان تھا۔ میں نے اس ماحول میں اپنے آپ کو کھو دیا اور غیر ارادی طور پر شادی کے موضوع پر سوچنے لگا۔ خیال آیا کہ اب میں بہتر آمدنی والی کوئی بھی ملازمت کر لوں گا اور پھر ہم دونوں ماہرین حیوانات کامیاب ازدواجی زندگی بسر کر سکیں گے۔

"سلام صاحب! یہ ایک بہترین جانور ہے۔"

میں آواز سُن کر چونک پڑا کہ یہ آدمی کہاں سے وارد ہو گیا۔ اگر میں نے پہلے اُسے نہ دیکھا ہوتا تو کرخت چہرے والے اس شخص کا شناسا نہ جان سکتا۔ اُس نے ہیٹ، برجس، لمبے بُوٹ اور جیکٹ زیب تن کیے ہوئے تھے۔ اُس کے بال قبل از وقت

سفید ہو رہے تھے۔ پھر بھی ہم اُسے سانولا شخص کہتے تھے۔
جی ہاں! یہ وہی سانولا شخص تھا مگر وہ ہرن شولٹ کے مقابلے میں یہاں زیادہ عمر رسیدہ دکھائی دے رہا تھا اور بادامی رنگ کی گھوڑی پر سوار تھا۔

میں نے سلام کا جواب دیا تو اُس نے پوچھا: "کیا آپ کہیں دُور جا رہے ہیں؟"

"بس ایسے ہی مشق کر رہا تھا۔"

اگر میں اُسے یہ بتا دیتا کہ نزدیک ہی درختوں کے جھنڈ کی طرف جا رہا ہُوں جہاں پڑاؤ کیا ہُوا ہے تو بس میرا خاتمہ ہو جاتا۔ اب یہی ہو سکتا تھا کہ میں شک پیدا کیے بغیر اُسے اپنے آگے چلنے پر مجبور کروں اور اس طرح گاؤں میں لے چلوں۔

اُس لے مجھے عین اُس وقت آن لیا تھا جب میں چند لمحوں کے لیے اُسے بھول چکا تھا۔ اب میں پُوری طرح اُس کے رحم و کرم پر تھا۔ مقابلے کے لیے اُسے للکار بھی نہیں سکتا تھا، کیونکہ میرا ریوالور بائیں پہلو سے لٹک رہا تھا۔

"میں نے آپ کے اور نُور جہاں کے بارے میں سُن رکھا تھا۔" اُس نے مخلصانہ انداز میں کہا۔

"تم یہاں رہتے ہو؟" میں نے پُوچھا۔

"نہیں۔ میں چند روز کے لیے یہاں اپنے احباب کے پاس ٹھہرا ہُوا ہُوں۔"

مجھے یقین ہے اُسے یہ خیال ہرگز نہیں آیا ہو گا کہ میں نے اُسے پہچان لیا ہے۔ اب وہ میرے بائیں طرف آ چکا تھا۔ ہم دونوں کے گھوڑے پہلو بہ پہلو چل رہے تھے۔ غیر ارادی طور پر ہماری رفتار کم ہو گئی۔ میں اُسے اپنے پیچھے رہنے کی اجازت نہیں دے سکتا تھا مبادا وہ پُشت پر سے حملہ کر دے۔ میں بلا وجہ رُک سکتا تھا نہ نُور جہاں پر سوار ہو کر بھاگنا ممکن تھا۔ وہ ایک تجربہ کار سوار تھا اور فوراً جان لیتا کہ میں نے دانستہ گھوڑا بھگایا ہے۔

میں نے بے پروائی کا انداز اختیار کیا اور گپ شپ جاری رکھی۔ پھر اپنی بائیں ایڑی زور سے گھوڑے کی پسلیوں میں ماری اور ساتھ ہی دُعا کی کہ یہ مجھے زمین پر پٹخ نہ دے۔ نُور جہاں نے مجھے مایوس کیا۔ اُس نے بھاگنے کے بجائے نتھنے پھُلائے، خر خر کی آواز نکالی اور سر ہلایا مگر قدم قدم چلتا رہا۔ زبردستی کا ہم سفر میری بائیں ٹانگ کی جنبش نہیں دیکھ سکا تھا۔ میں نے ایک بار پھر قسمت آزمائی۔ اس مرتبہ نُور جہاں رُک گیا۔

حریف سوار نے بھی اپنا گھوڑا روک لیا۔ میں نے ایک ناتجربہ کار سوار کی طرح نُور جہاں کی لگام کھینچنا شروع کر دی۔ اس پر وہ رقص کرنے لگا۔ ساتھ ہی میں نے بلند آواز سے کہا: "اسے نہیں سدھایا جا سکتا۔"

"صبر کیجیے محترم!" میرے صیاد نے خوشگوار انداز میں کہا۔

اُس وقت میں بائیں طرف تھا۔ اُس نے بے پروائی سے اپنا دایاں ہاتھ کوٹ کی جیب میں ڈالا اور ایک لمحے کے لیے مجھ سے آگے بڑھ گیا۔ یُوں وہ راستہ کاٹ کر پھر میرے بائیں طرف ہو گیا۔ اُس کا کہنا تھا کہ وہ گھاس چرتی بھیڑیں ذرا قریب سے دیکھنا چاہتا ہے۔ اُس کے پہلو میں چلتے ہُوئے میں جیب کے اندر سے بھی پستول نہیں چلا سکتا تھا۔ نُور جہاں کا رویہ مناسب تھا۔ اُس نے رقص کر کے یہ حقیقت چھپا دی تھی کہ میں ارادتاً بائیں طرف ہُوا تھا۔

"گھوڑے سرپٹ دوڑانے کے لیے یہ جگہ نہایت موزوں ہے۔" اُس نے مجھے دعوت دی۔

اُس کے خیال میں اپنے شکار کی پُشت پر بندوق کی نالی رکھ دینے سے اُسے کوئی نہیں روک سکتا تھا، لہٰذا تفریح طبع کے لیے اُس نے خود ہی مجھے ایک موقع فراہم کر دیا۔ میں نے اسے غنیمت جان کر نُور جہاں کو تھوڑا سا دوڑایا تو میرا یہ عربی گھوڑا جوش میں ہوا سے باتیں کرنے لگا۔ یہ ایک ایسا آغاز تھا جس کا مقابلہ وہ بھاری بھرکم گھوڑی نہیں کر سکتی تھی۔

تقریباً ایک سو گز جانے کے بعد میں نے پیچھے مُڑ کر دیکھا۔ حریف سوار بائیں ہاتھ تقریباً دس پندرہ قدم پیچھے تھا۔ نُور جہاں اپنی جولانی میں آ چکا تھا اور ہم خاصا آگے نکل گئے۔ چار سو گز چلے

ہے دیوار آگئی جو نئی تعمیر شدہ تھی اور

نا اس کا مطلب یہ تھا کہ میں نُورجہاں

کی لگام کھینچوں، مگر دائیں طرف ایک مکان کی چھت نظر آئی ، اور مجھے ایک محفوظ راہ مل گئی۔ کیا نُورجہاں یہاں سے چھلانگ لگا سکتا ہے؟ ایک لمحے کے لیے مَیں نے سوچا اور تحمل سے گھوڑے کی پُشت پر بیٹھا رہا۔ نُورجہاں کی تیزی کم نہ ہُوئی تھی اور پھر ایک ہلکی سی آواز آئی۔ گھوڑے کا پچھلا پاؤں دیوار کے ساتھ ٹکرا گیا تھا مگر وہ سنبھل گیا۔ مَیں نے دیکھا کہ سانولا سوار بھی اپنی گھوڑی کو دیوار پھلانگنے کے لیے لا رہا ہے۔

مَیں نے نُورجہاں کو ٹھہرا لیا۔ دُور کھیت میں ایک کسان اور سفید کوٹ پہنے کوئی ماہرِ حیوانات مویشیوں کا معاینہ کر رہے تھے۔ مَیں دوبارہ نُورجہاں کی پیٹھ پر سوار ہُوا اور آگے جُھک کر اُس کی گردن پیار سے تھپکی اور اپنی اس حرکت کی آڑ میں چمڑے کے خول سے پستول نکال کر قمیص کے اندر چُھپا لیا۔ اتنے میں وہ شخص میرے قریب آ گیا۔

”ایک غیر تربیت یافتہ عربی نسل کے لیے تو ایسی تیز رفتاری بہت خُوب تھی“ اُس نے خوش طبعی سے کہا۔ ”مَیں سمجھا تھا یہ دیوار پھلانگتے ہُوئے آپ گر پڑے ہیں“۔

”گھوڑا قابُو سے باہر ہو گیا تھا“ مَیں نے جواب دیا۔ ”اس کے مُنہ میں لگام نہیں، اسے اس کی عادت بھی نہیں“۔

مَیں نے اُسے پیشکش کی کہ نیچے اُتر کر میرے ساتھ کچھ مشروب پی لے۔ وہ مان گیا۔

گاؤں کی چھوٹی سی گلی سے ہوتے ہُوئے ہم ایک سرائے میں آن پہنچے۔ وہاں گیراج تو تھا مگر گھوڑے باندھنے کے لیے کوئی انتظام نہیں تھا۔ ہم نے اپنے گھوڑے ایک باڑ کے ساتھ باندھے اور خود سرائے کے صحن میں آ گئے۔ یہاں لوہے کی دو کرسیاں اور ایک بوسیدہ سی میز رکھی تھی۔ میرا ساتھی سیدھا کرسیوں کی طرف گیا اور اُن میں سے ایک پر بیٹھ گیا۔

بار رُوم جانے کے لیے مجھے بادلِ نخواستہ اُس کی طرف اپنی پُشت کرنا پڑی مگر مجھے اُمید تھی کہ صحن میں عمارت کی جو کھڑکیاں کُھلتی ہیں، اُن کے باعث وہ اپنے ارادے سے باز رہے گا۔ مَیں بار رُوم سے مشروب کا ٹرے اُٹھائے آیا تو سب سے پہلے اُس کے دونوں ہاتھوں کا جائزہ لیا۔ وہ میز پر تھے۔ مشروب میز پر رکھنے کے بعد مَیں کرسی پر بیٹھ گیا۔ اب مَیں نے دانستہ اپنی ماچس زمین پر پھینک دی اور پھر اُسے اُٹھانے کے لیے جُھکا۔ اس دوران میں میرا پستول میری جھولی میں آ چُکا تھا۔ بالمقابل بیٹھے ہونے کی بنا پر اُسے یہ پستول دکھائی نہیں دے سکتا تھا۔ مَیں اپنا مشروب آدھا ختم کر گیا جبکہ میرے ساتھی نے گلاس ابھی تک چُھوا نہیں تھا۔

”آپ کا نام وان ڈینہم ہی ہے؟“ اُس نے پُوچھا۔

”صرف ڈینہم ... مَیں نے ’وان‘ کا لفظ ہٹا دیا ہے“۔

”ہاں! مَیں سمجھتا ہُوں۔ جب آپ مشروب ختم کر لیں تو کیا مَیں آپ کے ساتھ پہاڑی کی چوٹی تک چل سکتا ہُوں؟“ اُس نے کہا۔

مَیں نے پُوچھا کیا یہ راستہ اُس کے گھر کی طرف جاتا ہے۔ اُس نے ایک مرتبہ پھر ہلکی سی مُسکراہٹ کے ساتھ نفی میں جواب دیا۔ وہ میرا ساتھ زیادہ مدت کے لیے چاہتا تھا لیکن بات اب ختم ہو چکی تھی۔ صیاد خود شکنجے میں آ چکا تھا۔ مَیں کسی بھی وقت کارروائی کر سکتا تھا۔

مَیں نے صاف طور پر کہہ دیا کہ اگر تم نے گرا ہُوا رُومال اُٹھانے کے لیے اپنے آپ کو جُھکایا تو دیکھ لو گے کہ مَیں نے تمہارے خلاف اپنا دفاع کر رکھا ہے۔ میز کے نیچے سے مجھے ایک دردآمیز زخم ہی لگا سکتے ہو۔ اگر تم نے ریوالور جُھپٹنے کا تکلف کیا تو مَیں بلا تاخیر تمہیں ہلاک کر دوں گا۔

اُس نے مجھے اتنی حقارت سے دیکھا کہ قریب تھا مَیں اُس پر فائر کر دیتا مگر یہ جنونی کیفیت جلد ہی ختم ہو گئی۔

”تو تم جانتے ہو کہ مَیں کیا کہنے والا ہُوں“ اُس نے کہا۔

”جو کچھ تم نے سپروٹن، ڈکفس اور ویبر سے کہا تھا مگر اب کھیل ختم ہو چکا ہے“ مَیں نے جواب دیا۔

”وان ڈینہم! کھیل ابھی ختم نہیں ہُوا۔ تم نے تاثر دیا ہے کہ

پہلے گولی چلانے کی جسارت نہیں کرو گے۔"

میں نے اُس کے خود کار پستول کی طرف اشارہ کیا اور کہا کہ یہی تمہاری ہلاکت کو حق بجانب ثابت کرنے کے لیے کافی ہے۔

"شاید۔" اُس نے سرد مہری سے جواب دیا۔ "لیکن ان تمام کارروائیوں کا ناتا میرے ساتھ جوڑنے میں تمہیں خاصی دشواری پیش آئے گی۔ میرے خیال میں تم اتنے خوفزدہ ہو کر گولی چلانے میں پہل نہیں کرو گے۔"

حیرت انگیز طور پر اس لمحے میں بالکل خوفزدہ نہیں تھا۔ میں نے کہا۔ "اگر یہی بات ہے تو کیا تم بتا سکتے ہو کہ میرے خلاف کیوں ہو؟ تم کبھی بوخن والڈ میں نہیں رہے۔"

"نہیں۔ مگر میری بیوی وہاں تھی۔"

"وہاں کوئی عورت نہیں تھی۔"

"اُسے وہاں بُلا بھیجتے تھے۔"

"میں یہ قصہ نہیں سمجھ پا رہا۔"

"وان ڈینیم! کیا تم بھول گئے ہو؟ ٹھیک ہے۔ میں تمہیں یاد دلاتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں تمہیں علم ہو کہ تم کیوں ہلاک کیے جا رہے ہو۔ بوخن والڈ کے افسران ریونز برک کے کیمپ سے بعض عورتوں کو اپنی عیاشی کے لیے استعمال کرتے تھے۔ کیا ایسا نہیں ہوتا تھا؟ تم خود بھی تو چند عورتیں اپنے ساتھ لائے تھے۔"

اُس کی باتیں لفظ بلفظ درست تھیں۔

یہ اُس ذلیل میجر پسرون کا طریق کار تھا کہ وہ ریونز برک سے ایسی بد قسمت خواتین عیاشی کے لیے منگواتا تھا۔ ایک روز بوخن والڈ سے ریونز برک جاتے ہوئے مجھے بارہ خانہ بدوش اور بدکار عورتوں کے ساتھ سفر کرنا پڑا تھا جن میں کیتھرین ڈسائی اور اولگا کرونل بھی شامل تھیں۔ اُن غلیظ کھلے بالوں والی عورتوں نے بڑے بھدے انداز میں میک اپ کیا ہوا تھا۔ ریونز برک واپس پہنچنے والی عورتیں صرف دس تھیں کیونکہ اولگا اور کیتھرین کو خفیہ مقام سے اُٹھا کر لندن کے ہسپتال پہنچا دی گئیں تھیں۔ اسی لیے اولگا کرونل جنگ کے بعد شکریہ ادا کرنے لندن آئی تھی۔

"تمہاری بیوی اُن عورتوں میں نہیں ہو سکتی تھی۔" میں نے اُسے کہا۔

"وان ڈینیم! وہ تھی۔ مجھے اُس کی گرفتاری سے موت تک کے کچھ حالات معلوم ہیں۔ وہ لوگ جنہوں سے اُس سے تفتیش کی تھی، اُنہیں جنگی مجرم قرار دے کر پھانسی پر لٹکا دیا گیا تھا مگر ایک بچ گیا تھا اور اُسے میں خود کیفرِ کردار تک پہنچاؤں گا۔ میجر پسرون اور کیپٹن ڈنکس کو جب سزا ہوئی تو مجھے اُن سے ملاقات کا موقع ملا تھا۔ ڈنکس سے معلوم ہوا کہ مجھے ویبر اور تمہارا سارا قرض چکانا ہے۔ مجھے قیاس کر لینا چاہیے تھا کہ تم برطانوی خفیہ سروس کے ساتھ مراسم پیدا کر کے اپنے آپ کو بچا سکتے ہو۔"

"اُس کی شکل و صورت کیسی تھی؟" میں نے پوچھا۔

"اُس کے لمبے سیاہ بال تھے اور وہ سفید رنگت والی ایک صحت مند عورت تھی۔" اُس نے جواب دیا۔

مجھے سب یاد آ گیا۔ اُس کے بال کاٹ دیے گئے تھے مگر سفید مرمریں رنگت ناقابلِ فراموش تھی۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ اُسے کس طرح بے راہروی پر لگایا گیا تھا۔ جب میں نے اُسے دیکھا، وہ منشیات کی عادی ہو چکی تھی۔ ذہنی طور پر مفلوج تھی مگر جسمانی طور پر صحت مند دکھائی دیتی تھی۔

"اُس نے کیا کیا تھا؟" میں پوچھ بیٹھا۔

"کیا کیا تھا؟ غلیظ آدمی! کیا سوارین نام کی تمہارے سامنے کوئی وقعت نہیں؟" اُس نے غصے میں بھر کر کہا۔

میں نے اُس سے پوچھا کیا وہی سوارین ہے تو اُس نے دھیمے لہجے میں جواب دیا۔ "میں تھا!"

بعض فرانسیسی تو اس خفیہ نام سے آگاہ تھے مگر لندن میں یہ کسی کو معلوم نہیں تھا۔ سوارین، جو ناقابلِ یقین حد تک عیار اور ظالم تھا، تحریکِ مزاحمت میں شامل ہو کر جرمن فوجوں کے خلاف چھاپہ مار جنگ میں کود پڑا تھا اور اُس کا ہر شبخون دہشت سے بھرپور ہوتا تھا۔

"لیکن وہ عورت نہیں......" میں کہنے ہی لگا تھا مگر کچھ سوچ کر خاموش ہو گیا۔ مجھے خیال آیا کہ جب گسٹاپو نے ایک عورت کو سوارین کی بیوی سمجھ کر گرفتار کیا تھا تو اُسے کس طرح انتقام کا

"ولفس اور سپیروں کے بارے میں تو میں جانتا ہوں مگر تم نے ہانٹنز وہبر کو کیوں قتل کیا تھا؟" میں نے پوچھا۔

"وہ لیس میں اُن عورتوں کو لے گیا تھا۔" اُس نے جواب دیا۔

اس واقعے میں ہونے والا ظلم بے حد افسوسناک تھا۔

میں نے اُس سے کہا کہ بات اب ختم ہو چکی ہے اور وہ میرے سامنے ہتھیار ڈال دے۔ پھر اُسے یاد دلایا کہ کس طرح اُس نے مجھے اُس ویران مکان میں زہر دے کر ہلاک کرنے کی کوشش کی تھی، کس طرح وہ ہوائی حملے سے بچاؤ کے پرانے کمروں میں چھپ کر میری حرکات کا جائزہ لیتا رہا اور اپنا گھوڑا فریڈ گارنل کے پاس چھوڑ گیا تھا اور کس طرح لومڑیوں کے بھٹوں کے قریب میں نے اُسے گھیر لیا تھا۔

میں نے کہا تمہیں جاننا چاہیے تھا کہ ایک ماہر حیوانات فرانسیسی اور برطانوی گلہریوں میں تمیز کر سکتا ہے۔ اس پر وہ پریشان ہو گیا۔ ان گلہریوں کی خرید اُس کے خلاف ایک مضبوط شہادت بن سکتی تھی۔

یہی وہ شیر تھا جس کی میں نے پیش گوئی کی تھی — ایسا شیر جو گولی لگنے کے بعد زیادہ خونخوار ہو جاتا ہے۔

کچھ توقف کے بعد میں نے کہا "مجھے یہ جاننے کا حق ہے کہ میں کس کے ساتھ یہ معاملہ طے کر رہا ہوں۔"

"وائیکونٹ ڈی سینٹ سیاس۔" اُس نے جواب دیا۔

میں یہ نام جانتا تھا — "تمہارا کوئی بیٹا ہے؟"

"ہاں۔" وہ دھیرے سے بولا۔

"پہلا سینٹ سیاس، ڈینیم خاندان کا ملازم تھا۔ اُسے ہم نے عزت بخشی تھی، لہٰذا میں اس گھرانے کو یکسر ختم نہیں کرنا چاہتا۔"

اُس کا دایاں ہاتھ حرکت میں آنے لگا لیکن میں نے بڑی پھرتی سے اپنے پستول کی نالی میز پر سیدھی رکھ دی اور پھر ہم دونوں کے ہتھیار واپس اپنی جھولیوں میں چلے گئے۔ میں نے اُسے اپنی سچی کہانی سنا دی تھی لیکن حقائق اُس پر اثر انداز نہیں ہو رہے تھے۔

میں نے اپنا گلاس ختم کرتے ہوئے کہا "ایک تجویز پیش کرتا ہوں۔"

"کہو۔ میں کوئی شرط نہیں لگاتا۔" اُس نے جواب دیا۔

"تم درختوں کے جھنڈ میں تعمیر شدہ قلعے کے اُس گودام کو جانتے ہو — ہم دونوں سوار ہو کر اُس کی طرف جائیں گے مگر ایک دوسرے کی گولی کی حد سے باہر رہتے ہوئے۔ دونوں اُس سے تین سو گز کے فاصلے پر رُکیں گے۔ میں اپنی جگہ کھڑا ہوں گا اور تمہیں اس گودام کا اچھی طرح معاینہ کرنے کا موقع دوں گا کیونکہ میں تو اُسے اچھی طرح جانتا ہوں۔ پھر تم اُس کے دوسری طرف تین سو گز تک پیچھے ہٹ جاؤ گے۔ ہم ایک دوسرے کو دیکھ سکیں گے اور ایک دوسرے کے اشارے جان سکیں گے۔"

"تم دوسروں سے مختلف ہو۔ مجھے تمہاری شرائط منظور ہیں۔" اُس نے مُسکرا کر کہا۔

میں کھڑا ہو گیا اور پستول واپس ہولسٹر میں ڈال لیا۔ میری پشت سرائے کی طرف تھی۔ سینٹ سیاس ذرا سا ڈگمگایا اور میں نے اُس کے ہتھیار کا نظارہ کر لیا۔ وہ ۴۵ بور کا خودکار پستول تھا۔

ہم پہلو بہ پہلو چلتے ہوئے اپنے گھوڑوں تک پہنچے۔ دونوں بالکل خاموش تھے۔ سبزہ زار کی سڑک پر پہنچ کر ایک دوسرے سے جُدا ہو گئے اور اپنی اپنی طرف کی باڑ کے ساتھ ساتھ چلنے لگے۔ ہمارے درمیان تقریباً بیس گز کا فاصلہ تھا۔ آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے۔ کم روشنی کے باعث گودام اور درخت دھندلائے ہوئے دکھائی دے رہے تھے۔

"مجھے شک ہے کہ ہم چھ سو گز کے فاصلے سے ایک دوسرے کو صاف طور پر دیکھ نہیں سکیں گے۔" میں نے کہا۔

"میں اپنی پوزیشن پر پہنچ کر تمہیں ٹارچ کی روشنی سے اشارہ کروں گا۔" اُس نے جواب دیا۔

"مجھے افسوس ہے کہ میری ٹارچ گودام کے اندر تھیلے میں پڑی ہے۔" میں نے بتایا۔

"تم یہ لے لو۔ میں گودام سے تمہاری ٹارچ لے لوں گا۔" سینٹ سیاس نے اپنی ٹارچ مجھے تھماتے ہوئے کہا اور پھر سر کو

ایک ہلکی سی جنبش دے کر وہ درختوں کے جھنڈ کی طرف بڑھا اور شام کے دُھندلکے میں نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

مَیں گھوڑے سے اُتر پڑا اور اپنی آیندہ چالوں کے متعلق سوچنے لگا۔ کیا مجھے اُسے ہلاک کرنے کا اخلاقی حق پہنچتا ہے؟ اپنی موت بھی قریب دکھائی دے رہی تھی۔ اب سوال صرف اپنی جان گنوانے کا نہیں تھا بلکہ بینیٹا کے ساتھ میرے مستقبل کا سوال تھا جسے مَیں نے داؤ پر لگا دیا تھا۔ ایک امکانی چال یہ تھی کہ گودام کے گرد اُگے ہوئے درختوں کی گھنی پٹی میں داخل ہو کر اُسے حملہ کرنے کا موقع دیا جائے۔ دراصل مَیں جھنڈ کے اندرونی حصّے کو اپنے قابو میں کرنا چاہتا تھا۔

دُور سبزہ زار کے اس طرف مجھے ٹارچ کی روشنی دکھائی دی۔ مَیں نُورجہاں پر سوار ہو گیا اور روشنی کے اس اشارے کا جواب دیا۔ سینٹ سباس توقع کے مطابق حملہ آور ہُوا۔ مَیں نے اُسے درختوں کے بجائے دائیں جانب کُھلے میدان میں گھیر لینے کی کوشش کی۔ ہمارا درمیانی فاصلہ کم ہو کر ایک سو گز تک رہ گیا تھا مگر اُس نے اپنی راہ نہ چھوڑی۔ شام کا دُھندلکا میری توقع سے زیادہ مغالطہ دے رہا تھا۔ مَیں نے زمین پر چھلانگ لگا دی، گولی چلائی اور زمین پر دبک گیا۔ مَیں نے ایک سایہ اپنی گردن یا کان تک ہاتھ اُٹھاتے دکھائی دیا۔ مَیں نے ایک اور گولی چلائی مگر یہ بھی خطا گئی۔ گھوڑا اور وہ آدمی، دونوں درختوں میں گُم ہو گئے۔ یُوں معمولی خُون کے ضیاع سے اُس نے درختوں کے جھنڈ پر قبضہ کر لیا اور کُھلے میدان میں اُسے قابو کرنے کا میرا منصوبہ ناکام ہو گیا۔

مَیں خشک پتّوں پر اُس کے چلنے کی آواز سُن سکتا تھا۔ اب وہ شاید اپنی گھوڑی کسی درخت سے باندھ رہا تھا۔ میرے پاس ایسی کوئی چیز نہیں تھی جس سے مَیں نُورجہاں کو باندھ دیتا۔ وہ میرے نزدیک ہی کھڑا تھا مگر مکمل طور پر بے چین۔

ایک ترچھا سا راستہ درختوں کے اُس جھنڈ کی طرف جاتا تھا۔ دونوں طرف لمبی لمبی گھاس تھی جو بہت اچھی اوٹ ہو سکتی تھی۔ مَیں اُس [illegible] اندر [illegible] کھسکنے لگا [illegible] آہستہ آہستہ [illegible]

کے نزدیک پہنچ رہا تھا۔ تقریباً پندرہ گز کا فاصلہ طے کر کے ایک جگہ رُکا تو وہاں گھاس چھدری تھی۔ اب دوڑ کر جھنڈ کے اندر گھسنے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں تھا۔

بادل گہرے ہو گئے تھے اور چاندنی کو زمین تک پہنچنے کی راہ نہیں مل رہی تھی۔ مَیں نے دوڑ لگانے کے لیے آہستہ آہستہ اپنی ایک ٹانگ سیدھی کر کے سر اُوپر اُٹھایا ہی تھا کہ بادل چاند کے سامنے سے ہٹ گیا۔ اگلے ہی لمحے اُس کی گولی میرے پہلو میں آ کر زمین میں دھنس گئی۔ اس نے بڑی احتیاط سے نشانہ لگایا تھا۔ مَیں نے چیخ ماری، اپنے آپ کو چت کیا اور اُسی گڑھے میں دبک کر بیٹھ گیا۔

مَیں نے سوچا کہ اگر میری چیخ نے اُسے متاثر کیا ہے تو اب میرے لیے بہترین موقع ہے کیونکہ وہ بڑی احتیاط سے قدم قدم میری طرف بڑھے گا۔

سینٹ سباس اپنی گھوڑی پر سوار ہُوا۔ خشک پتّوں پر گھوڑی کی ٹاپوں سے لگتا تھا کہ وہ میری طرف بڑھ رہا ہے۔ مَیں نے سوچا کہ وہ گولی کی حد سے ذرا پرے سے ظاہر ہو گا اور پھر گھوڑی دوڑاتے جائے گا لیکن مَیں صریحاً غلطی پر تھا۔ وہ شخص اور اُس کی گھوڑی اچانک جھاڑیوں میں سے نکلے اور مجھ پر حملہ آور ہوتے۔ سینٹ سباس رکاب پر نیچے کی طرف جھکا ہُوا تھا۔ میری تمام اُمیدیں پامال ہو گئیں۔ مَیں زمین سے یُوں چپٹا ہُوا تھا جیسے کسی نے مجھ پر رولر پھیر دیا ہو۔ گولی چلانے کا موقع نہیں تھا۔ جب تک مَیں نے اپنی پوزیشن تبدیل کی اور پستول سیدھا کرنا چاہا، وہ مجھ تک پہنچ چکا تھا۔ اب سوال یہ تھا کہ زمین پر گولی کھائی جائے یا گھوڑی کی ٹانگوں میں پھنس کر کُچلا جاؤں۔ مَیں نے روندے جانے کو بہتر سمجھا — لیکن خوش قسمتی سے گھوڑی نے مجھ پر سُم نہ رکھا؛ حالانکہ رائیڈر یقیناً اُسے میرے اوپر ہی چڑھا لایا تھا۔ مَیں اُٹھنے بھی نہیں پایا تھا کہ وہ ایک چکر کاٹ کر پھر مجھ پر آن پہنچا۔ مَیں ایک گیند کی طرح اُچھلا۔ میری اوٹ صرف نُورجہاں تھا۔ مَیں نہیں بتا سکتا کیا اور کیسے ہُوا تاہم ایک لمحے کے لیے مَیں اُس کی چھاتی کے نیچے تھا۔ مَیں نے ایک ہاتھ سے اُس [illegible] لگام پکڑ [illegible] زمین کے

نکالنے کی کوشش کرنے لگا۔ اگر ... یقیناً مجھے کاٹ کے رکھ دیتا مگر ایک بھاگتے ہوئے گھوڑے پر سے ۵ء۴ بور کے پستول کا نشانہ لینا بہت مشکل تھا۔ اُس نے گولیاں چلائیں مگر اُن میں سے ایک بھی مجھے نہ لگ سکی۔

اُسے جھانسہ دے کر مَیں درختوں میں گھس گیا اور خود کو سُوکھے پتّوں پر گرا لیا۔ میرا سانس پھول گیا تھا۔ مَیں نے محسوس کر لیا کہ یہ لڑائی جلد ختم ہونے والی نہیں۔ اب ہم دونوں پیدل تھے۔ جھنڈ میں رات کا اندھیرا بڑھ رہا تھا۔ چاند کی روشنی میں نہائی ہوئی بس ایک گزرگاہ تھی جہاں سے راستہ گودام کی طرف جاتا تھا۔

سینٹ سباس اس گزرگاہ کے دوسرے کنارے تھا۔ اگر وہ حملہ کرنا چاہتا تو اُسے کُھلی جگہ سے گزرنا پڑتا جو خودکشی کے مترادف تھا۔ دوسری صُورت میں گودام کے پچھلی طرف سے گھوم کر میرے پہلو میں آنا پڑتا۔ مجھے اُس کی حرکات کی مدّھم سی آواز سُنائی دے رہی تھی۔ مَیں آہستہ آہستہ قدم اُٹھاتا گودام کے پچھلی طرف چل پڑا اور درختوں کی تنگ پٹّی میں پہنچ کر اُس کا انتظار کرنے لگا۔ مجھے پریشانی یہ تھی کہ وہ مجھ سے اپنے مطلب کی چال چلوا رہا تھا۔

وہ میری توجہ ہٹا کر گودام کے اندر داخل ہونا چاہتا تھا۔ اب کے شمال کی طرف سے اُس کی آواز آئی۔ مَیں عمارت کے سامنے سے گزر کر کھاد کی بوریوں کے نیچے دبک کر بیٹھ گیا اور دروازے تک آنے والے راستے کی نگرانی کرنے لگا۔ میرے بائیں طرف کی دیوار میں ایک لمبی سی کھڑکی نصب تھی۔ زمین سے اُس کی اُونچائی تقریباً چھ فٹ ہوگی۔ آنے والا اگر اُس کھڑکی میں سے گزرنا چاہتا تو خاصی آواز پیدا ہونے کا امکان تھا لیکن یہ اندر سے باہر آنے کے لیے آسان راستہ تھا۔ اس کے نیچے گھاس پھونس کا ڈھیر لگا ہوا تھا۔ عقبی دیوار کے سامنے گھوڑے اور مویشی باندھنے کے لیے جگہ بنائی گئی تھی۔

اب درختوں کے نیچے بالکل خاموشی چھا گئی۔ مَیں گزرگاہ سے تھوڑا سا ہٹ کر لیٹ گیا اور آخری گولی کے لیے اپنے آپ کو تیار کرنے لگا۔ کچھ دیر بعد کُھلی جگہ گھوڑے کے چلنے کی آواز سُنائی دی۔ مَیں اُٹھ کر کھڑا ہو گیا اور تاریکی میں احتیاط سے نشانہ لینے لگا لیکن گھوڑے کی رفتار میں کوئی تبدیلی نہ آئی۔ چند لمحے بعد نُورجہاں میرے سامنے تھا۔ اُس کی ہلکی رنگت رات کے دُھندلکے میں بروقت دکھائی دے گئی۔ وہ آہستہ آہستہ چلتا میرے قریب آ گیا۔ پیار سے اپنا مُنہ میرے کندھے سے رگڑا اور ٹہلتا ہُوا مویشی خانے میں چلا گیا۔

اگلے ہی لمحے گھوڑی بھی اُس کے پیچھے آن پہنچی۔ وہ بہت بے چین دکھائی دے رہی تھی۔ وہ ایک ستون اور ایک پُرانے چھکڑے کے ساتھ لگ کر کھڑی ہو گئی۔ صاف ظاہر تھا کہ سینٹ سباس نے میری توجہ ہٹانے کے لیے اُسے یہاں دھکیلا تھا تاکہ مَیں اُس کی حرکات کا اندازہ نہ لگا سکوں۔ وہ اس میں کامیاب رہا۔ مجھے وہاں سے ہٹنا پڑا۔ بالآخر مَیں نے اُس کھڑکی پر کسی کے چڑھنے کی آواز سُنی۔ مَیں بہتر طور پر نشانہ لینے کے لیے کھڑکی سے ایک دو قدم پیچھے ہٹا لیکن اندھیرے میں بھوسے کے ڈھیر کی اوٹ میں پڑے آہنی ڈرم سے ٹکرا گیا۔ اس وقت میرے دائیں طرف ٹارچ کی روشنی ہوئی اور ساتھ ہی گولی چلنے کی چمک بھی۔ مَیں نے بھی جوابی فائر کیا۔

مَیں نے سوچا کہ میدان مار لیا ہے۔ یہ جاننا قدرے دشوار تھا کہ گولی کہاں لگی ہے۔ مَیں نے جب فائر کیا تو لمبی اور ہلکی سی شے نیچے گری تھی۔ یہ ایک جھاڑی کی لمبی شاخ تھی۔ سینٹ سباس نے اُسے کھڑکی کھولنے کے لیے استعمال کیا تھا۔ اب وہ میرے ساتھ گودام کے اندر موجود تھا۔

اور پھر نُورجہاں ہنہنایا۔ یہ آواز بہت کرخت تھی۔ اُس نے ضرور نُورجہاں کے پیٹ میں چھُرا گھونپ دیا ہوگا۔ یہ سوچتے ہی مَیں نے اُچھل کر اپنا رُخ گھوڑوں کی جانب پھیر لیا لیکن گھوڑے کی دوسری چیخ پر مَیں جان گیا کہ اصل ماجرا کیا ہے۔ گھوڑی بڑی تیزی سے باہر کی طرف بھاگ گئی تھی اور اُس کے پیچھے نُورجہاں تھا۔

"تو یہ بات تھی، وان ڈینہم!" مَیں نے خود سے کہا "ہم موت کے دہانے پر پہنچ کر بھی زندگی کے کتنا قریب تھے۔"

دلوں کی دھڑکن تیز کرنے والی طنز یہ آواز گودام کے دوسرے

سر سے تک پہنچ گئی تھی۔ گھبراہٹ میں وہ میرے قریب سے کھسک گیا۔ میرے دونوں فائروں کی تیزی نے ضرور اُس کے اعتماد کو دھچکا پہنچایا ہوگا کیونکہ ایک خودکار پستول کے سامنے ریوالور کی کوئی حیثیت نہ تھی۔ اسی لیے وہ اتنا قریب آنے سے گریز کر رہا تھا۔

"چیپنگ مارٹن میں پادری اور سب لوگ بہت خوش ہوں گے۔" اُس نے چلا کر کہا۔ "گستاپو کے افسران اس عمر میں یہی کچھ کرتے ہوں گے۔ وان ڈیلہم! ایک مرتبہ پھر تمہارا نشانہ خطا گیا ہے۔"

دُور سے آنے والی اُس کی گونجدار آواز نے اُس کا تکبّر نمایاں کر دیا۔ میری حماقت دیکھیے کہ میں نے ایسی آواز پر دو گولیاں ضائع کر دیں جو لازمی طور پر کسی اوٹ کے پیچھے سے آئی ہوگی۔ میرے پستول میں چار گولیاں باقی رہ گئی تھیں جبکہ اُس کے پاس تین بچی تھیں۔ ہم دونوں زمین پر ایک دوسرے سے تقریباً پندرہ بیس قدم کے فاصلے پر لیٹے ہوئے تھے۔

اب میں نے بڑی احتیاط سے بُوٹ اُتارے اور اُن کے تسمے باہم باندھ کر انہیں سویٹر کے اندر گردن میں لٹکا لیا پھر میں اُٹھا اور آہستگی سے گودام کے اندر دیوار کے ساتھ چکر لگانے لگا۔ دروازے تک آکر اس مقام سے چند گز دُور ٹھہر گیا جہاں مجھے یقین تھا کہ سینٹ سائس کو ہونا چاہیے۔ میں نیچے جھکا اور ایک ہاتھ زمین پر رکھ کر اندھیرے میں اپنے سامنے کی طرف گولی داغ دی۔ اُس نے بھی اندازے سے فائر کیا مگر میں پنجوں کے بل چلتا دہلیز تک جا پہنچا اور کھلی جگہ نکل آیا۔

باہر بھی اتنا ہی اندھیرا تھا۔ ہوا بند تھی اور ہلکی ہلکی بُوندا باندی شروع ہو گئی تھی۔ دُور اُفق پر پو پھٹنے کے آثار نمایاں ہونے لگے تھے۔ اُس وقت میں نے گودام میں اُس کے بھاگنے اور کھڑکی میں سے چھلانگ لگانے کی آواز سُنی۔ میں بھی دیوار کے متوازی بھاگا لیکن گودام کے نکڑ پر ذرا تاخیر سے پہنچا۔ جھاڑیوں میں حرکت محسوس کر کے میں نے گولی چلا دی۔ اس کا جواب اُس نے درختوں کے جھنڈ کی طرف سے فائر کر کے دیا۔ میں نے فوراً آڑ لے لی۔ یہ وہی کھیل تھا جو میں کھیلنا چاہتا تھا۔ میں جانتا تھا کہ وہ کس چوراہے پر ہے اور اُس کا مخصوص سایہ بھی پہچانتا تھا۔

اب وہ ایک درخت سے دوسرے کی اوٹ لے رہا تھا۔ جونہی میں نے اُسے پرکھ لیا، گھیر کر جھاڑیوں کی باڑ کے پاس لے آیا۔ یہاں گودام کے پچھواڑے ایک تنگ راستہ تھا۔ میں اس لیے اُسے کھلے میدان میں دھکیلنا چاہتا تھا۔ میں ہمیشہ اُس کے پچھلی طرف سے حملہ آور ہوتا جبکہ وہ سمجھتا کہ میں اُس کے سامنے ہوں۔ پھر وہ ایک بڑی بیل کی شاخوں میں اُلجھ گیا۔

میں بڑی احتیاط سے پیچھے ہٹا اور تاریک جھاڑیوں میں سے ہو کر شمالی دیوار کے برابر پہنچ گیا۔ عین اُس وقت اُس نے گولی چلا دی جو میری پیشانی کو چھیدتی ہوئی نکل گئی۔ پیشانی سہلاتے ہوئے میں چکرا کر گرا۔ سنبھل کر اپنا سر زمین سے ذرا اوپر اُٹھایا۔ ہاتھ پیشانی پر سے ہٹایا تو زخم سے بہتا خُون فوراً آنکھوں تک پہنچ گیا۔ صبح صادق کا اُجالا نظر انداز کرنے کی بنا پر مجھے یہ چرکا کھانا پڑا تھا۔

میں نے اپنا رُومال زخم پر لپیٹ لیا لیکن گرہ لگانے کے لیے دونوں ہاتھ اُوپر نہیں اُٹھا سکتا تھا۔ پھر مجھ پر غشی طاری ہو گئی۔ جب ہوش آیا تو روشنی اس قدر تھی کہ درخت علیحدہ علیحدہ شناخت کیے جا سکتے تھے۔ میں زمین پر گری ایک شاخ کے پیچھے آرام سے لیٹ گیا۔

بالآخر میں نے اُس کی آواز سُنی۔ وہ ابھی تک گودام کی مغربی دیوار کے بالمقابل تھا۔ اُسے ہلکی سی کھانسی آئی تھی۔ وہ بھی اگر دوبار نہیں تو ایک مرتبہ ضرور زخمی ہوا تھا۔ شاید یہی وجہ تھی کہ مجھے گرانے کے بعد اُس نے حملہ نہیں کیا تھا۔

میں نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ باڑ کے نزدیک ٹوٹی ہوئی ایک دیوار تھی۔ مجھے تیس گز تک سوکھے پتّوں پر سے گزر کر اُس کے پیچھے پناہ لینی تھی۔ رُومال میری پیشانی کے ساتھ چپک گیا تھا۔ میں نے ایک جھٹکے سے اُسے اُتارا اور پھر پیٹ کے بل رینگنا شروع کیا تو راستے بھر خُون ٹپکتا چلا گیا۔ دیوار کے پاس پہنچ کر میں نے رُومال پھر پیشانی پر باندھ لیا اور آرام کرنے لگا۔

اب دوسری چال چلنے کا وقت تھا۔ ہمت کر کے میں اُٹھا اور درختوں کی اوٹ لیتا اُس گھناؤنی جگہ سے نکل کر ٹیلے کی گھاس

...با اُٹھے اور مدھ بھری سریلی آوازوں سے اپنی اپنی بولیاں بولنے لگے۔ حریف درختوں کے پیچھے سے نکلا اور میری طرف بڑھنے لگا۔ وہ بہت تھک چکا تھا اور قدرے لڑکھڑا بھی رہا تھا۔ اُس کا بایاں بازو کوٹ کے اندر تھا۔ کوٹ کی آستین زیادہ سیاہ تھی۔ اُس کا جسم آگے کی طرف جھکا ہُوا تھا اور پستول بائیں ہاتھ میں تھا۔ وہ ایک جگہ جھاڑیوں کے پیچھے دبک کر بیٹھ گیا۔

میرے لیے یہی بہترین موقع تھا۔ مَیں نے اپنی کہنیاں زمین پر ٹکائیں، اپنے دائیں ہاتھ کی کلائی بائیں ہاتھ سے پکڑی، خودکار پستول کی نالی مناسب حد تک متوازن کی۔ اُس نے سمجھا کہ دیوار کے پیچھے کوئی نہیں۔ وہ سیدھا کھڑا ہُوا اور بیقراری سے پیچھے کی طرف گھُوما تو میرا اسرار اور کندھے دیکھنے میں کامیاب ہو گیا۔ اُس نے پھُرتی سے آخری نشانہ لیا اور گولی چلا دی مگر اتنی دُور سے لیا جانے والا ہدف کمال احتیاط کا تقاضا کرتا تھا جو اب اُس کے بس میں نہ تھی۔

ادھر مَیں نے اُس کے دل سے ذرا نیچے کا نشانہ لیا اور لبلبی دبا دی۔ ریمنڈ سپاس جھکا کر گرا، پھر اُٹھا اور لڑکھڑاتا ہُوا میری طرف بڑھنے لگا۔ اُس کے دونوں ہاتھ خالی تھے کیونکہ پستول کی آخری گولی بھی نکل چکی تھی۔ اب میری کیفیت یہ تھی کہ جب بھی گولی چلانا چاہی دل نہیں مانا۔ وہ تقریباً پانچ سات قدم چل چکا ہو گا جب مَیں نے اُسے شست میں لے لیا لیکن اس مرتبہ یہ حادثاتی امر ہی تھا کہ پستول سے گولی نکل گئی۔ گولی اُس کی ران پر لگی۔ وہ زمین پر گرا اور اُس نے اپنا سر ہاتھوں میں تھام لیا۔

اور میری آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔



"مسٹر ڈینھم! آپ کی طبیعت کیسی ہے؟"

یہ الفاظ کانوں میں پڑے تو مَیں نے اپنا ہاتھ اُٹھایا۔ میرے سر پر پٹی بندھی ہُوئی تھی اور مجھے کمبل میں لپیٹا گیا تھا۔ پولیس کے ایک سپاہی نے مجھے کندھوں سے پکڑ کر اُٹھایا اور گرما گرم چائے پیش کی۔ اس وقت سرور ہی آ گیا۔

"کیا یہ معمولی زخم ہے؟" مَیں نے پُوچھا۔

"ہاں! اگر آپ اسے محض زخم کہیں۔"

"کیا وہ ہلاک ہو گیا ہے؟"

"وہ بُری طرح زخمی ہے۔ ہم ایمبولنس کا انتظار کر رہے ہیں۔" ایک انسپکٹر پچھلی طرف سے آیا۔ اُس نے کھانس کر اپنا گلا صاف کیا اور سر کی ہلکی سی جنبش سے آداب کہا۔

"آپ یہاں کیسے پہنچے؟" مَیں نے پُوچھا۔

"آپ کا گھوڑا ایکسبری روڈ پر آوارہ پھر رہا تھا۔ ساتھ ایک گھوڑی بھی تھی۔ ٹریفک پولیس نے اُن دونوں کو پکڑا اور مختلف مقامات پر ٹیلیفون کر کے اُن کے مالکان تلاش کیے۔ مس گلون نے بتایا کہ آپ کی خالہ سٹون والڈ میں ٹھہری ہوئی ہیں اور آپ کے بارے میں جاننا چاہتی ہیں۔"

تھوڑی دیر بعد وہاں ایک کار آ ٹھہری۔ مَیں سمجھ گیا کہ اس میں ایڈمرل ہو گا۔ وہ تیزی سے باہر نکلا اور سیدھا میرے پاس آیا۔ "بہت جگرے والے شخص ہو! تمہیں تو کچھ نہیں ہُوا؟" اس نے کہا۔

مَیں نے اُسے بتایا کہ مَیں بخیریت ہُوں اور یہ معمولی سی چوٹ آئی ہے۔

"میری گاڑی میں جار جینا اور گلون بھی بیٹھی ہیں۔ چارلس! کیا مَیں اُنہیں یہاں بُلا لوں؟"

مَیں نے کہا کہ اس کی ضرورت کیا ہے، خواہ مخواہ پریشان ہوں گی۔ مَیں جینا کو اس معاملے میں گھسیٹنا نہیں چاہتا تھا لیکن ایڈمرل اُنہیں لانے چلا ہی گیا۔ جینا پہلے آئی۔

"اس گھوڑے نے تو ساری اُمیدیں خاک میں ملا دی تھیں۔" اُس نے کہا۔

مجھے یہ سوچنے میں چند ثانیے لگے کہ اُسے کسی بات کا علم نہیں۔ مَیں نے اُسے یقین دلایا کہ چند روز ہسپتال میں رہ کر تندرست ہو جاؤں گا۔ اُس کی توجہ میری طرف تھی اور وہ ماحول کا جائزہ نہ لے سکی تھی۔ پھر جب اُس نے جھاڑیوں کے پاس کچھ سنجیدہ چہروں والے آدمی کھڑے دیکھے اور زمین پر خون کے دھبے پڑے نظر آئے تو اُس کے چہرے کا رنگ پھیکا پڑ گیا۔ ایک

سارجنٹ کپڑے میں لپٹے دونوں پستول اُٹھائے ہمارے پاس سے گزر گیا۔ وہ فوراً ہی سب کچھ سمجھ گئی۔ اُس نے تعجب سے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سنجیدگی سے پُوچھا! "تو تم کسی کے منتظر تھے؟"

اُس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ جارجینا نے اُسے گلے سے لگا کر سہارا دیا۔" وہ تو بالکل تنہا تھا۔ ہمیشہ سے تنہا" جینٹا نے رندھی ہُوئی آواز میں کہا۔

"جانِ من! مجھے زندہ رہنا تھا۔" میں نے جواب دیا" اگر مجھے تمہارا خیال نہ ہوتا تو میں بھی ہلاک ہو چکا ہوتا۔"

ایمبولنس پہنچ چکی تھی۔ میرا ول بھی پہنچ گیا۔ مجھے اسٹریچر پر ڈال کر دو کارندوں نے اُٹھایا اور گاڑی کی طرف لے چلے۔ میں نے بائیں طرف دیکھا تو دو اور کارندے سینٹ سباس کو بھی اسٹریچر پر ڈال رہے تھے۔

"مجھے ذرا اس شریف آدمی کے پاس لے چلو۔" میں نے اُن سے درخواست کی۔ لیکن انہوں نے پس و پیش سے کام لیا۔ میں نے کہنیوں کے سہارے اپنا سر اُوپر اُٹھایا اور اُس پر ایک نظر ڈالی۔ اُس کا جسم کمبل سے ڈھانپ دیا گیا تھا۔

"مہربانی کر کے اسے ذرا نیچے رکھ دیں۔" میں نے ایک بار پھر درخواست کی۔

"گراف وان ڈینہم! میں وہاں لیٹے تمہارے متعلق ہی سوچ رہا تھا۔ تمہیں بتانا چاہتا تھا کہ میں نے تو سراتے ہی میں تمہاری باتوں پر اعتبار کر لیا تھا۔ میرے لیے اُن افسروں کے ساتھ نپٹ لینا ہی کافی تھا جن کی ملازمت میں تمہیں ایسا کرنے پر مجبور ہونا پڑا۔ وہ بزدل تھے۔ اب ہمارے لیے معافی مانگنا بے معنی ہے اور ایک دوسرے سے درگزر ہی بہتر ہے۔"

پھر وہ تیزی سے جرمن زبان میں بولنے لگا: "میں تم سے گزارش کروں گا کہ میری زندگی بچانے کی کوشش نہ کی جائے۔ تمہاری پہلی گولی ہی مجھے لگ گئی تھی۔ شاید اُس نے گردہ زخمی کیا تھا اور تمہاری دوسری گولی سے میری ران زخمی ہُوئی۔ میں نے اُسے کس کے باندھ کر زیادہ خُون بہنے نہیں دیا۔ اب ڈاکٹروں نے بھی ایسا ہی کیا ہے۔ کمبل کے نیچے سے میں اس بندش کو کھولنے والا ہُوں۔ اس کا نتیجہ خُون زیادہ بہہ جانے کی صُورت میں نکلے گا۔ اگر آپ تھوڑی دیر کے لیے مجھے اپنے پاس رکھ سکیں تو مہربانی ہو گی۔"

انسپکٹر ہماری طرف معنی خیز نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"انسپکٹر! پیچھے کو جُھکو۔" سینٹ سباس نے انگریزی میں اُس سے کہا۔ "اور میرا بیان لو۔ مگر بیچ میں مداخلت نہ کرنا۔ میں راوُل فلپ ہمفری سینٹ سباس، باضابطہ طور پر تسلیم کرتا ہُوں کہ میں اس شریف آدمی کو قتل کرنا چاہتا تھا اور یہ کہ اس نے مجھے اپنے دفاع میں ہلاک کیا ہے لیکن اس کا محرک ہم دونوں کے درمیان راز رہے گا۔ اگر کبھی یہ اسے فاش کرنا چاہے تو صرف اپنا ہی نام استعمال کرے گا اور میرا نام بیچ میں نہیں لائے گا۔

"مجھے تسلیم ہے کہ میں نے مغربی جرمنی میں تین جنگی مجرم، جن کے نام گستاف سپروں، والٹر ڈکنس اور ہانسز ویبر تھے ہلاک کیے تھے۔ مجھے اس کا افسوس نہیں ۔۔۔ افسوس صرف اس بات کا ہے کہ میں نے اپنی زندگی کا بیشتر حصّہ ایک فضول شغل میں صرف کیا۔

"میں یہ بھی شرمندگی اور افسوس کے ساتھ تسلیم کرتا ہُوں کہ میں نے ڈاک کے ذریعے اس شخص کے گھر ایک بم پارسل بھیجا تھا۔ میری خواہش ہے کہ اس حادثے میں ہلاک ہونے والے پوسٹ مین کے وُرثا کو میری جائیداد میں سے مناسب حصّہ دیا جائے۔ اگر مجھ پر مقدمہ چلا تو میں اسے ذہنی جنون کہوں گا۔ میرے لیے موت ہی بہتر رہے گی ۔۔۔ جیسا کہ میری رفیقۂ حیات کے لیے تھی۔"

اُس نے بڑی نقاہت سے اپنا دایاں ہاتھ کمبل سے باہر نکالا۔ وہ خُون میں لت پت تھا۔ اُس نے یہ ہاتھ میری طرف بڑھایا۔ ہاتھ کانپ رہا تھا۔ چند ثانیے جو باقی رہ گئے تھے، میں نے اُسے اپنے ہاتھ میں لیے رکھا۔ پھر اُس نے آخری ہچکی لی اور دم توڑ دیا۔

قيدى38



اقبال کاظمی

دوسری جنگ عظیم میں نازی کیمپوں میں اتحادی قیدیوں پر جو انسانیت سوز مظالم ڈھائے گئے اور وحشت و بربریت کے جو سفاکانہ مظاہرے ہوئے وہ آج بھی پڑھنے سننے والوں کے رونگٹے کھڑے کر دیتے ہیں۔۔۔۔ نازی کیمپوں میں مقید ایک قیدی کی کہانی جو اپنا سب کچھ ہار چکا تھا لیکن عزم و حوصلہ اور آزادی کی لگن اسے جینے کا حوصلہ دیتی رہی۔

قدم قدم پر تجسس اور دلچسپ واقعات سے بھرپور ایک بہترین ناول کی تلخیص

ٹرک

کے رکتے ہی جرمن محافظ کی دہاڑ سنائی دی۔ وہ گالیوں کے طوفان میں قیدیوں کو باہر نیچے اترنے کا حکم دے رہا تھا۔ سامنے آہنی پلیٹ فارم پر مدھم سی روشنی تھی جس میں ایک دوسرے کے چہرے بھی واضح طور پر نظر نہیں آ رہے تھے۔ غلاظت کی بو سے دماغ پھٹا جا رہا تھا۔ ٹرک میں بھرے ہوئے قیدی گرتے پڑتے نیچے اتر کر پلیٹ فارم پر جمع ہونے لگے۔ عین اسی لمحہ فضا میں کسی قیدی کی بھیانک چیخ گونجی جرمن محافظ کی رائفل کے بٹ نے اس کی کھوپڑی کے پرخچے اڑا دیئے تھے۔ اور وہ مزید آواز نکالے بغیر پلیٹ فارم پر ڈھیر ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی نیم تاریک فضا میں دوسرے قیدیوں کی سسکیاں ابھرنے لگیں۔

پلیٹ فارم کی دوسری طرف ایک اور ٹرک کھڑا تھا جس کا فرش اور دیواریں مویشیوں کے گوبر سے آلودہ تھیں۔ قیدیوں کو بھیڑ بکریوں کی طرح اس ٹرک میں بھرا جا رہا تھا۔ ٹرک میں پھیلی ہوئی بدبو سے دماغ پھٹا جا رہا تھا مگر جرمن محافظوں کی سنگینیں اور رائفل بٹ کی ضربیں قیدیوں کو آگے بڑھنے پر مجبور کر رہی تھیں۔ ٹرک میں اتنی جگہ نہیں تھی کہ آسانی سے کھڑا رہا جا سکتا لیکن قیدیوں کو زبردستی اندر ٹھونسا جا رہا تھا۔ بالآخر ٹرک کے تختے چڑھا دیئے گئے۔ ٹرک کا اندرونی حصہ قبر کی طرح تاریک ہو گیا انجن اسٹارٹ ہونے کی آواز کے ساتھ ہی پٹرول کی بو کے بھبکے ناک سے ٹکرانے اور پھر ٹرک حرکت میں آ گیا اس کی جگہ دوسرے ٹرک نے لے لی۔

ھیری وائٹ سب سے آگے والے ٹرک کے کنج میں دیوار سے پشت لگائے بیٹھا تھا۔ وہ دوسرے قیدیوں کے بوجھ تلے دبا جا رہا تھا۔ وہ اپنے آپ کو بچانے کے لئے پیچھے دھکیل رہا تھا لیکن اتنی گنجائش ہی کہاں تھی کہ کوئی قیدی اپنی جگہ سے ایک انچ بھی ہٹ سکتا۔ ھیری کو نازیوں کے جنگی کیمپوں میں اٹھارہ ماہ بیت چکے تھے لیکن ایسا خوف اور دہشت اس نے کبھی محسوس نہیں کی تھی۔ اس ٹرک میں اس کے علاوہ یہودی کمیونسٹ اور سیاسی جرمن قیدی بھرے ہوئے تھے۔ اور یہ وہ لوگ تھے، موت جن کا مقدر بن چکی تھی۔

ھیری نے اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیری جس پر ابھی تک خون کی پپڑیاں جمی ہوئی تھیں۔ وہ اڑتالیس گھنٹے تک ریل کا مسلسل سفر کرنے کے بعد یہاں پہنچے تھے سفر کے آغاز میں مال گاڑی کے اس بدبودار ڈبے میں تقریباً ایک سو آدمی ٹھونسے گئے تھے لیکن جب وہ منزل پر پہنچے تو ان میں پچاس بھوک پیاس اور گرمی کی گھٹن سے ختم ہو چکے تھے ھیری کا دل کانپ اٹھا۔ اس نے اتنے آدمی تو محاذ پر بھی بیک وقت مرتے نہیں دیکھے تھے۔ ھیری گزرے ہوئے وقت کے بارے میں سوچنے لگا۔ جرمنوں کی قید میں آئے ہوئے اسے اٹھارہ ماہ ہو چکے تھے۔ وہ سات مختلف کیمپوں میں رہ چکا تھا اور گیارہ مرتبہ فرار کی کوشش کر چکا تھا لیکن ہر مرتبہ پکڑا گیا اور یہ اس کی خوش قسمتی تھی کہ فرار کی ہر کوشش کے دوران اب تک کسی محافظ کی گولی کا نشانہ نہیں بنا تھا۔ وہ آخری مرتبہ کوارز کے کیمپ سے فرار ہونے میں کامیاب ہو جاتا لیکن کیمپ میں ایک جرمن جاسوس کی جو اپنے آپ کو رائل ائر فورس کا سارجنٹ ظاہر کرتا تھا، کی وجہ سے کامیاب نہ ہو سکا۔ فرار کی ان کوششوں کی وجہ سے اسے ایک انتہائی خطرناک قیدی قرار دیا جا چکا تھا۔ اور اب اسے نوہلز بوٹل کے کیمپ میں بھیجا جا رہا تھا۔

ہمبرگ کے نواح میں یہ کیمپ ایک ہوائی اڈے پر واقع تھا ہٹلر کے حکم سے یہ ہوائی اڈہ جرمن فضائیہ کے لئے بند کیا جا چکا تھا البتہ اسے ایک ایسے جنگی کیمپ میں تبدیل کر دیا گیا جہاں انتہائی خطرناک قسم کے قیدی ہی رکھے جاتے ھیری کو اس کیمپ کے بارے میں اس سے زیادہ کچھ بھی معلوم نہیں تھا لیکن اتنا احساس ضرور تھا کہ وہ ایک ایسی جگہ جا رہا ہے جہاں سے جرمنوں کے دعوے کے مطابق اب تک کوئی بھی زندہ واپس نہیں نکل سکا تھا۔

عمران ڈائجسٹ



سست رفتار سے چلنے والے ٹرک بالآخر رک گئے۔ تمام قیدی لمحوں کے لئے تو اس طرح خاموش ہو گئے جیسے ان کی قوت گویائی سلب ہو چکی ہو لیکن پھر آہستہ آہستہ اُن کی سرگوشیاں اُبھرنے لگیں جو بتدریج بلند ہوتی گئیں تاریکی میں خوف کی چادر کچھ اور بھی دبیز ہو گئی تھی ٹرک کے تختے ایک زوردار دھماکے کی آواز سے گرے اس کے ساتھ ہی تیز روشنی ٹرک کے اندر پہنچنے لگی۔ قیدیوں کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ اور جب وہ روشنی میں دیکھنے کے قابل ہوئے اپنے سامنے خوفناک چہروں والے نصف درجن جرمن محافظوں کو دیکھ کر اُن کی آنکھیں گنگ ہو گئیں۔ سب سے آگے والے محافظ کے ہاتھ میں چمڑے کا کوڑا تھا۔ وہ چند لمحے قیدیوں کا اس طرح جائزہ لیتا رہا جیسے قصائی بکروں کو دیکھتا ہے پھر کوڑا لہراتے ہوئے غرآیا۔

”تم سب لوگ ایک ایک کر کے باہر آؤ گے اور گھٹنوں کے بل جھک کر اپنی شناخت بتاؤ گے۔“

جو قیدی اس کا مفہوم نہیں سمجھ سکے تھے سوالیہ نگاہوں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ جب انہیں مفہوم بتایا گیا تو ایک لمحے کے لئے سب بے حس و حرکت ہو کر رہ گئے۔ شاید کوئی بھی نیچے اترنے میں پہل نہیں کرنا چاہتا تھا۔ بالآخر طویل قامت یہودی نیچے اترا اور جرمن محافظ کے سامنے سینہ تان کر کھڑا ہو گیا۔

”میرا نام روڈو پوپوک ہے اور۔“

”دوزانو جھک کر بات کرو سور کے بچے۔“ نگراں محافظ کوڑا لہرا کر غرآیا۔

”میرا نام روڈو پوپوک ہے میں تمہارے سامنے نہیں جھکوں گا۔“ یہودی کچھ اور بھی تن گیا۔

محافظ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی۔ اُس نے کوڑے کو حرکت دی۔ یہودی نے دونوں ہاتھوں سے وار روکنا چاہا لیکن کوڑا شڑاپ کی آواز کے ساتھ اُس کی کمر سے لپٹ گیا۔ یہودی کے منہ سے کراہ نکلی لیکن وہ بدستور اپنی جگہ پر کھڑا رہا۔ کوڑا پھر حرکت میں آگیا اس مرتبہ یہودی کے چہرے کی کھال اُدھڑ گئی تیسری مرتبہ کوڑا اُس کی گردن سے لپٹا تو وہ بھیانک انداز میں چیخ اُٹھا۔

”جھک جاؤ سُور کے بچے۔“ محافظ دہاڑا۔ یہودی سسکیاں بھرتا ہوا اس کے پیروں میں گر گیا۔ محافظ نے فاتحانہ انداز میں دوسرے قیدیوں کی طرف دیکھا۔ دوسرے محافظ زخمی یہودی کو گھسیٹتے ہوئے تاریکی میں ایک طرف لے گئے۔ اس کے بعد تمام قیدی ایک ایک کر کے ٹرک سے اُترنے لگے۔ ہر قیدی کو جھک کر اپنا نام وغیرہ بتانا پڑتا لیکن یہودیوں کو یہ

اسے یہ کہنے پر مجبور کیا جاتا کہ میں ایک بدبخت یہودی ہوں مجھے سخت ترین سزا ملنی چاہیئے۔ یہودیوں کو دوسرے قیدیوں کی نسبت زیادہ مارا پیٹا جاتا۔

ہیری ٹرک کے ایک کونے میں دبکا یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ بالآخر اسی بارک کے پاس جب وہ نیچے اترا تو اس کے جسم پر چیتھڑوں کی طرح جھولتی ہوئی وردی اور سارجنٹ کے عہدے کے فیتے دیکھ کر نگراں محافظ کی آنکھوں میں عجیب سی چمک ابھر آئی۔ ہیری نے پہلے ہی یہ طے کر لیا تھا کہ وہ محافظ کے سامنے سر نہیں جھکائے گا۔ محافظ بھی چبھتی ہوئی نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"میرا نام وائٹ ہیری پیٹر ہے۔ عہدہ سارجنٹ، سیریل نمبر این ایکس بارہ پانچ۔"

"خاموش رہو کتے۔" محافظ دہاڑا۔ "تم بھی دوسروں کی طرح جھک کر بات کرو گے۔"

"میں ایسا نہیں کر سکتا۔" ہیری نے جواب دیا لیکن اسے خود بھی احساس تھا کہ اس کا لہجہ اتنا مضبوط نہیں۔ "میں اتحادی فوج کا ہوں اور میں ان تمام حقوق کا مطالبہ کرتا ہوں جو جنیوا کنونشن میں جنگی قیدیوں کے لئے وضع کئے گئے ہیں۔"

"تم اس وقت اتحادی فوجیوں کے جنگی کیمپ میں نہیں ہو میرے دوست۔" محافظ نے کھوکھلی ہنسی ہنستے ہوئے کہا۔ "تم فولزبوٹل میں ہو۔ یہاں تمہارے ساتھ وہی سلوک ہوگا جو ان کتے یہودیوں اور کمیونسٹوں کے لئے مخصوص ہے۔" محافظ بات ختم کر کے کوڑے والے ہاتھ کو حرکت دینے لگا۔

"تم مجھ پر یہ کوڑا استعمال کر کے دیکھو مسٹر۔" ہیری نے اس کی بات کو اہمیت دیئے بغیر کہا۔ "میں تمہارے ان ماتحت ہٹلریوں کے پہنچنے سے پہلے تمہاری گردن مروڑ دوں گا۔"

"میں تمہیں شوٹ بھی کر سکتا ہوں۔" محافظ دہاڑا۔ غصے کی زیادتی سے اس کا چہرہ یکدم سرخ ہو گیا۔ ہیری اس کے جواب میں کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ ان کے عقب میں تاریکی سے ایک اور تحکمانہ آواز ابھری جسے سنتے ہی نگراں محافظ یکدم مؤدب ہو گیا۔

"ہاتھ اٹھانے کی ضرورت نہیں گروس۔ سارجنٹ کو میرے دفتر میں پہنچا دو اور تم دوسرے قیدیوں سے نمٹتے رہو۔"

نگراں محافظ نے اثبات میں سر ہلا دیا اور حقارت آمیز نگاہوں سے ہیری کی طرف دیکھنے لگا۔ اس کے فوراً ہی بعد ایک محافظ ہیری کو لے کر چل دیا۔ تاریکی میں وہ عمارت بمشکل نظر آ رہی تھی۔ وہ ایک نیم راہداری سے ہوتے ہوئے چھوٹے سے کمرے میں پہنچ گئے جس میں صرف ایک میز اور ایک کرسی تھی۔ انہیں تقریباً پانچ منٹ انتظار کرنا پڑا پھر جیسے ہی ایک گھنٹی بجی محافظ اسے لے کر ملحق کمرے میں داخل ہو گیا۔ یہ کمرہ دفتر کے طور پر آراستہ تھا۔

میز کے پیچھے ادھیڑ عمر کا بھورے بالوں والا وہی کرنل بیٹھا ہوا تھا جس نے ہیری کو یہاں لانے کی ہدایت کی تھی۔ وہ چند لمحے گہری نظروں سے ہیری کو دیکھتا رہا پھر محافظ کو باہر ٹھہر کر انتظار کرنے کا اشارہ کیا۔ ہیری خاموشی سے کرنل کے سامنے کھڑا گہری نظروں سے اس کا جائزہ لیتا رہا۔

"تمہارا ریکارڈ خاصا متاثر کن ہے سارجنٹ ہیری وائٹ۔" کرنل نے ایک فائل کی ورق گردانی کرتے ہوئے کہا۔ "فرار کی گیارہ کوششیں۔ کیا ہماری میزبانی پسند نہیں آئی سارجنٹ ہیری؟"

"کوئی خاص نہیں۔" ہیری نے بے نیازی سے جواب دیا۔ جرمن کرنل کو شستہ انگریزی بولتے دیکھ کر اسے حیرت بھی ہوئی تھی۔

"تمہیں تو بہت پہلے شوٹ کر دینا چاہیئے تھا لیکن اب لگتا ہے جیسے یہ فرض مجھے ہی پورا کرنا پڑے گا۔" کرنل نے بھنویں سکیڑتے ہوئے کہا۔ "تمہیں جلد ہی معلوم ہو جائے گا سارجنٹ کہ یہاں سے فرار کا کوئی راستہ نہیں ہے۔ تم گیٹ کے راستے سے یہاں آئے ہو اور یہاں سے نجات کا راستہ بھٹی کی چمنی سے ہو کر گزرتا ہے۔ یہاں کچھ اور اتحادی قیدی بھی ہیں لیکن ان سے ملاقات کے لئے تمہیں کچھ اور انتظار کرنا پڑے گا۔" کرنل چند لمحوں کو خاموش ہوا پھر دوبارہ گویا ہوا۔ "اس کیمپ میں چند برطانوی اور ایک امریکن قیدی بھی ہے۔ اس طرح تم واحد آسٹریلین قیدی ہو۔ جیسا کہ میں نے کہا ان سے ملاقات کے لئے تمہیں کچھ انتظار کرنا پڑے گا اور تمہارا یہ وقت قید تنہائی میں گزرے گا۔ اس دوران ہم تمہارے ریکارڈ کا تفصیلی جائزہ لے لیں گے۔ گارڈ!" کرنل نے آخری لفظ دروازے کی طرف رخ کر کے کہا تھا۔ اتنی جلدی یہ ملاقات ختم ہو جانے پر ہیری کو حیرت تھی۔ پھر اس کے ذہن میں اچانک یہ خیال ابھرا کہ تفصیلی جائزے کے لئے اسے کہیں دور لے جایا جائے گا۔ اس کا یہ خیال درست نکلا۔ اسے فوراً ہی ایک ایسے کمرے میں لے جایا گیا جہاں مدھم روشنی کا بلب جل رہا تھا اور فرنیچر نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ اس سے پوچھ گچھ کرنے والے گسٹاپو کے کارکن تھے۔ ہیری گسٹاپو کے بارے میں بہت کچھ سن چکا تھا۔ اس تنظیم کے کارکنوں کو موت کے فرشتے بھی کہا جاتا تھا۔ ہیری کو بھی موت اپنے سامنے نظر آنے لگی لیکن خلاف توقع انہوں نے صرف سطحی نوعیت کے چند سوالات کئے اور جن سوالوں کا جواب دینے سے ہیری نے انکار کر دیا ان کے لئے انہوں نے اصرار نہیں کیا۔ البتہ اسے تنبیہ کر دی گئی کہ وہ حکم عدولی یا فرار کا خیال بھی ذہن میں نہ لائے۔ واپسی پر ایک وسیع ہال کمرے سے گزرتے ہوئے اس کی نظر ایک یہودی پر جم گئی جو گیلے کپڑے سے فرش صاف کر رہا تھا۔ اس کے قریب ہی ایک جرمن محافظ بھی مستعد کھڑا تھا۔ یہودی نے کام چھوڑ کر صرف ایک لمحے کے لئے اس کی طرف دیکھا تھا جس پر محافظ نے اس پر ٹھوکروں کی بارش کر دی۔ یہودی بلبلاتا ہوا فرش پر لوٹنے لگا۔ ہیری کے قدم رک گئے لیکن اس کا محافظ اسے دھکے دیتا ہوا آگے بڑھا

ہیری نے اسے گھورتے ہوئے دل ہی دل میں عہد کر لیا کہ اگر موقع ملا تو سب سے پہلے اسی محافظ کو جہنم واصل کرے گا۔

قید تنہائی کے لیے ہیری کو جس کوٹھری میں بند کیا گیا وہ بمشکل دس فٹ لمبی اور پانچ فٹ چوڑی تھی۔ دروازے کے علاوہ ہوا کی آمد و رفت کے لیے اور کوئی راستہ نہیں تھا۔ کمرے میں لکڑی کا ایک تختہ اور ایک پھٹا پرانا کمبل پڑا ہوا تھا۔ کمرے کی دیواروں پر خون کے سیاہی مائل خشک دھبے اس سے پہلے یہاں آنے والوں کی داستان کہہ رہے تھے۔ ہیری اس کمرے میں یا تو کیڑے مکوڑے مارتا رہتا یا اٹھ کر ٹہلنے لگتا۔ محافظ دن میں صرف ایک مرتبہ کھانا دینے کے لیے دروازہ کھولتا۔ بعض اوقات گہری خاموشی اس کے اعصاب پر اثر انداز ہونے لگتی۔ چار روز بعد اسے اس کوٹھری سے نکال لیا گیا۔ اس وقت پہلی مرتبہ اس نے فولز بوٹل نامی اس کیمپ کا تفصیلی جائزہ لیا۔

یہ کیمپ ایک وسیع رقبے پر مشتمل تھا جس کے عین وسط میں ایک دوسرے سے ملی ہوئی چار منزلہ چار عمارتیں ایستادہ تھیں۔ کیمپوں کی اینٹوں کی دیوار خاصی چوڑی تھی۔ کیمپ کی دو عمارتیں قید تنہائی کی چھوٹی چھوٹی کوٹھریوں پر مشتمل تھیں اور باقی دو عمارتوں میں بڑے بڑے ہال تھے۔ ان ہال کمروں میں وہ قیدی بھرے ہوئے تھے جنہیں عنقریب موت کے گھاٹ اتارا جانے والا تھا۔ عمارت کے چاروں طرف کشادہ میدان اور پھر اینٹوں کی بلند دیوار تھی جس میں جگہ جگہ واچ ٹاور بنے ہوئے تھے۔ دیوار سے چند فٹ اندر کی طرف خاردار تاروں کا اونچا جنگلا تھا جس میں ہر وقت برقی رو دوڑتی رہتی۔ جنگلے اور دیوار کے درمیان خالی جگہ پر چوبیس گھنٹے مسلح محافظ گشت کرتے رہتے۔ کیمپ کا جائزہ لینے کے بعد ہیری کو احساس ہونے لگا کہ شاید جرمن کرنل کا یہ کہنا درست ہی تھا کہ آتشی بھٹی کی چمنی کے علاوہ اس کیمپ سے نکلنے کا اور کوئی راستہ نہیں ہے۔ جرمن محافظ ہیری کو لے کر مختلف ہال کمروں سے گزرتا رہا جن میں لاتعداد قیدی بھرے ہوئے تھے۔ ان میں عورتیں بھی تھیں، مرد بھی اور بچے بھی۔ کسی کمرے میں اتنی جگہ نہیں تھی کہ کوئی بچہ بھی لیٹ سکتا۔ ہیری کو بالآخر ایک کمرے میں دھکیل کر دروازہ بند کر دیا گیا۔ ہیری دروازے کے قریب ہی رک کر کمرے کا جائزہ لینے لگا جس میں پہلے ہی سے پانچ قیدی موجود تھے۔ وہ سب سوالیہ نگاہوں سے ایک دوسرے کی جانب دیکھنے لگے۔ ہیری نے اپنا تعارف کرایا تو سلام نامی ایک شخص آگے آگیا۔

"تم سے مل کر خوشی ہوئی سارجنٹ! لیکن سب سے پہلے ہمارے باس سے ملو۔ لیفٹیننٹ سام ہینرے۔"

لیفٹیننٹ سام ہینرے ایک چھوٹے قد کا آدمی تھا۔ اس کے ہونٹوں پر ایک خفیف سی مسکراہٹ آگئی۔ "تمہارا تعلق آسٹریلیا سے ہے لیکن یہاں کب سے ہو سارجنٹ؟" اس نے سوال کیا۔

"چار دن سے۔" ہیری نے مختصر سا جواب دیا۔

وعدے کی زنجیر

ایک عورت نے پولیس انسپکٹر کو ایک شخص کا تفصیلی حلیہ بتاتے ہوئے کہا "کہ یہ شخص اس کے بال پکڑ کر گھسیٹتا ہوا زینے سے نیچے لے گیا۔ وہاں اس نے اس کا گلا گھونٹنے کی دھمکی دی اور پھر اچھی طرح اس کی پٹائی کر کے چلا گیا۔" پولیس انسپکٹر نے عورت کو دلاسا دیا۔ "گھبرایئے نہیں آپ کے بتائے ہوئے حلیے کی مدد سے ہم اسے جلد ہی گرفتار کر لیں گے۔"

عورت نے گھبرا کر کہا۔ "مگر میں اسے گرفتار نہیں کرانا چاہتی۔ آپ صرف میری خاطر اسے تلاش کر دیجئے۔ اس نے مجھ سے شادی کرنے کا وعدہ کیا ہے۔"

"اور اس کا مطلب ہے کہ یہ چار دن یا تم پر یس اور اس جگہ چند قید تنہائی میں گزرے ہیں۔" ہینرے نے کہا۔

ہیری نے اثبات میں سر ہلا دیا اور بیٹھنے کے لیے جگہ کی تلاش میں ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ لیفٹیننٹ ہینرے چند لمحے اس کے چہرے کا جائزہ لیتا رہا پھر راکون نامی اپنے ایک ساتھی کو اس کے لیے کچھ کھانے کا انتظام کرنے کی ہدایت دے کر ہیری کو اپنے دفتر میں چلنے کا اشارہ کیا۔ ہیری دوسرے قیدیوں کی مسکراہٹ کا جواب دیتا ہوا ہینرے کے ساتھ کمرے کے ایک کونے کی طرف چل دیا۔ یہ لوگ بھی جنگی قیدی ہی تھے لیکن ان کے ہونٹوں کی مسکراہٹ دیکھ کر ہیری کو یہ سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ وہ ابھی تک امید کا دامن تھامے ہوئے ہیں۔ کمرے کے آخری سرے میں بنچ نما لکڑی کا ایک تختہ بچھا تھا۔ یہی ہینرے کا آفس تھا۔ اس تختے پر بیٹھنے کے بعد جب ہیری کو دعا سگریٹ پیش کیا تو وہ حیران ہوئے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ اس کے چند سیکنڈ بعد ہی راکون خشک گوشت اور روٹی کا ایک ٹکڑا لے کر وہاں پہنچ گیا۔

"کیا یہ فاضل کھانا ہے؟" ہیری نے دریافت کیا۔

"یہاں خوراک کی ہمیشہ کمی رہتی ہے۔" ہینرے نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے کہا۔ "یہاں ہمیں ریڈ کراس کے پارسل نہیں ملتے لیکن بعض انتظامات کے تحت ہمیں کبھی کبھار کچھ فاضل چیزیں مل جاتی ہیں۔ جنہیں ہم ہنگامی صورتحال کے لیے محفوظ رکھتے ہیں۔ مجھے معلوم ہے کہ گزشتہ چار دن سے تم صرف پانی پر گزارا کر رہے ہو۔ تمہیں اس وقت غذا کی ضرورت ہے اور میری کتاب میں کسی ایسے ہی موقع کو ہنگامی صورتحال کہا جاتا ہے۔"

ہیری نے سر ہلایا اور گوشت کا ٹکڑا منہ میں ڈال کر چبانے لگا۔ ہینرے

کا یہ کہنا سو فیصد درست تھا کہ اس وقت اسے خوراک کی ضرورت تھی۔ اس کے چند منٹ بعد ہی جیفرے نے اس سے مختلف نوعیت کے سوالات پوچھنا شروع کر دیئے۔ وہ گستاپو کی طرح اس جنگ سے پہلے اور جنگی قیدی بننے کے بعد کے حالات کی تفصیل دریافت کر رہا تھا۔ جیری نے اسے سب کچھ بتا دیا کہ کس طرح یونان سے فرار ہونے کی کوشش میں پکڑا گیا تھا۔ جیفرے نے اس طرح سر ہلا دیا جیسے اس کی باتوں سے مطمئن ہو گیا ہو۔ جب جیری نے دریافت کیا کہ اتنے تفصیلی حالات جاننے کا مقصد کیا تھا تو جیفرے نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔

"یہ کوئی جنگی قیدیوں کا کیمپ نہیں ہے جیری۔ سیاسی قیدیوں کی جیل ہے۔ یہاں کی نگرانی گستاپو کا عملہ کرتا ہے اور یہ کیمپ ان کے لئے بہترین شکارگاہ ثابت ہو رہی ہے۔ یہاں انہوں نے اپنے بہت سے جاسوس چھوڑ رکھے ہیں۔ اگرچہ ہمارے ساتھ ابھی تک ایسا کوئی واقعہ پیش نہیں آسکا لیکن احتیاط ضروری ہے۔ جرمن یہاں ہماری موجودگی پسند نہیں کرتے وہ ہم سے نجات حاصل کرنے کا بہانہ تلاش کر رہے ہیں۔"

"اس کیمپ میں اتحادی قیدیوں کی تعداد کیا ہے؟" جیری نے سر ہلاتے ہوئے پوچھا۔

"تقریباً پچیس" جیفرے نے جواب دیا۔ "بیس تو ہم یہیں پر ہیں اور میرا خیال ہے کہ چار یا پانچ قیدِ تنہائی میں ہیں۔ کیمپ کے محافظوں کا خیال ہے کہ وہ فرار کے لئے باہر سے مدد حاصل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ گستاپو والے ان سے یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ باہر ان کے ہمدرد کون ہیں؟"

"یہاں سے نکلنے کے امکانات کیا ہیں؟" جیری نے چند لمحوں کی خاموشی کے بعد پوچھا۔

"کوئی نہیں۔ اس کیمپ میں جدید ترین انتظامات اپنائے گئے ہیں۔ خاردار تاروں کے جنگلے میں برقی رو دوڑتی رہتی ہے۔ یہاں ایسے آلات بھی نصب کئے گئے ہیں کہ سوئی گرنے کی آواز بھی کنٹرول روم میں سنی جا سکتی ہے اس لئے سرنگ کھودنے کا خیال بھی ذہن میں نہیں لایا جا سکتا۔ میں تقریباً ایک ماہ سے یہاں ہوں لیکن انتہائی کوشش کے باوجود ان حفاظتی انتظامات میں کوئی ایسی خامی تلاش نہیں کر سکا جس سے فائدہ اٹھایا جا سکے۔"

"کیا کسی نے یہاں سے فرار کی کوشش بھی کی ہے؟"

"ایک آدمی نے لانڈری ٹرک میں چھپ کر فرار ہونے کی کوشش کی تھی لیکن پکڑا گیا۔ اس کا سر شکنجے میں کس کر اس کا بھیجا نکال دیا گیا۔ تمام قیدیوں کو یہ منظر دیکھنے پر مجبور کیا گیا تھا۔ اس کیمپ کے محافظ ایسی سزائیں دینے میں ماہر سمجھے جاتے ہیں۔"

"یہاں کا انچارج کون ہے کیا وہی کرنل جس سے میں مل چکا ہوں؟" جیری نے دریافت کیا۔

"بظاہر یہاں کا انچارج تو کرنل روڈلف والفرمے ہی ہے لیکن حقیقت بالادستی گستاپو کی ہے۔ گستاپو کا میجر ارنسٹ کنڈرمان یہاں کے سیاہ و سفید کا مالک ہے وہ ہم جنس پرستی کا شکار ہے ایسا سرد مزاج شخص میں نے آج تک نہیں دیکھا۔ اگرچہ وہ عہدہ میں کرنل سے چھوٹا ہے لیکن کرنل کو اس سے اختلاف کی جرأت نہیں۔ یہاں میں نے یہ بھی دیکھا ہے کہ اگر کوئی محافظ غائب ہو جائے تو بیشمار قیدیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا ہے۔ یہودیوں کی تو بات ہی چھوڑو ہم ان کے ستم کا خاص نشانہ ہیں۔ میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں کہ وہ ہم سے نجات حاصل کرنے کا بہانہ تلاش کر رہے ہیں۔"

"میں سمجھتا ہوں جنگ کی ہر لحظہ بدلتی ہوئی صورتحال سے جرمنوں کو اپنی شکست کا یقین ہوتا جا رہا ہے وہ ہم میں سے کسی کو بھی زندہ نہیں چھوڑیں گے کیونکہ وہ کبھی نہیں چاہیں گے کہ ان کے ظلم و تشدد کی بربریت کی یہ داستانیں منظرِ عام پر آئیں میں اندازہ لگا چکا ہوں کہ گیس چیمبر کی موت اس کیمپ کی موت سے کہیں آسان ثابت ہوگی" جیری نے کہا۔

"لیکن ہم نے امید کا دامن نہیں چھوڑا۔ مجھے صرف ایک موقع مل جائے تو میں ان کے ہاتھ نہیں آؤں گا" سلالم نے مداخلت کرتے ہوئے کہا۔

"میری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔ میرا بھی کچھ ایسا ہی ارادہ ہے کولڈٹز کا کیمپ بھی ان کی نظروں میں اسکیپ پروف تھا لیکن میں وہاں سے بھی فرار ہو گیا تھا" جیری نے مسکراتے ہوئے کہا۔

عین اسی وقت باہر کہیں سے فائرنگ کی آواز سنائی دی۔ جیری سوالیہ نگاہوں سے جیفرے کی طرف دیکھنے لگا۔ جیفرے نے خاموشی سے سر جھکا لیا جس سے جیری کو یہ سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ کسی بے گناہ قیدی کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا ہے۔ سلالم جیری کو اشارہ کرتا ہوا کمرے کے آخری سرے پر جا پہنچ گیا۔ اس نے لکڑی کی ایک بینچ پر چڑھ کر روشندان پر چڑھی ہوئی آہنی پلیٹ ایک طرف سرکا کر ہاتھ اندر ڈالا اور چند لمحے تک انگلیوں کو حرکت دیتا رہا۔ پھر نیچے اتر کر جیری کو اس سوراخ سے باہر جھانکنے کا اشارہ کیا۔ جیری بینچ پر چڑھ کر سوراخ سے باہر جھانکنے لگا۔ اس طرف کیمپ کا عقبی میدان تھا دوسرے ہی لمحے اس کی آنکھیں دہشت سے پھیل گئیں۔ میدان میں ایک لمبے گڑھے کے کنارے تقریباً بیس آدمی کھڑے تھے ان میں سے کچھ نے سینے تان رکھے تھے اور کچھ موت کے خوف سے ادھ موئے ہو رہے تھے ان کے عقب میں چند مسلح جرمن محافظ کھڑے تھے۔ افسر کا اشارہ پا کر محافظوں نے رائفلیں تان لیں اور اس وقت تک فائرنگ کرتے رہے جب تک کہ آخری قیدی بھی خون میں نہاتا ہوا گڑھے میں نہ گر گیا۔ آفیسر نے چیخ کر دوسرا حکم دیا۔ اس کے چند سیکنڈ بعد ہی کچھ اور قیدی وہاں پہنچ گئے لیکن ان کے ہاتھوں میں بیلچے اور پھاوڑے نظر آ

...ں گڑھا پاٹنے کے لئے بلایا گیا تھا لیکن اُس سے پہلے سب کو فیہرر کے سامنے جھکنے کا حکم دیا گیا صرف ایک قیدی نے حکم کی تعمیل کرنے سے انکار کر دیا تو آفیسر نے اسے ٹھوکریں مارنے کے بعد بے ہوشی کی حالت میں گڑھے میں دھکیل دیا اور لاشوں کے ساتھ اسے زندہ دفن کر دیا گیا۔

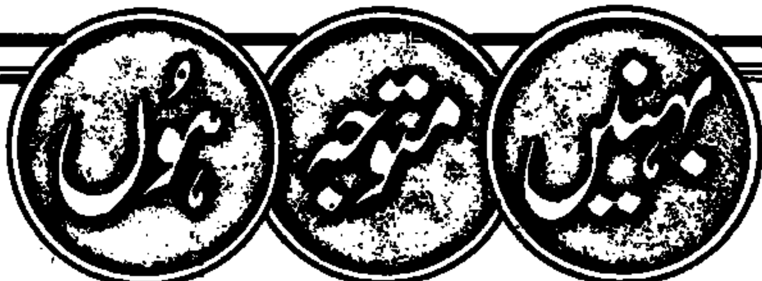
”یہ سیلچہ بردار بھی یہودی ہیں انہیں چیخ چیخ کر یہ کہنے پر مجبور کیا گیا جاتا ہے کہ میں انسانیت کے نام پر بدنما دھبہ ہوں میری سزا خوفناک ترین موت ہے“ سلام نے بتایا۔

”وہ آفیسر جو احکامات دے رہا ہے وہ کون ہے؟“ ھیری نے نیچے اُترتے ہوئے پوچھا۔ وہ اس افسر کو پہچان چکا تھا یہ وہی تھا جس کے سامنے ھیری نے جھکنے سے انکار کر دیا تھا۔

”وہ میجر ارنسٹ کا خاص آدمی اسٹیفن کراس ہے۔ اُسے ایک عام گشتاپو آفیسر سے بھی زیادہ اختیارات حاصل ہیں“ سلام نے جواب دیا اور پھر ھیری کے پوچھنے پر بتایا کہ اس کیمپ میں ایسے واقعات روز کا معمول بن چکے ہیں یہ بربریت دیکھ کر ھیری کا منہ فق ہو گیا تھا اس نے عہد کیا کہ وہ موقع ملتے ہی ان نازی درندوں کو اس کی سزا دیگا۔ پھر وہ وہاں سے ہٹ کر ھیرک کی طرف چل دیا۔ اس کے چند منٹ بعد ہی گھنٹی بجنے کی آواز سنائی دی۔ ھینرے نے بتایا اب حاضری ہو گی۔ وہ سب دروازے کی طرف چل دیئے۔ قریب پہنچے ہی تھے کہ وہ مسلح محافظوں کی نگرانی میں ایک ایک کر کے باہر نکلنے لگے۔ وہ مختلف بال کوں سے نکلتے ہوئے میدان میں پہنچ گئے جہاں پہلے سے بھی کچھ محافظ مستعد کھڑے تھے۔ حاضری کے بعد کرنل نے حسبِ معمول لمبی چوڑی تقریر جھاڑی۔ ھیری کی نگاہیں میجر ارنسٹ کو تلاش کر رہی تھیں وہ گشتاپو کے درندے کو دیکھنا چاہتا تھا لیکن اسے مایوسی ہوئی۔ اپنے کمرے کی طرف جاتے ہوئے اس کی نظریں کراس پر جم گئیں جو عمارت کے دروازے کے قریب کھڑا کوڑا لہرا رہا تھا وہ بھی گہری نگاہوں سے ھیری کا جائزہ لے رہا تھا۔

شڑاپ کی آواز کے ساتھ ہی کوڑا اس کے ٹخنوں سے لپٹ گیا اور پھر جیسے ہی زوردار جھٹکا لگا ھیری منہ کے بل نیچے گر گیا کیمپ میں دوسرے انچاری قیدیوں کے ساتھ کام کرتے ہوئے یا اس کا پہلا دن تھا کچھ آدمی جلانے کی لکڑیاں کاٹ رہے تھے اور ھیری اور چند دوسرے آدمی لکڑیاں اٹھا اٹھا کر دوسری جگہ لے جا رہے تھے اس طرح گرنے سے ھیری کے ہاتھوں سے لکڑیاں گر گئیں۔ وہ آہستگی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اسی لمحے عقب سے جرمن آفیسر کراس کی غراہٹ اُبھری۔

”لکڑیاں اٹھاؤ سور کے بچے!“ اس کے ساتھ ہی کوڑا زناٹے کی آواز کے ساتھ اس کے پیروں کے قریب لگا۔ ھیری کا چہرہ غصے سے



سرخ ہو گیا۔ وہ حکم کی تعمیل کرنے کے بجائے کروس کی طرف گھوم کر متنفر لہجے میں بولا۔

"خود اٹھالو جرمن کتے۔"

کروس کے چہرے کی رنگت یکدم بدل گئی اُسے کسی قیدی سے اس جواب کی توقع ہرگز نہیں تھی۔ اس نے ہاتھ گھما کر کوڑے کو حرکت دی ھیری پھرتی سے گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔ وار روکنے کے لئے اس نے ہاتھ آگے کر دیا۔ کوڑا اس کے بازو سے لپٹ گیا جس سے خون رسنے لگا۔ ھیری نے کوڑے کو پکڑ کر زور دار جھٹکا دیا۔ کروس لڑکھڑا کر منہ کے بل اس کے سامنے گرا۔ ھیری نے ایک جھٹکے سے کوڑا اس کے ہاتھ سے کھینچ لیا اور دونوں پر گرفت جماتے ہوئے غرایا "اب ذرا تم بھی اس کا مزا چکھو جرمن کتے۔" کروس کی آنکھوں سے خوف جھلکنے لگا۔ ھیری کا ہاتھ جیسے ہی اوپر اٹھا اس نے چیخ کر محافظوں کو پکارا۔ اس لمحے ھیری کو احساس ہوا کہ وہ غصے کی شدت میں کیا غلط قدم اٹھا بیٹھا تھا۔ وہ راہ فرار تلاش کرنے لگا مگر سامنے خاردار تاروں کا جنگلا دیکھ کر اس کا حوصلہ پست ہو گیا۔ دوسرے قیدی متحیر نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ اس سے پہلے کہ ھیری کچھ سوچ سکتا مختلف اطراف سے کئی محافظ اس پر جھپٹے اور اُسے زمین پر گرا کر اس پر گھونسوں اور ٹھوکروں کی بارش کر دی۔ جب وہ ادھ موا ہو چکا تو دو محافظوں نے اسے بازوؤں سے پکڑ کر کھڑا کر دیا۔ کروس بھی اُٹھ کر معنی خیز انداز میں مسکراتا ہوا اس کے قریب آ گیا۔

"تمہیں ایک جرمن آفیسر پر حملہ کرنے کی جرأت کیسے ہوئی کتے بلّے" اس کے منہ سے ہلکی سی غراہٹ نکلی۔ اس کے ساتھ ہی اس نے ھیری کے منہ پر زوردار گھونسہ رسید کر دیا۔ ھیری کا ہونٹ پھٹ گیا۔ خون کی دھار بہہ نکلی۔ اس نے تڑپ کر اپنے آپ کو چھڑانا چاہا مگر دونوں محافظوں نے اسے شکنجے کی طرح جکڑ رکھا تھا۔ کروس کا دوسرا گھونسہ اس کے پیٹ پر لگا اور وہ درد سے بلبلاتا ہوا دوہرا ہو گیا۔ کروس جنونی انداز میں اس پر گھونسوں اور ٹھوکروں کی بارش کر رہا تھا۔ ھیری کی آنکھوں کے سامنے تاریکی کی چادر پھیلنے لگی۔ اب اس میں کھڑے رہنے کی سکت بھی نہیں رہی تھی۔

"بس کافی ہے کروس۔ اب اسے اسپیشل روم میں لے جاؤ" عقب سے تحکمانہ آواز اُبھری۔ کروس نے "یس میجر" کہتے ہوئے ہاتھ روک لیا۔ ھیری کا خوابیدہ ذہن چونک گیا۔ وہ ڈوبتے ہوئے ذہن سے سوچنے کی کوشش کر رہا تھا کہ کیا یہ گسٹاپو کا وہی میجر ہے جس کا تذکرہ ھینز نے کیا تھا۔ محافظ اسے کھینچتے ہوئے ایک کمرے میں لے گئے جس میں فرنیچر نام کی صرف ایک میز اور ایک کرسی تھی۔ کمرے میں اس کے علاوہ چار آدمی اور تھے دو محافظ ایک کروس اور ایک آدمی سویلین لباس میں تھا۔

"یہاں آنے کے بعد تم نے کوئی سبق نہیں سیکھا سارجنٹ" سادہ لباس والے نے کہا۔ وہ شستہ انگریزی میں بات کر رہا تھا "میرا نام میجر ارنسٹ کنڈرمان ہے۔ اور یہ میرا فرض ہے کہ قیدیوں کو یہاں کے قوانین پر عمل کرنے کے لئے آمادہ کروں۔ تم نے ایک جرمن آفیسر پر حملہ کیا ہے جس کی کم سے کم سزا موت ہے لیکن تم چونکہ یہاں نئے ہو اس لئے یہ سزا دینے کی بجائے تمہیں ایک ایسا سبق دیا جائے گا کہ آئندہ کے لئے یاد رکھو گے۔" میجر ارنسٹ نے خاموش ہو کر سگریٹ ہونٹوں میں دبا لیا۔ ھیری خاموش کھڑا اس کی طرف دیکھتا رہا۔ میجر ارنسٹ نے میز پر سے ایک فائل اٹھا لیا اور چند لمحے اس کی ورق گردانی کرنے کے بعد دوبارہ بولا "تمہارا ریکارڈ خاصا متاثر کن ہے۔ میرے خیال میں ان لوگوں کو بہت پہلے تمہیں یہاں بھیج دینا چاہئے تھا۔ کیا اب بھی تمہارے ذہن میں فرار کا کوئی خیال موجود ہے؟" میجر ارنسٹ خاموش ہو کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"ہاں۔ اور میں اپنی یہ کوشش زندگی کے آخری لمحوں تک جاری رکھوں گا۔" ھیری نے پرسکون لہجے میں جواب دیا۔ میجر ارنسٹ کا چہرہ یکدم سرخ ہو گیا۔ ایک محافظ نے آگے بڑھ کر پوری قوت سے ھیری کی کمر پر رائفل کا بٹ رسید کر دیا۔ ھیری دوہرا ہو گیا۔ محافظ نے اسے گھونسہ رسید کرتے ہوئے دوبارہ سیدھا ہونے پر مجبور کر دیا۔

"میرا مشورہ ہے کہ تم اس خیال کو ذہن سے نکال دو۔ کوئی فائدہ نہ ہو گا کیونکہ یہاں سے نکلنے کا کوئی راستہ نہیں۔" میجر ارنسٹ نے کہا۔

"سوائے بھٹی کی چمنی کے۔" ھیری کراہتے ہوئے بڑبڑایا۔

"گڈ۔ تم پہلے ہی بہت کچھ جانتے ہو۔" میجر ارنسٹ نے کہا۔ پھر کروس کی طرف رخ کر کے بولا "اب سارجنٹ ھیری تمہاری تحویل میں ہے۔ اُسے سیکشن ڈی میں پہنچا دو۔ یہ اس کا ابتدائی سبق ہو گا۔ ایک ہفتے کے بعد اسے دوبارہ میرے سامنے پیش کیا جائے۔" کروس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ میجر ارنسٹ نے رخصت ہونے سے پہلے ہدایت کی کہ اسے ختم نہ کیا جائے۔

کروس نے ایک بار پھر اثبات میں سر ہلا دیا اور ھیری کی طرف متوجہ ہو گیا۔ کروس کے ہاتھ میں سائیکل کا چین دیکھ کر ھیری کی آنکھوں میں تشویش اُبھر آئی۔ اُسے یہ سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ کروس اپنی توہین کا بدلہ لینے کے لئے اس کی کھال تک کھینچ لے گا۔ کروس کا ہاتھ اچانک ہی حرکت میں آیا۔ سائیکل کا چین ہوا میں مہیب سی سنسناہٹ ہوا ھیری کے کندھے پر لگا اور وہ تکلیف سے دوہرا ہو گیا۔ دوسری مرتبہ چین اس کی پسلیوں پر لگا اور گوشت کے اندر اُترتا چلا گیا جس سے ایک دم ہی خون بہہ نکلا۔ ھیری نے چیخ روکنے کے لئے دانت بھینچ لئے۔ ابھی وہ سنبھل بھی نہ سکا تھا کہ چین کا تیسرا وار اس کی ران پر پڑا۔ اس کے بعد اُسے کچھ یاد نہیں رہا تھا کہ آہنی چین کی ضربیں جسم کے کس کس حصے پر پڑ رہی تھیں۔ اس کا ذہن تاریکی میں ڈوبتا چلا گیا۔

ی سیکشن میں یہودی بھیجے ہوئے تھے۔ اُن کی حالت بہت ہی خستہ تھی خود ہیری کی حالت بھی اچھی نہیں تھی لیکن اُسے ایسے مظلوم یہودیوں کے ساتھ رہتے ہوئے خوف سا آنے لگا۔ نازیوں کے مظالم سے یہ لوگ بھی وحشی بن چکے تھے بعض اوقات روٹی کے ایک ٹکڑے کے لئے ایک دوسرے کا گلا گھونٹ دیتے۔ جرمن محافظ دن میں صرف ایک مرتبہ خوراک کے نام پر انہیں بدبودار شوربا فراہم کرتے۔ اس شوربے میں کبھی سوکھی ہوئی روٹی کا ایک آدھ ٹکڑا آ جاتا تو اُسے خوش قسمتی سمجھا جاتا۔ اِس شوربے کے علاوہ دن میں دو مرتبہ چند گھونٹ پانی دیا جاتا تھا۔ اِس سیکشن میں یہودی مردوں کے علاوہ بچے اور عورتیں بھی تھیں اُن میں سے ہر ایک چیخ چیخ کر اپنی موت کی دُعا مانگتا کہ اِس بربریت سے نجات تو ملے۔ ہیری کو اِس سیکشن آئے ہوئے دو روز ہو چکے تھے۔ اور اِن دو دنوں میں یہ عبرتناک مناظر دیکھ کر اُس کی رُوح تک لرز اُٹھی تھی۔

دفعتاً ہال کا دروازہ کھلا اور سفید داڑھی والا یہودی اندر داخل ہوا۔ یہ راہب بھی ایک قیدی ہی تھا جسے یہودیوں کی عبادت کے لئے اس سیکشن میں آنے کی اجازت تھی۔ دوسرے یہودیوں کے برعکس اِس راہب کی آنکھوں میں اب بھی اُمید کی جھلک نظر آ رہی تھی۔ آج کی عبادت کے دوران راہب غیر محسوس انداز میں سرکتا ہوا ہیری کے قریب آ گیا۔ وہ ہیری کے سامنے آ کر رک گیا اُس کے ہونٹوں سے دُعائیہ الفاظ بدستور خارج ہو رہے تھے۔ وہ چند لمحے وہاں رُکا پھر واپس مڑ گیا اُس کے جانے کے فوراً ہی بعد ہیری کی نظر فرش پر پڑے ہوئے کاغذ کے ایک پُرزے پر جم گئی۔ اُس نے کاغذ اٹھا کر جیب میں ڈال لیا اور محتاط انداز میں اِدھر اُدھر دیکھتا ہوا ایک تنہا گوشے میں پہنچ کر پڑھنے لگا۔ یہ لیفٹیننٹ جینی کا پیغام تھا۔ پنسل سے یہ الفاظ اس طرح گھسیٹے گئے تھے کہ پڑھنا دشوار ہو رہا تھا۔

”انہیں اپنے آپ پر تشدد کرنے کا موقع نہ دو انہیں یقین دلا دو کہ تمہارے ذہن میں اب فرار کا کوئی خیال نہیں اور یہ کہ تم اِن کے احکامات کی بلا چوں و چرا تعمیل کرو گے۔ اِس سیکشن سے نکلنے کا یہی ایک واحد راستہ ہے۔ یہ تحریر پڑھتے ہی ضائع کر دو۔ اگر یہ پیغام پکڑا گیا تو راہب کو فوراً موت کے گھاٹ اتار دیا جائے گا۔“

ہیری نے مسکراتے ہوئے کاغذ منہ میں ڈال لیا چند لمحے چباتا رہا اور پھر اُسے نگل گیا۔ راہب نے باہر نکلنے سے پہلے اِس کی طرف دیکھا تو ہیری نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ راہب کے ہونٹوں پر بھی خفیف سی مسکراہٹ آ گئی۔ اُس کے جانے کے بعد ہیری یہ سوچے بغیر نہ رہ سکا کہ جینی کا کہنا ٹھیک ہی تو ہے کہ اپنے غصے پر قابو پا کر ہی اِن سے نجات حاصل کی جا سکتی ہے اگر وہ میجر ارنسٹ کو یہ یقین دلا دے کہ اب وہ راہ راست پر آ گیا ہے تو

شائد دو چار دن بعد اسے اس سیکشن سے نکال کر دوبارہ اتحادی قیدیوں کے پاس پہنچا دیا جائے۔ وہ یہی سوچتا ہوا ہال کے کونے میں جا کر فرش پر لیٹ گیا۔ کسی کیمپ کی دیواریں جیری کا راستہ نہیں روک سکتی تھیں لیکن یہ اس کی بدقسمتی تھی کہ ہر مرتبہ پکڑا گیا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر اس مرتبہ وہ اس کیمپ سے نکلنے میں کامیاب ہو گیا تو ان کے ہاتھ نہیں آئے گا۔ یہاں سے فرار کے لئے اسے کوئی خوبصورت منصوبہ بنانا تھا کیونکہ یہاں حفاظتی انتظامات اتنے سخت تھے کہ بلا سوچے سمجھے کوئی قدم اٹھانا موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا۔ خاردار تاریں جن میں ہر وقت برقی رو دوڑتی رہتی۔ چوکس محافظ اور ان کے خوفناک کتے، واچ ٹاورز پر نصب مشین گنیں جن پر ایسے مستعد محافظ متعین تھے کہ ان کی عقاب جیسی نظروں سے بچنا محال تھا۔ اور دیوار پر نصب سرچ لائٹیں، جن کی تیز روشنی رات کو بھی دن میں بدل دیتی۔ جیری نے سوچا کہ جنگلے یا دیوار سے فرار خارج از بحث تھا البتہ مین گیٹ کے بارے میں سوچا جا سکتا تھا۔ خاردار تاروں کے جنگلے میں لکڑی کا بند گیٹ تھا جس میں آہنی سلاخیں لگی ہوئی تھیں اس کے بعد پتھریلی دیوار میں لوہے کا گیٹ بنا ہوا تھا۔ ان دونوں کے درمیان محافظوں کے کوارٹرز تھے۔ جہاں ہر وقت مسلح محافظ موجود رہتے کسی ٹرک میں چھپ کر فرار کی کوشش کی جا سکتی تھی لیکن اس خیال کے ساتھ ہی جیری کو ہیسنز کی بات یاد آ گئی کہ ایک آدمی نے لانڈری ٹرک میں چھپ کر فرار ہونے کی کوشش کی تھی اور پکڑے جانے کی صورت میں اس کا سر شکنجے میں کس دیا گیا تھا۔

"کیا تم برطانوی ہو؟" جیری یہ آواز سن کر چونک گیا۔ اس نے گھوم کر دیکھا اس کے سامنے ایک ایسا آدمی بیٹھا ہوا تھا جس کے جسم پر چیتھڑے جھول رہے تھے۔ اور لاغر اس قدر کہ جسم کی ایک ایک ہڈی صاف نظر آ رہی تھی۔ گوشت تو برائے نام تھا۔ جیری نے بتایا کہ اس کا تعلق آسٹریلیا سے ہے اور جب اس نے اپنے مخاطب سے پوچھا کہ وہ جرمن ہے تو وہ بولا۔

"ہاں! پہلے میں جرمن ہی تھا لیکن یہ بہت پہلے کی بات ہے پھر میں یونیورسٹی کی تعلیم کے لئے انگلینڈ چلا گیا تھا۔ وہ ملک مجھے اس قدر پسند آیا کہ میں نے وہیں سکونت اختیار کر لی۔ لیکن پھر مجھے یہاں کی حکومت سے جرمن واپس آنے کا حکم ملا۔ انہوں نے دھمکی دی تھی کہ اگر میں وطن واپس نہ آیا تو میری بہن کے لئے بہت سی دشواریاں پیدا ہو جائیں گی۔" اس نے خاموش ہو کر نفرت بھرے انداز میں ہونٹ سکوڑے اور بات جاری رکھتے ہوئے کہنے لگا۔ "میں جرمنی واپس آ گیا لیکن یہاں آ کر پتہ چلا کہ میری بہن کو پہلے ہی اذیتیں دے دے کر ہلاک کر دیا گیا ہے۔ اس کا جرم صرف یہ تھا کہ اس کی دادی یہودی تھی اگرچہ میری دادی بھی وہی تھی لیکن مجھے فوری طور پر قتل کرنے کے بجائے کسی مقصد کے تحت زندہ رکھا گیا۔ میں ۱۹۳۸ء سے قید و بند کی یہ صعوبتیں برداشت کر رہا ہوں۔ میں نے ڈاکٹری کی اعلیٰ تعلیم حاصل کی تھی۔ اور مجھ سے مختلف جیلوں اور کیمپوں میں یہ خدمت لی جا رہی تھی۔ لیکن پھر میرے ہاتھوں ایس ایس کا ایک کیپٹن مارا گیا۔ نازی کیپٹن سیگنس زخمی ہو گیا تھا۔ وہ اگرچہ بچ سکتا تھا لیکن میں نے اس درندے قاتل کو بچانے کے بجائے اگلے جہان کے سفر میں مدد دی۔"

"او۔ کیا انہیں اس کا پتہ چل گیا تھا؟" جیری نے اس کی باتوں میں دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا۔

"پتہ تو نہیں چلا البتہ شبہ ہو گیا تھا،" ہولسٹن نے جواب میں کہا "پھر معمول کے مطابق سزا دینے کے بعد مجھے یہاں بھیج دیا گیا۔ ظاہر ہے کوئی ڈاکٹر ایک ہاتھ سے کام نہیں کر سکتا۔" اس نے کہتے ہوئے اپنا سیدھا ہاتھ سامنے کر دیا۔ جیری نے پہلی بار دیکھا کہ اس کا ہاتھ نیچے سے کٹا ہوا تھا "اب مجھے سیکشن ڈی میں بھیج دیا گیا ہے اور مجھے معلوم ہے کہ میری زندگی کی مہلت اب دو دن سے زیادہ نہیں ہے۔ اس کے بعد میرا وجود ختم ہو جائے گا لیکن اب مجھے کوئی پرواہ نہیں ہے،" ہولسٹن نے کہا۔

"تمہارا مطلب ہے اس سیکشن کی حیثیت کال کوٹھڑی کی ہے؟" جیری نے پوچھا ہولسٹن نے اثبات میں سر ہلا دیا تو جیری کے چہرے پر تشویش ابھر آئی۔ ہولسٹن نے کہا "نہیں میرا خیال ہے وہ تمہیں قتل نہیں کریں گے اتحادی قیدیوں کو جسمانی اور ذہنی اذیت پہنچانا جرمنوں کا پسندیدہ شغلہ ہے۔ ابھی تمہاری صحت اچھی ہے تم کام کے قابل ہو اس لئے ابھی تمہیں قتل نہیں کیا جائے گا۔" ہولسٹن نے خاموش ہو کر محتاط نگاہوں سے چاروں طرف دیکھا پھر سرگوشیانہ لہجے میں بولا "کیا تم نے کبھی یہاں سے فرار کے بارے میں سوچا ہے؟"

"شاید" جیری نے گول مول سا جواب دیا۔ وہ ہولسٹن کی اس بات سے چونک گیا تھا "تمہاری آنکھیں بتا رہی ہیں کہ جب میں یہاں آیا تو اس وقت تم فرار ہی کے بارے میں سوچ رہے تھے۔" ہولسٹن نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا "جرمنوں کا کہنا ہے کہ یہاں سے کوئی قیدی فرار نہیں ہو سکتا۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ تم ایسا کر سکتے ہو۔"

"کیا کہنا چاہتے ہو؟" جیری نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔ وہ فوری طور پر ہولسٹن پر بھروسہ کرنے کو تیار نہیں تھا۔"

"شائد تم ہماری مدد کر سکو" ہولسٹن بولا "جب تم دوبارہ اپنی بیرک میں جاؤ تو ملیتوس سائمن کو تلاش کرنے کی کوشش کرنا۔ وہ یہودی ہے اور اس عمارت میں داخلی دروازے سے دوسرے کمرے میں ہے۔"

"وہ کیا کر سکتا ہے یا میں اس کے لئے کیا کر سکتا ہوں؟" جیری نے دریافت کیا۔

"سائمن فرار میں تمہاری مدد کر سکتا ہے۔ کیمپ سے باہر اس کے

[illegible]م ہیں۔" ہولسٹن نے کہا تو ہیری نے سر ہلا دیا۔ وہ اب بھی ہولسٹن پر بھروسہ کرنے کو تیار نہیں تھا۔ ہولسٹن شاید اس کی اسی کیفیات کا اندازہ نہیں لگا سکا تھا۔ وہ بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ "ایک بات اور ہے۔ اتحادی قیدیوں سے اسٹور شیڈ میں بھی کام لیا جا سکتا ہے۔ اگر تمہیں وہاں جانے کا اتفاق ہو تو کونے والے دروازے کے سامنے فرش میں ایک اینٹ ابھری ہوئی ہے۔ وہاں تمہیں ایک ایسی چیز مل جائے گی جو یقیناً تمہارے لئے مددگار ثابت ہوگی۔"

ہیری گہری نظروں سے ہولسٹن کے چہرے کا جائزہ لینے لگا۔ وہ اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا تھا کہ ہولسٹن اس کے لئے کسی قسم کا جال تو نہیں بچھا رہا۔ لیکن اس سے ہیری کو یہ سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ وہ اپنے ہم وطنوں سے انتقام لینے کا خواہشمند ہے۔ اور اس پر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ ابھی ان کی گفتگو کا سلسلہ جاری ہی تھا کہ چند محافظ پانی کی بالٹیاں لئے ہال میں داخل ہوئے۔ یہودی اپنی اپنی جگہوں سے اٹھ کر ان کی طرف جھپٹے۔ اور ہولسٹن بھی خاموشی سے کھسک گیا۔ جرمن محافظ بھوکے پیاسے یہودیوں پر کوڑے برسا رہے تھے۔ انسانیت کی یہ تضحیک دیکھ کر ہیری نے منہ پھیر لیا۔ ایک جرمن محافظ نے خشک روٹی کا ایک ٹکڑا جیب سے نکال کر دور پھینک دیا۔ یہودی گدھوں کی طرح اس طرف لپکے اور ایک دوسرے کے اوپر گرے پڑ رہے تھے۔ بہر حال ایک یہودی ہجوم سے نکل کر ایک طرف ہٹ گیا اور ہاتھ آنے والا روٹی کا ٹکڑا منہ میں ڈال کر چبانے لگا۔ محافظ نے اس کے قریب پہنچ کر اسے نیچے گرا دیا اور اس کے منہ پر بوٹ کی ٹھوکریں مارنے لگا۔ یہودی کا چہرہ لہولہان ہو گیا مگر وہ روٹی کا ٹکڑا چباتا رہا۔ محافظ جیسے ہی وہاں سے ہٹا ایک اور یہودی نے زخمی کو بھانپ لیا۔ وہ زخمی یہودی کے منہ میں انگلیاں ڈال کر روٹی کا وہ ٹکڑا نکالنے کی کوشش کر رہا تھا۔ محافظ یہ منظر دیکھ کر قہقہے لگانے لگے۔ محافظوں کے جانے کے بعد یہودی اپنے ٹھکانوں پر چلے گئے۔ اس ہنگامے میں چار یہودی زخمی ہو گئے تھے اور ایک کا بازو ٹوٹ گیا تھا۔ ہیری نے ہولسٹن کی طرف دیکھا۔ وہ کمرے کے ایک کونے میں لیٹا ہوا تھا۔ رات ہوتے ہی یہودی ایک دوسرے کے اوپر گر کر سونے لگے۔ ہیری کے لئے یہ وقت بڑا اذیت دہ تھا۔ خون اور پسینے کی بو سے دماغ پھٹا جا رہا تھا۔ اس رات ایک یہودی جرمنوں کو گالیاں بکتا ہوا مر گیا۔

ابھی دن کا اجالا اچھی طرح نہیں پھیلا تھا کہ ہال کا آہنی دروازہ کھلنے کی آواز سنائی دی۔ تمام یہودی اس امید پر کہ آج صبح کا کھانا جلدی آ گیا ہے دروازے کے قریب جمع ہونے لگے۔ لیکن پھر ایک کیپٹن کی سربراہی میں تقریباً ایک درجن محافظوں کو دیکھ کر اپنی جگہ پر سمٹ گئے۔ جرمن کیپٹن مختلف نام پکارنے لگا۔ آخر میں ہولسٹن کا نام بھی تھا۔ ایک قیدی نے اپنا نام پکارے جانے پر جواب نہیں دیا تھا۔ کیپٹن کے حکم پر محافظ قیدیوں پر گھونسے اور ٹھوکریں برساتے ہوئے ایک ایک کے چہرے کا جائزہ لینے لگے۔ بالآخر ایک قیدی کو ان سے الگ کر لیا جو بری طرح سے چیخ رہا تھا۔ پھر ان تمام قیدیوں کو باہر لے جایا جانے لگا۔ ان سب کے چہرے زرد تھے۔ شاید وہ سمجھ چکے تھے کہ یہ ان کی زندگی کے آخری لمحات ہیں۔

ان لے جائے جانے والے قیدیوں کو دوبارہ کبھی نہیں دیکھا گیا نہ ہی کبھی ہولسٹن کی شکل دکھائی دی۔ اگلے تین روز میں دو مرتبہ اور اسی طرح یہودیوں کو لے جایا گیا۔ ان کی جگہ پر کرنے کے لئے اس سیکشن میں کچھ اور قیدی پہنچا دیئے گئے تھے۔ ہیری خاموشی سے یہ سب کچھ دیکھتا رہا۔ یوں تو جرمنوں کے سارے کیمپ عقوبت گاہیں تھیں لیکن یہ کیمپ تو بربریت اور درندگی کی ایک مثال بن گیا تھا۔

اور پھر ایک صبح ہیری کا نمبر بھی آ گیا۔ تین مسلح محافظ اسے رائفلوں کی زد میں لے کر اس کمرے میں پہنچ گئے جہاں میجر ارنسٹ سے پہلی ملاقات ہوئی تھی۔ میجر ارنسٹ وہاں موجود تھا مگر کروس کا کوئی پتہ نہیں تھا۔ محافظوں نے ہیری کو میجر کے سامنے فرش پر گرا دیا۔ ہیری خود لڑکھڑاتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔ اس سلوک پر اس کا خون کھول رہا تھا۔ ممکن ہے وہ کوئی سخت قدم اٹھا لیتا لیکن ہینز کی بات یاد آ گئی اور اس کا ہاتھ خود بخود سیلوٹ کے انداز میں اٹھ گیا۔ میجر ارنسٹ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔

"بہت خوب" وہ معنی خیز انداز میں بولا۔ "اب تم کچھ راہ راست پر آ رہے ہو میرے دوست لیکن دیکھنا یہ ہے کہ تم نے اب تک کیا سیکھا ہے" کہنے کے ساتھ ہی میجر نے ایک بھرپور گھونسہ اس کی گردن پر رسید کر دیا۔ ہیری زمین بوس ہو گیا۔ میجر ہاتھ جھاڑتا ہوا غرایا۔ "کیا اب میں یہ سمجھوں کہ تم [illegible] کے ہر حکم کی تعمیل کرو گے۔"

"یس" ہیری نے ضبط کرتے ہوئے جواب دیا۔

"یس سر کہو" میجر کے حلق سے بھیڑیئے جیسی غراہٹ نکلی۔

"یس سر" ہیری جلدی سے بولا۔

"اب تمہارے ذہن میں نہ تو فرار کا خیال آئے گا اور نہ ہی تم کسی جرمن محافظ پر حملہ کرنے کی کوشش کرو گے۔" میجر ارنسٹ [illegible] اور ہیری نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ میجر کے ہونٹوں کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔ اس [illegible] اشارہ پاتے ہی ایک محافظ ہیری پر پل پڑا اور اس کے [illegible] کے مختلف حصوں پر ٹھوکروں کی بارش کرنے لگا۔ ہیری خاموشی سے پٹتا رہا۔ پھر محافظ کے ہاتھ پیر رک گئے اور میجر نے اسے بھرپور ٹھوکر رسید [illegible] کا حکم دیا۔ ہیری کراہتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کے بائیں [illegible] کی انگلیاں بری طرح سے دکھ رہی تھیں۔

"تمہیں تمہاری بیرک میں واپس بھیجا جارہا ہے"۔ میجر نے کہا "تم دوسرے اتحادی قیدیوں کے ساتھ کام کروگے۔ اگر تم نے شرافت کا ثبوت دیا تو ہم بھی کوئی زیادتی نہیں کریں گے لیکن حکم عدولی کی صورت میں اس سے بھی سخت سزا ملے گی"۔ میجر نے خاموش ہو کر محافظوں کو اشارہ کیا جس کا مقصد تھا اسے لے جائیں۔ محافظ اُسے بازوؤں سے پکڑ کر تقریباً گھسیٹتے ہوئے باہر کی طرف لے چلے اور جب اُسے بیرک والے کمرے میں دھکیلا گیا تو وہ تقریباً بیہوش ہوچکا تھا۔

لیفٹیننٹ ھینز لے اُسے دیکھتے ہی اُس کی طرف لپکا۔ اور پھر چند ہی منٹ بعد اُس کے سارے ساتھی ھیری کے گرد جمع ہوچکے تھے ھیری کے جسم کے ہر حصہ سے خون بہہ رہا تھا اُس کے ہاتھ کی دو انگلیاں ٹوٹ چکی تھیں۔ ھینز لے اپنے ساتھیوں کو مختلف قسم کی ہدایات دے رہا تھا۔ اُس کی نظریں ھیری کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔ اُس کی یہ حالت دیکھ کر اُسے یقین کرلینا پڑا کہ ھیری اس کیمپ میں جرمنوں کا جاسوس نہیں ہے۔

سینبری کا تعلق فوج کے فنی شعبے سے تھا۔ ایک ماہر فن، جو اپنی انگلیوں سے کام لینا جانتا تھا خیال ظاہر کیا کہ اگر اُسے چند تار یں اور والوز مل جائیں تو وہ ایک ایسا ریڈیو بنانے میں کامیاب ہوجائے گا جس سے وہ بی بی سی کی خبریں سُن کر جنگ کی صورتحال سے آگاہ ہوسکیں گے۔"

"یہ تو ایسے ہی ہے جیسے ہم جرمن محافظوں سے کہہ دیں کہ ہمیں ہر کام کی کھلی چھٹی دیدی جائے۔ میں جب سے یہاں آیا ہوں اس قسم کی کوئی چیز نہیں دیکھی جو وائرلیس سیٹ بنانے میں مددگار ثابت ہوسکے۔" اُس کے دوسرے ساتھی ویٹرائٹ نے کان کی لو مسلتے ہوئے کہا۔ وہ بھی ایک ٹیکنیشن تھا۔ سارجنٹ ھیری خاموشی سے اُن کی گفتگو سُن رہا تھا۔ اُسے ٹی سیکشن سے نجات ملے ہوئے تین دن ہوچکے تھے دو انگلیاں اور ایک پسلی ٹوٹ چکی تھی اُس کے علاوہ پورے جسم پر زخموں کے نشان تھے۔ اور وہ ابتک آرام کررہا تھا۔

"شاید میں تمہاری کچھ مدد کرسکوں"۔ براؤن نے مدّھم لہجے میں کہا تو سب اُس کی طرف متوجہ ہوگئے۔ "اسٹور شیڈ میں ایک پرانا اور ٹوٹا پھوٹا ریڈیو پڑا ہوا ہے جس پر مکڑیوں نے جال تان رکھا تھا۔ اگر ہم وہ سیٹ حاصل کرنے میں کامیاب ہوسکے تو تم جیسے ذہین دماغ اُسے یقیناً کارآمد بنا سکیں گے۔ وہ الیکٹرک سیٹ ہے۔ ہم اپنے کرے کے بلب کے ساکٹ سے تار ملا کر کام چلا سکتے ہیں"۔

"یہ تو ٹھیک ہے لیکن سوال تو یہ ہے کہ وہ ریڈیو سیٹ حاصل کیسے کیا جائے"؟ ویٹرائٹ نے پُرسوچ لہجے میں کہا۔ "اگر جرمنوں کو پتہ چل گیا تو وہ کسی کو زندہ نہیں چھوڑیں گے"۔

"اگر تم لوگ اسے کارآمد بنانے کی صلاحیت رکھتے ہو تو سیٹ حاصل کرنے کا رسک میں لینے کو تیار ہوں"۔ براؤن نے جواب دیا۔ سینبری نے کہا کہ اگر وہ سیٹ حاصل کرے تو وہ لوگ محنت کرکے اسے کارآمد بنا لیں گے"۔ براؤن نے اثبات میں سر ہلا دیا اور پھر اس موضوع پر گفتگو ختم کردی۔ اس وقت کہیں گھنٹی بجنے کی آواز سنائی دی اور ھینز لے اپنے الماری نما کابک سے اُچھل کر نیچے آگیا۔ "ایک نیا دن شروع ہوچکا ہے دوستو"! اس نے کہا پھر ھیری سے مخاطب ہوا۔ "تم آج کا دن مزید آرام کرو ھیری! پھر کروس کے حکم کے مطابق کل تمہیں بھی ہمارے ساتھ کام کرنا پڑے گا"۔ ھیری آج ہی ان کے ساتھ کام پر جانے کو تیار تھا لیکن ھینز لے نے اسے آرام ہی کا مشورہ دیا کیونکہ اس کے خیال کے مطابق ممکن ہے بعد میں آرام کا موقع نہ ملے اور جب وہ باہر نکلے تو ھیری نے اپنے کابک میں بیٹھ کر آنکھیں بند کرلیں۔ دوبارہ جب اُس کی آنکھ کھلی تو خاصا دن نکل آیا تھا۔ اسے بیٹھے بیٹھے گھٹن کا احساس ہونے لگا وہ اٹھ کر اس دیوار کے قریب پہنچ گیا جہاں چھوٹا سا خفیہ سوراخ تھا۔ وہ اس سوراخ سے باہر جھانکنے لگا۔ لاتعداد یہودیوں کو ایک بہت بڑے گڑھے کی طرف لیجایا جارہا تھا۔ یہودیوں کو اس طریقے سے موت کے گھاٹ اتارنا روز کا معمول تھا۔ بعض اوقات تو یہ کارروائی دن میں دو مرتبہ عمل میں لائی جاتی لیکن اس وقت موت کے امیدواروں میں سیکشن ٹی میں ھینز لے کا پیغام لانے والے یہودی راہب کو دیکھ کر اس کا دل اُچھل کر حلق میں آگیا۔ وہ شخص جو دوسروں کو زندہ رہنے کا درس دیتا رہا تھا اب خود موت کے دہانے کی طرف جارہا تھا۔ لیکن ھیری نے یہ بھی دیکھ لیا کہ یہودی راہب کا سینہ تنا ہوا تھا اور چہرے پر خوف و ہراس کا کوئی تاثر نہیں تھا۔ چند منٹ بعد ہی ایک جرمن آفیسر نے چلا کر حکم دیا۔ مشین گنوں کے دہانے کھل گئے اور راہب سمیت تمام یہودی خون میں لت پت گڑھے میں جاگرے اس کے بعد کچھ اور یہودیوں کو لایا گیا۔ مشین گنیں ایک بار پھر چیخیں اور ان کا بھی یہی حشر ہوا پھر بیلچہ بردار قیدی آگئے اور لاشوں سے پٹے ہوئے گڑھے کو مٹی سے پُر کرنے لگے۔

ھیری سوراخ کے سامنے سے ہٹ گیا۔ آج کا دن خاصا طویل ہورہا تھا۔ وقت گزارے نہیں گزر رہا تھا۔ دوسرے ہال اور اس کمرے کا درمیانی دروازہ مقفل تھا۔ ھیری کے ہاتھ میں ایک کیل آگئی اور وہ اُس کی مدد سے تالا کھولنے کی کوشش کرنے لگا لیکن کامیابی نہ ہوسکی۔ اسے سیکشن ٹی میں ہولسٹن کے کہے الفاظ یاد آگئے۔ ہولسٹن مرچکا تھا اور وہ سوچنے لگا کہ کیا اسے ہولسٹن کی ہدایت کے مطابق سائمن نامی یہودی کو

ا چاہیئے؟ شام کو جب اس کمرے کے دوسرے قیدی اپنا راشن لے کر بڑبڑاتے ہوئے کمرے میں داخل ہوتے تو جیری کو فوراً ہی احساس ہو گیا کہ ان میں سلامن، ٹاملسن اور بروک نہیں تھے۔ وہ سوالیہ نگاہوں سے ہیبرے کی طرف دیکھنے لگا۔ ہیبرے نے بتایا کہ ایک محافظ کے ساتھ بدتمیزی سے پیش آنے کے جرم میں قید تنہائی کی سزا دی گئی ہے۔ وہ ایک دو روز میں واپس آجائیں گے۔ جیری کی نظر براؤن کی طرف اٹھ گئی جو کمرے کے کونے میں بیٹھا شرٹ میں سے کوئی چیز نکال رہا تھا۔ وہ ایک ٹوٹا پھوٹا چھوٹا سا ریڈیو تھا جسے دیکھ کر سینبری اور وہیٹ رائٹ اس کی طرف لپکے۔

"اوہ! ویری گڈ! تم نے واقعی کارنامہ انجام دیا ہے۔ کوئی مشکل تو پیش نہیں آئی؟" سینبری نے پوچھا۔

"نہیں۔ لیکن میرا خیال ہے کہ یہ چوری ان کی نظروں سے پوشیدہ نہیں رہے گی۔ ہو سکتا ہے کہ محافظ کسی بھی وقت پہنچ جائیں۔ جب تک انہیں [illegible] ہو جاتی اسے رہنے دو۔" براؤن نے جواب دیا۔ اس [illegible] سینبری ریڈیو اس کے ہاتھ سے لے کر اس کے بستر کے بورڈ کھول چکا تھا [illegible] سامنے ریڈیو کا ایک تختوں کے پیچھے چھپا دیا۔ اس کے کچھ دیر بعد جب جیری نے ہیبرے کو بتایا کہ آج دیگر یہودیوں کے ساتھ اس رات کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیا گیا ہے تو ہیبرے کے چہرے پر اداسی چھا گئی۔

"ہم میں سے ایک کو ہر صورت میں اس جہنم سے باہر نکلنا ہے جیری! تاکہ جنگ کے اختتام پر دنیا کو ان کیمپوں کے بارے میں بتایا جاسکے۔" ہیبرے نے فکرمند لہجے میں کہا۔

"ہم نے امید کا دامن نہیں چھوڑا۔ مجھے یقین ہے کہ کوئی نہ کوئی یہاں سے نکلنے میں ضرور کامیاب ہوگا۔" جیری نے جواب دیا۔ ہیبرے خاموشی سے اس کی طرف دیکھتا رہ گیا۔

اس رات لائٹ آف ہونے کے بعد سینبری اور وہیٹ رائٹ ماچس کی تیلیوں کی روشنی میں ریڈیو سے سر کھپاتے رہے۔ دوسرے تمام قیدی بھی رات بھر جاگتے رہے اور صبح جب وہ بیگار پر جانے لگے تو ہر ایک کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی انہیں یقین تھا کہ وہ آج کی رات ریڈیو ٹھیک کر کے باہر کی خبریں سنیں گے۔ اگلے روز جب وہ بیگار کے لئے گئے تو جیری بھی ان کے ساتھ تھا۔ جیری کا خیال تھا کہ اگر وہ شیڈ کی طرف جائیں گے تو اسے لیوشن کی ہدایت کے مطابق شیڈ کے دروازے کے سامنے اینٹ تلاش کرنے کا موقع مل جائے گا لیکن اس روز ان سے ٹرکوں پر سے کوئلے اور آلوؤں کی بوریاں اتروائی جاتی رہیں۔ یہ سب کچھ جرمنوں کے لئے تھا۔ سہ پہر کے قریب کروس بھی وہاں پہنچ گیا۔ کوڑا اس کی گردن میں لٹکا ہوا تھا۔ اسے مسلسل اپنی طرف گھورتے پا کر جیری بے چین ہو گیا۔ بالآخر جب کروس کسی اور طرف نکل گیا تو اس نے اطمینان کا سانس لیا۔ شام کا اندھیرا پھیلنے لگا

کام ختم ہونے کا گھنٹہ بجا اور وہ لوگ لنگر سے اپنا کھانا لے کر بیرک میں آ گئے۔ بیرک میں پہنچتے ہی سینبری ریڈیو پر کام کرنا چاہتا تھا مگر کسی محافظ کی آمد کے متوقع خطرے کے پیش نظر ہیبرے نے اسے روک دیا۔ چند منٹ بعد وہیٹ رائٹ نے یاد دلایا کہ لائٹ آف ہونے کے بعد اگر وہ ریڈیو ٹھیک کرنے میں کامیاب ہو گئے تو بجلی نہ ہونے کی وجہ سے سن نہیں سکیں گے۔ اس خیال کے آتے ہی انہوں نے فوراً ریڈیو پر کام شروع کر دیا۔ تمام کمروں کی بتیاں مین گارڈ روم سے ایک مقررہ وقت پر بجھا دی جاتی تھیں۔ بتیاں بند ہونے میں صرف آدھا گھنٹہ باقی تھا کہ ایک دھماکے کی آواز کے ساتھ دروازہ کھلا اور کروس سات محافظوں کے ساتھ اندر داخل ہوا۔ اس کے ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ تھی۔ اس نے تمام قیدیوں کو دیوار کے ساتھ کھڑے ہو جانے کا حکم دیا اور پھر چند سیکنڈ بعد ہی اس نے ریڈیو برآمد کر لیا۔ جسے انہوں نے چھپانے کی کوشش کی تھی۔ اس کی نظریں تمام قیدیوں کے چہروں سے پھسلتی ہوئی براؤن کے چہرے پر جم گئیں۔ جیری کو یہ سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ جیری کو پہلے ہی سے ریڈیو کے بارے میں اطلاع مل چکی تھی۔ کروس کے حکم پر دو محافظوں نے آگے بڑھ کر براؤن کو پکڑ لیا اور اسے دروازے کی طرف لے جانے لگے۔ کروس نے ایک بار گھورتی ہوئی نگاہوں سے سب کے چہروں کا جائزہ لیا اور باہر نکل گیا۔ جیری اور اس کے ساتھیوں پر چند لمحوں تک تو سکتے کی سی کیفیت رہی پھر سینبری کی آواز نے اس سکوت کو توڑا۔

"اس حرامی کو ریڈیو کے بارے میں اطلاع تھی اور وہ یہ بھی جانتا تھا کہ اسٹور سے ریڈیو براؤن نے چرایا ہے۔ لیکن سوال تو یہ ہے کہ اسے یہ کس طرح چلا؟ براؤن نے جب ریڈیو وہاں سے نکالا تھا تو اس کے ساتھ اور کون تھا؟" وہ خاموش ہو کر ایک ایک کے چہرے کا جائزہ لینے لگا۔

"کوئی بھی نہیں۔ لیکن ہم میں سے اکثر آس پاس تو موجود تھے۔" کینیڈی نے جواب دیا۔ اس کے خاموش ہونے پر سینبری نے اس شبہ کا اظہار کیا کہ محافظوں نے اسے ریڈیو چراتے ہوئے دیکھا ہوگا۔ کینیڈی [illegible] کہا کہ اگر ایسی بات تھی تو محافظ اس سے پہلے یہاں کیوں نہیں پہنچے۔ جیری نے بڑا معقول جواب دیا کہ وہ لوگ جانتے ہیں کہ برطانوی فوج کے سگنلنگ [illegible] کام میں بڑے ماہر ہوتے ہیں۔ جرمن محافظ اب تک شاید اس انتظار میں تھے کہ یہ لوگ ریڈیو ٹھیک کر لیں تو چھاپہ ماریں۔ ہیبرے نے ان کی گفتگو میں مداخلت کرتے ہوئے کہا کہ جو کچھ بھی ہوا بہت [illegible] وہ لوگ براؤن کے لئے صرف دعا ہی کر سکتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی ماحول پر ایک بار پھر گہری خاموشی چھا گئی۔ براؤن ان کا بہت اچھا ساتھی تھا اور وہ سب لوگ اسے پسند کرتے تھے۔ وہ لوگ مزید گفتگو کئے بغیر سونے کے لئے اپنے اپنے بستروں پر چلے گئے لیکن کسی کو بھی نیند نہ آسکی۔ جیری بھی اپنی جگہ پڑا بے چینی سے کروٹیں بدل رہا تھا۔ اس کے دماغ میں آندھیاں سی چل رہی تھیں

اور وہ سوچ رہا تھا کہ براؤن کو اسٹور سے ریڈیو چراتے ہوئے کسی نے دیکھا نہیں تھا بلکہ اس کے بارے میں مخبری کی گئی تھی لیکن وہ کون ہو سکتا تھا۔ سلام ٹاملسن اور بروک قید تنہائی کی سزا بھگت رہے تھے ہو سکتا ہے ان میں سے کسی نے تشدد سے بچنے کے لئے محافظوں کو یہ اطلاع دی ہو لیکن جیبری نے اس خیال کو ذہن سے جھٹک دیا کیونکہ وہ تینوں تو براؤن کے ریڈیو چرانے سے پہلے ہی پکڑے گئے تھے اگرچہ پروگرام ان کی موجودگی ہی میں بنا تھا لیکن ان میں سے کسی کو بھی یہ علم نہیں تھا کہ ریڈیو چوری کر لیا گیا ہے یا نہیں۔ جیبری یہ سب کچھ سوچ ہی رہا تھا کہ اسے سینبری کی آواز سنائی دی۔

"میں یہ نہیں مان سکتا کہ جرمن محض کسی اندازے کی بنا پر یہاں آئے تھے کسی نے غداری کی ہے اور وہ غدار ہم میں موجود ہے"

کسی نے اس کی بات کا جواب نہیں دیا لیکن ہر کوئی سوالیہ نگاہوں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگا۔ شاید وہ سوچ رہے تھے کہ ان میں غدار کون ہو سکتا ہے اور جب کینیڈی نے یہ سوال کر ہی ڈالا تو سینبری نے رونے والے انداز میں کہا کہ وہ کسی کے بارے میں کچھ نہیں جانتا لیکن آئندہ وہ کسی پر بھی اعتماد نہیں کرے گا۔ ٹھیک اسی لمحے لائٹ آف ہو گئی اور ماحول پر ایک بار پھر گہری خاموشی چھا گئی۔

صبح کو جب دروازہ کھلا تو سب سے پہلے کروس کی شکل دکھائی دی۔ اس نے ابھی تک شیو نہیں کیا تھا چہرے پر تھکن کے آثار نمایاں تھے آنکھیں بتا رہی تھیں جیسے وہ رات بھر جاگتا رہا ہو۔ خلاف معمول آج اس کے پاس کوڑا بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ وہ چند لمحے ان کے چہروں کو دیکھتا رہا پھر غراہٹ آمیز لہجے میں بولا۔

"جیبری وائٹ، سینبری، وڈبرائٹ تم لوگ میرے ساتھ آؤ"

وہ تینوں تھوڑی سی جھجک کے بعد اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھتے ہوئے آگے بڑھ آئے۔ دو محافظوں نے فوراً ہی انہیں رائفلوں کی زد پر لے لیا۔ اور پھر انہیں اس جگہ لے آیا جہاں یہودیوں کو موت کے گھاٹ اتارا جاتا تھا۔ ان کے ہاتھوں میں بیلچے تھما دیئے گئے اور رائفلوں کے بٹ مار مار کر انہیں گڑھا کھودنے پر مجبور کیا جانے لگا۔ گڑھا چھ فٹ چوڑا چھ فٹ لمبا اور پانچ فٹ گہرا کھودا گیا تھا۔ اس کے بعد انہیں دفتر والی عمارت کے تہ خانے میں لے جایا گیا۔ تہ خانے میں داخل ہوتے ہی ان کے دل اچھل کر حلق میں آ گئے اور چند لمحوں کے لئے وہ سانس تک لینا بھول گئے۔ جیبری کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔ ممکن تھا کہ وہ کوئی عملی قدم اٹھا بیٹھتا کہ سینبری نے اسے ٹہوکا دے کر سرگوشیانہ لہجے میں پرسکون رہنے کی ہدایت کی۔

تہ خانے کی دیوار کے ساتھ براؤن کی لاش لٹکی ہوئی تھی۔ اس کے پیر فرش سے تقریباً تین انچ اوپر تھے گلے میں رسی کا پھندہ تھا جس کا دوسرا سرا دیوار میں لگے ہوئے ایک ہک میں پھنسا ہوا تھا۔ موت کے اس اذیت ناک طریقہ کار سے اس کے چہرے کے نقوش بگڑ گئے تھے۔ جسم پر جگہ جگہ زخموں کے نشان تھے جن پر خون جم چکا تھا۔ اس سے صاف ظاہر تھا کہ پھانسی دینے سے پہلے اس پر بے پناہ تشدد کیا گیا تھا۔ انہوں نے نہایت احتیاط سے اس کی لاش کو نیچے اتارا اور کروس کے حکم پر اسے تازہ کھودے ہوئے گڑھے کے پاس لے آئے۔ لاش کو زمین پر رکھ کر وڈبرائٹ آخری دعا پڑھنے لگا اور جیبری اور سینبری نے احتراماً سر جھکا لئے۔

"ذلیل کتو!" کروس ان کے قریب پہنچ کر دہاڑا اور وڈبرائٹ کے منہ پر ایک گھونسہ رسید کر دیا۔ "یہ ایک چور تھا اور چور کے لئے دعا نہیں مانگی جاتی۔ اسے گڑھے میں پھینک کر مٹی ڈال دو" پھر اس کے اشارے پر محافظ انہیں رائفلوں کے بٹ سے ضربیں لگانے لگے اور انہیں کروس کے احکامات کی تعمیل کرنی پڑی۔

براؤن کو دفن کرنے کے بعد جب وہ اپنے ساتھیوں میں واپس پہنچے تو چند سیکنڈ میں ہی ہر ایک کو براؤن کی موت کا پتہ چل گیا۔ اس رات کسی نے کھانا نہیں کھایا سب کے دل اداس تھے۔ رات کو لیفٹیننٹ جینر نے جب وڈبرائٹ اور سینبری کو آپس میں سرگوشیاں کرتے ہوئے دیکھا تو اسے یہ سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ وہ دونوں کوئی منصوبہ بنا رہے ہیں۔

"سب لوگ میری بات سنو!" جینر نے قدرے بلند آواز میں بولا۔ "براؤن مر چکا ہے کسی انتقامی کارروائی کے بارے میں سوچنا بیکار ہے۔ اس کا کوئی نتیجہ نہیں نکلے گا سوائے اس کے کہ ہمیں بھی براؤن کی طرح اذیت ناک موت سے ہمکنار ہونا پڑے۔ اب سو جاؤ"

اگلے دن اتوار تھا۔ اس روز ان سے کوئی کام نہیں لیا جاتا تھا بلکہ یہودیوں سے الگ ایک چھوٹے سے میدان میں کچھ دیر کے لئے جسمانی ورزش اور کھیل کود کی بھی اجازت دے دی جاتی تھی لیکن اس روز کھیل میں کسی کا دل نہیں لگ رہا تھا۔ ذہنوں پر بوجھ سا تھا۔ جیبری ملحق دوسرے میدان میں یہودیوں کی طرف دیکھ رہا تھا۔ قریب پہنچ کر اس نے یہودی سے سائمن کے بارے میں پوچھا تو وہ جواب دیئے بغیر دوسری طرف نکل گیا۔ دوپہر کے قریب سلام ٹامسن اور بروک کو بھی قید تنہائی سے نکال کر ان کے پاس پہنچا دیا گیا۔ ان کی حالت بتا رہی تھی کہ ان تین دنوں میں انہیں تشدد کا نشانہ بنایا جاتا رہا ہے اور جب انہیں براؤن کی موت کے بارے میں بتایا گیا تو ان کے چہروں پر یکدم مردنی سی چھا گئی ان تینوں کا بھی یہی خیال تھا کہ ان میں کوئی غدار موجود ہے لیکن اس کا پتہ چلانا دشوار تھا کہ وہ غدار کون ہے۔

اگلی صبح آسمان بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ ٹھنڈی ہوا ہڈیوں کے گودے تک میں سرایت کر رہی تھی۔ انہیں بہت صبح بیرک سے نکال کر

...میں پکڑا کر دیا گیا اور تقریباً چار گھنٹے بعد کام کے بارے میں ہدایات دی گئیں۔ آج انہیں آلوؤں کی بوریاں اٹھا کر اسٹور شیڈ میں رکھنا تھیں۔ ھیری ہولسٹن کے بتائے ہوئے شیڈ میں جانے کے لئے موقع کی تلاش میں تھا لیکن محافظ سائے کی طرح اُس کے ساتھ لگا ہوا تھا۔ بالآخر سہ پہر کے قریب جب وہ بوری اٹھا کر شیڈ میں داخل ہوا تو محافظ باہر ہی رک گیا اور سگریٹ سلگا کر کش لگانے لگا۔ اس موقع کو غنیمت سمجھتے ہوئے ھیری نے بوری نیچے پھینکی اور ہالسٹن کے بیان کے مطابق فرش میں اُبھری ہوئی اینٹ تلاش کرنے لگا۔ وہ اپنی اس کوشش میں جلد ہی کامیاب ہو گیا اور جلدی سے نیچے جھک کر اینٹ اکھاڑنے کی کوشش کرنے لگا۔ اس کا جسم پسینے سے شرابور تھا۔ وہ بار بار دروازے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اینٹ کے نیچے ایک چھوٹا سا گڑھا تھا جس میں موٹی کپڑے کا ایک چھوٹا سا پیکٹ رکھا ہوا تھا۔ عین اسی لمحہ دروازے کی طرف سے بھاری قدموں کی آواز سُن کر وہ چونک گیا اور پیکٹ کو قمیض کے نیچے چھپا کر جلدی سے اٹھ کھڑا ہوا۔ اور بوریاں اٹھا اٹھا کر سیدھی کرنے لگا۔ ساتھ ہی وہ گالیاں بھی بکتا جا رہا تھا۔ محافظ چند لمحے عجیب سی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتا رہا پھر اسے شیڈ سے باہر نکلنے کا اشارہ کیا۔

"تم نے شیڈ میں بہت دیر لگا دی کچھ کامیابی ہوئی۔" کچھ دیر بعد سلاطم نے اس سے پوچھا تو وہ یکدم چونک گیا۔ اس نے سلاطم کو ٹال دیا اور موقع پا کر وہ پیکٹ کوٹ کی جیب میں ڈال دیا جو اس نے اتار کر ایک طرف رکھا ہوا تھا۔ کام کے دوران اس کی نظریں کوٹ پر ہی جمی رہیں۔ اور پھر شام کو کام ختم ہونے کے بعد جب وہ بیرک میں داخل ہونے لگے تو کروس نے انہیں گیٹ پر روک دیا اور بتایا کہ اندر داخل ہونے سے پہلے سب کی تلاشی لی جائے گی۔ یہ سنتے ہی ھیری کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ اسے یہ سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ وہ پکڑا گیا تو اس کا حشر بھی براؤن سے مختلف نہیں ہو گا لیکن قسمت نے اس کی یاوری کی کروس ابھی دو آدمیوں کی تلاشی لے پایا تھا کہ کرنل والفرڈ کہیں سے نمودار ہوا اور کروس کو تلاشی کا سلسلہ ختم کر کے کوئی اور ہدایات دے ڈالیں۔ کروس اُسے گھورتا ہوا ایک طرف کو چل دیا اور قیدیوں کو بلا تلاشی اندر داخل ہونے کی اجازت دیدی گئی۔ بیرک میں داخل ہوتے ہی انہوں نے اطمینان کا سانس لیا۔ سلاطم نے پتلون کی جیب سے ایک چھوٹا سا پیکٹ نکالا جس میں چینی بھری ہوئی تھی۔ اس نے خدا کا شکر ادا کیا کہ اگر اس کی تلاشی لی جاتی تو وہ بے موت مارا جاتا۔

ھیری نے اپنے کا بک نما خانے میں پہنچ کر وہ پیکٹ جیب سے نکالا اور جیسے ہی اس نے پیکٹ کھولا اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ اس کی نظریں ایک جرمن لوگر پستول پر جم کر رہ گئیں۔ پستول بھرا ہوا اور بہترین حالت میں تھا۔ اس کے ساتھ دو فالتو میگزین بھی تھے جن میں پوری گولیاں موجود تھیں۔ ھیری نے پستول پر گرفت جما دی۔ اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ آ گئی۔ اب کم از کم وہ نہتا نہیں تھا۔

پستول بہترین حالت میں تھی۔ وہ اپنے کا بک نما کمرے کا دروازہ بند کئے بیٹھا سوچ رہا تھا کہ اب اگر اسے فرار کا موقع مل گیا تو یہ پستول اس کے لئے بہترین مددگار ثابت ہو گا لیکن اس نے یہ بھی سوچ لیا تھا کہ اس کھلونے کے بل بوتے پر وہ فرار کی کوشش نہیں کرے گا کیونکہ محافظوں کی رائفلوں اور واچ ٹاورز پر نصب مشین گنوں کے مقابلے میں اس ننھے سے پستول کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ بیرک میں قدموں کی آہٹ سُن کر وہ چونک گیا اور پستول چھپانے کے لئے چھوٹی سی کوٹھری میں چاروں طرف نظریں دوڑانے لگا۔ کوئی جگہ بھی محفوظ نہیں تھی کیونکہ جب جرمن محافظ بیرک میں آتے تھے تو ایک ایک چیز کی تلاشی لے کر ہی باہر نکلتے تھے۔ بالآخر اُس کی نظریں دیوار کے ایک تختے پر جم گئیں جو اپنی جگہ سے ذرا سا اُکھڑا ہوا تھا۔ درمیانی خلا اگرچہ اتنی زیادہ نہیں تھی کہ کوئی چیز آسانی سے چھپائی جا سکتی لیکن اُس نے پستول اور دونوں میگزین چمڑے کی تھیلی میں ڈال کر اس خلا میں ٹھونس دیئے۔ اُسے اطمینان تھا کہ خلا میں تاریکی ہونے کے باعث اس تھیلی کو نہیں دیکھا جا سکتا۔ پھر اُس نے دروازہ کھول دیا۔ سیفری اُس کی طرف آ رہا تھا۔ عین اُس وقت لائٹ آف ہو گئی اور وہ لوگ قریب قریب بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔ لیکن جلد ہی اُس کے ذہن پر غنودگی سی طاری ہونے لگی۔ ھیری نیند میں بھی بے چینی سی محسوس کرتا رہا۔

صبح ہڈیوں میں اُتر جانے والی سردی میں لپٹی ہوئی تھی۔ کرنل والفرڈ نے لیفٹیننٹ ھینرے کو اپنے آفس میں طلب کر لیا۔ کچھ دیر بعد اُس نے واپس آ کر بتایا کہ آج ہمیں کیمپ سے باہر پہاڑی کے دامن میں واقع آرامشین پر کام کے لئے بھیجا جائے گا۔ لیکن ساتھ ہی یہ خبر بھی سنائی کہ کام کے دوران کوئی بھی فرار کی کوشش نہیں کر سکے گا کیونکہ وہ چھ چھ کی ٹولیوں میں ایک دوسرے کے ساتھ زنجیروں میں بندھے ہوں گے اور محافظوں کی تعداد بھی تقریباً اتنی ہی ہو گی جتنی قیدیوں کی اور محافظ کسی قیدی کی معمولی سی حرکت پر بھی اُس کو گولی مار دیں گے۔ اس کے کچھ ہی دیر بعد اُن کے پیروں میں زنجیریں ڈال دی گئیں۔ ہر قیدی کے درمیان چھ فٹ کی زنجیر چھوڑی گئی تھی اور اس طرح ہر زنجیر میں چھ چھ قیدی تھے۔ ھیری کی پارٹی میں رائل ایئر فورس کا سینڈی ڈیوس سب سے آگے تھا۔ ڈیوس کے بارے میں سب ہی جانتے تھے کہ وہ خاصا گرم مزاج تھا۔ وہ گزشتہ دو سال سے کیمپ کی سختیاں جھیل رہا تھا۔ ہر وقت جرمن محافظوں کو گالیاں بکتا رہتا جس کی وجہ سے کئی مرتبہ اُن کے تشدد کا نشانہ بن چکا تھا۔

جب انہیں مارچ کرتے ہوئے مین گیٹ کی طرف لے جایا گیا تو یہ دیکھ کر ھیبری کے دل پر مایوسی چھا گئی کہ گیٹ الیکٹرک سسٹم کے تحت بند ہوتا اور کھلتا تھا۔ گویا گیٹ کے ذریعے فرار کا خیال ذہن میں نہیں لایا جا سکتا تھا۔ خاردار تاروں کے جنگلوں کے بارے میں بھی نہیں سوچا جا سکتا تھا کیونکہ اُن میں ہر وقت برقی رو دوڑتی رہتی تھی۔ اس کے علاوہ مسلح محافظ اور شکاری کتے بھی گشت کرتے رہتے تھے۔ یہ سب کچھ دیکھ کر ھیبری کو جرمنوں کے اس دعوے کو تسلیم کرنا پڑا کہ اس کیمپ سے فرار ممکن نہیں ہے۔ مین گیٹ سے نکل کر وہ اپنے آپ کو ایک تنگ سی سڑک پر گھسیٹتے رہے جو بتدریج بلند ہوتی ہوئی پہاڑی کی طرف چلی گئی تھی۔ محافظوں کی دھمکیوں کے باوجود ڈریوس کے منہ سے گالیوں کا سلسلہ جاری تھا۔ پہاڑی کے دامن میں ہموار جگہ پر آہنی چادر کی چھت والا ایک بہت بڑا شیڈ تھا جس میں ایک بڑی اور لاتعداد چھوٹی آرا مشینیں نصب تھیں جن پر رضاکار جرمن اور مقبوضہ علاقوں کے باشندے کام کر رہے تھے اُن میں زیادہ تعداد فرانسیسیوں کی تھی۔ انہوں نے محض سرسری نگاہ سے قیدیوں کی طرف دیکھا اور اپنے کام میں مصروف رہے پہاڑی کی چوٹی سے دامن تک ایک ڈھلوان سا راستہ بنا ہوا تھا اوپر سے درختوں کے تنے لڑھکا دیئے جاتے جو دامن میں دُور دُور تک بکھرے ہوئے تھے۔

ان بھاری تنوں کو اٹھا کر شیڈ کے اندر مشینوں کے قریب پہنچانا تھا انہوں نے فوراً ہی کام شروع کر دیا۔ محافظوں نے انہیں کام کے دوران ایک لمحہ بھی آرام کرنے کا موقعہ نہیں دیا۔ سورج نصف النہار پر پہنچ چکا تھا۔ اگرچہ موسم سرد تھا لیکن اُن کے جسموں سے پسینہ بہہ رہا تھا اور بڑی شدت سے پیاس محسوس ہو رہی تھی۔ درختوں کے تنے خاصے بھاری تھے چھ آدمی بھی مل کر ایک تنے کو نہیں اٹھا سکتے تھے لیکن وہ جیسے تیسے کام کرتے رہے کام کے دوران جو ذرا بھی سستی دکھاتا محافظ اُس کی پشت اور کندھوں پر رائفل کا بٹ اس زور سے رسید کر دیتا کہ قیدی بیچارہ بلبلا کر رہ جاتا عین دوپہر کے وقت انہیں کچھ دیر آرام کی اجازت دیدی گئی۔ ایک ایک کپ پانی بھی دیا گیا تھکن سے ھیبری کا جسم بُری طرح دُکھ رہا تھا اور وہ سوچ رہا تھا کہ اگر اسے اس وقت فرار کا موقع مل جائے تو وہ چند قدم سے زیادہ نہیں چل سکے گا۔ ڈریوس اُس کے قریب ہی بیٹھا ہوا تھا۔ اُس کے منہ سے حسب معمول غلیظ گالیاں خارج ہو رہی تھیں ھیبری نگراں محافظ کی طرف دیکھ رہا تھا جو شیڈ کے نیچے بیٹھا پائپ کے کش لگاتے ہوئے کام کرنے والوں کی طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ پائپ سلگانے کے لئے بار بار ماچس کی تیلی جلاتا اور پھر اُسے بجھائے بغیر نیچے پھینک دیتا ھیبری سوچ رہا تھا کہ اگر پٹرول کے چند قطرے دستیاب ہو جائیں تو یہ پورا پلانٹ تباہ ہو سکتا تھا۔ اس پلانٹ میں بڑے بڑے شہتیروں کو چھوٹی چھوٹی پیٹیوں میں تبدیل کیا جاتا جو ہوائی جہاز اور اسی قسم کی دوسری چیزیں بنانے میں استعمال ہوتی تھیں اس پلانٹ کی تباہی جرمنوں کی جہاز سازی کی صنعت کو متاثر کر سکتی تھی۔ وہ دوسرے کیمپوں میں بعض قیدیوں کے ساتھ مل کر اسی قسم کی تخریبی کارروائیوں میں حصہ لیتا رہا تھا لیکن فی الحال جیسے اس کیمپ میں کسی تخریبی کارروائی کے بارے میں سوچا بھی نہیں جا سکتا تھا۔ صرف آدھے گھنٹے میں انہیں دوبارہ کام شروع کرنے کا حکم دیا گیا۔ صرف ایک قیدی نے اُٹھنے میں حیل وحجت سے کام لیا تھا لیکن جرمنوں نے اس کا جو حشر کیا اسے دیکھ کر دوسرے قیدی خاموشی سے اُٹھ گئے۔ کام کے دوران پیاس کی شدت سے ان کا بُرا حال ہو رہا تھا لیکن انہیں پانی پینے کی اجازت نہیں تھی۔ ھیبری اور اس کے ساتھی جب ایک بھاری شہتیر پھینک کر واپس جانے لگے تو ایک رضاکار کارکن کو پانی کی بالٹی لے جاتے دیکھ کر ھیبری کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ ھیبری نے غیر محسوس انداز میں اپنا پیر آگے کر دیا۔ وہ کارکن بھی لڑکھڑایا اور پانی کی بالٹی ھیبری اور ڈریوس پر اُلٹ گئی۔ ایک محافظ نے ان پر ٹھوکروں کی بارش کر دی۔ ھیبری اور ڈریوس اپنے اوپر گرا ہوا پانی زبان سے چاٹتے رہے اس طرح اِن کی پیاس کسی حد تک بجھ گئی تھی۔ ڈریوس حسب معمول جرمنوں کو گالیاں بک رہا تھا۔ محافظ اسے نظر انداز کرتے رہے لیکن شام کو کام ختم کرنے کے بعد جب واپس جانے کے لئے انہیں لائن میں کھڑا کیا گیا تو ڈریوس نے چیخ چیخ کر ہٹلر اور تمام جرمن نازیوں کی ماں بہنوں سے رشتے ناطے جوڑنے شروع کر دیئے تو انچارج محافظ کی قوت برداشت جواب دے گئی۔ اس نے ہولسٹر سے ریوالور نکال کر گولی چلا دی جو ڈریوس کی پیشانی میں پیوست ہو گئی اور وہ آخری گالی بکتا ہوا ڈھیر ہو گیا۔ لیفٹیننٹ ھیبری نے احتجاج کرنے کے لئے منہ کھولا لیکن محافظ کو دوبارہ ریوالور نکالتے دیکھ کر خاموش ہو گیا۔ دوسرے قیدیوں کے ہونٹ بھی سِل گئے تھے۔ محافظ نے چلا کر انہیں مارچ کرنے کا حکم دیا تو ایڈریو، ڈریوس کی لاش کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔ "کیا اس کے ساتھ... میرا مطلب ہے لاش..."

"ہاں! لاش اسی طرح زنجیروں میں جکڑی رہے گی۔ اب مارچ کرو۔" محافظ دہاڑا۔

کوئی احتجاج یا اعتراض کرنا بیکار تھا۔ اس لئے وہ لوگ خاموشی سے چل دیئے۔ اِن کے چہرے جھکے ہوئے تھے اور ہونٹ سل گئے تھے مگر جرمنوں کے قہقہے فضا میں گونج رہے تھے۔ تمام قیدی دن بھر کی مشقت سے تھکے ہوئے تھے۔ اِن کے پیر زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے۔ قدم اٹھانا محال ہو رہا تھا لیکن انہیں اپنے پیچھے ایک لاش کو بھی گھسیٹنا پڑ رہا تھا۔ بالآخر کیمپ کے صحن میں پہنچ کر انہیں آدھے گھنٹے تک کھڑا رکھا گیا پھر زنجیریں کھول گئیں اور ڈریوس کی لاش کو وہاں سے ہٹا دیا گیا۔ پھر انچارج محافظ اِن کے سامنے کھڑے ہو کر تقریر جھاڑنے لگا کسی کو بھی ہوش نہیں تھا کہ وہ کیا بک رہا ہے۔ صرف سلام

آدمی تھا جو اس کی ٹوٹی پھوٹی انگریزی سن رہا تھا۔ محافظ کے خاموش ہونے پر سلالم کے منہ سے مغلظات کا طوفان اُبل پڑا۔ انچارج محافظ نے اپنے ماتحتوں کو کوئی حکم دیا اور سلالم کو دوسرے قیدیوں سے الگ کر کے اس بلاک کی طرف بھیج دیا گیا جہاں سزا بھگتنے والے قیدیوں کو رکھا جاتا تھا۔ اس روز سزا کے طور پر باقی قیدیوں کو بھی معمول سے آدھا راشن دیا گیا۔ جیری کو سلالم کی فکر تھی۔ لیکن سینبری نے بتایا کہ سلالم ایک بہترین قسم کا باورچی بھی ہے اور جرمن اس سے کم از کم ایک ہفتے تک باورچی خانے میں کام لیں گے۔ جیری نے بڑبڑانے والے انداز میں کہا کہ وہ اس جہنم سے نکلنے کی ہر ممکن کوشش کریگا۔ تو سینبری نے چونک کر اس کی طرف دیکھا تھا۔

اپنی بیرک میں پہنچ کر انہوں نے بددلی سے کھانا کھایا اور اپنے اپنے کابکوں میں بیٹھ گئے۔ اس رات جلد ہی لائٹ آف کر دی گئی لیکن وہ لوگ اس قدر تھکے ہوئے تھے کہ لائٹ آف ہونے سے پہلے ہی سو چکے تھے۔ اگلی صبح انہیں پھر بیرک سے نکال کر زنجیریں پہنا دی گئیں اور وہ محافظوں کی نگرانی میں پہاڑی پر واقع پلانٹ کی طرف مارچ کرنے لگے۔ آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے۔ ہوا میں خنکی تھی اور بارش کا امکان بھی تھا۔ آج جیری لیفٹیننٹ جینرے کی پارٹی میں تھا۔ جیری کے پوچھنے پر جینرے نے خیال ظاہر کیا کہ شاید انہیں ایک ہفتہ تک اس پلانٹ پر کام کرنا پڑے گا۔ یہ دن بھی پہلے روز کی طرح شہتیر ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرتے ہوئے گزر گیا۔ شام کا اندھیرا پھیلنے پر انہیں کیمپ میں واپس لے آیا گیا اور اس روز انہیں راشن کا پورا کوٹہ دیا گیا۔ وہ لوگ کھانا کھاتے ہی اپنی اپنی جگہوں پر لیٹ کر نیند کی آغوش میں پہنچ گئے۔

تیسرا دن شروع ہوا تو ہلکی ہلکی بارش ہو رہی تھی۔ سردی بھی نسبتاً زیادہ تھی لیکن وہ لوگ کام کرتے رہے۔ لیکن اس روز دو اہم واقعات پیش آئے۔ آرا مشین پر کام کرنے والا ایک کارکن پھسل کر آرے کے سامنے گر گیا۔ وہ فرانسیسی تھا۔ مشین نے اس کے جسم کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ مشین چند منٹ کے لئے بند ہو گئی۔ فرانسیسی کی لاش اٹھا کر ایک طرف ڈال دی گئی اور کام دوبارہ شروع ہو گیا۔ اس حادثے پر نہ تو کوئی کھل کر افسوس کرنے والا تھا اور نہ ہی کسی میں احتجاج کی جرأت تھی۔ حادثے کے وقت جیری مشین کے قریب ہی تھا۔ وہ اس فرانسیسی کارکن کی طرف دیکھ رہا تھا جس سے پہلے روز پانی کی بالٹی گری تھی۔ فرانسیسی کی آنکھوں میں نفرت کے شعلے چمک رہے تھے۔ جیری یہ سوچے بغیر نہ رہ سکا کہ ممکن ہے یہ فرانسیسی کارکن فرار میں اس کی کوئی مدد کر سکے لیکن بدقسمتی سے اسی دوپہر وہ فرانسیسی کارکن بجلی کے ننگے تار سے چھو گیا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس کا جسم خاکستر ہو گیا۔ اس کی لاش بھی ایک طرف ڈال دی گئی اور کام جاری رہا۔

جیری اور لیفٹیننٹ جینرے کی پارٹی میں کوزمے نامی ایک برطانوی قیدی

بھی تھا۔ وہ ھیبری اور ھینزے کے درمیان تھا۔ وہ دن بھر خاموشی سے ان کے ساتھ کام کرتا رہا۔ اس کی زبان سے کبھی کوئی شکوہ نہیں سنا گیا۔ نہ ہی اس نے اپنے ساتھیوں سے کوئی بات کی تھی۔ اس سہ پہر ایک بھاری شہتیر گراتے ہی کونوے بھی دھڑام سے نیچے گر گیا۔ ایک ہی زنجیر میں منسلک ھیبری اور اس کے ساتھی کونوے کے گرد جمع ہو گئے۔ ھینزے نے جھک کر اس کا بغور جائزہ لیا اور پھر بتایا کہ اگرچہ وہ کوئی ڈاکٹر تو نہیں لیکن کونوے کے بارے میں یہ بتانا مشکل نہیں کہ اس کی حرکت قلب بند ہو چکی ہے۔ اس دوران محافظ انچارج گالیاں بکتا ہوا ان کے سر پر پہنچ گیا۔ ھینزے نے جب بتایا کہ کونوے مر چکا ہے تو محافظ نے پہلے ھینزے کو گھور کر دیکھا۔ پھر کونوے کے جسم پر ٹھوکریں مارنے لگا لیکن اس کے جسم میں کوئی حرکت پیدا نہیں ہوئی۔ لاش کی اس بے حرمتی پر قیدیوں کے خون کھول اٹھے۔ لیفٹیننٹ ھینزے نے احتجاج کرنا چاہا تو محافظ نے ریوالور نکال لیا۔ مجبوراً ھینزے کو اپنی زبان بند رکھنا پڑی۔ محافظ نے ریوالور کی نال گھما دی اور یکے بعد دیگرے دو مرتبہ ٹرائیگر دبا دیا۔ دو گولیاں کونوے کے مردہ جسم میں پیوست ہو گئیں۔ محافظ نے اطمینان سے ریوالور بیلٹ میں اڑسا اور چلا کر انہیں کام جاری رکھنے کا حکم دیا۔ ھینزے نے ایک بار پھر احتجاج کیا کہ کونوے کی لاش کو زنجیر سے کھول دیا جائے کیونکہ وہ لاش کو گھسیٹتے ہوئے کام نہیں کر سکیں گے۔ محافظ چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر لاش کے پیروں سے زنجیر کھول دی گئی اور کام دوبارہ شروع ہو گیا۔ کام کے دوران ھیبری کی نظریں ایک بار پھر انچارج محافظ کی طرف اٹھ گئیں جو شیڈ کے نیچے بیٹھا پائپ کے کش لگا رہا تھا۔ اس کے کچھ ہی دیر بعد سینبری کی ایک حرکت نے ھیبری کو چونکا دیا۔ وہ جیسے ہی ایک شہتیر پھینک کر مڑے۔ سینبری نے وہاں پڑی ہوئی ایک آہنی سلاخ اٹھا کر قمیص کے اندر چھپالی۔ ھیبری سوچے بغیر نہ رہ سکا کہ یہ آہنی سلاخ سینبری کو کسی بہت بڑی مصیبت میں مبتلا کر دیگی۔

اینڈریو اپنے ساتھیوں کو بتا رہا تھا جب وہ کیمپ شلاگ فائیو میں تھے تو انہوں نے کمرے کے چوبی فرش کے نیچے سے سرنگ کھودی تھی جس کا دوسرا سرا کیمپ کے حفاظتی جنگلے سے باہر تھا۔ درمیانی فاصلہ ساٹھ گز سے زیادہ نہیں تھا۔ وہ لوگ مکمل سرنگ کھودنے میں کامیاب ہو گئے تھے لیکن عین وقت پر پکڑے گئے۔ بروک کو یہ سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ وہ یہاں بھی سرنگ کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ اس نے فوراً ہی بات کاٹتے ہوئے کہا کہ اس کیمپ میں سرنگ کے بارے میں سوچنا ہی حماقت ہے کیونکہ پہلی بات تو یہ کہ بیرکوں کا فرش چار فٹ کی گہرائی تک سیمنٹ اور کنکریٹ کا بنا ہوا ہے پھر جنگلے کا فاصلہ بھی چار سو گز سے کسی طرح بھی کم نہیں۔ اگر سرنگ کھودنے کا کام شروع کر بھی دیا جائے تو فرش سے اکھڑنے والے سیمنٹ کے ٹکڑے کہاں غائب کیے جائیں گے۔ ھیبری نے ان کی طرف سے کروٹ بدل لی اور آنکھیں بند کر کے سوچنے لگا۔ اس کیمپ میں آتے ہی اس نے بھی سرنگ کے بارے میں سوچا تھا لیکن اسے جلد ہی احساس ہو گیا تھا کہ اس کیمپ میں سرنگ لگانا ناممکن ہے۔ پھر اس کے ذہن میں پستول کا خیال ابھر آیا جو اس نے دیوار کے تختے میں چھپا رکھی تھی۔ اسے حیرت تھی کہ ہولسٹن نے یہ پستول کہاں سے حاصل کیا ہوگا؟ اس کے ساتھ ہی اس کے ذہن میں یہودی سائمن کا خیال ابھرا۔ وہ یقیناً جانتا ہوگا۔ ہولسٹن نے بتایا تھا کہ سائمن کا کیمپ سے باہر کسی سے رابطہ قائم ہے۔ اگر وہ سائمن سے ملنے میں کامیاب ہو جائے تو اسے فرار میں مدد مل سکتی ہے یہی سب کچھ سوچتے ہوئے ھیبری سو گیا لیکن آدھی رات کے قریب معمولی سے کھٹکے کی آواز سن کر اس کی آنکھ کھل گئی اور وہ اٹھ کر تاریکی میں گھورنے لگا۔ اس کی سماعت سے مدھم سرگوشیوں کی آواز ٹکرائی دروازے کے قریب دو انسانی ہیولے کھڑے تھے جو اچانک ہی غائب ہو گئے اور پھر دوسرے ہی لمحے وہ یہ دیکھ کر چونک گیا کہ دروازہ کھلا ہوا تھا۔ وہ اٹھ کر دروازے کے قریب پہنچ گیا۔ کھلے ہوئے تالے میں ایک تار پھنسی ہوئی تھی اس نے قیدیوں کے کابکوں کی طرف دیکھا۔ سینبری اور واکرسٹ کی جگہ خالی تھی۔ ھیبری کو یہ سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ باہر نکلنے والے وہ دونوں ہی تھے۔ ھیبری نے پیچھے مڑ کر دیکھا دن بھر کی مشقت سے تھکے ہوئے تمام قیدی گہری نیند سو رہے تھے۔ وہ جلدی سے اپنے کیبن میں پہنچا اور دیوار کا تختہ ہٹا کر ریوالور اور دونوں میگزین نکالے اور دبے قدموں دروازے کی طرف لپکا۔ دوسری طرف کے ہال میں بھی تمام قیدی گہری نیند سو رہے تھے وہ احتیاط سے چلتا ہوا بیرونی دروازے تک پہنچ گیا۔ یہ دروازہ بھی کھلا ہوا تھا۔ دروازے کے سامنے سیڑھیوں پر ایک محافظ آڑھا ترچھا لیٹا ہوا تھا یا تو وہ بیہوش تھا یا اسے ختم کیا جا چکا تھا۔ باہر مدھم چاندنی تھی ھیبری نے ادھر ادھر دیکھا۔ سینبری یا واکرسٹ میں سے کوئی بھی نظر نہیں آیا۔

واچ ٹاور پر گھومتی ہوئی آرک لائٹ کی روشنی جیسے ہی دوسری طرف ہوئی وہ دروازے سے نکل کر دیوار کے ساتھ ساتھ چلتا ہوا اس جگہ پہنچ گیا جہاں سے مین گیٹ اور اس کے پیچھے بلند چوبی دیوار صاف نظر آ رہی تھی اور ٹھیک اسی وقت واچ ٹاور کی روشنی گردش کرتی ہوئی دوبارہ واپس آنے لگی۔ اس روشنی میں ھیبری یہ دیکھ کر چونک گیا کہ جنگلے کے قریب سو سو گز کے فاصلے پر ایک ایک محافظ کھڑا تھا۔ جرمن شاید مطمئن تھے کہ رات کو بیرکوں کے دروازے مقفل رہتے ہیں۔ تاروں کی برقی رو اور کتوں کی وجہ سے کسی کا فرار ہونا ممکن نہیں۔ لیکن ھیبری سوچنے لگا کیا گیٹ پر بھی رات کو محافظوں کی تعداد کم کر دی جاتی ہے یا نہیں؟ وہ گیٹ کی طرف دیکھنے لگا۔ دفعتاً گیٹ کی طرف سے برقی شعلے چمکتے ہوئے دکھائی دیئے۔ اس کے بعد پورا کیمپ تاریکی میں ڈوب گیا۔ اب سوائے مدھم چاندنی کے کوئی روشنی نہیں تھی

یہ سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ سیلبری نے آر اشین سے چرائی ہوئی آہنی سلاخ سے بجلی کا انتظام فیل کر دیا تھا لیکن اس نے شاید اس بات کا خیال نہیں رکھا تھا کہ جرمنوں نے یہاں ایک ایسا جدید نظام قائم کر رکھا تھا کہ جیسے ہی بجلی کا انتظام کسی وجہ سے فیل ہوا ایک خودکار نظام بج اٹھا تھا۔

اور اب یہ الارم چیخ رہا تھا۔ دفعتاً ھیری کی نظریں ان دونوں پر جم گئیں۔ چاندنی میں دور سے شکل پہچاننا مشکل کام تھا لیکن یہ دیکھا جا سکتا تھا کہ ان میں ایک تو کسی آدمی کو گھسیٹتا ہوا سائے میں لے رہا تھا اور دوسرا جنگلے پر چڑھ رہا تھا۔ ھیری نے ریوالور پر گرفت مضبوط کر لی اور اپنی جگہ سے نکل کر گیٹ کی طرف دوڑنا ہی چاہتا تھا کہ اچانک لاتعداد محافظوں کو دیکھ کر بے حس و حرکت ہو کر رہ گیا۔ لاتعداد محافظ جنگلے کے قریب پہنچ چکے تھے۔

کچھ محافظوں نے قیدیوں کی بیرکوں کو گھیر میں لے لیا اور باقی پورے کیمپ کی تلاشی لینے لگے۔ یہ سوچتے ہوئے بھی کہ اب اسے یہاں سے ہٹ جانا چاہیئے ھیری اپنی جگہ پر بے حرکت کھڑا رہا اس کی نظریں ھیری اور وٹیر ائٹ پر جمی ہوئی تھیں اگر رات تاریک ہوتی تو ممکن ہے وہ کسی کی نظروں میں نہ آتے لیکن چاندنی رات نے انہیں آشکار کر دیا کسی محافظ نے چیخ کر کچھ کہا اور درجنوں محافظ جنگلے کی طرف دوڑے۔ ایک سایہ جنگلے کے بالکل اوپر پہنچ چکا تھا وہ شاید سیلبری تھا۔ بیک وقت کئی گولیاں اس کے جسم میں پیوست ہو گئیں اور وہ چھلنی ہو کر نیچے گر پڑا۔ دوسرا سایہ ابھی جنگلے کے نیچے ہی تھا اپنے ساتھی کا حشر دیکھ کر اس نے فوراً ہی ہاتھ سر سے اوپر اٹھا دیئے لیکن محافظوں کی گولیاں اسے بھی چاٹ گئیں اور اس کے چھلنی جسم سے بہنے والا خون زمین کو تر کرنے لگا۔ ھیری زیادہ دیر تک وہاں نہیں رک سکا۔ وہ خاموشی سے اپنی بیرک میں واپس آگیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ جیسے ہی یہ انکشاف ہوگا کہ فرار کی کوشش کرنے والے برطانوی تھے محافظ فوراً اس بیرک پر دھاوا بول دیں گے۔ پہلے ہال میں بہت سے قیدی جاگ رہے تھے۔ ایک عورت کے رونے کی آواز بھی سنائی دے رہی تھی لیکن ھیری ان کی طرف توجہ دیئے بغیر اپنے سیل میں داخل ہو گیا۔ یہاں اب بھی سب لوگ گہری نیند سو رہے تھے۔ دفعتاً اسے اپنے ہاتھ میں پکڑے ہوئے ریوالور کا خیال آگیا اس نے جلدی سے روشندان کی طرف دیکھا جس کے تانے میں اب بھی تار پھنسا ہوا تھا۔ دوسرے ہی لمحے وہ باتھ روم والے کیبن میں گھس گیا اور ریوالور اور فالتو میگزین دیوار کے اس تختے کے پیچھے چھپا دیئے جہاں پہلے رکھے گئے تھے وہ اپنے کیبن میں پہنچ کر لیٹا ہی تھا کہ دروازہ ایک دھماکے سے کھلا اور جرمن محافظ اندر گھس آئے۔ ایک نے چیخ کر تمام قیدیوں کو کمرے کی پچھلی دیوار کے ساتھ کھڑے ہونے کا حکم دیا اس حکم کی فوراً تعمیل کی گئی وہ رائفلوں کے بٹ بھی استعمال کر رہے تھے۔ قیدی آنکھیں ملتے ہوئے دیوار کے ساتھ کھڑے ہو گئے محافظوں

کی ٹارچوں کی تیز روشنیاں اُن کے چہروں کا جائزہ لے رہی تھیں۔ کچھ دیر بعد ہی لائٹ آ گئی۔ تمام قیدی متوحش نگاہوں سے محافظوں کی طرف دیکھ رہے تھے۔ وہ ابھی تک معاملے کی نوعیت کو نہیں سمجھ سکے تھے لیفٹیننٹ ھینرے نے ایک قدم آگے بڑھ کر محافظوں کے انچارج کیپٹن سے اس ہنگامے کی وجہ پوچھی تو وہ غرّایا۔ "کیا واقعی تم کچھ نہیں جانتے لیفٹیننٹ"؟ کیپٹن نے اس کے چہرے پر نظریں جما دیں۔ لیفٹیننٹ ھینرے نے نفی میں سر ہلا دیا تو کیپٹن دوبارہ بولا۔ "کیا تمہارے تمام ساتھی یہاں موجود ہیں"؟ ھینرے اب بھی کچھ نہیں سمجھ سکا تھا۔ لیکن جب اُس نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا تو اُسے فوراً ہی احساس ہو گیا کہ سیبری اور وبرائٹ غائب تھے۔ اُس نے گہرا سانس لیتے ہوئے جرمن کیپٹن کی طرف دیکھا اور مدھم لہجے میں پوچھا "کیا وہ دونوں فرار ہو گئے ہیں"؟ جرمن کیپٹن نے بتایا کہ انہوں نے کوشش تو کی تھی لیکن دونوں مر چکے ہیں"۔ اسی دوران ایک محافظ نے دروازے کے تالے کی طرف اشارہ کیا جس میں تار پھنسا ہوا تھا۔

"اوہ"۔ کیپٹن تالے کی طرف دیکھتے ہوئے بڑبڑایا۔ "تو وہ اس طرح یہاں سے نکلے تھے لیکن تم میں سے کس کس کو معلوم تھا کہ وہ فرار کا منصوبہ بنا رہے ہیں"؟ اس نے غرّا کر پوچھا۔ لیفٹیننٹ ھینرے کوئی جواب دینا ہی چاہتا تھا کہ بروک بول اُٹھا کہ "اگر ہمیں معلوم ہوتا تو اس وقت ہم یہاں موجود نہ ہوتے"۔ جرمن کیپٹن میگنس ہیلم نے گہری نظروں سے بروک کی طرف دیکھا۔ اس کیپٹن سے پہلے بھی ان کا واسطہ پڑ چکا تھا۔ اور شاید اس کیمپ میں یہ واحد جرمن تھا جس کے دل میں انسانیت کا کچھ مادہ موجود تھا۔ کیپٹن بھی ان کے چہروں کے تاثرات سے یہ اندازہ لگا چکا تھا کہ یہ لوگ جھوٹ نہیں بول رہے اور ان دونوں کے پروگرام سے لاعلم تھے۔

"شاید تم لوگ ٹھیک کہتے ہو"۔ جرمن کیپٹن مدھم لہجے میں بولا۔ "یہاں سے فرار کی کوشش حماقت کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ شکر کرو کہ تم لوگ ان دونوں کے پروگرام سے آگاہ نہیں تھے ورنہ اس وقت تمہارا انجام بھی ان سے مختلف نہ ہوتا"۔ کیپٹن نے خاموش ہو کر ایک محافظ کی طرف دیکھا۔

"دروازے کا تالا ٹھیک کراؤ۔ اور تم لوگ، وہ دوبارہ قیدیوں کی طرف مڑا۔ جب تک تالا ٹھیک نہیں ہو جاتا تم لوگ یہیں کھڑے رہو گے۔ یہ تمہاری سزا ہے۔ اور یہ بات ذہن میں رکھو کہ یہاں سے فرار کا مطلب موت کے سوا کچھ نہیں"۔

تمام قیدی خاموش کھڑے رہے۔ تالا ٹھیک کرنے میں تقریباً ایک گھنٹہ لگ گیا۔ محافظوں کے جانے کے بعد لائٹ پھر آف ہو گئی۔ اور وہ لوگ سرگوشیوں میں اُن دونوں کے فرار کی کوشش اور موت پر تبصرہ کرنے لگے۔ ہر کوئی اپنا اپنا خیال ظاہر کر رہا تھا۔ ھینری کی زبان بند تھی۔ وہ تو سوچ رہا تھا کہ ایسے منصوبوں پر عمل کرنے کے لئے تاریک رات زیادہ مناسب رہتی ہے۔ اور اگر اس وقت بارش بھی ہو رہی ہو تو کامیابی کے امکانات بڑھ جاتے ہیں۔ وہ لوگ خیالی گھوڑے دوڑاتے ہوئے نجانے کب نیند کی آغوش میں پہنچ گئے۔ پھر دن نکلنے سے بہت پہلے ہی جرمن محافظوں نے ایک بار پھر دھاوا بول دیا۔ اس مرتبہ کروس اُن کا لیڈر تھا۔ حسبِ معمول کوڑا اس کے ہاتھ میں تھا اُس نے تمام قیدیوں کو دیوار کے ساتھ کھڑا کر دیا اور محافظوں کو تلاشی لینے کا حکم دیا۔ ھینری بے چین ہو گیا۔ سخت سردی کے باوجود اُس کی پشت پر پسینے کی دھاریں رینگنے لگیں لیکن تلاشی میں محافظوں کو کچھ بھی نہیں مل سکا۔

"میں مطمئن نہیں ہوں"۔ کروس کوڑے کے دستے پر گرفت جماتے ہوئے بولا۔ "میں اس خیال سے مطمئن نہیں ہوں کہ فرار کے اس منصوبے میں صرف وہی دونوں شامل تھے۔ مجھے یقین ہے کہ انہیں تم لوگوں کی مدد بھی حاصل تھی جس کی سزا تم لوگوں کو بھگتنی پڑے گی۔ اب تم لوگوں کو روزانہ کام کرنا پڑے گا۔ اتوار کی بھی چھٹی نہیں ہوگی اور راشن بھی گھٹا دیا جائے گا"۔ وہ محافظوں کی طرف گھوم گیا۔ "دن نکلنے والا ہے ان لوگوں کو فوری طور پر کام پر لگا دو"۔

اس کے فوراً ہی بعد تمام قیدیوں کو بیرک سے نکال کر اُن کے پیروں میں زنجیریں ڈال دی گئیں اور کچھ ہی دیر بعد وہ مین گیٹ کی طرف مارچ کر رہے تھے۔ سیبری اور وبرائٹ کی لاشیں ابھی تک وہیں پڑی ہوئی تھیں انہوں نے لاشیں دیکھ کر سر جھکا لیا اور خاموشی سے چلتے رہے۔ ھینری نے لاشوں کے آس پاس آہنی سلاخ کی تلاش میں نظر دوڑائی لیکن وہ سلاخ کہیں بھی نظر نہیں آئی جو سیبری نے آرا مشین سے چرائی تھی۔ اُس نے لاشوں کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ شدت کی سردی کی وجہ سے ٹھنڈی زنجیریں اُن کے ٹخنوں کو خاصی تکلیف پہنچا رہی تھیں لیکن ظاہر ہے وہ اس تکلیف کا اظہار نہیں کر سکتے تھے۔ جلدی وہ پہاڑی کے دامن میں پہنچ گئے اور سانس لینے کا موقع دیئے بغیر ان سے کام شروع کروا دیا گیا۔ آج پائپ پینے والے اُس جرمن افسر کے علاوہ کروس بھی ان کی نگرانی کر رہا تھا۔ ھینری نے محسوس کر لیا کہ کروس زیادہ تر اُسے نگاہوں میں رکھے ہوئے تھا۔ دوسرے افسر کے بارے میں بھی اُسے جلد ہی معلوم ہو گیا کہ وقفہ وقفہ سے شیڈ کے نیچے لکڑیوں کے ڈھیر پر بیٹھ کر پائپ پینا اُس کی عادت میں شامل تھا۔ تخریب کا خیال ایک بار پھر ھینری کے ذہن میں اُبھر آیا۔ اُس دوران آرا مشین کے ایک کارکن نے مشین کے انجن میں پیٹرول ڈال کر جب ڈبہ کٹی ہوئی لکڑیوں کے ڈھیر پر رکھا تو ھینری کے دماغ میں تخریب کا خیال کچھ اور بھی مضبوط ہو گیا۔ کارکن نے ڈبے کا ڈھکنا بند نہیں کیا تھا اور اس میں ابھی تک کچھ پٹرول موجود تھا۔ ھینری سوچ رہا تھا کہ کسی طرح پٹرول کا یہ ڈبہ نیچے

ئے تو پٹرول بکھر جائے گا اور جب جرمن آفیسر پائپ سلگا کر جلتی ہوئی تیلی نیچے پھینکے گا تو سب کچھ ختم ہو جائے گا۔ ھیبری دن بھر موقع کی تلاش میں رہا زیادہ تر اُن سے شیڈ سے باہر کام لیا جاتا رہا۔ ایک دو مرتبہ جب وہ کٹی ہوئی لکڑیاں اُٹھانے کے لئے شیڈ کے اندر گئے بھی تو کروس سائے کی طرح اُن کے پیچھے لگا رہا۔

دوپہر کا وقفہ بہت مختصر تھا۔ جب دوبارہ کام شروع ہوا تو کروس بار بار اُن پر کوڑے برسا رہا تھا۔ ھیبری کی پارٹی میں کل پانچ آدمی تھے جس کی وجہ سے دوسروں کی نسبت انہیں زیادہ محنت کرنا پڑ رہی تھی۔ اور کروس کا کوڑا بھی بار بار اُن پر لہرا رہا تھا۔ سہ پہر کے قریب دو پارٹیوں کو کٹی ہوئی لکڑیاں اُٹھانے کے لئے شیڈ کے اندر بھیج دیا گیا۔ ھیبری والی پارٹی بھی ان میں شامل تھی۔ کروس بھی سائے کی طرح اُن کے ساتھ تھا لیکن جب اوڈیل بیہوش ہو کر گرا تو کروس کی توجہ ہٹ گئی۔ اوڈیل کئی دنوں سے بیمار تھا بیماری اور اِس مشقت کے باعث اُسے بہت پہلے مر جانا چاہئے تھا۔ بالآخر آج اس کی ہمت جواب دے گئی اور وہ بیہوش ہو کر گر پڑا۔ کروس اُس طرف چلا گیا۔ ھیبری وغیرہ کی نگرانی پر اب صرف دو محافظ تھے۔ شیڈ میں صرف اتنی لکڑیاں رہ گئی تھیں کہ صرف تین پھیرے لگ سکتے اور ھیبری سوچ رہا تھا کہ کروس کی عدم موجودگی میں فائدہ اٹھانا چاہئے پہلے دو پھیروں کے درمیان کوئی موقع نہیں ملا۔ جب وہ تیسرے اور آخری پھیرے کے لئے شیڈ میں داخل ہوئے تو لکڑیاں اُٹھاتے ہوئے ھیبری نے محتاط نگاہوں سے چاروں طرف دیکھا۔ ایک محافظ آری آلا مشین کی طرف متوجہ تھا اور دوسرا ایک ستون سے ٹیک لگائے کھڑا کیمپ کی طرف دیکھ رہا تھا۔ لکڑیوں کے دوسرے ڈھیر کے قریب سے گزرتے ہوئے ھیبری نے ایک بار پھر ادھر اُدھر دیکھا اور کندھے پر لدی ہوئی لکڑی کو ذرا سا گھما دیا۔ لکڑی کا سرا ڈھیر پر رکھے ہوئے ڈبے پر لگا۔ ڈبہ نیچے گرا اور بُرادے اور چھپلیوں کو پٹرول سے تر کر دیا۔ کسی نے ھیبری کی یہ حرکت نہیں دیکھی تھی۔ اِس آخری پھیرے کے بعد اِن لوگوں کو بھی دوسری پارٹیوں کے ساتھ کام پر لگا دیا گیا۔ ھیبری کوشش کر رہا تھا کہ وہ شیڈ یا پٹرول کے اُلٹے ہوئے ڈبے کی طرف نہ دیکھے لیکن نہ چاہتے ہوئے بھی اس کی نظریں بار بار اس طرف اُٹھ رہی تھیں۔

اس نے اپنی کوشش تو کر ڈالی تھی لیکن کامیابی کا امکان صرف ایک فیصد تھا۔ وہ بھی اس صورت میں کہ جرمن محافظ حسبِ عادت اس جگہ بیٹھ کر پائپ سلگاتا۔ تقریباً ایک گھنٹہ بعد وہ جرمن آفیسر اس جگہ پہنچ گیا۔ اس نے جیب سے پائپ نکالا۔ ھیبری کے دل کی دھڑکن یکدم تیز ہو گئی۔ پھر نہ جانے کیا ہوا محافظ پائپ سلگانے کی بجائے دوسری طرف نکل گیا۔ ھیبری کی خوشیوں پر اوس پڑ گئی۔ ایک گھنٹہ اور گزر گیا۔ ھیبری کو ایک ایک لمحہ صدیوں پر بھاری لگ رہا تھا۔ کروس ایک شہتیر پر بیٹھا ان لوگوں کی طرف دیکھ رہا تھا

کچھ دیر بعد پائپ والا دوسرا جرمن آفیسر، بعد میں ھیبری کو معلوم ہوا کہ اس کا نام اسٹوار تھا، بھی کروس کے قریب آ کر بیٹھ گیا۔ کروس نے جیب سے شراب کی بوتل نکالی۔ شراب کے گھونٹ بھرتے ہوئے وہ دونوں قہقہے لگا رہے تھے اسٹوار پائپ سلگانا چاہتا تھا لیکن ہوا کے تند جھونکوں کی وجہ سے ہر بار دیا سلائی بجھ جاتی۔ اس کی اس بے بسی پر کروس نے ایک زوردار قہقہہ لگایا اور اسٹوار بڑبڑاتا ہوا شیڈ کی طرف چل دیا۔ ھیبری کا دل ایک بار پھر دھک دھک کرنے لگا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اس وقت اگر مل میں آگ لگ جائے تو کسی قیدی پر اس کا الزام نہیں آئے گا کیونکہ اس وقت وہ سب شیڈ سے بہت دُور تھے۔ لیکن پھر اچانک ہی اس کے ذہن میں یہ خیال اُبھرا کہ اس کا یہ منصوبہ کامیاب نہیں ہوگا کیونکہ ماچس کی تیلی نیچے گرنے سے پہلے ہی بجھ جائے گی۔ لیکن اس کے ساتھ ہی اس کی کوئی حس کہہ رہی تھی کہ اس کا یہ منصوبہ ضرور کامیاب ہوگا۔ اسٹوار کے منہ سے اب گالیاں نکل رہی تھیں پہلی دیا سلائی بجھ چکی تھی۔ دوسری دیا سلائی سے اس کی اُنگلیاں جل گئیں۔ وہ ہاتھ جھٹکتا ہوا اونچی آواز میں گالیاں بکنے لگا۔ کروس اس کی طرف دیکھ کر قہقہے لگا رہا تھا۔ ہاتھ جھٹکتے ہوئے دیا سلائی اسٹوار کے ہاتھ سے نکل کر نیچے گر گئی۔ اور پھر وہ سب کچھ اس قدر اچانک ہوا تھا کہ کوئی اندازہ بھی نہ لگا سکا۔ اسٹوار تیسری دیا سلائی جلانے کی کوشش کر رہا تھا کہ نیچے بُرادے اور لکڑیوں کے ڈھیر سے اچانک ہی شعلے بلند ہوئے اور دیکھتے ہی دیکھتے اسٹوار شعلوں کی لپیٹ میں آ گیا۔ کروس کے قہقہے حلق میں اٹک گئے اس نے دوڑ کر اپنے ساتھی کی مدد کرنا چاہی مگر شعلوں کی لپکتی ہوئی زبان نے اسے قریب نہ آنے دیا۔ آگ کے شعلے کٹی ہوئی لکڑیوں کے ڈھیر تک پہنچ گئے تھے۔ تمام کارکن مشینیں بند کر کے اپنی جانیں بچانے کے لئے باہر کی طرف دوڑے۔ کروس چیخ چیخ کر قیدیوں کو آگ بجھانے کا حکم دے رہا تھا اسٹوار نیچے گر چکا تھا۔ اس کا بے حرکت جسم مکمل طور پر شعلوں کی لپیٹ میں تھا۔ قریب ہی بُرادے کے ڈھیر نے آگ پکڑ لی اور گاڑھے دھوئیں کے بادل آسمان کی بلندیوں کو چھونے لگے۔ کروس قیدیوں پر کوڑے برساتا ہوا انہیں آگ بجھانے کا حکم دے رہا تھا۔ قیدی اگرچہ اس کے حکم تعمیل کر رہے تھے لیکن ان کے انداز میں گرمجوشی نہیں تھی اور یہ بات تو کروس بھی جانتا تھا کہ آگ اب ان کے قابو سے باہر ہو رہی تھی۔ شیڈ کے کارکن بھاری شہتیروں کو وہاں سے دُور ہٹانے کی کوشش کر رہے تھے۔ اس دوران شیڈ کے اندر پٹرول کا کوئی ڈرم پھٹا اور آگ دُور تک پھیل گئی۔ بجلی کی تاریں جل کر ٹوٹ چکی تھیں۔ آگ قابو سے باہر ہو چکی تھی۔ قیدیوں کو دُور ہٹا دیا گیا۔ ان کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ تھی۔ اس دوران کیمپ اور اطراف کی آبادیوں سے لوگ دوڑتے ہوئے اس طرف آنے لگے لیکن اب انہیں بہت تاخیر ہونے لگی تھی ھیبری دُور کھڑا سوچ رہا تھا کہ اگر کروس شیڈ میں اپنے ساتھی افسر کو ماچس

کی تیلی جلاتے ہوئے نہ دیکھ چکا ہوتا تو ساری بات قیدیوں پر آجاتی اور شاید انہیں اب تک ختم بھی کیا جا چکا ہوتا۔ وہ یہ بھی دیکھ چکا تھا کہ اس پلانٹ پر کوئی منظم طریقہ رائج نہیں تھا۔ کٹی ہوئی لکڑیاں اور برادہ ہر طرف پھیلا ہوا تھا جس سے آگ پھیلتی جا رہی تھی۔ کروس پر جنونی کیفیت طاری تھی۔ اس نے قیدیوں پر کوڑے برساتے ہوئے ایک بار پھر انہیں آگ بجھانے کا حکم دیا۔ قیدی بددلی سے آگ پر پانی پھینکتے رہے۔

شام سے کچھ پہلے آگ بجھ گئی۔ دھوئیں کی وجہ سے تمام قیدیوں کے جسموں پر سیاہ دھبے پڑ گئے تھے انہیں کیمپ کی طرف مارچ کرنے کا حکم دیا گیا۔ ہیری نے ایک بار پھر پیچھے مڑ کر دیکھا۔ برادے کے ڈھیر سے اب بھی دھواں اٹھ رہا تھا اور وہ جانتا تھا کہ برادے میں دبی ہوئی یہ چنگاریاں بعد میں بھی بھڑک سکتی تھیں۔ ہیری نے ایک معمولی سی بات سمجھ کر اس منصوبے پر عمل شروع کیا تھا لیکن نتیجہ اس کی توقع سے کہیں بڑھ کر نکلا تھا۔ کیمپ میں پہنچ کر ان کے پیروں کی زنجیریں فوراً ہی کھول دی گئیں لیکن بیرکوں میں جانے کے بجائے انہیں وہیں کھڑے رہنے کا حکم دیا گیا۔ سب کی حالت ابتر تھی۔ ہاتھ منہ کالے ہو گئے تھے۔ آگ بجھانے کی کوشش میں کسی کے بال جل گئے تھے اور کوئی اپنے زخموں کو دیکھ رہا تھا لیکن اس خیال سے سب ہی خوش تھے کہ اب انہیں مشقت نہیں کرنی پڑے گی۔ لیکن ہیری اس خیال سے بے چینی محسوس کر رہا تھا کہ جرمن انہیں اس نقصان کا ذمہ دار ٹھہرانے کی کوشش کریں گے۔ واچ ٹاورز کی سرچ لائٹس روشن ہو چکی تھیں اور وہ لوگ ابھی تک کھلے میدان میں کھڑے سردی سے ٹھٹھر رہے تھے۔ بالآخر کروس تقریباً نصف درجن محافظوں کے ساتھ نمودار ہوا۔ اس کی نظروں کی سرد مہری دیکھ کر ہیری کانپ اٹھا۔ اس کے چند سیکنڈ بعد ہی کرنل والفرٹ اور میجر ارنسٹ اللوار محافظوں کے جلو میں وہاں پہنچ گیا۔ ہیری کو ایک بار پھر اپنے پورے بدن میں خوف کی سرسراہٹ سی محسوس ہوئی۔ ان لوگوں کے ارادے کچھ اچھے نظر نہیں آ رہے تھے۔

"تم لوگوں کے ہونٹوں پر مسکراہٹ ہے۔ کیا تم لوگ یہ سمجھتے ہو کہ ہم فیکٹری کے جلنے کو ایک حادثہ تسلیم کر لیں گے؟" کرنل والفرٹ نے انہیں گھورتے ہوئے کرخت لہجے میں کہا۔

"یہ واقعی ایک حادثہ تھا۔ آگ لگنے کے وقت یا اس سے ایک گھنٹہ پہلے تک قیدیوں میں سے کوئی بھی وہاں موجود نہیں تھا۔" لیفٹننٹ ہینرے نے ہمت سے کام لیتے ہوئے جواب دیا۔

"ممکن ہے۔ ایسا ہی ہو لیکن ہم اس آتشزدگی کو حادثہ تسلیم نہیں کرتے۔" کرنل والفرٹ پھر بولا۔ کسی نے کوئی جواب نہیں دیا تو اس مرتبہ میجر ارنسٹ بولا۔

"یہ میرا شعبہ ہے کرنل! بہتر ہو گا کہ یہ معاملہ مجھے ہینڈل کرنے دو۔"

کرنل والفرٹ کے چہرے پر ایک رنگ سا آ کر گزر گیا۔ میجر ارنسٹ اگرچہ رینک میں اس سے کمتر تھا لیکن اسے کرنل پر بالادستی حاصل تھی۔ کرنل چند لمحے الجھی ہوئی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتا رہا بالآخر کوئی بات کہے بغیر تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا دفتر کی طرف چل دیا۔ صاف ظاہر تھا کہ اسے میجر کی یہ مداخلت اچھی نہیں لگی تھی لیکن وہ اس کا حکم ماننے پر مجبور تھا۔ میجر ارنسٹ چند لمحے تک قیدیوں کے چہروں کو گھورتا رہا پھر سرد لہجے میں کہنے لگا۔

"ہمیں یقین ہے کہ آگ ایک اتفاقی حادثہ نہیں تھا۔ میں یہ نہیں جانتا کہ یہ تم میں سے کس کی شرارت تھی یا نہیں اور مجھے اس کی پرواہ بھی نہیں لیکن میں اس حادثہ کے ذمہ دار شخص کو سامنے لا کر رہوں گا خواہ اس کے لئے مجھے تم سب کی کھال ہی کیوں نہ کھینچنا پڑ جائے۔" اس کے لہجے سے سارجنٹ ہیری کو یہ سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ وہ جو کچھ کہہ رہا ہے اس پر عمل بھی کرے گا۔ محافظ قدم بڑھا کر قیدیوں کے بالکل قریب پہنچ گئے اور کروس نے بھی کوڑے کے دستے پر گرفت جما لی۔ لیفٹننٹ ہینرے نے کچھ کہنا چاہا لیکن میجر ارنسٹ کا گھونسہ اس کے منہ پر لگا اور وہ لڑکھڑا کر رہ گیا۔

"اپنی باری آنے سے پہلے تمہیں بولنے کی ضرورت نہیں۔" میجر دہاڑا۔

"کروس! ان قیدیوں کو الگ کر دو جو سب سے آخر میں فیکٹری میں گئے تھے۔" کروس نے آگے بڑھ کر ہیری اور اس کی پارٹی کو دوسروں سے الگ کر دیا۔ میجر ارنسٹ گہری نظروں سے ان کے چہروں کا جائزہ لینے لگا۔ سارجنٹ ہیری کے ساتھ بروک، اینڈریو، بارک اور ایڈورڈ تھے۔ ان کے چہرے خوف سے پیلے ہو رہے تھے۔ "مجھے یقین ہے کہ یہ تم پانچوں میں سے کسی ایک کی حرکت ہے۔" میجر ارنسٹ کرخت لہجے میں کہنے لگا۔ "کیونکہ سب سے آخر میں تم لوگ ہی شیڈ کے اندر لکڑیوں کے ڈھیر کے پاس کام کر رہے تھے۔"

"لیکن جب آگ لگی تو ہم میں سے کوئی بھی وہاں موجود نہیں تھا۔" بروک نے سہمے ہوئے لہجے میں جواب دیا تو میجر ارنسٹ خونخوار نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگا پھر بولا۔ "درست ہے لیکن تم لوگوں نے ایک بم بنا کر لکڑیوں میں رکھ دیا ہو جو بعد میں پھٹ گیا ہو۔" میجر کی نظریں ہیری کے چہرے پر منتقل ہو گئیں۔ "اور تم میرے دوست! مختلف کیمپوں میں تم تخریبی کارروائیوں میں حصہ لیتے رہے ہو۔ کیا یہاں بھی تم ہی نے بم لگایا تھا۔"

یہ جانتے ہوئے کہ اس وقت بے گناہ نظر آنے کی اداکاری کی ضرورت تھی۔ ہیری پھٹ پڑا۔ "بم! کیا احمقانہ خیال ہے اس جگہ پر ہمیں بم کہاں سے مل سکتا ہے۔ آگ ایک اتفاقی حادثہ تھی یا پھر میں یہ کہوں گا کہ یہ تمہارے اس ماتحت افسر کی حماقت کا نتیجہ تھی جو اس آگ میں جل رہا ہے۔ اس نے ہی پائپ سلگا کر جلتی ہوئی دیا سلائی لاپرواہی سے پھینک

ں۔ ممکن ہے وہاں پٹرول یا بجلی وغیرہ گرا ہوا ہو جس نے ایکدم آگ پکڑ لی۔"

میجر ارنسٹ چند لمحے معنی خیز نگاہوں سے ھیبری کو گھورتا رہا پھر اس کے حلق سے غراہٹ نکلی "یہ تمہارا نظریہ ہے ھیبری، لیکن تم اس نتیجہ پر کس طرح پہنچے"؟

"جب آگ بھڑکی تو میں نے خود اسے پائپ سلگاتے ہوئے دیکھا تھا۔ یہ منظر کروس نے بھی دیکھا تھا لیکن وہ اس کی شہادت نہیں دے سکتا کیونکہ تم لوگ ہمیں ختم کرنے کے لئے پہلے ہی سے بہانے تلاش کر رہے ہو۔ اور اس سے اچھا بہانہ شاید اور کوئی نہ ملے۔" ھیبری نے جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

"کروس نے مجھے بتایا تھا لیکن میں نہیں سمجھتا کہ آگ لگنے کی وجہ وہی تھی جو تم بیان کر رہے ہو۔ اور تم سارجنٹ ھیبری۔" میجر ارنسٹ کے ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ آگئی "تم ہمارے دو قوانین کی خلاف ورزی کر چکے ہو۔ تمہارا پہلا جرم تو یہ ہے کہ تم ایک جرمن آفیسر کے سامنے گستاخی کا مظاہرہ کر رہے ہو اور دوسرا جرم یہ کہ تم نے ایک آفیسر پر الزام لگایا ہے اور یہ دونوں جرائم قابل سزا ہیں۔" اس کی یہ بات سنتے ہی کروس کوڑے کے دستے پر گرفت جماتا ہوا آگے بڑھا لیکن میجر ارنسٹ نے اسے روک دیا اور ان محافظوں کی طرف رخ کر کے جرمن زبان میں کچھ کہا۔ چار ہٹے کٹے محافظ اپنی رائفلیں دوسروں کو تھما کر ھیبری کی طرف بڑھے۔ ھیبری کو وہ چاروں انسانوں سے زیادہ موت کے فرشتے ہی لگ رہے تھے۔ ھیبری کو ایک یہودی سے سیکھی ہوئی جرمن زبان کی ایک گالی یاد آگئی۔ اس نے میجر ارنسٹ کا نام لیتے ہوئے یہ گالی دے ڈالی۔ میجر ارنسٹ لال بھبوکا ہو گیا۔ اس نے محافظوں کو چیخ کر حکم دیا کہ اسے اس گستاخی کا مزا چکھایا جائے۔ چاروں محافظ بھوکے بھیڑیوں کی طرح ھیبری پر جھپٹ پڑے۔ ھیبری اپنا دفاع کرنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔ اور پھر محافظوں کی ٹھوکروں اور گھونسوں نے اسے جلد ہی دنیا و مافیہا سے بے خبر کر دیا۔

دور کہیں چرچ کی گھنٹیاں بجنے کی آواز سنائی دے رہی تھی لیکن رفتہ رفتہ یہ آواز معدوم ہوتی گئی۔ ھیبری کے ذہن پر طاری خمار چھٹ رہا تھا۔ جب پوری طرح آنکھیں کھلیں تو اوڈیل کا چہرہ دکھائی دیا۔ اوڈیل نے بتایا کہ اسے کل رات بیہوشی کی حالت میں یہاں لایا گیا تھا اور اب تقریباً اڑتیس گھنٹے بعد ہوش میں آیا ہے۔ اوڈیل نے خدشہ ظاہر کیا کہ شاید ھیبری کی دو پسلیاں اور ایک بازو کی ہڈی ٹوٹ چکی ہے۔ ھیبری کا جسم پٹیوں میں جکڑا ہوا تھا۔ اسے جلد ہی محسوس ہو گیا کہ اوڈیل کا کہنا غلط نہیں تھا اور پھر اسے یہ بھی پتہ چل گیا کہ اس کے بائیں پیر میں آہنی کڑا پڑا ہوا تھا۔ اس سے منسلک زنجیر کا دوسرا سرا پلنگ کے پائے سے بندھا ہوا تھا۔ اوڈیل نے بتایا کہ یہ ہسپتال ہے لیکن سلاٹر ہاؤس سے بھی بدتر۔ یہاں اسسٹنٹ کی حیثیت سے یہودی لڑکیوں کو کام کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے پھر انہیں مختلف تجربوں کے لئے نیچے جایا جاتا ہے جو زیادہ خوشگوار نہیں ہوتے۔

"تم بھی کل ہی یہاں آئے ہو اور یہ سب کچھ تمہیں کیسے معلوم ہوگیا؟" ھیبری نے تعجب کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"مجھے یہ سب کچھ ایک یہودی لڑکی نے بتایا ہے جو انگریزی بڑی اچھی بول لیتی ہے۔ اگر میں شادی شدہ نہ ہوتا تو یقیناً اس سے شادی کر لیتا۔ وہ موقع ملتے ہی میرے پاس بیٹھ جاتی ہے۔ لیکن تمہیں کیا ہوا؟ کیا پھر کروس سے مڈبھیڑ ہو گئی؟" اوڈیل نے پوچھا۔ ھیبری نے چند لمحوں کی خاموشی کے بعد اس واقعہ کی پوری تفصیل بتا دی۔ اوڈیل تعجب سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"چلو اچھا ہوا کہ یہاں تم سے ملاقات ہو گئی۔ میں یہودی لڑکی سے تمہارا تعارف کرا دوں گا۔ مجھے یقین ہے کہ میرے مرنے کے بعد تم اس کا خیال رکھو گے۔" اوڈیل نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ ھیبری نے اسے تسلی دی تو وہ بتانے لگا کہ کہنہ بیماری کے باعث اس کے پھیپھڑے ختم ہو چکے ہیں اسے بہت پہلے مر جانا چاہئے تھا لیکن وہ موت سے برسرپیکار رہا۔ بیمار ہونے کے باعث اسے فوج میں بھرتی کر کے محاذ پر نہ بھیج دیا گیا۔ اس کا باپ پہلی جنگ عظیم میں افریقہ کے محاذ پر داد شجاعت دے چکا تھا جس کے بعد اسے بہادری کے بیشمار تمغے ملے تھے۔ اس کا چچا واٹرلو کے محاذ پر لڑتے ہوئے وطن کی آن پر قربان ہو گیا۔ دراصل ان کا پورا خاندان ہی سپاہیوں پر مشتمل تھا لیکن اب اس کی موت کے بعد یہ سلسلہ ختم ہو جائے گا۔ اوڈیل نے بتایا کہ گرفتاری کے بعد وہ فرار کی متعدد کوشش کر چکا ہے لیکن ہر مرتبہ ناکامی کے سوا کچھ نہیں ملا۔ اس کی خواہش یہ ہے کہ کوئی گولی ایک دم اس کا خاتمہ کر دے لیکن جرمن درندے اسے سسکا سسکا کر مارنا چاہتے ہیں۔ جرمنوں کو معلوم ہے کہ میں قریب المرگ ہوں لیکن ان کے ڈاکٹر مجھے الٹی سیدھی ادویات دیکر مشقت کے لئے فٹ قرار دیدیتے ہیں گزشتہ رات اس ہسپتال کے ڈاکٹر ھیٹ مین نے مجھے صاف طور پر بتا دیا تھا کہ اب میں چوبیس گھنٹوں سے زیادہ زندہ نہیں رہ سکتا۔"

"یہ تمہارا خیال ہے۔ تم شاید اب تک نہیں سمجھ سکے کہ یہ لوگ تم پر بھی اپنے تجربات کر رہے ہیں۔ انہوں نے تمہیں بتا دیا ہے کہ تم مر رہے ہو لیکن ایسا نہیں ہے وہ تم پر اپنے تجربات کا ردعمل دیکھنا چاہتے ہیں۔ خدا کرے ان کی یہ خواہش پوری مت ہونے دو اوڈیل۔" ھیبری نے کہا

"نہیں، میرا خیال ہے کہ وہ ٹھیک ہی کہتے ہیں۔" اوڈیل نے

افسردہ سی مسکراہٹ سے جواب دیا۔ جیری کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ ایک جرمن ڈاکٹر کو اندر آتے دیکھ کر خاموش ہو گیا۔ قریب آکر ڈاکٹر میٹ بن ادنیل کی طرف توجہ دیئے بغیر جیری کا معائنہ کرنے لگا۔ وہ جیری کا شکستہ جسم اس طرح ٹٹول رہا تھا جیسے قصائی بکرے کا جائزہ لیتا ہے۔ درد چھپانے کے لئے جیری نے اپنے دانت سختی سے بھینچ لئے تھے۔ ڈاکٹر کے جانے کے بعد ادنیل ایک بار پھر جیری سے باتیں کرنے لگا۔ اس مرتبہ اس کے لہجے میں غنودگی تھی۔

”کچھ دیر بعد ہی تم میری یہودی محبوبہ سے مل گے جیری۔“ وہ کہہ رہا تھا ”اس کا نام مارتھا ہے۔ بہت حسین لڑکی ہے تم یقیناً اسے پسند کرو گے۔ اس کا باپ سائمن بھی اسی کیمپ میں ہے۔“

”سائمن، مارتھا سائمن!“ یہ نام سن کر جیری تکلیف کے باوجود اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ ”میں اُس سے ضرور ملوں گا ادنیل، لیکن فی الحال تم اس کی وجہ مت پوچھنا۔“

”اوہ تم شاید غلط سمجھ رہے ہو۔ مارتھا یہودی ہے۔ ہماری طرح موت اس کا بھی مقدر ہو چکی ہے۔ وہ تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتی۔“ ادنیل نے اس کا مقصد سمجھتے ہوئے کہا۔

”تم نہیں سمجھ سکو گے ادنیل، یہ لڑکی ہماری رہائی کا ذریعہ بن سکتی ہے وہ مجھے اپنے باپ کے بارے میں بتا سکتی ہے۔“ جیری نے کہا۔ ادنیل ابھی کوئی جواب نہ دے پایا تھا کہ ڈاکٹر ایک لمبی تڑنگی جرمن نرس کے ساتھ دوبارہ اندر داخل ہوا اُس نے نرس سے کچھ کہا اور نرس نے جیب سے سرنج نکالی اور جیری کی مزاحمت سے پہلے ہی سوئی اُس کے بازو میں پیوست کر دی پھر وہ ادنیل کی طرف متوجہ ہوئی۔ ڈاکٹر کے کچھ کہنے پر اس نے سرنج وردی کی جیب میں ڈالی اور ڈاکٹر کے ساتھ باہر نکل گئی۔ اس کے چند سیکنڈ بعد ہی جیری کا سر بھاری ہونے لگا ذہن پر غنودگی سی طاری ہونے لگی۔ آنکھیں کھلی رکھنے کے باوجود اس کی پلکیں جھکی جا رہی تھیں۔ اُس نے خمار آلود لہجے میں پوچھا تو ادنیل نے بتایا کہ روزانہ اس وقت نیند کا انجکشن دیدیا جاتا ہے تاکہ وہ بے فکر ہو کر نچلی منزل پر اپنا کام کر سکیں۔“

”لیکن تمہیں انجکشن کیوں نہیں لگایا گیا؟“ جیری نے پوچھا تو جواب میں اُسے ادنیل کا ہلکا سا قہقہہ سنائی دیا۔ اُس کے ساتھ ہی سے کمرہ گردش کرتا ہوا محسوس ہونے لگا۔

”وہ جانتے ہیں کہ میں صرف چند گھنٹوں کا مہمان ہوں۔“ ادنیل نے جواب دیا۔ اس کی آواز جیری کو کسی گہرے کنوئیں سے آتی محسوس ہو رہی تھی۔ نیند کا غلبہ ہو رہا تھا۔ اس کے غنودہ ذہن میں صرف ایک ہی نام گردش کر رہا تھا مارتھا سائمن۔“

جب دوبارہ آنکھ کھلی تو اُس کی نظریں چھت پر مرکوز تھیں۔ جہاں اُلجھی ہوئی تاروں میں لٹکا ہوا مدھم روشنی کا ایک بلب جل رہا تھا۔ پھر اُس کی نظریں اُس عورت کے چہرے پر جم گئیں جو اس پر جھکی ہوئی تھی اُس کے ہاتھ میں ایک گلاس تھا [illegible] میں دودھ کے رنگ سے ملتا جلتا کوئی سیال مادہ بھرا ہوا تھا [illegible] کے بال پیشانی پر جھول رہے تھے۔ بڑی بڑی آنکھیں تاریک رات کی طرح سیاہی سمیٹے ہوئے تھیں۔ جیری نے اُسے خواب [illegible] کر سر کو جھٹکا مگر وہ عورت اپنی جگہ پر موجود تھی۔

”تم جاگ گئے، لو یہ پی لو۔“ عورت نے ایک ہاتھ اُس کی گردن میں ڈال کر اُٹھا لیا اور دوسرے ہاتھ میں پکڑا ہوا گلاس [illegible] سے لگا دیا۔ چند گھونٹ پینے کے بعد ہی جیری اپنے آپ میں توانائی محسوس کرنے لگا۔ وہ چند لمحے عورت کے چہرے کی طرف دیکھتا رہا پھر اُٹھ کر بیٹھنے کی کوشش کرنے لگا۔ عورت نے اُسے تکیے کے سہارے بٹھا دیا۔ جیری کی نظریں ادنیل کے بیڈ کی طرف اُٹھ گئیں۔ بیڈ خالی تھا۔ اُس پر بستر بھی موجود نہیں تھا۔ اس نے اُلجھی ہوئی نگاہوں سے عورت کی طرف دیکھا۔ وہ اُس کی نگاہوں کا مطلب سمجھتے ہوئے بولی ”وہ لوگ اُسے ڈیتھ وارڈ میں لے گئے ہیں۔“

”ڈیتھ کیمپ؟“ جیری اُلجھی ہوئی نگاہوں سے اُس کی طرف دیکھنے لگا۔ عورت نے بتایا کہ وہ قریب المرگ تھا۔ ڈاکٹر کا خیال ہے کہ وہ آج کی رات نہیں نکال سکے گا۔ اس کے لئے قبر پہلے ہی سے تیار کر لی گئی ہے۔ اُس نے یہاں سے جانے سے پہلے مجھے بتایا تھا کہ تم کسی اہم مسئلہ پر مجھ سے بات کرنا چاہتے ہو۔“ عورت نے محتاط نگاہوں سے دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”کیا تم مارتھا سائمن ہو؟“ جیری نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

”میں مارتھا سائمن تھی۔“ عورت جیکٹ کی آستین اُٹھا کر بازو پر گُدا ہوا نمبر دکھاتے ہوئے بولی۔ ”لیکن اب میں قیدی نمبر ۴۷۵۴۴۲ ہوں۔“

”میرا نام جیری ڈائٹ ہے اور میں اے آئی ایف کا سارجنٹ ہوں۔ میں اب زیادہ عرصہ تک یہاں نہیں رہ سکتا۔“ جیری نے کہا۔ عورت کے ہونٹوں پر افسردہ سی مسکراہٹ آگئی۔ اُس نے کہا کہ ہر قیدی یہی کہتا ہے لیکن کوئی بھی اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ اس کیمپ سے فرار ہونا ناممکن ہے۔ بات کرتے ہوئے جیری کو دوسرے یہودیوں کی طرح اُس کی آنکھوں میں بھی مایوسی کے گہرے سائے نظر آئے۔

”مایوس ہونے کی ضرورت نہیں۔ ادنیل نے مجھے نچلی منزل کی

کے بارے میں بتایا تھا۔ یہ سب کچھ کب سے ہو رہا ہے؟" ہیبری نے کہا۔

"دو تین ہفتے یا شاید ایک ماہ۔ وہ لوگ انسان نہیں حیوان ہیں اگر میں نے اپنے آپ کو ختم نہ کر لیا تو وہ مجھے سسکا سسکا کر ماریں گے" مارتھا نے لرزیدہ لہجے میں کہا اور ہیبری نے بے اختیار اس کا ہاتھ تھام لیا۔ چند لمحے اس کے چہرے کو دیکھتا رہا پھر بولا۔ "کارل ہولسٹن نامی ایک جرمن سیاسی قیدی سے میری ملاقات ہوئی تھی۔ اس نے مرنے سے پہلے مجھے بتایا تھا کہ ..."

"وہ ہولسٹن مر گیا" مارتھا نے اسے جملہ مکمل کرنے کا موقع دیئے بغیر کہا۔ "وہ سر تا پا ریاضی تھی جنگ کے آغاز سے پہلے ہم دونوں شادی کرنے والے تھے۔ اوہ! اب مجھے جانا چاہیئے ورنہ غیر حاضر پا کر ڈاکٹر مجھے سخت سزا دیگا" مارتھا ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ ہیبری نے کچھ کہنا چاہا مگر مارتھا تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی دروازے کے قریب پہنچ چکی تھی۔ باہر نکلنے سے پہلے اس نے پیچھے مڑ کر دوبارہ آنے کا وعدہ کیا تھا۔ اس کے جاتے ہی ہیبری دھم سے بستر پر گر گیا۔ لیکن پسلیوں اور بازو کی تکلیف سے اس کے منہ سے بے اختیار سسکی نکل گئی۔ کمرہ ایک دم تاریکی میں ڈوب گیا۔ وہ بستر پر لیٹا تاریکی میں گھورتا رہا۔ ذہن میں رہ رہ کر ماضی کے خوشگوار واقعات ابھر رہے تھے۔ وہ بے چینی سے کروٹیں بدلتا رہا رات نصف سے زیادہ بیت چکی تھی کہ بازو پر کسی کا لمس محسوس کر کے چونک گیا۔ اس تاریکی میں کچھ سجھائی تو نہ دے رہا تھا لیکن فوراً ہی اسے احساس ہو گیا کہ مارتھا اس کے پلنگ کی پٹی پر بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ آہستگی سے اٹھ کر بیٹھ گیا۔ مارتھا نے اسے ایک ہاتھ سے سہارا دے رکھا تھا۔ وہ سرگوشی میں بولی۔

"باتیں کرتے ہوئے آواز زیادہ نہیں ابھرنی چاہیئے اگر انہیں یہاں میری موجودگی کا پتہ چل گیا تو مجھے دوبارہ قیدیوں میں بھیج دیا جائے گا۔ کیا ہو وہ بہادری سے مرا تھا؟"

"ہاں ہولسٹن نے ایک بہادر فوجی کی طرح جان دی تھی۔"

"وہ فوجی نہیں تھا" مارتھا نے عجیب سے لہجے میں کہا۔ "وہ امن پسند تھا۔ اندازہ لگا چکا تھا کہ ہٹلر اس قوم کو برباد کرنا چاہتا ہے۔ وہ امن کا پرچارک تھا اور اس نے اپنے عقائد کے لئے جان دیدی" مارتھا کی آواز بھرا گئی لیکن اس نے فوراً ہی اپنی اس کیفیت پر قابو پا لیا۔ "ہولسٹن نے تمہیں میرے باپ کے بارے میں بتایا تھا؟"

"ہاں" اس سے پہلے اس نے مجھے ایک پوشیدہ پیکٹ کے بارے میں بتایا تھا۔ میں نے وہ پیکٹ وہاں سے نکال کر کہیں اور چھپا دیا ہے" ہیبری نے جواب دیا۔

"تو تمہیں پستول مل گیا۔ لیکن بیسیوں مشین گنوں کے سامنے ایک معمولی سے پستول کی کیا حیثیت ہے" مارتھا نے ٹھنڈا سانس بھرتے ہوئے کہا۔

"میں کم از کم ایک کوشش تو کر سکتا ہوں۔ یہاں ایڑیاں رگڑ کر مرنے سے تو گولی کھا کر مرنا ہی بہتر ہے۔"

"شاید تم ٹھیک کہتے ہو۔ لیکن تم میرے باپ سے کیوں ملنا چاہتے ہو" مارتھا نے پوچھا۔

"ہولسٹن نے بتایا تھا کہ شاید تمہارے باپ کا بیرونی دنیا سے رابطہ قائم ہے اور وہ یہاں سے فرار میں میری مدد کر سکے گا۔"

"اگر وہ ایسا کر سکتا تو اب تک خود بھی یہاں موجود نہ ہوتا" مارتھا نے تلخ لہجے میں کہا۔ "سارجنٹ ہیبری! جب ہمیں یہاں لایا گیا تو شروع میں ہم بھی فرار ہی کے بارے میں سوچا کرتے تھے۔ ہم نے شہر کے ایک آدمی کی مدد سے پانی کی ٹنکی کے ذریعے پستول بھی کیمپ میں اسمگل کر لیا تھا۔ یہودیوں کی تنظیم ہٹلر کے خلاف ہم جیسے پناہ گزینوں کی مدد کر رہی تھی۔ لیکن پانی لانے والا وہ شخص پکڑا گیا۔ اس نے گولی کھانا پسند کر لیا لیکن زبان نہیں کھولی۔ رابطے کے وہ آدمی اب بھی شہر اور ساحلی دیہاتوں میں موجود ہیں لیکن ان کے بارے میں صرف میرا باپ جانتا ہے لیکن مسئلہ تو یہ ہے کہ اس کیمپ سے نکلنا ہی ناممکن ہے" اس نے خاموش ہو کر سسکی بھری پھر بولی "ہمارے خاندان میں اب صرف میرا باپ اور میں زندہ ہوں۔ میں اس لئے کہ اب تک ان درندوں کے لئے کارآمد ہوں اور میرا باپ اس لئے کہ وہ بوڑھا ہے اور وہی کیمپ کے دوسرے یہودیوں کو کنٹرول کر سکتا ہے۔"

"مجھے یہ سن کر افسوس ہوا مارتھا لیکن اگر مجھے یہاں سے نکلنے کا موقع ملا تو وعدہ کرتا ہوں کہ تمہیں ساتھ لے کر جاؤں گا" ہیبری نے نرم لہجے میں کہا۔

"ارادے تو بلند ہیں لیکن میں سمجھتی ہوں کہ یہاں سے نکلنے کا خیال احمقانہ ہے" مارتھا نے افسردگی سے جواب دیا۔

"لیکن میں تمہارے باپ سے ملنا چاہتا ہوں" میں اتنا جانتا ہوں کہ وہ بھی اسی عمارت کے ہال میں ہے جس میں ہماری کوٹھریاں ہیں۔ میں نے متعدد یہودیوں سے اس کے بارے میں پوچھا لیکن کسی نے نہیں بتایا۔ آخر میں اسے کس طرح تلاش کر سکتا ہوں" ہیبری نے کہا۔ چند لمحوں کی خاموشی کے بعد مارتھا نے بتایا کہ اس کا باپ ہال کے دروازے کے قریب ہی سوتا ہے۔ اس کے رخساروں پر بال اور دائیں آنکھ کے اوپر زخم کا نشان ہے۔ اپنے آپ کو دوست ظاہر کرنے کے لئے صرف ایک جملہ کہنا پڑے گا "ہم یروشلم میں ملیں گے" ہیبری کے ہونٹوں پر

مسکراہٹ آگئی۔ اب وہ بہت آسانی سے سائمن کو تلاش کر سکتا تھا۔ وہ ابھی کچھ کہہ بھی نہ پایا تھا کہ دور کہیں کوئی برتن ڈھلکنے کی آواز سنائی دی اور مارتھا دوبارہ آنے کا وعدہ کر کے جلدی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ ہیری تاریکی میں اس کے ہیولے کو غائب ہوتے دیکھتا رہا جب اس کے قدموں کی ہلکی سی چاپ بھی معدوم ہو گئی تو وہ آرام سے لیٹ گیا چند سیکنڈ بعد ہی وہ نیند کی آغوش میں پہنچ چکا تھا۔

جرمن ڈاکٹر صبح سویرے ہی آ گیا اس نے ہیری کے بازو کا معائنہ کیا اور پٹی کھول دی۔ ہڈی ٹوٹی نہیں تھی بلکہ فریکچر ہو گیا تھا۔ ڈاکٹر نے جس انداز میں اس کی پسلیوں کو ٹھونک بجا کر دیکھا تھا ہیری تڑپ اٹھا۔ اس کے جانے کے بعد بھی وہ کتنی دیر تک کراہتا رہا تھا۔ سہ پہر کے قریب اسے ایک پھر انجکشن دیدیا گیا جس سے وہ رات کے ابتدائی حصے تک سوتا رہا جب آنکھ کھلی تو مارتھا شوربے کا پیالہ لے کر پہنچ گئی۔ وہ مضطرب نگاہوں سے بار بار دروازے کی طرف دیکھ رہی تھی ہیری کے پوچھنے پر مارتھا نے بتایا کہ جنگ سے پہلے وہ یہاں سے قریب ہی ایک ہسپتال میں نرس تھی۔ اس کا باپ حالات کا اندازہ لگا چکا تھا اس نے مارتھا کو انگلینڈ چلے جانے کا مشورہ دیا لیکن وہ باپ کو چھوڑ کر جانے کے لئے تیار نہیں تھی مارتھا نے بتایا کہ اس کا باپ موسیقار ہے۔ جنگ سے پہلے وہ یہاں کے لوگوں کو موسیقی سکھایا کرتا تھا۔ مارتھا ابھی تفصیلی حالات نہ بتانے پائی تھی کہ وہ جرمن نرس اندر آ گئی اس نے آتے ہی مارتھا کے دو چار تھپڑ جڑ دیئے اور اسے دھکے دیتی ہوئی باہر نکل گئی ہیری بے بسی سے دیکھتا رہ گیا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ آئندہ مارتھا کو نہیں دیکھ سکے گا لیکن اس کا یہ خیال غلط نکلا۔ مارتھا صبح سویرے ہی آ گئی اور وہ دونوں سرگوشیوں میں باتیں کرنے لگے ہیری مارتھا کے بارے میں سب کچھ جان لینا چاہتا تھا۔

وقت بڑی سست رفتاری سے گزر رہا تھا ہیری کا بازو تیزی سے ٹھیک ہو رہا تھا لیکن پسلیوں کی کیفیت جوں کی توں تھی اسے اب تھوڑی سی چہل قدمی کی اجازت بھی دیدی گئی تھی۔ وہ بھی اس صورت میں کہ ایک جرمن محافظ اسے ٹامی گن کی زد پر لئے رہتا اس کا انداز بتاتا تھا کہ ہیری پر فائر کھولنے کے لئے وہ کسی معمولی سے بہانے کا متلاشی تھا۔ آٹھ روز گزرنے کے بعد ایک شام مارتھا نے مغموم لہجے میں بتایا کہ کل ہیری کو اس کی بیرک میں واپس بھیج دیا جائے گا جہاں اسے دوبارہ مشقت پر لگا دیا جائے گا۔

"پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ میں زیادہ دن وہاں نہیں رہوں گا فرار کے لئے موقع کی تاک میں رہوں گا اور تمہیں اپنے ساتھ لیجانا نہیں بھولوں گا۔" ہیری نے اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا۔

"تم ایک بہادر آدمی ہو ہیری۔ اگر اتحادی فوج میں تم جیسے آدمی موجود ہوں تو جرمن اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتے لیکن میرا خیال دل سے نکال دو۔ میں تمہارے لئے ایک بوجھ ہی ثابت ہوں گی۔"

"نہیں! میں تمہارے بغیر یہاں سے نکلنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔" ہیری نے کہتے ہوئے اسے اچانک ہی اپنے ساتھ لپٹا لیا اس کے ہونٹ مارتھا کے ہونٹوں پر پیوست ہو گئے۔ مارتھا نے ابتداء میں معمولی سی مزاحمت کی لیکن پھر اس کا جسم ڈھیلا پڑ گیا۔ "ہر رات اس کھڑکی میں کھڑی ہو کر میرا انتظار کرنا۔ مجھے موقع کی تلاش میں ایک ہفتہ یا ایک ماہ لگ جائے لیکن میں آؤں گا ضرور۔" ہیری نے کہتے ہوئے اسے ایک بار پھر اپنے ساتھ لپٹا لیا۔ مارتھا اچانک ہی اس سے الگ ہو گئی اور متوحش نگاہوں سے دروازے کی طرف دیکھنے لگی۔ ہیری یہی سمجھا کہ وہ جا رہی ہے لیکن جب وہ دروازہ اندر سے بند کر کے واپس آئی تو وہ الجھی ہوئی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"جرمن نرس کی آج رات چھٹی ہے۔ دروازے پر محافظوں کے علاوہ ہسپتال میں اور کوئی نہیں اور محافظوں کی اندر آنے کی کوئی توقع نہیں۔" مارتھا نے جھکتی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا ہیری کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔ اس نے مارتھا کا ہاتھ پکڑ کر آہستگی سے اسے بستر پر کھینچ لیا۔

اگلی صبح ہیری کو اس کی بیرک میں واپس پہنچا دیا گیا۔ ہسپتال اور بیرک والی عمارت کا راستہ طے کرتے ہوئے وہ ایک ایک چیز کو گہری نظروں سے دیکھتا ہوا ذہن نشین کر رہا تھا۔

بیرک میں قدم رکھتے ہی ہیری ٹھٹھک گیا۔ وہاں اس کے ساتھیوں میں سے تقریباً دس آدمی موجود تھے۔ ان سب کی نظروں میں ویرانی اور خوف جھلک رہا تھا ہیری کا استقبال بھی بڑی بددلی سے کیا گیا ان کے اس رویے نے ہیری کو چونکا دیا اسے حیرت تھی کہ اس کے باقی ساتھی کہاں گئے۔ اس نے سلام سے لیفٹیننٹ جینزے کے بارے میں دریافت کیا تو سلام کے جواب میں سرد مہری نمایاں تھی ہیری جب جینزے کی کوٹھری کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا تو جینزے بستر پر لیٹا ہوا تھا۔ اسے دیکھتے ہی وہ اٹھ گیا۔ "ارے تم! میں تو سمجھا تھا کہ تم مر چکے ہو۔" وہ حیرت سے بولا۔

"میرے مرنے میں کوئی کسر نہیں رہ گئی تھی۔ دائیں بازو کی ہڈی میں فریکچر ہے۔ دو پسلیاں ٹوٹ چکی ہیں۔ لیکن بروک اور اسٹیڈ وغیرہ کہاں ہیں؟" ہیری نے جواب دیا۔

"کیا تمہیں معلوم نہیں؟" لیفٹیننٹ جینزے نے الجھی ہوئی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔ "اگر مجھے معلوم ہوتا تو میں تم سے کبھی نہ پوچھتا۔"

نے جواب دیا۔

"ایڈریو اور بروک سمیت ہمارے سات آدمیوں کو ایس ایس فائرنگ اسکواڈ نے شوٹ کر دیا ہے۔" ہیبزر نے افسردگی سے جواب دیا۔

ہیبری متحیر رہ گیا اس نے وجہ دریافت کی تو ہیبزر یکبارگی اٹھ کھڑا ہوا اور تلخ لہجے میں بولا۔ "اس لئے کہ جرمن ہم سے سبقت حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ آج سے چار دن پہلے انہیں سزا پانے والے یہودیوں کے لئے گڑھے کھودنے کے لئے جایا گیا تھا۔ ہم کمرے کے سوراخ سے سب کچھ دیکھ رہے تھے۔ یہودیوں کی دو پارٹیوں کو موت کے گھاٹ اتارا جا چکا تھا اور جب یہ لوگ گڑھوں میں مٹی ڈالنے لگے تو جرمنوں کی مشین گنوں نے انہیں بھی بھون کر رکھ دیا۔"

"کیا یہ سزا انہیں فیکٹری جلنے کے جرم میں دی گئی تھی؟" ہیبری نے ہیبزر کے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا جہاں غم کے تاثرات نمایاں تھے۔ ہیبزر نے بتایا کہ اسے کوئی وجہ نہیں معلوم ہو سکی۔ اس نے مزید بتایا کہ بیری اور اسکاٹ مین قید تنہائی کے خصوصی شعبے میں ہیں یا ممکن ہے انہیں بھی ختم کر دیا گیا ہو جیکب کو کل صبح پریڈ کے دوران کروس نے گولی مار کر ہلاک کر دیا تھا۔" پھر ہیبزر نے اچانک ہی گھوم کر ہیبری کو گریبان سے پکڑ کر جھنجھوڑ ڈالا۔ ہیبری درد کی شدت سے بلبلا اٹھا۔

"ہمارے اندر ایک غدار موجود ہے۔" ہیبزر نے تقریباً رو دینے والے لہجے میں بولا۔ "کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ وہ تم ہو۔ جس وقت فیکٹری میں آگ لگی تھی جیکب نے ایک جرمن محافظ کا چاقو گرتے ہوئے دیکھ لیا تھا جسے اس نے اٹھا کر جوتے میں چھپا لیا۔ اس نے پرسوں شام سے پہلے کسی کو اس چاقو کے بارے میں نہیں بتایا تھا۔ اس نے پارکر کے سامنے اس عزم کا اظہار بھی کیا تھا کہ کل پریڈ کے دوران اس چاقو سے کروس کو قتل کر دے گا۔"

ہیبزر چند لمحوں کو خاموش ہو گیا تھا پھر گہرا سانس لیتے ہوئے دوبارہ کہنے لگا۔ "لیکن کروس کو پہلے ہی اس کا علم ہو چکا تھا۔ پریڈ کے دوران کروس جیکب کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کی نظریں بتا رہی تھیں کہ وہ جیکب کے ارادے سے آگاہ ہو چکا ہے۔ جیکب بھی اس کی نیت بھانپ گیا لیکن اس سے پہلے کہ وہ کچھ کر سکتا کروس نے اسے گولی مار دی اور اس کی جیکٹ کی آستین سے چاقو نکال لیا۔ اس کی لاش کو پریڈ گراؤنڈ ہی میں گڑھا کھود کر دبا دیا گیا تھا۔"

"سؤر کے بچے!" ہیبری کے منہ سے بے اختیار نکلا پھر وہ ہیبزر کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "لیکن میں جاسوس نہیں ہوں لیفٹیننٹ! مجھے تو یہ بھی علم نہیں تھا کہ جیکب کے پاس کوئی چاقو تھا اور نہ ہی مجھے یہ معلوم تھا کہ وہ کروس کو قتل کرنے کا پروگرام بنا رہا ہے۔ اگر مجھے معلوم بھی ہوتا تو میں جرمنوں کے تشدد کے سامنے جان دے دیتا لیکن انہیں کچھ نہ بتاتا۔"

"ممکن ہے فیکٹری کے قریب تم نے اسے چاقو اٹھاتے ہوئے دیکھ لیا ہو لیکن نہیں۔ یہ نہیں۔" ہیبزر کی آواز بھرا گئی۔

"کیا وہ جاسوس تم نہیں ہو سکتے لیفٹیننٹ؟" ہیبری نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے پرسکون لہجے میں کہا۔

"میں بھی ہو سکتا ہوں۔" ہیبزر نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے افسردہ لہجے میں جواب دیا۔ "جیکب نے جب کروس کو قتل کر دینے والی بات کہی تھی تو اس کے بعد میں ہی واحد شخص تھا جسے چند منٹ کے لئے جرمنوں کے پاس اکیلے رہنے کا موقع ملا تھا۔" اس نے خاموش ہو کر دروازے کی طرف دیکھا پھر قمیص کے اندر سے ایک پرانی سی تصویر نکالی اور ہیبری کے سامنے کر دی جس میں ایک مسکراتی ہوئی عورت اور دو بچے نظر آ رہے تھے۔ "یہ میری بیوی اور بچے ہیں جو یہ تصویر لینے کے بعد نازیوں کی جنگی بمباری میں ہلاک ہو گئے تھے۔" اس نے تصویر بستر پر رکھی اور قمیص اوپر اٹھا دی۔ سینے پر نیچے کی طرف گولی کا نشان نظر آ رہا تھا۔ "جرمنوں کی گولی کا نشان۔ کریٹ کے محاذ پر ایک بم پھٹنے سے میں بے ہوش ہو کر گر پڑا تھا۔ بعد میں ایک جرمن پیراشوٹر نے میرے اندر زندگی کے آثار دیکھے تو سیدھی سے گولی چلا دی۔ میں سخت جان تھا۔ اس کے بعد بھی نہیں مرا۔ پھر میں جرمنوں کی ایک گشتی پارٹی کے ہتھے چڑھ گیا۔ انہوں نے رائفل کی سنگین کے ذریعے گولی کا کچھ حصہ زخم سے نکال دیا۔ اور پھر میں مختلف کیمپوں میں ہوتا ہوا یہاں پہنچ گیا۔ نہیں نہیں ہیبری! میں جرمنوں کا جاسوس نہیں ہو سکتا۔ میں تو اب تک شاید اس لئے زندہ ہوں کہ جنگ کے بعد ان وحشی درندوں کا انجام دیکھ سکوں۔"

"مجھے تم پر یقین ہے۔" ہیبری نے مدہم لہجے میں کہا۔ "کاش! میرے پاس بھی کوئی ایسا ذریعہ ہوتا جس سے میں تمہیں اپنے مخلص ہونے کا یقین دلا سکتا۔ ہم دونوں مختلف محاذوں پر لڑتے رہے ہیں۔ تم کریٹ کے محاذ پر تھے اور میں یونان سے گرفتار ہوا تھا لیکن میں جو کچھ بھی کر چکا ہوں اسے جان کر شاید تم مجھ سے نفرت کرنے لگو۔ اور شاید میری ہی یہ حرکت بہت سے لوگوں کی موت کی وجہ بن چکی ہے۔" ہیبری نے کہتے ہوئے محتاط نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھا۔

"آگ!" ہیبزر نے معنی خیز انداز میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "مجھے پہلے ہی یہ شبہ تھا کہ یہ تمہارا ہی کارنامہ ہوگا۔ میں نے تمہیں پیٹرول کا ٹین گراتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ میرا یہ خیال ہے کہ تمہارا یہ کارنامہ قابل ستائش ہے۔ اگر تم ایسا نہ بھی کرتے تو ہمارے بہت سے ساتھی اب تک مارے جا چکے ہوتے۔ تمہیں ان کی موت کا ذمہ دار نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔"

"ایک اور بات بھی ہے۔ میرا خیال ہے کہ میں اس کیمپ سے فرار ہو سکتا ہوں۔" ہیبری نے سرگوشی کی۔

"ناممکن!" جیزیے نے اسے گھورا۔ "اس احمقانہ خیال کو ذہن سے نکال دو۔"

"میں ایک ایسے آدمی کو تلاش کرنے میں کامیاب ہو گیا ہوں جو میری مدد کر سکتا ہے۔ لیکن فی الحال میں اس کے بارے میں تفصیل سے نہیں بتا سکتا۔"

"اگر ایسا ہے تو مجھے خوشی ہو گی لیکن اپنے اس پروگرام کے بارے میں کسی سے بات کرنے کی ضرورت نہیں۔" جیزیے نے مشورہ دیا۔

"غدار۔" جیبری مسکرایا۔ "ہمیں اس کالی بھیڑ کو بھی تلاش کرنا ہے لیکن اس طرح کہ اسے ہمارے بارے میں پتہ نہ چل سکے کہ ہم اسے بے نقاب کر چکے ہیں۔ اسے سامنے لانے کے لئے میں آج رات بیرک سے باہر نکلوں گا۔"

"مگر کیسے؟ دروازہ تو مقفل ہے۔" جیزیے نے الجھی ہوئی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

جیبری نے خاموش ہو کر محتاط نگاہوں سے چاروں طرف دیکھا پھر سرگوشیانہ انداز میں بتانے لگا کہ اس کے پاس تار کا ایک ٹکڑا موجود ہے جس کی مدد سے وہ تالا کھول سکتا ہے۔ اس کے علاوہ اسے ایک ریوالور اور کچھ فالتو کارتوس بھی مل گئے ہیں۔" جیزیے کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ شاید وہ یہ سب کچھ تفصیل سے جاننا چاہتا تھا۔ جیبری نے اسے شروع سے سب کچھ بتا دیا۔ ہوسٹن اور مارتھا سے ملاقات اور سائمن کے بارے میں جس پر وہ شبہ کئے ہوئے تھا۔

"میرے خیال سے کیمپ سے باہر کا تو سارا انتظام تم نے کر لیا ہے لیکن شاید یہ نہیں سوچا کہ کیمپ سے باہر کیسے نکلو گے؟" جیزیے نے اس کے خاموش ہونے پر کہا۔

"میرے ذہن میں ایک منصوبہ ہے لیکن اس سے پہلے ہمیں اس غدار کو تلاش کرنا ہو گا۔ وہ منصوبہ بھی ابھی تک میرے ذہن میں واضح نہیں ہو سکا۔ اس لئے فی الحال کچھ نہیں بتاؤں گا۔"

پھر لیفٹیننٹ جیزیے کے پوچھنے پر اس نے بتایا کہ آج آدھی رات کو وہ بیرک سے نکل کر سائمن سے ملاقات کی کوشش کرے گا۔ جیزیے اس کی واپسی تک بستر پر لیٹا نگرانی کرتا رہے کہ ان کے ساتھیوں میں سے کون جاگتا ہے۔ باتوں کے دوران جیزیے کو کھانسی کا دورہ پڑ گیا۔ کھانسی پر قابو پانے کے بعد اس نے بتایا کہ گولی کا کچھ حصہ ابھی تک اس کے جسم میں موجود ہے جس کی وجہ سے وہ شاید فرار میں ان کا ساتھ نہ دے سکے۔ جیبری کا اصرار تھا کہ وہ اسے ضرور ساتھ لے جائے گا۔ جیزیے نے ایک بار پھر نفی میں سر ہلا دیا اور مشورہ دیا کہ اب کچھ دیر سو لینا چاہئے۔ جیبری اپنے کاٹ کی طرف جاتے ہوئے سوچ رہا تھا کہ اگر لیفٹیننٹ جیزیے کو ساتھ لے جانے کے لئے اسے بے ہوش کر کے کندھے پر بھی لانا پڑے تو وہ دریغ نہیں کرے گا۔ جیزیے اپنی جگہ پر پڑا خاموشی سے اس کی طرف دیکھتا رہا۔ وہ اسے کیسے بتا سکتا تھا کہ وہ فرار میں ان کا ساتھ نہیں دے سکتا۔ وہ اگرچہ دوسرے کیمپوں میں قیدیوں کو فرار میں مدد دیتا رہا تھا لیکن خود فرار ہونے کی کوشش کبھی نہیں کی تھی کیونکہ گولی کا ٹکڑا اس کے پھیپھڑے میں اٹکا ہوا تھا اور وہ زیادہ دور تک ان لوگوں کا ساتھ نہیں دے سکتا تھا لیکن وہ سوچ رہا تھا کہ اس جہنم سے کسی نہ کسی کو باہر ضرور نکلنا چاہئے۔"

باتھ روم میں جیبری لکڑی کی دیوار کا تختہ ہٹاتے ہوئے ان لوگوں کے بارے میں سوچ رہا تھا جو فرار میں اس کا ساتھ دے سکتے تھے۔ سلام، جونز اور ہیلسن ہی جسمانی طور پر اس قابل تھے کہ بھاگ سکیں۔ دوسروں کی حالت ایسی نہیں تھی کہ وہ چند قدم تک بھی ان کا ساتھ دے سکیں۔ تختہ ہٹا کر اس نے ہاتھ اندر ڈال دیا اور تار کے ٹکڑے کے علاوہ ریوالور بھی نکال لیا۔ کئی منٹ تک وہ ریوالور کو دیکھتا رہا پھر کچھ سوچ کر اسے دوبارہ اسی جگہ رکھ دیا۔ آج رات ریوالور ساتھ لے جانا کچھ مناسب معلوم نہیں ہو رہا تھا۔ جیبری کو آج کا دن خاصا طویل لگ رہا تھا۔ انہیں کئی گھنٹے تک پریڈ کرائی جاتی رہی پھر کروس ایک ایک قیدی کے قریب آ کر گہری نظروں سے ان کا جائزہ لینے لگا۔ جیبری کا دل دھڑک اٹھا۔ اسے شبہ ہوا کہ کروس پھر کسی بہانے لے جائے گا لیکن یہ جیبری کی خوش قسمتی تھی کہ کروس نے اس کی طرف زیادہ توجہ نہیں دی۔ سہ پہر کے قریب انہیں بیرک میں واپس پہنچا دیا گیا۔ مشترکہ ہال میں سے گزرتے ہوئے جیبری مارتھا کی بتائی ہوئی نشانیوں کو ذہن میں رکھتے ہوئے کن انکھیوں سے سائمن کو تلاش کرنے لگا۔ اسے مایوسی نہیں ہوئی۔ سائمن دروازے کے قریب ہی دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھا سو رہا تھا۔ جیبری نے اپنی بیرک کی طرف بڑھتے ہوئے اس جگہ کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیا۔ انہیں بیرک میں بند کرنے کے بعد محافظ جب واپس چلے گئے تو سلام جیبری کے قریب آ کر معنی خیز لہجے میں بولا۔ "جیبری! کیا یہ حیرت کی بات نہیں کہ فیکٹری میں آگ لگنے کے موقع پر تمہارے ساتھ جتنے بھی آدمی تھے وہ سب ختم ہو چکے ہیں لیکن تم ابھی تک زندہ ہو۔" جیبری اس کی بات سن کر چونک گیا اور الجھی ہوئی نگاہوں سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔ "شاید جرمن تمہیں زیادہ پسند کرنے لگے ہیں۔ تمہیں بار بار سزا کے لئے ہم سے الگ کر دینا بھی معنی خیز ہے۔ مجھے تو شبہ ہے کہ تمہاری پسلیاں بھی نہیں ٹوٹی ہیں، بالکل ٹھیک ٹھاک ہیں۔"

"دوسرے الفاظ میں تم یہ کہنا چاہتے ہو کہ میں تم لوگوں کے خلاف جرمنوں کے لئے جاسوسی کر رہا ہوں۔" جیبری نے اسے گھورا۔

"میں تم پر کوئی الزام نہیں لگا رہا۔ محض تجسس کی بنا پر یہ سب کچھ کہہ رہا ہوں۔" سلام نے معنی خیز لہجے میں جواب دیا۔

ہیری کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔ لیکن اس نے فوراً ہی اپنی کیفیت پر قابو پا لیا اور کہا کہ ان لوگوں میں سے اگر کسی کو ڈاکٹری سے کوئی دلچسپی ہو تو وہ اس کی پسلیوں کے بارے میں اپنا اطمینان کر سکتا ہے وہ جاسوس نہیں بلکہ قیدیوں کے ساتھ مخلص ہے۔ اس موقع پر لیفٹیننٹ ھیز بے نے مداخلت کرتے ہوئے ہیری کی تائید کی اور دوسروں کو بتایا کہ وہ ہیری کے بارے میں ہر طرح سے تسلی کر چکا ہے وہ جاسوس نہیں بلکہ ان کا بہترین دوست ہے۔ چند لمحے خاموشی رہی پھر سالم نے اپنے رویے کی معذرت کرتے ہوئے ہیری کی طرف ہاتھ بڑھا دیا۔

شام ہوتے ہی ہیری سو گیا آدھی رات کے قریب لیفٹیننٹ ھیز بے نے اسے جگا دیا۔ اس مختصر سی نیند کے دوران وہ عجیب و غریب سے خواب دیکھتا رہا تھا اور اس کا جسم پسینے سے تر ہو رہا تھا۔ ان کے تمام دوسرے ساتھی گہری نیند سو رہے تھے۔ ہیری نے بوٹ میں سے وہ تار نکال لی جسے اس نے چھپا رکھا تھا پھر دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ تار کی مدد سے تالا کھولنے کی کوشش کرتے ہوئے اس کے اعصاب میں تناؤ سا پیدا ہو گیا۔ تالے کے سوراخ میں تار گھمانے کی معمولی سی آواز بھی اس سناٹے میں دور تک پھیل رہی تھی اس نے رک رک کر اپنی کوشش جاری رکھی اور بالآخر کلک کی مخصوص ہلکی سی آواز سنتے ہی اس کے چہرے میں طمانیت آ گئی۔ دروازہ کھولنے کے بعد بھی ہیری چند لمحے کسی رد عمل کا منتظر رہا دروازے کے قریب ہی سالم کا کاٹ تھا۔ اس کے کروٹ بدلنے پر کھانسنے کی آواز ابھری اور پھر اس کے ہلکے ہلکے خراٹے سنائی دینے لگے اس نے آخری مرتبہ کمرے میں اس طرف دیکھا جہاں لیفٹیننٹ ھیز بے موجود تھا پھر وہ نہایت آہستگی سے باہر نکل گیا۔ اس کا جسم پسینے میں تر ہو رہا تھا مشترکہ ہال کمرے میں داخل ہوتے ہی قیدیوں کے پسینے اور خون کی بو کا ایک بھبکا اس کے نتھنوں سے ٹکرایا۔ اس نے منہ پر ہاتھ رکھ لیا اور تاریکی میں گھومتا ہوا محتاط انداز میں بیرونی دروازے کی طرف بڑھنے لگا۔ وہ اچانک ہی ایک آدمی سے ٹکرایا جو ٹانگیں پھیلائے دیوار سے ٹیک لگائے سو رہا تھا۔ وہ سانس روک کر کھڑا ہو گیا وہ آدمی نیند میں بڑبڑا کر رہ گیا۔ دوسرے ہال کے دروازے تک پہنچنے میں ہیری کو مزید کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔ لیکن دروازہ عبور کرتے ہی اسے ایک بار پھر محتاط ہو جانا پڑا۔ وہ محض اندازے کی بنا پر سوئے ہوئے آدمیوں سے بچتا ہوا چلنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس ہال میں بیٹھے لیٹے ہوئے قیدیوں کی کراہیں ابھر رہی تھیں جس میں نسوانی آوازیں بھی شامل تھیں، وہ ان آوازوں کی طرف توجہ دیئے بغیر آگے بڑھنے کی کوشش کرتا رہا۔ آگے بڑھتے ہوئے وہ سوچ رہا تھا کہ اس وقت اگر جرمن آ گئے تو اسے یہاں دیکھ کر کوئی سوال کئے بغیر شوٹ کر دیں گے اس خیال کے ساتھ ہی وہ سر تا پا لرز اٹھا۔ وہ دل ہی دل میں دعا مانگتا ہوا قدم بہ قدم آگے بڑھتا رہا۔ تاریکی اس قدر گہری تھی کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔ لیکن وہ تاریکی کے بارے میں نہیں سائمن کے بارے میں سوچ رہا تھا جو آخری آزادی کے لئے اس کی آخری امید تھی۔ چند منٹ بعد وہ بیرونی دروازے کے قریب پہنچ گیا لیکن یہ چند منٹ بھی اسے کئی صدیوں پر بھاری محسوس ہو رہے تھے۔ چند لمحوں تک وہ اس جگہ کے بارے میں اندازہ لگانے کی کوشش کرتا رہا جہاں سائمن کو ہونا چاہئے تھا پھر وہ دروازے کے بائیں طرف ٹٹولتا ہوا آگے بڑھنے لگا۔ بالآخر اس کے پیر ایک خوابیدہ آدمی کے جسم سے ٹکرائے اور وہ گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا اور پھر ہاتھوں سے ٹٹول کر دیکھنے لگا۔ اس آدمی کے رخساروں پر بال محسوس کر کے اسے یقین ہو گیا کہ یہی سائمن ہے۔ عین اسی وقت سائمن گڑبڑا کر اٹھ گیا۔ اس کے منہ سے جرمن زبان کا ایک لفظ نکلا تھا کہ ہیری نے بڑی پھرتی سے اس کا منہ دبا لیا اور سرگوشی میں بولا۔

"اگر تم میتھوس سائمن ہو تو گھبرانے کی بات نہیں۔" اس کے جواب میں بوڑھے نے اثبات میں سر ہلایا تو ہیری نے اس کے منہ سے ہاتھ ہٹا لیا۔ سائمن نے بھی سرگوشی کرتے ہوئے دریافت کیا کہ وہ کون ہے اور کیا چاہتا ہے ہیری نے بتایا کہ وہ آسٹریلین قیدی ہیری وائٹ ہے اور سائمن کی مدد کا خواہاں ہے۔ چند لمحوں خاموشی رہی پھر سائمن مدہم لہجے میں بولا۔ "ہیری وائٹ! ہاں میں نے اس نام کے ایک آسٹریلین قیدی کے بارے میں بہت کچھ سنا ہے جو اکثر جرمن محافظوں سے بھڑتا رہتا ہے۔ اس کیمپ میں ہونے والی اکثر باتیں میرے علم میں آ جاتی ہیں لیکن میں تمہاری کیا مدد کر سکتا ہوں؟"

ہیری نے ایک گہرا سانس لیا۔ پھر اسے تمام واقعات تفصیل سے بتا دیئے۔ آخر میں بولا۔ "میں مارتھا سے محبت کرتا ہوں میتھوس! اور اسے اپنے ساتھ لے جانا چاہتا ہوں۔"

"مارتھا کے بارے میں تمہارے تاثرات جان کر خوشی ہوئی لیکن مارتھا خالص یہودی النسل ہے۔ اسے کسی کے ساتھ جانے کی اجازت دینے سے بہتر ہوگا کہ وہ نازی درندوں کی بربریت کا شکار ہو جائے، مجھے افسوس ہے میں تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتا۔ اس کے علاوہ اس کیمپ سے نکلنے کا کوئی ذریعہ بھی نہیں ہے۔" سائمن نے جواب دیا۔ میں چند لمحے تاریکی میں اس کے چہرے کی طرف گھورتا رہا پھر ہولسٹن اور مارتھا کے حوالے سے بتایا کہ کیمپ سے باہر نکلنا اس کی ذمہ داری ہے۔ وہ صرف ان لوگوں کے بارے میں بتا دے جن سے کیمپ سے باہر رابطہ قائم کیا جا سکتا ہے سائمن نے جواب میں کہا کہ وہ سب لوگ اب تک ختم ہو چکے ہوں گے"

"یہ بات تم یقین سے تو نہیں کہہ سکتے۔ بہر حال میں اور تمہاری

بیٹی ہر صورت میں یہاں سے نکلنا چاہتے ہیں تاکہ جنگ کے خاتمہ پر جرمن درندوں کو اس بربریت کی سزا مل سکے۔" ھیبری بولا۔

"میری بیٹی سے تمہاری ملاقات کب ہوئی تھی؟" سائمن نے پوچھا۔ ھیبری اس کے لہجے میں تشکیک کا عنصر محسوس کر چکا تھا۔ وہ چند لمحوں کی خاموشی کے بعد بولا۔ "اس نے مجھے شناختی جملہ بھی بتایا تھا۔ تم سے یروشلم میں ملاقات ہوگی۔" ھیبری کا جملہ ختم ہوتے ہی سائمن نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ "اب میں تم پر اعتماد کر سکتا ہوں میرے بیٹے میری بیٹی اس وقت تک کسی کو یہ خفیہ الفاظ نہیں بتا سکتی جب تک کہ سے خود اس پر اعتماد نہ ہو اور... سائمن کہتے کہتے اچانک رک گیا پھر تیزی سے بولا۔ "جرمن حافظ آ رہے ہیں۔"

ھیبری ایکدم گھبرا گیا۔ اس نے اٹھنا چاہا مگر سائمن نے اسے بازو سے پکڑ کر لٹا لیا اور مشورہ دیا کہ واپس جانے کی کوشش کرنے کے بجائے کمبل اوڑھ کر یہیں لیٹ جائے۔ ھیبری ایک لمحے کو جھجکا پھر اس کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے لیٹ کر اس طرح کمبل اوڑھ لیا کہ اس کی وردی پوری طرح چھپ گئی۔ دروازہ کھلا وہ ٹارچ کی روشنی نظر آئی۔ ھیبری سوچ رہا تھا کہ وہ لوگ اگر ان کی بیرک تک پہنچ گئے تو اس کا زندہ بچنا محال ہوگا۔ لیکن اس کا یہ خدشہ بے بنیاد نکلا۔ محافظ ایک خوابیدہ یہودی کے پاس رک گئے اور اسے پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے باہر چلے گئے۔ ہال کے باہر سے بھی یہودی کے چیخنے چلانے کی آوازیں سنائی دیتی رہیں۔

ھیبری کے پوچھنے پر سائمن نے بتایا کہ ان یہودیوں میں بھی جرمنوں کے جاسوس موجود ہیں اور جو اپنی جان بچانے کے لئے اپنے ہموطنوں کے خلاف جاسوسی کرتے ہیں۔ اس شخص نے اپنے ہموطنوں کے خلاف زہر اگلا تھا جس کی اطلاع جرمنوں کو مل گئی اور اب صبح ہونے سے پہلے پہلے اسے ختم کر دیا جائے گا۔ لیکن ہم جلد ہی معلوم کر لیں گے کہ ہم میں یہ غدار کون ہے یہ کوئی زیادہ مشکل نہیں۔ ھیبری کو اپنی بیرک کا خیال آ گیا۔ ان میں بھی ایک غدار موجود تھا۔ اس نے اس سلسلے میں بھی سائمن سے مدد طلب کی تو سائمن نے اسے ایسا طریقہ بتا دیا جس سے اس غدار کی نشاندہی ہو سکتی تھی۔ چند لمحوں کی خاموشی کے بعد سائمن کیمپ سے باہر اپنے آدمیوں کے بارے میں بتانے لگا پھر ھیبری کا ہاتھ پکڑ کر دیوار پر ایک جگہ رکھتے ہوئے بتانے لگا کہ یہاں تختے کے پیچھے کچھ کاغذات موجود ہیں جن پر یہودیوں کے مظالم کی تفصیل موجود ہے مرنے سے پہلے وہ ان کاغذات کو حاصل کر لے۔"

"ایک بات اور۔" سائمن بات جاری رکھتے ہوئے بولا۔ "میری بیٹی مجھے بھی اپنے ساتھ لے جانا چاہے گی لیکن میں بوڑھا ہو چکا ہوں کہ تم لوگوں کا ساتھ نہیں دے سکتا تم اس کو بھی بتانا کہ تم سے ملاقات کے بعد جرمنوں نے مجھے گولی مار دی تھی۔" ھیبری نے کچھ کہنا چاہا مگر سائمن اس کا ہاتھ دبا کر دوبارہ کہنے لگا۔ "میں چاہتا ہوں کہ میری بیٹی ان درندوں کے شکنجے سے نکل جائے تم بھی یہی چاہتے ہو۔ اسے یہاں سے بچانے کا صرف یہی ایک طریقہ ہے بصورت دیگر وہ مجھے چھوڑ کر نہیں جائے گی۔"

ھیبری چند لمحوں تک خاموش رہا پھر اس کی ہدایت پر عمل کرنے کا وعدہ کر کے اٹھ گیا۔ اور محتاط انداز میں اپنی بیرک کی طرف بڑھنے لگا۔

اپنی بیرک میں واپس پہنچ کر ھیبری نے لیفٹیننٹ ھیبر کو پوری تفصیل بتا دی۔ اور بتایا کہ ان میں جاسوس صرف ایسا شخص ہو سکتا ہے جو جسمانی لحاظ سے فرار ہونے کے قابل ہو۔ ان دونوں کے علاوہ صرف تین آدمی ایسے تھے۔ سلام، جونز اور ولسن غدار بھی ان تینوں ہی میں سے کوئی ایک ہو سکتا ہے۔ لیفٹیننٹ ھیبر گہری سوچ میں ڈوب گیا اب اسے خیال آ رہا تھا کہ ان تینوں کو بھی اکثر اس لئے بچایا جاتا رہا ہے۔ جہاں انہیں جرمنوں سے تنہائی میں باتیں کرنے کے مواقع حاصل تھے۔ لیکن اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ ان تینوں میں سے کوئی غدار ہو سکتا ہے لیکن بہرحال ایسا ہو رہا تھا۔ ھیبری نے بتایا کہ وہ صبح ان تینوں کے سامنے اپنے فرار کا منصوبہ رکھے گا اس کے بعد یہ اندازہ لگانے کی کوشش کرے گا کہ اس کا منصوبہ جرمنوں تک کس طرح پہنچتا ہے۔ اس کے بعد وہ اپنے کاٹ میں آ کر لیٹ گیا لیکن نیند اب بھی اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔

اگلے روز ھیبری ان تینوں کو کمرے کے ایک کونے میں لے گیا اور رازدارانہ لہجے میں اپنے فرار کا پروگرام سامنے رکھتے ہوئے کہنے لگا۔ "میں باہر کے کچھ لوگوں سے رابطہ قائم کرنے میں کامیاب ہو گیا ہوں لیکن فی الحال ان کے نام نہیں بتاؤں گا بس کیمپ سے باہر نکلنے کا مسئلہ ہے۔ اس کے بعد ہم ہر لحاظ سے محفوظ ہوں گے۔"

"تم بہت بڑا رسک لے رہے ہو ھیبری۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ ہم میں کوئی جاسوس موجود ہے تم نے اپنا منصوبہ سب کے سامنے بتا دیا۔" سلام بھنویں سکوڑ کر بولا۔

"سلام ٹھیک کہتا ہے۔ اگر جرمنوں کو معلوم ہو گیا کہ تم کیا سوچ رہے ہو تو..." جونز نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے جان بوجھ کر جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"میں جرمنوں کے تشدد کا عادی ہو چکا ہوں۔ اگر وہ میری کھال بھی کھینچ لیں تو میں ان آدمیوں کے نام نہیں بتاؤں گا۔ اس کے علاوہ مجھے یقین ہے کہ تم تینوں میں سے کوئی بھی اپنے ساتھیوں سے غداری

... سکتا۔ ہماری بیرک میں جاسوس کون ہے۔ یہ میں کیمپ سے نکلنے سے پہلے معلوم کروں گا۔" جیری نے باری باری ان تینوں کے چہروں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"تم ہمیں اپنے ساتھ کیوں ملانا چاہتے ہو جبکہ اکیلے فرار ہونا زیادہ مناسب رہے گا۔" بنسن نے کہا۔

"کیا حماقت ہے۔ کیا تم لوگ اس جہنم سے نکلنا نہیں چاہتے؟ اس بارک میں صرف تم تینوں ایسے ہو جو میرا ساتھ دے سکتے ہو۔" جیری کے لہجے میں ہلکی سی تلخی تھی۔

"ٹھیک ہے جیری! میں تمہارے ساتھ ہوں۔ اور تم لوگوں کا کیا خیال ہے دوستو؟" سلام نے کہتے ہوئے دوسرے ساتھیوں کی طرف دیکھا۔ ان دونوں نے بھی اقرار میں سر ہلا دیا۔ پھر بنسن نے مشورہ دیا کہ لیفٹیننٹ جینر کو بھی اس منصوبے میں شامل کر لیا جائے تو مناسب ہوگا۔" جیری کے ذہن میں اچانک ہی ایک اور خیال ابھرا۔ اس نے سرگوشیانہ انداز میں بات کرتے ہوئے کہا کہ وقت آنے پر جینر کے بارے میں بھی سوچا جائے گا لیکن فی الحال وہ اسے قابلِ اعتماد نہیں سمجھتا۔ اس موقع پر سلام نے لقمہ دیتے ہوئے کہا کہ اگر جینر جاسوس نہ بھی ہو تو وہ ان کا ساتھ نہیں دے سکتا کیونکہ اس کے پھیپھڑے میں گولی لگی ہوئی ہے اور وہ زیادہ دور تک ان کا ساتھ نہیں دے سکتا۔" جیری نے انہیں ہدایت کی کہ اب سے لے کر وہ گیٹ، محافظ اور کیمپ میں آنے جانے والی چیزوں پر گہری نظر رکھیں ممکن ہے انہیں فرار کا کوئی راستہ مل ہی جائے۔ بنسن کوئی بات کرنا ہی چاہتا تھا کہ چند جرمن محافظوں کو بیرک میں داخل ہوتے دیکھ کر وہ خاموش ہو گیا۔ محافظوں نے انہیں بیرک سے نکال کر میدان میں کھڑا کر دیا۔ اس وقت بارش ہو رہی تھی جس سے سردی کی شدت میں اضافہ ہو گیا تھا۔ محافظوں کے جسموں پر گرم کپڑے اور بھاری کوٹ موجود تھے لیکن قیدیوں کے جسموں پر وردیاں بھی چیتھڑوں میں جھول رہی تھیں۔ وہ بارش میں کھڑے کپکپاتے رہے۔ کروس بار بار ان کے سامنے سے گزر رہا تھا۔ بالآخر دو دو تین تین کی ٹولیوں میں انہیں مارچ کرایا جانے لگا۔ پھر جیری یہ دیکھ کر چونک گیا کہ سلام، بنسن اور جونز کو ایک ایک کر کے مارچ کراتے ہوئے دفتر کی طرف لے جایا جا رہا تھا۔

میجر ارنسٹ میز کے پیچھے کرسی پر بیٹھا اپنے سامنے بیٹھے ہوئے آدمی کو دیکھ رہا تھا۔ "سگار اور سیٹ لوگے شیپرڈ؟" اس نے نرم لہجے میں پوچھا۔

"نہیں!" اس شخص نے نفی میں سر ہلا دیا۔ اس کے جسم پر قیدیوں والے پھٹے ہوئے کپڑے تھے۔ "دل تو چاہتا ہے کہ پوری بوتل ہی چڑھا جاؤں لیکن میرے منہ سے شراب کی بو محسوس کر کے وہ لوگ شبے میں مبتلا ہو جائیں گے۔ سگریٹ ضرور پیوں گا۔" اس نے کہتے ہوئے میز پر رکھے ہوئے پیکٹ میں سے ایک سگریٹ نکال کر سلگایا اور کش لگانے لگا۔

"اس وقت تم نے واقعی بہترین اداکاری کا مظاہرہ کیا ہے شیپرڈ! کیا تمہیں یقین ہے کہ جیری فرار کا منصوبہ بنا رہا ہے؟" میجر ارنسٹ نے کہا۔

"بالکل! اس کا خیال ہے کہ کیمپ سے باہر اس کے دوست اس کی مدد کریں گے۔ وہ یہ بھی سمجھتا ہے کہ میں فرار میں اس کا ساتھ دوں گا۔" شیپرڈ نے جواب دیا۔

"میں جیری کو بلوا رہا ہوں، چند سیکنڈ میں اس کے حلق سے اس کے دوستوں کا نام اگلوا لوں گا۔" میجر ارنسٹ نے گھنٹی کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

"پاگل مت بنو ارنسٹ! میں جیری کو سمجھ چکا ہوں تم اس کی کھال بھی کھینچ لو گے تو وہ زبان نہیں کھولے گا۔ اس کے علاوہ اب وہ زیادہ تشدد کا متحمل نہیں ہو سکتا۔" شیپرڈ نے کہا۔

"کیا تمہارے پاس کوئی اور منصوبہ ہے کیپٹن؟" میجر ارنسٹ بولا۔ اس مرتبہ اس کے لہجے میں احترام تھا۔

"ہاں، اس کے علاوہ اور کوئی طریقہ نہیں کہ میں فرار میں اس کے ساتھ رہوں۔" شیپرڈ کہتے ہوئے اٹھ گیا۔

"خیال تو اچھا ہے۔ لیکن کیا تم ان تینوں سے نمٹ سکو گے؟" میجر نے پوچھا۔

"کیمپ سے صرف جیری فرار ہوگا۔ یہ سوچنا اب تمہارا کام ہے کہ باقی دونوں کو کس طرح روکا جائے۔ زیادہ بہتر یہ ہوگا کہ فرار کی کوشش سے پہلے ہی دونوں ختم ہو جائیں۔"

"میرا خیال ہے کہ کروس اس معاملے کو بخوبی نمٹا لے گا۔" میجر ارنسٹ مسکرا دیا۔

"میں اس کے لئے تمہیں صرف آج اور کل کا دن دے سکتا ہوں۔ جیری فرار کی کوشش کل رات کو عمل میں آئے گی۔ اس سے پہلے باقی دونوں کو ختم ہو جانا چاہیے۔ اور بہتر ہوگا کہ آج سے بعد میری تم سے کوئی ملاقات نہ ہو۔" شیپرڈ نے کہا۔

"ہم تمہاری ہدایت پر عمل کریں گے کیپٹن! اب بتاؤ تمہارا منصوبہ کیا ہے؟" میجر ارنسٹ نے پوچھا۔

شیپرڈ اس کی میز پر جھک گیا۔ اور سرگوشیوں میں اسے اپنے منصوبہ کی تفصیل بتانے لگا۔ میجر ارنسٹ کے دفتر کے باہر دروازے کے عین سامنے ایک یہودی قیدی گیلے کپڑے سے فرش صاف کر رہا تھا۔ اس کی نگرانی کے لئے ایک مسلح محافظ بھی قریب ہی کھڑا تھا۔ یہودی بظاہر اپنے کام میں مگن تھا مگر اس

کی توجہ کمرے کے اندر ہونے والی گفتگو پر لگی ہوئی تھی۔ اس نے ایک اتحادی قیدی کو بھی اندر جاتے ہوئے دیکھا تھا۔ وہ اندر کی گفتگو واضح طور پر نہ سن سکا لیکن جب میجر ارنسٹ نے قیدی کو کیپٹن کہہ کر مخاطب کیا تو اس کی آنکھوں میں چمک سی ابھر آئی تھی۔

صبح کے وقت بارش قدرے تھم چکی تھی۔ جرمن محافظ معمول کے مطابق صبح سویرے لاتعداد یہودیوں کو موت کے گھاٹ اتار چکے تھے۔ اس کے بعد چار اور قیدیوں کو وہاں لایا گیا جو اہم نوعیت کے سیاسی قیدی تھے۔ ان میں کم از کم ایک تو ایسا تھا جس نے سینہ تان رکھا تھا۔ انہیں موت کی سزا دینے کے لئے جرمنوں نے مشین گنوں کا سہارا لینے کی بجائے دوسرا طریقہ اختیار کیا۔ کھدے ہوئے گڑھے کے قریب ایک درخت کا کٹا ہوا تنا پڑا تھا۔ اس کے دوسری طرف ایک بہت بالٹی بھی موجود تھی۔ قریب ہی ایک جرمن محافظ جو بھدے جسم والا تھا، تیز دھار کلہاڑا لئے تیار کھڑا تھا۔ پہلے قیدی کو جب دھکیلتے ہوئے وہاں لایا گیا تو اس کے پیروں میں زنجیر تھی اور ہاتھ بھی پشت پر بندھے ہوئے تھے۔ محافظوں کا مطلب سمجھتے ہوئے قیدی نے گھٹنوں کے بل بیٹھ کر اپنا سر لکڑی پر رکھ دیا۔ وہ سمجھ چکا تھا کہ موت اس کا مقدر بن چکی ہے۔ وہ بزدلی کا مظاہرہ کرنے کے بجائے بہادروں کی طرح مرنا چاہتا تھا۔ محافظ نے دونوں ہاتھوں سے کلہاڑا اوپر اٹھا لیا اور پھر ایک جھٹکے سے کلہاڑا نیچے آ گیا۔ قیدی کا سر کٹ کر بالٹی میں جا گرا اور تڑپتا ہوا جسم گڑھے میں لڑھک گیا۔ دوسرے قیدی کو وہاں لایا گیا تو خوف و دہشت سے چیخ رہا تھا۔ اسے زبردستی لکڑی پر جھکا دیا گیا اور پھر جلاد کے ایک ہی وار نے اس کا تن بھی سر سے جدا کر دیا۔ تیسرے آدمی کو اسی طرح فوری طور پر موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ لیکن چوتھے آدمی کے ساتھ قدرے مختلف طریقہ اختیار کیا گیا۔

اس کا سر لکڑی پر لگا ہوا تھا۔ محافظوں کے انچارج نے جرمن زبان میں چیخ کر کچھ کہا۔ جلاد نے کلہاڑا سر سے بلند کر کے وار کر دیا لیکن کلہاڑا قیدی کی گردن سے صرف ایک انچ کے فاصلے پر لکڑی میں پیوست ہو گیا۔ قیدی تھرا اٹھا لیکن وہ اپنی جگہ سے ہلا نہیں۔ دوسری ضرب کلہاڑے نے اس کی گردن پر ایک سرخ لکیر سی کھینچ دی۔ جیری کو یہ سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ محافظ اس کھیل سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ قیدی ان کے سامنے گڑگڑائے گا، رحم کی بھیک مانگے گا مگر ایسا نہیں ہوا۔ مزید دو مرتبہ جلاد نے اس کی گردن پر دو ہلکے ہلکے زخم لگائے۔ اس کی گردن سے خون بہہ رہا تھا لیکن اس نے رحم کی بھیک نہیں مانگی۔ اس کی نظریں سامنے بالٹی میں پڑے ہوئے تین سروں پر جمی ہوئی تھیں۔ اس کی آنکھوں میں اگرچہ خوف تھا لیکن وہ اس کا اظہار نہیں کرنا چاہتا تھا۔ ممکن ہے جرمن محافظ یہ کھیل کچھ دیر اور جاری رکھتے کہ اسی وقت ایک لیفٹیننٹ کہیں سے نمودار ہوا۔ اس نے چیخ کر آرڈر دیا اور جلاد نے کلہاڑے کے بھرپور وار سے چوتھے قیدی کا سر بھی تن سے جدا کر دیا۔

جیری کے منہ سے غلیظ گالیوں کا طوفان ابل پڑا۔ ایک جرمن محافظ نے اس کی پشت پر رائفل کا بٹ رسید کرتے ہوئے اسے گڑھا کھودنے کا حکم دیا۔ جیری کی گرفت بیلچے کے دستے پر مضبوط ہو گئی۔ لیکن اس نے فوراً ہی اپنی اس کیفیت پر قابو پا لیا۔

دوپہر سے کچھ پہلے تقریباً دو سو نئے قیدی اس کیمپ میں لائے گئے جن میں عورتیں بھی تھیں اور بچے بھی۔ ایک قیدی کو تو کیمپ میں داخل ہوتے ہی ایک محافظ نے سر پر رائفل کا بٹ مار کر ہلاک کر دیا۔ جوزز اس وقت دفتر والے بلاک کے قریب ہی بالٹیاں دھو رہا تھا۔ اس سے چند قدم کے فاصلے پر لیفٹیننٹ ہینرچ بھی یہی کام کر رہا تھا۔ اچانک کروس کسی طرف سے نمودار ہوا اور جوزز کا کام ناپسند کرتے ہوئے اسے دوبارہ بالٹیاں صاف کرنے کا حکم دیا۔ جوزز نے بالٹیاں ریت سے رگڑ رگڑ کر چمکا دیں۔ مگر کروس کی نظر میں بالٹیاں اب بھی میلی تھیں۔ جوزز کا خون کھول اٹھا اور اس کے منہ سے بے اختیار گالیاں نکلنے لگیں۔ کروس نے اس کے منہ پر کوڑے کا دستہ رسید کیا۔ جوزز لڑکھڑا گیا۔ اور پھر اسے سنبھلنے کا موقع دیئے بغیر کروس اس پر کوڑے برسانے لگا۔ ایک اور محافظ بھی اسے ٹھوکریں مارنے لگا۔ کروس نے ریوالور نکال کر اسے اٹھنے کا حکم دیا۔ جوزز ادھ موا ہو رہا تھا۔ وہ کروس کے ہاتھ میں ریوالور نہ دیکھ سکا اور اٹھنے کی کوشش کرنے لگا۔ ابھی وہ پوری طرح سیدھا بھی نہ ہو پایا تھا کہ کروس نے اس کے سر کا نشانہ لے کر یکے بعد دیگرے تین گولیاں چلا دیں۔ جوزز کا سر پاش پاش ہو گیا۔ وہ نیچے گرتے ہی ختم ہو چکا تھا لیکن کروس شاید مطمئن نہیں تھا۔ اس نے نیچے جھک کر ریوالور کی نال جوزز کے خون آلود سے لگائی اور فائر کر دیا۔ اس نے اٹھ کر مطمئن انداز میں لاش کی طرف دیکھا اور دفتر والے بلاک کی طرف چل دیا۔

جیری اور ریک نیل نامی ایک قیدی کو جوزز کے لئے گڑھا کھودنے پر مجبور کیا گیا۔ جیری کو جوزز کی موت کا افسوس تھا لیکن اس سے اس کا کام کچھ سہل ہو گیا تھا۔ اب صرف ہینسن اور سلالم باقی تھے اور غدار ان دونوں میں سے ایک تھا۔ دوپہر کے بعد جیری کو سلالم کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملا۔ وہ اینٹیں ایک جگہ سے اٹھا کر دوسری جگہ پہنچا رہے تھے۔ ان کے ساتھ ساتھ حرکت کرتا ہوا محافظ جب ایک جگہ رک کر سگریٹ کے کش لگانے لگا تو سلالم نے موقع پا کر کہا۔

”میں نے یہاں سے نکلنے کا ایک راستہ دریافت کر لیا ہے۔ میرا خیال ہے باؤن ہاؤس مناسب رہے گا۔“

وضاحت کرو۔" صبری نے جنگلے کے قریب اینٹوں سے بنی ہوئی ایک مختصر سی عمارت کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ جہاں ایک محافظ گیٹ کے سامنے تھا اور دوسرا اندر گشت کر رہا تھا۔ سلام نے بتایا کہ اگر ہم محافظ کو قابو کر کے مین سوئچ آف کر دیں تو صورتحال کا علم ہونے سے پہلے ہی ہم خاردار تاروں کا جنگلا عبور کر سکتے ہیں۔ صبری نے ایک بار پھر عمارت کی طرف دیکھتے ہوئے بتایا کہ وہاں ایک سے زیادہ محافظ موجود ہیں اور رات کے وقت گیٹ بھی یقیناً مقفل رہتا ہوگا۔

"یہ درست ہے" سلام نے بھی پاور ہاؤس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا "مجھے آج صبح وہاں کام کرنے کا موقع مل چکا ہے۔ میں تھوڑی بہت جرمن زبان بھی سمجھ لیتا ہوں۔ ان میں سے ایک محافظ اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا کہ کل رات وہ کسی کو اطلاع دیئے بغیر چھٹی کرے گا۔ وہ کسی کو اس کی غیر حاضری کا علم نہ ہونے دے۔ دروازہ اگرچہ مقفل ہوتا ہے میں نے وہ تالا دیکھا ہے۔ تار کی مدد سے آسانی سے کھولا جا سکتا ہے"

"یہ کوئی مسئلہ نہیں۔ برقی رو منقطع کرنے کے بعد ہمیں خاردار تاروں کا جنگلا عبور کرنے میں کچھ وقت ضرور لگے گا۔ پختہ دیوار بھی آسانی سے پھلاند سکتے ہیں البتہ کتے اور گشت کرتے ہوئے محافظ ہمارے لئے دشواری پیدا کر سکتے ہیں" صبری نے ایک بار پھر پاور ہاؤس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"اگر ہم سحر ہونے سے تقریباً ایک گھنٹہ پہلے نکلنے کی کوشش کریں تو مسئلہ کسی قدر حل ہو سکتا ہے۔ کتے اس وقت تھک کر بیٹھ جاتے ہیں۔ اور محافظوں کے بارے میں۔۔ میں آج رات کو دیوار کے خفیہ سوراخ سے جھانک کر دیکھوں گا کہ وہ لوگ اس وقت کیا کرتے ہیں" سلام نے جواب دیا۔ صبری کوئی جواب دینا ہی چاہتا تھا کہ محافظ کو اپنی طرف آتے دیکھ کر خاموش ہو گیا اور کام کرنے لگا۔ وہ سلام کے اس منصوبے پر غور کر رہا تھا جو قابل عمل تو تھا لیکن وہ سوچ رہا تھا کہ یہ واقعی سلام کے ذہن کی پیداوار ہے یا یہ منصوبہ جرمنوں کا تیار کردہ تھا۔

شام سے کچھ پہلے کام روک دیا گیا اور میدان میں مارچ کرایا جانے لگا۔ اب ان کی تعداد صرف آٹھ تھی۔ لیفٹیننٹ جینز اس طرح سر جھکائے کھڑا تھا جیسے ساری دنیا کا بوجھ اس کے ناتواں کندھوں پر لاد دیا گیا ہو۔ بالآخر انہیں بیرک میں لے جایا جانے لگا تو ہال کے دروازے کے قریب سے گزرتے ہوئے صبری کی نظریں سائمن کی طرف اٹھ گئیں۔ سائمن اس سے آگے سلام کی طرف دیکھ کر مدہم لہجے میں بڑبڑایا "ایس ایس کا کیپٹن"۔ صبری نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ سائمن نے ان میں موجود جاسوس کی نشاندہی کر دی تھی۔ صبری کا دل چاہا کہ ابھی اور اسی وقت سلام کا گلا گھونٹ دے لیکن وہ بڑی مشکل سے اپنے اس خیال کو ذہن سے نکال سکا اگر وہ جاسوس بھی تھا تو کیمپ سے نکلنے کے لئے صبری کو اس کی مدد کی ضرورت تھی۔

صبری کا دماغ سلگ رہا تھا۔ وہ یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اپنے آپ کو امریکی ظاہر کرنے والا حبشی سلام گسٹاپو کا کیپٹن بھی ہو سکتا ہے۔ وہ سوچ رہا تھا کہ لیفٹیننٹ جینز کو آگاہ کر دے کہ جاسوس کون ہے؟ اسے یہ سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ سلام اس کے گرد جال پھیلا رہا تھا لیکن مارتھا کے ساتھ ایک مرتبہ کیمپ کی حدود سے باہر نکلنے کے بعد وہ اس غدار کا خاتمہ کر دیگا۔ وہ کسی سے کوئی بات کرنے کی بجائے خاموش بیٹھا رہا۔ اس کی کوشش تھی کہ وہ سلام کی طرف نہ دیکھ پائے لیکن جب سب لوگ اپنے اپنے کابکوں میں دبک گئے تو صبری سلام کے قریب پہنچ گیا۔

"کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ تمہارا فرار کا یہ منصوبہ کامیاب ہو سکتا ہے" اس نے مدہم لہجے میں کہا۔ سلام نے محتاط نگاہوں سے چاروں طرف دیکھا اور سرگوشیانہ انداز میں بولا "میں آج دن بھر اس کے بارے میں سوچتا رہا ہوں۔ پاور ہاؤس خاردار جنگلے سے زیادہ دور نہیں ہے۔ پاور ہاؤس کے محافظ پر قابو پانے کے بعد ہمارے سامنے کوئی رکاوٹ نہیں رہے گی اور جب انہیں پتہ چلے گا ہم بہت دور نکل چکے ہوں گے"

"حیرت ہے کہ اب سے پہلے کسی قیدی نے اس انداز میں کیوں نہیں سوچا تھا" صبری نے تعجب کا اظہار کیا۔

"یقیناً سوچا ہوگا لیکن پہلے پاور ہاؤس پر زیادہ پہرہ تھا پھر انہیں یقین ہو گیا کہ کوئی قیدی یہاں سے فرار نہیں ہو سکتا اس لئے پاور ہاؤس پر محافظوں کی تعداد کم کر دی۔ اور پھر آج تو انہیں خود بھی معلوم نہیں کہ ہمارے فرار کے وقت ایک محافظ ڈیوٹی پر موجود نہیں ہوگا"

"گڈ" صبری نے کہا۔ وہ اپنی اندرونی کیفیت چھپانے کی بھرپور کوشش کر رہا تھا "تم آج رات بھر دیوار کے خفیہ سوراخ سے محافظوں کی نقل و حرکت کا جائزہ لو گے۔ اگر پسند کرو تو میں تمہارا ساتھ دے سکتا ہوں"

"ٹھیک ہے آدھی رات سے پہلے تم ڈیوٹی دو۔ اس کے بعد پو پھٹنے تک میں یہ فریضہ انجام دوں گا" سلام نے مسکرا کر کہا۔ صبری کے جواب دینے سے پہلے ہی لائٹ آف ہو گئی۔ سلام نے ایک غلیظ گالی دی اور بستر پر لیٹتے ہوئے صبری کو ہدایت کی کہ آدھی رات کے وقت اسے جگا دیا جائے۔ صبری اٹھ کر تاریکی میں چلتا ہوا دیوار میں بنے ہوئے خفیہ سوراخ سے باہر جھانکنے لگا۔ سرچ لائٹ کی روشنی گردش کر رہی تھی اور مسلح محافظ دیوار کے قریب گشت کرتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ چاندنی رات تھی اور سلام نے آدھی رات کے بعد کا پروگرام بنایا تھا۔ اس وقت چاند غروب ہو چکا تھا۔ صبری سوچ رہا تھا کہ فرار ہونے سے پہلے اسے چند منٹ کے

لیے سلام سے نجات حاصل کرنا پڑے گی تاکہ مارتھا کو لا سکے۔ مارتھا کے خیال کے ساتھ ہی ھیبری کے ذہن میں یہ خیال اُبھرا کہ اگر اُس نے کیمپ سے باہر کے لوگوں کا تذکرہ نہ کیا ہوتا تو شاید سلام کے توسط سے جرمنوں کی طرف سے فرار کا یہ سیٹ اپ تیار نہ کیا جاتا۔ اُس کے برعکس وہ ھیبری کو اذیتیں دے دے کر ہلاک کر دیتے پھر مارتھا پر اُس وقت تک تشدد کرتے جب تک کہ وہ زبان نہ کھول دیتی۔

رات دبے قدموں رینگ رہی تھی۔ چاند اب زوال پذیر تھا دیوار کے قریب گشت کرتے ہوئے محافظوں کی تعداد اب کم ہو گئی تھی۔ اُسے اچانک ہی جونز کا خیال آ گیا جسے کروس نے بیدردی سے موت کے گھاٹ اُتار دیا تھا۔ وہ سوچنے لگا کاش روانگی سے پہلے اُسے اتنا موقع مل جائے کہ کروس کی گردن مروڑ سکے۔

"کہاں تک پہنچے ھیبری؟" اپنے عقب میں لیفٹیننٹ ھینز کی سرگوشی سن کر ھیبری اچھل پڑا۔ وہ چند لمحے تاریکی میں اُس کی طرف دیکھتا رہا پھر سرگوشی میں بتایا کہ وہ اُس غدار کے بارے میں جان چکا ہے جس کی وجہ سے اُن کے لاتعداد ساتھی موت کے منہ میں پہنچ چکے تھے "میں جانتا ہوں۔ بوڑھے سائمن نے امریکی سلام کی طرف اشارہ کیا تھا۔"

"امریکی؟" ھیبری نے تلخی سے کہا۔ "وہ شخص امریکی نہیں بلکہ ایس ایس کا کیپٹن ہے۔"

ھینز ششدر رہ گیا۔ اُس کے پوچھنے پر ھیبری نے اُسے سلام کے منصوبے کے بارے میں آگاہ کر دیا۔ اور بتایا کہ اُس کے منصوبے پر عمل کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں لیکن کیمپ سے باہر نکلتے ہی وہ اس کا بندوبست کرے گا۔ ھینز نے تجویز پیش کی کہ سلام کو ختم کرنے سے پہلے اُسے اُس کا جرم ضرور بتا دیا جائے۔

"میں ایسا ہی کروں گا۔" ھیبری بولا "لیکن کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ تم بھی ہمارے ساتھ چلو۔ ممکن ہے ہم سب لوگ فرار ہونے میں کامیاب ہو جائیں۔"

"نہیں۔" ھینز نے مایوس لہجے میں جواب دیا۔ "ہم سب بیمار اور کمزور ہیں۔ ہم میں سے کوئی بھی دیوار نہیں پھاند سکتا لیکن ہم تمہیں الوداع کہنے کے لئے بیرک سے باہر ضرور آئیں گے۔"

"آج صبح میں نے میجر ارنسٹ سے ملاقات کر کے اس قتل عام پر احتجاج کیا تھا۔ اُس نے قہقہہ لگاتے ہوئے جواب دیا کہ فرار کے جرم میں ہم سب کو جرمن ملٹری کورٹ کی طرف سے سزائے موت کا حکم ہو چکا ہے۔ اُس نے بتایا تھا کہ ہم سب کو ایک ہفتے کے اندر اندر ختم کر دیا جائے گا۔ ہم اُن کے کسی فیصلے کو تبدیل نہیں کر سکتے لیکن اُن کے ساتھ ایک آخری مقابلہ تو کر سکتے ہیں۔"

"یہ مقابلہ خودکشی کے مترادف ہو گا لیفٹیننٹ!" ھیبری نے الجھے ہوئے لہجے میں کہا۔

"پرواہ نہیں۔ تمہیں فرار ہونے کے لئے تحفظ کی ضرورت ہے تمہاری طرف سے اُن کی توجہ ہٹانے کے لئے ہم اسٹور شیڈ میں آگ لگا دیں گے۔ میں میجر ارنسٹ کے دفتر سے ایک ماچس چرانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ جو ہمارا یہ مقصد پورا کر دے گی۔" ھینز نے کہا اور چند لمحوں کی خاموشی کے بعد دوبارہ بولا "ہم شیڈ کے قریب ہی چھپ جائیں گے جرمن آگ لگنے کی وجہ معلوم کرنے کے لئے اس طرف ضرور آئیں گے اور اس موقع پر ہم اُن پر حملہ ضرور کر دیں گے۔ کروس جیسے درندے کے ہاتھوں اذیتیں اُٹھا کر مرنے سے بہتر ہے کہ ہم لڑتے ہوئے جان دے دیں۔"

ھیبری ٹھنڈا سانس بھر کر رہ گیا۔ وہ جانتا تھا کہ ھینز نے جو کچھ بھی کہہ دیا ہے اُس پر عمل ضرور کرے گا۔ اُسے اس کے ارادے سے باز رکھنے کی کوشش کرنا بیکار ہی تھا۔

"مجھے تمہاری دوستی پر فخر ہے لیفٹیننٹ! میں وعدہ کرتا ہوں کہ اگر زندہ سلامت پہنچ گیا تو اِن درندوں کو اِن کے بھیانک جرائم کی سزا ضرور ملے گی۔" ھیبری نے کہا۔

"اس سلسلے میں میں نے کچھ نوٹس لکھے ہوئے ہیں۔ وہ تم اپنے ساتھ لے جانا۔" ھینز نے مدھم لہجے میں کہا۔ اُس وقت ملحقہ ہال سے چیخ و پکار کی آوازیں سنائی دینے لگیں۔ وہ دونوں اپنے اپنے بستروں پر چلے گئے۔ شور کی آوازیں سن کر اُن کے دوسرے ساتھی بھی جاگ چکے تھے بیرونی ہال سے جرمنوں کی آوازیں بھی سنائی دے رہی تھیں کچھ دیر بعد ھیبری ایک بار پھر دیوار کے خفیہ سوراخ سے باہر جھانکنے لگا۔ سرچ لائٹوں کی روشنیوں میں اُسے لاتعداد یہودی نظر آئے جنہیں قتل گاہ کی طرف لے جایا جا رہا تھا۔ واچ ٹاور کی سرچ لائٹس کی روشنی میں خاردار تاروں والے جنگلے کے قریب مشین گنیں بھی صاف نظر آ رہی تھیں۔ قیدیوں کو میدان کے وسط میں کھڑا کر دیا گیا۔ میجر ارنسٹ بھی ایک ہاتھ میں شراب کی بوتل اُٹھائے وہاں موجود تھا۔ اُس نے چیخ کر کوئی حکم دیا۔ اس کے ساتھ ہی مشین گنیں آگ اُگلنے لگیں چیختے چلاتے ہوئے قیدی ڈھیر ہونے لگے۔ اُن میں بچے بھی تھے اور عورتیں بھی۔ ھیبری نے بوڑھے سائمن کو بھی گولی کھا کر گرتے دیکھا۔ ھیبری کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ سائمن اتنی جلدی موت سے ہمکنار ہو جائے گا۔

"باہر کیا ہو رہا ہے؟" ھیبری یہ آواز سن کر پیچھے گھوما اور کچھ کہے بغیر سوراخ کے سامنے سے ہٹ گیا تاکہ وہ لوگ خود دیکھ سکیں کہ باہر کون سا کھیل کھیلا جا رہا تھا۔ اُس میں اب وہاں کھڑے رہنے کی ہمت نہیں تھی وہ لڑکھڑاتے قدموں سے بے اختیار ہو کر رونے لگا کمرے کی تاریکی میں اب

کی سسکیاں بھی سنائی دینے لگی تھیں۔ جرمنوں کی بربریت اب انتہا کو پہنچ چکی تھی۔ ہیبری کی آنکھ لگ گئی۔ جب دوبارہ اس کی آنکھ کھلی تو سلام خفیہ سوراخ کے پاس کھڑا جھانک رہا تھا۔ اس نے اس وقت اس غدار سے بات کرنا مناسب نہ سمجھا مبادا اس کے منہ سے کوئی غلط بات نکل جائے اور بنا بنایا کام بگڑ جائے۔ صبح پو پھٹنے کے قریب بستر سے اٹھ کر سلام کے پاس بیٹھ گیا۔ "کیا صورتحال ہے؟" اس نے پوچھا۔

"ہم اپنے پروگرام پر آسانی سے عمل کرسکتے ہیں۔ اس بارے میں تمہیں سوچنے کی ضرورت نہیں سب کچھ مجھ پر چھوڑ دو۔" سلام نے جواب دیا۔

"کیا یہ مناسب نہ ہوگا کہ ہم دوسروں کو بھی اس مقصد میں شامل کرلیں۔" ہیبری نے تجویز پیش کی۔

"یہ ایک خطرناک اقدام ہوگا۔ ان میں سے کوئی بھی ہمارا ساتھ نہ دے سکے گا۔ علاوہ ازیں اس جاسوس کو بھی ذہن میں رکھو جو ہم میں موجود ہے۔" سلام نے جواب دیا۔

ہیبری جواب دیئے بغیر اس جگہ پہنچ گیا جہاں بنسن اکیلا بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے بنسن کو اپنے منصوبے سے آگاہ کیا لیکن یہ نہیں بتایا کہ جاسوس کون ہے۔ بنسن نے اس یقین کا اظہار کیا کہ اس مرتبہ وہ فرار میں ضرور کامیاب ہوں گے۔ جب دن اچھی طرح نکل آیا تو انہیں پریڈ گراؤنڈ میں لے جایا گیا۔ یہودیوں والا ہال خالی تھا۔ ہیبری کی نظریں اس جگہ جم گئیں جہاں سائمن نے دیوار کے تختے کے پیچھے کاغذات کی نشاندہی کی تھی۔ پریڈ گراؤنڈ میں پہنچ کر ہیبری نے اپنی بیرک اور ہسپتال کے درمیانی فاصلہ کا جائزہ لیا۔ اسے یقین تھا کہ موقع ملنے پر آسانی سے مارتھا کے پاس پہنچ سکے گا۔ کچھ دیر بعد بنسن اور اس کے دو ساتھیوں کو کام کے لئے ٹرک کر دیا گیا اور ہیبری وغیرہ کو ان کی بیرک میں واپس پہنچا دیا گیا۔ بیرک میں پہنچ کر موقع ملتے ہی سلام ہیبری کو الگ لے گیا اور سرگوشی کرتے ہوئے بولا۔ "میں نے یہ اندازہ لگایا ہے کہ دیوار کے قریب محافظ آدھے آدھے گھنٹے بعد چکر لگاتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ وہ لوگ واچ ٹاور میں بیٹھے تاش وغیرہ کھیلتے رہتے ہیں۔ رات کے پچھلے پہر کے بجلی بیلن گیٹ کے قریب سستانے کے لئے بیٹھ جاتے ہیں۔ ہم کسی کی نظروں میں آئے بغیر نکل سکتے ہیں۔"

"گڈ! لیکن کیا تمہارے پاس کوئی ہتھیار وغیرہ بھی موجود ہے؟" ہیبری نے پوچھا۔ سلام نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے جب اس سے یہی سوال کیا تو ہیبری نے بھی انکار میں سر ہلا دیا اور اس خیال کا اظہار کیا کہ ممکن ہے فرار ہوتے وقت وہ کسی محافظ کی رائفل وغیرہ چھیننے میں کامیاب ہوجائیں۔ سلام نے اس بات میں سر ہلا دیا اور اس سے ان آدمیوں کے بارے میں معلوم کرنے کی کوشش کرنے لگا جو کیمپ سے باہر ان کی مدد کرسکتے ہیں لیکن اس سلسلے میں ہیبری نے تو گویا ہونٹ ہی سی لئے تھے۔ سلام یہ کہتے ہوئے اپنے بستر کی طرف بڑھ گیا کہ آج آدھی رات کے بعد وہ یہاں سے نکلنے کی کوشش کریں گے۔ ہیبری کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آگئی۔ آج کی رات فیصلہ کن تھی۔

وقت کی رفتار جیسے تھم گئی تھی۔ بیرک کے ماحول پر خاموشی طاری تھی لیکن باہر سے جرمنوں کی سرگرمیوں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ وہ حسب معمول یہودیوں کو موت کے گھاٹ اتارنے میں مصروف تھے۔ دوپہر کے بعد ان کے دو ساتھی واپس آگئے۔ انہوں نے بتایا کہ بنسن مرچکا ہے لیکن وجہ کوئی بھی نہیں جانتا انہیں تو اس کی خون آلود لاش کو دفن کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ اس کے سینے میں کئی گولیوں کے نشان تھے۔ اسے مرتے ہوئے کسی نے نہیں دیکھا تھا لیکن ان دونوں کو یقین تھا کہ یہ [illegible] کے علاوہ کسی اور کا کام نہیں ہوسکتا۔ ہیبری کو یہ سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ جونز اور بنسن کو کسی خاص مقصد کے تحت ختم کیا گیا تھا۔ سلام ہیبری کے ساتھ اکیلا فرار ہونا چاہتا تھا تاکہ اس پر آسانی سے قابو پایا جاسکے جبکہ تین پر قابو پانا مشکل ہوتا۔ ہیبری کا دل چاہا کہ ابھی سلام کو پکڑے اور اس کے جسم کا ریشہ ریشہ الگ کردے۔

بالآخر رات آگئی۔ ان دونوں نے طے کیا کہ وہ باری باری سوئیں گے۔ پہلے ہیبری سو گیا مگر جلد ہی اٹھ گیا۔ سلام اسے کچھ ہدایات دیتا ہوا اپنے بستر پر گر کر سو گیا۔ اس کے سوتے ہی ہیبری بڑی عجلت سے اپنی کارروائی میں مصروف ہوگیا۔ اس نے غسلخانے کی دیوار کے تختے کے پیچھے سے ریوالور نکال کر چیک کیا اور اسے جیب میں ڈال کر لیفٹیننٹ جینے کے کاٹ کی طرف بڑھ گیا۔ جینے نے اس کے لئے دعائیہ کلمات کہے۔ ہیبری اسے سلام پر نگاہ رکھنے کی ہدایت کرتا ہوا دروازہ کی طرف بڑھ گیا تاکہ ہسپتال میں مارتھا سے رابطہ قائم کرسکے۔ تار کی مدد سے تالا آسانی سے کھل گیا۔ بیرونی دروازہ کھولنے میں بھی اسے زیادہ دشواری پیش نہیں آئی تھی۔ چند منٹ بعد ہی وہ دیوار کی آڑ لیتا ہوا ہسپتال کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اس کا ہاتھ جیب میں رکھے ہوئے ریوالور کے دستہ پر مضبوطی سے جما ہوا تھا۔ پاور ہاؤس کے قریب سے گزرتے ہوئے اس نے اس طرف دیکھا دونوں محافظ مستعدی سے پہرہ دے رہے تھے۔ شاید انہیں پہلے ہی سے بتا دیا گیا تھا کہ فرار کا ڈرامہ کس وقت کھیلا جائے گا۔ اس وقت ایک محافظ غائب ہوجائے گا اور دوسرا کہیں بیٹھ کر سستانے لگے گا۔ ہیبری تاروں کا ایک جنگلہ عبور کرکے ہسپتال کے کمپاؤنڈ میں داخل ہوگیا۔ روش پر عمارت کا سایہ تھا وہ اس سایہ میں تیز تیز قدم اٹھاتا ہوا چل رہا تھا کہ دفعتاً کھانسی کی آواز سن کر اس کا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ وہ فوری طور پر تاریکی میں دبک گیا۔ چاند کی مدھم روشنی میں ایک انسانی ہیولے

اپنی طرف آتا دکھائی دیا۔ پہلے تو اس نے سوچا کہ اس آدمی کو گزرنے دے لیکن پھر مدہم چاندنی میں کروس کی شکل پہچان کر اُس کا خون کھول اُٹھا۔ کوڑا حسبِ معمول اُس کی گردن میں لٹکا ہوا تھا۔ اُس کے قدموں میں توازن نہیں تھا شاید بہت زیادہ پی رکھی تھی اور ہسپتال کی کسی یہودی نرس سے داد عیش دے کر واپس آ رہا تھا۔ جیری نے ریوالور نکال کر اُسے نال کی طرف سے پکڑ لیا اور کروس کے قریب آنے کا انتظار کرنے لگا۔ کروس جیسے ہی سامنے پہنچا وہ آڑ سے نکل آیا۔ آہٹ پا کر کروس بھی اُس طرف پلٹا لیکن سر پر لگنے والی ضرب نے اُسے کراہتے ہوئے زمین پر ڈھیر ہونے پر مجبور کر دیا۔ جیری کی نظروں میں کروس اس کیمپ کا ظالم ترین آدمی تھا۔ سینکڑوں افراد کی موت کا ذمہ دار۔ جیری خود بھی کئی مرتبہ اُس کے ہاتھوں اذیت اُٹھا چکا تھا۔ اُس نے جھک کر کوڑا کروس کی گردن میں لپیٹا اور اُسے بل دینے لگا۔ کروس اُس وقت ہوش میں آ رہا تھا لیکن دم گھٹنے کی وجہ سے اُسے بولنے یا چیخنے کا موقع نہ مل سکا۔ جیری کوڑے کو بل دیتا رہا۔ کروس کی آنکھیں اُبل پڑیں لیکن جیری نے ہاتھ نہیں روکا یہاں تک کہ چمڑے کا فیتا گوشت کاٹ کر حلقوم میں گھس گیا۔ کروس اب بھی مزاحمت کی کوشش کر رہا تھا لیکن پھر اُس کی یہ مزاحمت کمزور پڑتی گئی۔ بالآخر جب جیری کو یقین ہو گیا کہ اب اس میں زندگی کی رمق باقی نہیں رہی تو اُسے چھوڑ کر اُٹھ گیا۔ چند سیکنڈ بعد وہ کمرے کی دیوار کے قریب پہنچ گیا جہاں وہ خود رہ چکا تھا۔ کھڑکی کھلی ہوئی تھی مگر مارتھا موجود نہیں تھی۔ وہ اندر کود گیا۔ تاریکی میں کمرہ خالی ہونے کا احساس ہو رہا تھا۔ وہ دبے قدموں دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ دروازہ مقفل نہیں تھا۔ اُس نے تھوڑا سا دروازہ کھول دیا۔

دوسری طرف راہداری میں مدہم روشنی ہو رہی تھی۔ وہ سوچنے لگا کہ مارتھا کو کہاں تلاش کرے۔ مارتھا نے بتایا تھا کہ اُس کی رہائش پچھلی منزل پر بالکل آخری سرے پر ہے۔ دفعتاً قدموں کی آواز سُن کر وہ چونک گیا اور جلدی سے تاریکی میں رینگ گیا۔ وہ مارتھا تھی جو بار بار پیچھے مڑ کر دیکھتی ہوئی تیز قدموں سے چل رہی تھی۔ اُس کے کمرے میں داخل ہوتے ہی جیری بھی اندر آ گیا اور سرگوشی میں اُس کا نام پکارا۔

"مجھے یقین تھا کہ تم ضرور آؤ گے۔ میں ہر رات یہاں آ کر تمہارا انتظار کرتی ہوں۔ کیا میرے باپ سے تمہاری ملاقات ہوئی ہے؟" مارتھا نے اُس سے لپٹتے ہوئے کہا۔

"ہاں، میں اُس سے مل چکا ہوں اور باہر نکلنے کا راستہ بھی دریافت کر چکا ہوں۔ ہم آج رات یہاں سے جا رہے ہیں" جیری نے اُسے اپنے ساتھ لپٹاتے ہوئے کہا۔

"نہیں، میں اپنے باپ کے بغیر نہیں جا سکتی۔ اگر چلی گئی تو وہ میرے باپ کو بڑی اذیت ناک سزائیں دیں گے" مارتھا نے سسکی بھرتے ہوئے کہا۔ جیری سمجھ گیا کہ اب اُسے سچ بتانا ہی پڑے گا۔ وہ اُسے اپنے ساتھ بھینچتے ہوئے بولا "تمہارا باپ مر چکا ہے۔ اُسے گزشتہ رات گولی مار دی گئی تھی۔ اُس نے مجھ سے وعدہ لیا تھا کہ اگر مجھے باہر نکلنے کا موقع ملے تو تمہیں اپنے ساتھ لے جاؤں۔ اس کے علاوہ وہ کچھ کاغذات" جیری کا جملہ مکمل ہونے سے پہلے ہی مارتھا سسکیاں بھرنے لگی۔ جیری نے بتایا کہ اُس کے باپ نے بہادروں کی طرح جان دی تھی اور اب انہیں یہاں سے نکل جانا چاہئے۔ وہ دونوں کھڑکی سے نکل کر باہر آ گئے اور محتاط انداز میں بیرک کی طرف چلنے لگے۔ پہلے ہال میں داخل ہوتے ہی جیری رُک گیا اور سائمن کی جگہ دیوار کا تختہ ہٹا کر سائمن کے بتائے ہوئے کاغذات تلاش کرنے لگا۔ جلد ہی اُسے خلا میں ایک موٹی سی کاپی مل گئی۔ اُس نے کاپی قمیض کے نیچے چھپالی۔ وہ سلام کو بھی اُس کے بارے میں کچھ نہیں بتانا چاہتا تھا۔ اپنی بیرک میں پہنچ کر وہ مارتھا کو سیدھا لیفٹیننٹ ھینرے کے پاس لے گیا۔ مارتھا کو دیکھ کر ھینرے نے خوشی کا اظہار کیا اور جب اُسے یہ بتایا گیا کہ اِن میں جاسوس کون ہے تو وہ حیران رہ گئی۔ پھر بولی

"کیا تم اُسے کیمپ سے نکلنے کے بعد قتل کر دو گے؟" اُس نے پوچھا

"ہاں، اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں بصورتِ دیگر ہم اس سے بڑی مصیبت میں پھنس جائیں گے" جیری نے جواب دیا۔

مارتھا نے تائید میں سر ہلا دیا کہ ایسے غداروں کی سزا یہی ہونی چاہیئے۔ اُن کے فرار ہونے میں ابھی تقریباً تین گھنٹے کا وقت باقی تھا۔ ھینرے نے اپنا بستر مارتھا کے لئے خالی کر دیا تاکہ وہ کچھ دیر آرام کرے۔ جیری بھی ایک کونے میں سمٹ کر بیٹھ گیا۔ ھینرے نے کچھ کاغذات اس کے حوالے کئے جسے اُس نے اُسی کاپی میں رکھ لیا۔ وقت بڑی سست رفتاری سے گزر رہا تھا۔ بالآخر جیری نے مارتھا کو دروازے کے قریب کھڑا کر دیا اور سلام کو جگا دیا۔ سلام کو جب مارتھا کے بارے میں علم ہوا تو بڑے زور دار انداز میں اُسے ساتھ لے جانے کی مخالفت کرنے لگا لیکن بالآخر اُسے جیری کی بات ماننا پڑی اور وہ اُن کے آگے چل دیا۔

لیفٹیننٹ ھینرے خاموشی سے انہیں جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ جب اُسے یقین ہو گیا کہ وہ لوگ عمارت سے باہر نکل چکے ہوں گے تو اُس نے اپنے دوسرے ساتھیوں کو جگا دیا۔

اُس نے سرگوشیانہ لہجے میں انہیں اُن تینوں کے بارے میں بتا کر اپنے پروگرام سے آگاہ کیا اور اُن کی رائے طلب کی۔ وہ سب فوری طور پر اس کے پروگرام پر عمل کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔

پاور ہاؤس کے بائیں طرف والے واچ ٹاور پر چار محافظ موجود

سکتے۔ وہ کسی بات پر قہقہے لگا رہے تھے۔ انہیں فرار کے پروگرام سے آگاہ کر دیا گیا تھا اور ہدایت کی گئی تھی کہ وہ اس فرار میں کسی قسم کی رکاوٹ پیدا نہ کریں۔ اس کے علاوہ کتوں کو بھی مین گیٹ کے قریب جمع کر کے راتب ڈال دیا گیا تھا اس طرح کتوں کا خطرہ نہیں رہا تھا۔ اور کے محافظوں کو کرنل والفرڈ کے کوٹے میں سے روسی واڈکا کی بوتلیں فراہم کر دی گئی تھیں۔ اور شراب کے نشے میں وہ فرار کے بارے میں ملنے والے احکامات بھول چکے تھے۔

حیری، مارتھا اور سلام رینگتے ہوئے پاور ہاؤس کے قریب ایک دیوار کے سائے میں پہنچ چکے تھے اُن کی نظریں اُس محافظ پر لگی ہوئی تھیں جو ٹہلتا ہوا کبھی تو مدہم چاندنی میں آ جاتا اور کبھی تاریکی میں چلا جاتا۔

"ہمیں اُس وقت تک انتظار کرنا پڑے گا جب تک یہ ہٹ کے دوسری طرف نہیں چلا جاتا۔ اسی دوران میں آگے پہنچ جاؤں گا اور تم دونوں جیسے ہی محافظ کو گرتے ہوئے دیکھو، فوراً میرے پیچھے پہنچ جانا۔" سلام نے کہا۔ حیری نے اثبات میں سر ہلا دیا اور مارتھا کا ہاتھ تھام کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔ ہر سو مکمل سناٹا تھا۔

محافظ ٹہلتا ہوا گارڈ ہٹ کے پچھلی طرف چلا گیا۔ سلام رینگتا ہوا تیزی سے آگے بڑھا۔ اُس وقت غروب ہوتے ہوئے چاند کی دم توڑتی ہوئی کرنیں بھی رخصت ہو رہی تھیں۔ محافظ جیسے ہی دوبارہ سامنے آیا سلام نے اُسے چھاپ لیا۔ اُسی وقت حیری، مارتھا کا بازو تھام کر تیزی سے آگے بڑھا۔ اُسے یہ خطرہ بھی تھا کہ کسی طرف سے آنے والی گولیاں اُن کے جسم چھلنی کر دیں گی لیکن کچھ نہیں ہوا۔ اُس وقت تک سلام محافظ کو ہٹ کے اندر لے جا کر بے ہوش کر چکا تھا۔ اُس نے اُس کی رائفل اور سنگین پر بھی قبضہ کر لیا تھا۔

"چاند غروب ہونے میں چند ہی منٹ باقی ہیں۔ چاند جیسے ہی غروب ہوا میں مین سوئچ آف کر دوں گا۔" اُس نے پھولے ہوئے سانس سے کہا۔

"کیا تمہیں معلوم ہے کہ برقی رو کیسے منقطع کی جائے گی؟"

حیری نے پوچھا اگرچہ وہ جانتا تھا کہ سلام کو ہر بات کا علم ہے۔

"کیوں نہیں، جنگ سے پہلے میں امریکہ میں الیکٹریشن کی حیثیت سے بھی کام کر چکا ہوں۔" سلام نے جواب دیا۔

حیری خاموشی سے اُس کی طرف دیکھتا رہا۔ اُسے علم تھا کہ سلام جھوٹ بول رہا ہے۔ بالآخر چاند غروب ہو گیا اور ماحول پر گہری تاریکی چھا گئی۔ سلام نے انہیں ہوشیار کر دیا اور سوئچ بورڈ کی طرف بڑھا۔ حیری مارتھا کا ہاتھ پکڑ کر بھاگنے کے لئے تیار ہو گیا۔ اُس کی نظریں واچ ٹاور کی



شام کو جب وہ کھانے کی میز پر بیٹھا تو اس کی بیوی نے اظہار تشویش کرتے ہوئے کہا۔ "ڈارلنگ دوپہر کے وقت آج عجیب حادثہ ہوا۔"

"کیا ہوا؟" خاوند کھانے سے ہاتھ اٹھاتے ہوئے بیوی کی طرف متوجہ ہوا۔

"میری ماں دیوار کے پاس بیٹھی تھی کہ اچانک کسی کام سے اٹھ کر باورچی خانے کی طرف چل دی۔ ابھی وہ کرسی سے اٹھی ہی تھی کہ دھڑام سے کلاک نیچے آ رہا اور اگر آدھا سیکنڈ قبل یہ واقعہ ہو جاتا تو سیدھا میری ماں کے سر پر گرتا اور پھر نہ جانے کیا ہو جاتا۔"

خاوند نے کہا۔ "ڈارلنگ! میں اس کلاک کو شروع سے جانتا ہوں یہ ہمیشہ سست چلتا ہے۔"

سرچ لائٹس پر جمی ہوئی تھیں جن کی تیز روشنی کیمپ کے ایک سرے سے دوسرے سرے کی طرف رینگ رہی تھیں۔ پھر دفعتاً پورا کیمپ تاریکی میں ڈوب گیا۔ عین اُسی وقت سلام دوڑتا ہوا باہر آ گیا۔

"جلدی کرو! وہ لوگ فوراً چیکنگ شروع کر دیں گے۔"

وہ خاردار تاروں کے جنگلے کی طرف دوڑے جو برقی رو منقطع ہو جانے کے بعد بے ضرر ہو چکے تھے۔ انہیں جنگلے کے اوپر چڑھنے میں زیادہ دشواری پیش نہیں آئی۔ سلام سب سے آگے تھا اور حیری، مارتھا کو سہارا دیکر اوپر چڑھ رہا تھا۔ دوسری طرف پہنچ کر وہ اینٹوں والی دیوار کی طرف دوڑے۔ پہلے سلام، حیری کے کندھے پر سوار ہو کر اوپر پہنچا پھر اُس نے مارتھا کو کھینچ لیا اور اُس کے بعد حیری بھی دیوار پر پہنچ گیا جو اوپر سے کسی فٹ پاتھ کی طرح چوڑی تھی۔ وہ دوسری طرف کودنے کی سوچ ہی رہے تھے کہ کیمپ کے اندر کسی جگہ کوئی سائرن کرخت آواز میں چیخ اٹھا۔

نشے میں ڈوبے ہوئے چاروں محافظوں نے بجھتی ہوئی سرچ لائٹ کی طرف دیکھا۔ پھر ماحول ایک دم تاریکی میں ڈوب گیا۔ وہ چاروں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر تاریکی میں گھورنے لگے۔ ایک محافظ کو بیرونی دیوار پر تین متحرک ہیولے نظر آئے۔ اُس نے فوراً ہی مشین گن کھول کر فائر کھول دیا۔ چند منٹ بعد دوسرا محافظ بھی فائرنگ میں اُسی کے ساتھ ہو گیا۔

نئی ساڑھیاں

ایک عورت کو گھر کے ملازم نے گھبرائے ہوئے لہجے میں اطلاع دی۔
"صاحب دروازے کے پاس بے ہوش پڑے ہیں ان کے ایک ہاتھ میں ایک کاغذ ہے
دوسرے ہاتھ میں ایک بڑا سا پیکٹ"
عورت چہک کر بولی "بہت خوب میری نئی ساڑھیاں آ گئی ہیں۔"

تیسرا محافظ مشین گن سنبھالنا ہی چاہتا تھا کہ اسے اپنے افسروں کے احکامات یاد آ گئے۔ اس نے فوراً اپنے ساتھیوں کو آگاہ کیا اور فائرنگ رک گئی۔ تقریباً اسی وقت قیدیوں والی عمارت کی پشت پر کیمپ میں نارنجی شعلے بھڑکتے ہوئے نظر آنے لگے۔

"اوہ! کیمپ میں آگ لگ گئی ہے۔" ایک محافظ اس طرف دیکھ کر چیخا۔ اس وقت پورے کیمپ میں چیخم دہاڑ کی آوازیں گونج اٹھیں اور پھر فائرنگ شروع ہو گئی۔

وہ بلیوں دوسری طرف کود چکے تھے۔ جیبری، مارتھا کو گرتے ہوئے دیکھ کر اس کی طرف لپکا اور جب سہارا دینے کے لئے اس کی کمر میں ہاتھ ڈالا تو چونک گیا۔ اس کی کمر کسی چیز سے تر ہو رہی تھی۔ اور ہاتھوں کی چپچپاہٹ بتا رہی تھی کہ وہ خون تھا۔ شاید دیوار سے کودتے ہوئے اس کو گولی لگ گئی تھی۔ جیبری نے اسے دونوں بانہوں میں سنبھال لیا اور تقریباً گھسیٹتا ہوا قریبی درختوں کی طرف لے چلا۔ سلام اس وقت تقریباً بیس گز آگے نکل چکا تھا۔ جیبری کی بانہوں میں جھولتی ہوئی مارتھا ٹوٹتے ہوئے لہجے میں اپنے باپ کو پکار رہی تھی۔ جیبری نے اسے زمین پر لٹا دیا۔ گولی پشت سے داخل ہو کر سینے تک پہنچ گئی تھی۔ مارتھا نزاعی کیفیت میں بڑبڑا رہی تھی۔ اس کے ہونٹوں پر کبھی اپنے باپ کا نام آتا اور کبھی جیبری کا۔ رفتہ رفتہ اس کی آواز ڈوبتی چلی گئی اور بالآخر اس نے جیبری کی بانہوں میں دم توڑ دیا۔

جیبری کی نگاہوں میں تاریکی چھا گئی۔ مارتھا کی موت نے اسے بیحد متاثر کیا تھا۔ اس کی آنکھیں بھیگ گئیں اور رخساروں پر ڈھلکتے ہوئے آنسو نیچے گر کر گھاس میں جذب ہونے لگے۔

"تم یہاں بیٹھے ہوئے کیا کر رہے ہو جیبری! ہمیں جلد سے جلد یہاں سے نکل جانا چاہیئے۔" سلام نے اس کے قریب آ کر کہا۔

"وہ مارتھا مر چکی ہے سلام!" جیبری نے گلوگرفتہ لہجے میں کہا۔ اس کی نظریں اب بھی مارتھا کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔

اسی وقت کیمپ میں زبردست دھماکا ہوا اور پھر تواتر سے فائرنگ ہونے لگی۔ سلام نے متفکر نگاہوں سے کیمپ کی طرف دیکھا۔ شعلے اب آسمان کی بلندیوں کو چھونے لگے تھے جس کا مطلب تھا کہ آگ بے قابو ہو چکی تھی۔ وہ جیبری کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔

"اگر مارتھا مر چکی ہے تو اس کے لئے وقت ضائع مت کرو۔ وہ ایک یہودن ہی تو تھی۔"

سلام کے ان الفاظ سے جیبری جیسے ایک دم حواس میں آ گیا۔ اس نے نظریں اٹھا کر سلام کی طرف دیکھا۔ اگر روشنی ہوتی تو جیبری کی نگاہوں میں نفرت کی سلگتی ہوئی چنگاریاں دیکھ کر سلام یقیناً اپنی جگہ سے ہل جاتا۔ جیبری آہستہ آہستہ اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کا ایک ہاتھ قمیض کے اندر رینگ گیا۔

"ہاں، وہ ایک یہودن ہی تو تھی!" اس نے خوابیدہ سے لہجے میں کہا اور پھر اس کا ہاتھ بڑی پھرتی سے قمیض سے باہر آ گیا۔ پہلے جیبری کا خیال تھا کہ کیمپ سے نکلنے کے بعد وہ سلام کو بتا دے گا کہ اس کی چال چل چکی ہے۔ وہ امریکن نہیں نازی ہے وہ اسے سیکا سیکا کر مارنا چاہتا تھا لیکن نفرت کے ابلتے ہوئے لاوے نے یہ سب کچھ اس کی نظروں سے محو کر دیا۔ سلام کے آخری الفاظ اس کے کانوں میں پگھلے ہوئے سیسے کی طرح محسوس ہو رہے تھے۔ ریوالور کی نال سلام کے چہرے کی طرف اٹھ گئی۔ جیبری کی انگلی ٹریگر پر جمی ہوئی تھی۔ اس نے یکے بعد دیگرے دو مرتبہ ٹریگر دبا دیا۔ سلام چیخ مار کر منہ کے بل گرا۔

"تم جرمن کتے!" جیبری چیخا۔ "تم جرمن جاسوس! دھوکے باز!" جیبری نے پھر ٹریگر پر انگلی کا دباؤ ڈال دیا اور اس وقت تک فائر کرتا رہا جب تک کہ ریوالور کا چیمبر خالی نہیں ہو گیا۔ ریوالور خالی ہونے کے بعد بھی وہ جنونی کیفیت میں کتنی دیر تک ٹریگر دباتا رہا۔ جب اسے احساس ہوا تو اس نے ہاتھ روک لیا اور مارتھا کی لاش کے قریب گھٹنوں کے بل جھک کر اس کی سرد پیشانی پر بوسہ دیتے ہوئے بڑبڑایا۔

"خدا حافظ مارتھا! میں تمہارا اور ان سب بے گناہوں کا بدلہ ضرور لوں گا جو ان نازی کتوں کی بربریت کا شکار ہوئے ہیں۔"

اس نے آخری بار مارتھا کے چہرے کی جانب دیکھا، قمیض کے نیچے چھپے ہوئے کاغذات کو تھپتھپایا اور تاریک جنگل میں چھپ گیا۔ اسے یقین تھا کہ اب وہ جرمنوں کے ہاتھ نہیں آئے گا۔ اور وہ دنیا کو ان کیمپوں میں وحشی نازیوں کی بربریت سے آگاہ کر سکے گا۔



پانی کا قیدی





پانی کا قیدی

ایک خوفناک طوفان کی زد میں آکر جہاز ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا۔ سارے مسافر پانی میں ڈوب گئے فقط ایک زندہ بچا۔ اس زندہ بچنے والے شخص کی تحیر زا کہانی۔

دوسری جنگ عظیم عروج پر تھی۔ سد خوراک اور دوسری اشیا کی سپلائی کے لئے ایس ایس بلو مونٹ' اطلانٹک کے پانیوں پر اپنا معمول کا فریضہ انجام دے رہا تھا۔ جنگی خطرات کے پیش نظر ایس ایس بلو مونٹ کو ساحل سے سمندر تک کئی بار چکر لگانے پڑتے تھے ہمیشہ یہ خطرہ رہتا کہ اس چھوٹے باربردار جہاز کو دشمن تارپیڈو نہ کر دے۔

بائیس برس کے چینی سیکنڈ سٹیوارڈ لم نے اپنی گھڑی کی طرف دیکھا۔ گیارہ بج کر چالیس منٹ ہو رہے تھے۔ وہ اپنے چھوٹے سے کیبن میں لیٹا ہوا تھا۔ وقت دیکھتے ہی وہ اُٹھا اس کی ڈیوٹی شروع ہونے میں صرف تیس منٹ باقی تھے۔ جلدی میں اس نے ایک غیر استری شدہ قمیص ہی پہن لی اور جب اس نے چلنے کے لئے قدم اٹھایا تو ایس ایس بلو مونٹ یک دم لڑکھڑا گیا۔ اس کے ساتھ ہی ایک زور دار دھماکہ ہوا۔ جہاز الٹا سیدھا ہونے لگا جیسے شدید نوعیت کے زلزلے کی زد میں آ گیا ہو۔ سیکنڈ سٹیوارڈ لم توازن برقرار نہ رکھ سکا اور فرش پر گر پڑا۔ اسی لمحے پھر ایک دھماکہ ہوا اور پانی کیبن کے اندر تیزی سے داخل ہونے لگا۔

لم کے لئے اندازہ لگانا مشکل نہ تھا کہ ایس ایس بلو مونٹ کو دشمن نے تارپیڈو کر دیا ہے۔ لائف جیکٹ پہنتے ہوئے وہ کیبن سے باہر نکلا' جس کے ہوا اور روشنی والے سوراخ سے پانی تیزی سے اندر آ رہا تھا۔ توازن برقرار رکھنا مشکل ہو رہا تھا۔ جہاز مسلسل الٹا سیدھا ہو کر ڈول رہا تھا۔ اوپر جانے والی سیڑھی پر قدم جمانا مشکل ہو گیا تھا'

لیکن ہمت سے کام لیتے ہوئے وہ کرے پر اس جگہ جا نکلا جہاں پر خطرے اور ہنگامی صورتِ حال سے بچاؤ کے لئے محفوظ کشتیاں رکھی گئی تھیں۔ جہاز میں بھگدڑ مچی تھی۔ لوگ چیخ اور بھاگ رہے تھے اور دھکم پیل نے افراتفری کا سماں پیدا کر دیا تھا۔

جہاز تیزی سے ڈوب رہا تھا۔ اس کا نصف سے زیادہ حصہ پانی کے اندر غائب ہو چکا تھا۔ چند لمحے وہ عرشے کی ریلنگ کا سہارا لے کر ادھر ادھر دیکھتا رہا بہت سے لوگ سمندر میں کود چکے تھے۔ کچھ حفاظتی کشتیوں سے چیخ پکار کر رہے تھے۔ جہاز تیزی سے نیچے جا رہا تھا۔ وہ ملّاح جو سمندر کے سینے پر پرندوں سے سفر کر رہے تھے' اس وقت انتہائی سراسیمہ اور ہراساں دکھائی دے رہے تھے۔ کئی کشتیاں سمندر بہا کر لے گیا تھا۔ ایک بار پھر دھماکہ ہوا اور رلم نے سمندر میں چھلانگ لگا دی۔ اس کے سوا وہ کچھ نہ کر سکتا تھا۔ اس کے منہ میں سمندر کے پانی میں ملا جلا تیل چلا گیا تو وہ قے کرنے لگا۔ جہاز کا ایک ٹوٹا ہوا تختہ پکڑ کر اس نے اپنا سر پانی سے باہر نکالنے میں کامیابی حاصل کر لی۔ وہ جانتا تھا کہ یہ تیل ملا سمندری پانی اس کے معدے میں چلا گیا تو وہ بیمار پڑ جائے گا۔ ایک ہاتھ سے اس نے اپنی آنکھیں ملیں جو دھندلی ہو رہی تھیں۔ پھر اپنی آنکھوں سے ایس ایس بلوموئز کو غرق ہوتے دیکھا۔ پانی جہاز کو ہڑپ کر گیا تھا اور وہاں بلبلے اٹھ رہے تھے اور بھنور کے دائرے تھے۔ پانی کی سطح پر تیل چمک رہا تھا۔ لم کے لیے یہ جاننا بھی مشکل تھا کہ درجنوں ملّاح بھی جہاز کے ساتھ ڈوب چکے ہیں۔

پھر اس نے ایک کشتی دیکھی جو خالی تھی۔ وہ کشتی تک پہنچنے کے لئے' تختے کو چھوڑ کر تیزی سے ہاتھ پاؤں مارتا ہوا کشتی کی طرف بڑھنے لگا لیکن سمندر میں تموّج تھا اور لہریں شوریدہ سر تھیں۔ کشتی اس سے دور ہوتی چلی جا رہی تھی' اس نے ایک لالٹین دیکھی جو چند لمحوں کے لئے پانی کی سطح پر ابھری اور پھر اسے پانی نے ہڑپ کر لیا۔ لم سوچنے لگا۔ میرا بھی یہی انجام ہو سکتا ہے...... اور ہولناک تصوّر نے اسے اپنی تمام تر توانائی مجتمع کرنے پر مجبور کر دیا۔ وہ زیادہ تیزی سے ہاتھ پاؤں مار کر کشتی کی طرف بڑھنے لگا جو اس سے دور ہوتی چلی جا رہی تھی۔ یہ کشتی اور لم کا مقابلہ نہیں انسان اور سمندر کی لہروں کا مقابلہ تھا۔ لہروں کو چیرتا ہوا وہ آگے بڑھتا رہا...... اسے تھکن کا مطلق احساس نہ تھا۔ زندہ رہنا چاہتا تھا اور زندگی کی ضمانت صرف وہ کشتی تھی جو اس کی رسائی سے ابھی بہت دور تھی اور اس کے درمیان سمندر تھا۔

خاموشی...... بھیانک خاموشی جیسے اس کے ہاتھ بازو کی حرکت توڑ رہی تھی۔ سمندر خاموش ہو رہا تھا۔ شوریدہ سر لہروں کو جیسے سکون آنے لگا تھا۔

برازیل کے ساحل سے ۷۵۰ میل دور سمندر میں ۲۳ نومبر ۱۹۴۲ء کو انسانی جدّوجہد کی ایک نئی ولولہ انگیز داستان کا آغاز ہو رہا تھا۔ انسان حوصلہ نہ ہارے جدّوجہد جاری رکھے تو قدرت ایسے اسباب پیدا کر دیتی ہے جو اس کی مشکل آسان بنا دیتی ہے۔ رلم نے دیکھا کہ دھات کا بنا ہوا ایک بڑے ڈرم کا اوپر کا حصّہ پانی کی لہروں پر تیر رہا ہے۔ ہاتھ پاؤں مار کر اس نے ڈرم کے اس بالائی حصے کو تھام لیا اور اسے پوری قوت سے آگے کی طرف دھکیلنے لگا۔ اب وہ ہاتھ پاؤں مارنے کی مشقّت سے بچ گیا تھا۔ اسی وقت تیز ہوا چلنے لگی۔ لہروں میں پھر سے تموّج پیدا ہونے لگا۔ یہ صورت حال لم کے لئے ساز گار ثابت ہوئی۔ لہریں بھی اس ڈرم کو کشتی کی طرف دھکیلنے لگیں۔ اس جدوجہد میں اس کی ڈھیلی ڈھالی قمیص اس کے جسم سے لہروں نے علیحدہ کر دی' پتلون بھی اتر گئی...... اب وہ برہنہ تھا لیکن اسے اپنی برہنگی کا کوئی احساس نہ تھا وہ تو ہر قیمت پر کشتی پر پہنچنا چاہتا تھا۔ آہستہ آہستہ' بتدریج فاصلہ کم ہونے لگا۔ امید قوی ہوتی چلی گئی۔ رلم بہت تھک چکا تھا۔ تھکن اس پر خود بخود مسلّط ہونے لگی تھی۔ جسم چُور چُور اور آرام کا طلبگار تھا۔ اس پر جیسے غشی طاری ہونے لگی۔ سمندر کا پانی اسے نیچے کھینچ رہا تھا۔ ایک بار تو پانی نے اس کا سر چھپا دیا...... تیل ملا کڑوا پانی اس کے نتھنوں میں داخل ہوا تو وہ ہمّت کر کے سر پانی سے باہر نکالنے میں کامیاب ہو گیا؛ تاہم اب وہ ایک بار پھر پوری طرح ہوش و حواس میں آ گیا تھا۔ اب یہ دیکھ کر اس میں پھر سے ہمّت پیدا ہو گئی کہ اس کے اور کشتی کے درمیان فاصلہ بہت کم رہ گیا ہے۔ اس کا سارا جسم پانی کے اندر چُھپا ہوا تھا۔ دونوں ہاتھوں نے ڈرم کے باہر کا حصہ تھام رکھا تھا۔ اس نے آنکھیں بند کیں اور خدا سے دعا کی: "مالک...... میری مدد کر...... " وہ سسکیاں لے رہا تھا۔ پھر آنکھوں سے ٹپکنے والے آنسو سمندر کے کڑوے اور تیل ملے چکنے پانی میں گھل مل رہے تھے اور پھر جب اس نے آنکھیں کھولیں تو اسے پہلی بار احساس ہوا کہ وہ کئی گھنٹوں سے سمندر میں ہے۔ شام کی تاریکی پھیل رہی تھی۔

کشتی اس کے سامنے تھی۔ کشتی کی قربت اور سردی سے وہ کانپنے لگا تھا لیکن وہ کشتی پر کیسے چڑھتا؟ یہ بڑی کشتی تھی جس کا جنگلا لوہے کا تھا۔ کوئی سیڑھی موجود نہ تھی۔ کوئی رسّہ دکھائی نہ دے رہا تھا۔ کشتی کے قریب پہنچ کر بھی ابھی وہ بہت دور تھا...... اس نے دھات کے ڈرم کا بالائی حصّہ خیرباد کہنے کا فیصلہ کیا اور پھر پوری قوت سے اپنے آپ کو اوپر اچھالا۔ لیکن اس کی یہ کوشش ناکام گئی؛ تاہم وہ کشتی کے قریب پہنچ گیا تھا اس کے ہاتھ کشتی کی بیرونی اور رسائی میں آنے والی سطح کو بے چینی سے چھو رہے تھے۔ خوف...... سردی...... شام کی گہری تاریکی...... اس کے وجود کو لرزا رہی تھیں۔ پھر اچانک اس کا ہاتھ کسی لپٹی ہوئی چیز کی گرہ تک پہنچ گیا۔ اس نے اسے زور سے کھینچا۔ یہ رسّہ تھا۔ جو نکل گیا...... اس نے

پورا سہ کھولا اس کا درمیانہ حصّہ مضبوطی سے اپنے ٹھنڈے یخ ہاتھ سے کمر کے گرد باندھا اور پھر کشتی کے ساتھ بندھے اس رسّے کے ساتھ لٹک کر اور چڑھنے کے لئے ہاتھ پاؤں مارنے لگا۔

جب اس کا جسم کشتی کے اوپر پہنچ گیا تو وہ جہاں تھا وہیں دھڑام سے گر گیا ...اس کی کوشش کامیاب ہو چکی تھی۔

چند لمحوں میں اس کی آنکھیں بند ہو گئیں۔ تھکا ہوا جسم سو گیا۔ آنکھ کھلی تو سورج طلوع ہو چکا تھا۔ سورج کی کرنیں غضبناک تھیں اور اسے جھلسانے لگی تھیں۔ خطرہ کا احساس بھی لم کے دل کو کمزور کر رہا تھا۔ پیاس کی وجہ سے اس کے حلق میں کانٹے چبھ رہے تھے۔ اگر اسے پانی نہ ملا تو...... اس نے متوحش نگاہوں سے آس پاس کا جائزہ لیا۔ چاروں طرف سمندر تھا۔ پانی ہی پانی لیکن پینے کے لئے چند قطرے بھی نہ تھے اور سورج کی حدّت میں اضافہ ہوتا چلا جا رہا تھا۔ چاروں طرف کوئی ذی نفس تھا نہ جہاز...... وہ اکیلا تھا۔

اس نے کشتی کا معاینہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس میں دونوں طرف کمپارٹمنٹ بنے ہوئے تھے۔ ان کمپارٹمنٹوں کی درمیانی جگہ پر تین فٹ نیچا ایک لکڑی کا پلیٹ فارم تھا وہ نیچے اترا۔ وہاں دھات کے بنے ہوئے دو بڑے بڑے ڈرم پڑے تھے جو اس میں نصب تھے اس نے ایک ڈرم بغور دیکھا۔ اس پر کچھ ہندسے لکھے تھے اور انگریزی میں چند حروف :۔ ا۔ گیلن واٹر۔

ایک ڈرم کے اوپر ڈھکن میں ایک چابی تھی۔ اس نے وہ چابی زور لگا کر گھمائی۔ تالا کھل گیا اور اس نے بھاری ڈھکنا اٹھا کر اندر دیکھا۔ اس میں صاف شفّاف پانی موجود تھا۔ لیکن اس کے ہاتھ تیل ملے سمندری پانی سے چکنے ہو گئے تھے۔ وہ گندے ہاتھوں سے پانی کو میلا اور غلیظ کرنا نہیں چاہتا تھا۔ کوئی ایسا برتن چاہئے تھا جسے وہ اندر ڈال کر پانی نکال سکتا۔ اس نے دوسرا دھاتی ڈبّہ کھولا۔ اس میں ٹین کے ڈبّوں میں بند چیزیں اور بوتلیں بھی تھیں۔ اس نے ایک بوتل خالی کر کے ہاتھ دھوئے اور پھر سیر ہو کر پانی پیا دوسرے دھاتی بڑے ڈبّے میں چھ سلنڈر ایک واٹر پروف کاغذ میں لپٹے رکھے تھے۔ اس نے ان میں ایک سلنڈر نکالا۔ یہ راکٹ نما سلنڈر تھا جس کی دستی چوبی تھی اور اس کے اندر ایک ٹیوب لگی ہوئی تھی۔ لم نے آہ بھری وہ چھ برس سے سمندر کے سینے پر تیرنے والے جہاز میں سیکنڈ سٹیوارڈ کی حیثیت سے ملازم تھا لیکن ان چھ برسوں میں اس نے یہ بھی نہ سیکھا تھا کہ یہ سلنڈر کس طرح استعمال میں لایا جا سکتا ہے۔ وہاں ایک لمبی ٹارچ بھی پڑی تھی۔ اس نے اس کا سوئچ دبایا تو ٹارچ کا بلب روشن ہو گیا۔ اس نے سوچا اگر مجھے ایک رات اور بسر کرنی پڑی تو میں تاریکی میں نہیں رہوں گا۔ دوسرے پیکٹ اور ٹین کے ڈبّوں میں کھانے پینے کی اشیا تھیں۔ ان ڈبّوں پر لکھے ہوئے بعض حروف تو وہ پڑھ نہ سکا۔ لیکن بعض ڈبوں کے بارے میں وہ جان گیا کہ ان کے اندر کون سی چیزیں ہیں۔

جن اشیا کی اسے شناخت اور پہچان تھی اور جو اشیا اس کے لئے نامعلوم تھیں، انہیں لم نے دو حصّوں میں علیحدہ علیحدہ رکھ دیا۔ جانی پہچانی چیزوں میں دو پونڈ چاکلیٹ تھے اور خشک دودھ کے دس ڈبّے۔ ایک تھیلے میں شکر تھی۔ ایک بوتل لائم جوس کی تھی۔

جن چیزوں کی اصلیّت وہ جان نہ سکا ان میں چھ چھوٹے ڈبّے، دس چھوٹے ٹین کے ڈبّے اور ٹکیوں سے بھرا ہوا ایک مرتبان تھا۔ نہ جانے یہ ٹکیاں کس چیز کی تھیں۔ کچھ ڈبّوں کی عبارت کو ——— وہ سر کھپانے کے بعد پڑھنے میں کامیاب ہو گیا۔ خشک گوشت اور آٹا بھی موجود تھا۔

اس نے جھجکتے ہوئے ٹکیوں والے مرتبان سے ایک ٹکیہ نکالی۔ اپنے آپ کو رضامند کر کے اس نے وہ ٹکیہ دانتوں سے کاٹ کر چبائی۔ چند منٹوں میں اُسے معلوم ہو گیا کہ یہ دودھ کی خشک ٹکیاں ہیں۔ اس کے بعد اس نے دوسری "نامعلوم" چیزیں بھی چکھنا شروع کر دیں۔ ان میں بھورے رنگ کے بسکٹ بھی تھے جو یقیناً بہت پرانے سخت اور قدرے بدذائقہ ہو چکے تھے۔ اس نے سوچا بوقتِ ضرورت انہیں پانی میں بھگو کر نرم کر کے کھا لیا کروں گا۔

سہ پہر ہو چکی تھی۔ اس کے باوجود دھوپ میں اتنی شدّت تھی کہ لم کو یہ محسوس ہو رہا تھا جیسے چیونٹیاں اس کے جسم کو کاٹ اور نوچ رہی ہیں۔ اس کی فوری اہم ضرورت یہ تھی کہ کوئی ایسی چیز مل جائے جس کے سائے میں وہ بیٹھ سکے، ورنہ اس کا برہنہ جسم دھوپ میں جھلس جاتا اور وہ بیمار پڑ سکتا تھا۔ اس نے لکڑی کا بنا ہوا ایک کمپارٹمنٹ کھولا۔ اس میں اسے دو چپّو اور سفید رنگ کا کینوس ایک بڑے گولے کی صورت میں لپٹا ہوا دکھائی دیا۔ اس نے کینوس کا گولہ کھولا۔ یہ کینوس لگ بھگ تین فٹ لمبا اور دو سے اڑھائی فٹ چوڑا تھا۔ دونوں طرف اس میں چھلے بھی لگے ہوئے تھے۔ اس نے دوسرا کمپارٹمنٹ کھولا۔ اس میں چار بانس تھے اور مربع شکل کا ایک بڑا کینوس، کینوس کے ہر کونے میں سوراخ تھا اور اس کے ساتھ رسّی بھی بندھی تھی۔ یوں اس کے لئے ایک سائبان تیار ہو گیا۔ اب وہ غضیلے سورج کی آگ برساتی کرنوں کا مقابلہ کر سکتا تھا۔ یہ سائبان اس نے کشتی کے ایک حصّے میں کھڑا کیا جو اڑھائی فٹ بلند تھا۔ کشتی کے اس حصّے میں بانس نصب کرنے کے لئے سوراخ پہلے سے موجود تھے۔

سہ دوپہر ڈھلنے تک وہ ہلکا پھلکا ہو چکا تھا۔ تھکن دور ہو گئی تھی اور کھانے پینے کی چیزیں بھی موجود تھیں۔ دل میں یہ امید بھی تھی کہ اگلے دن سورج طلوع ہو گا تو کوئی نہ کوئی جہاز نظر آ جائے گا۔ کسی نہ کسی طرح سے مدد حاصل ہو جائے گی اور ساحل پر پہنچ جائے گا۔

اس نے اپنی ہی ضیافت کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ چاکلیٹ اور لائم جوس کی دعوت اڑائی۔ سخت بسکٹ لائم جوس میں بھگو کر ان پر شکر چھڑکی اور لطف اندوز ہوا۔ ہوا نرم اور ہلکی پھلکی تھی جو اس کے جسم کو سہلا رہی تھی۔ سر پر سائبان کا سایہ تھا۔ اس میں اب اعتماد کی کمی نہ تھی۔ وہ جانتا تھا اسے جلد ہی بدل جائے گی۔

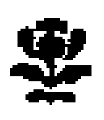
رات آئی تو اس کا جوش ٹھنڈا پڑنے لگا۔ ہوا مرطوب اور ٹھنڈی تھی۔ اس نے اپنے بازو اپنے سینے پر رکھ لئے اور اسے اپنے گھر کی یاد ستانے لگی، سردی سے وہ کانپ رہا تھا، اس کے باوجود ماضی کی یادیں اس پر غالب آ گئی تھیں۔ چھ برس پہلے وہ ایک نو آموز کی حیثیت سے بحری جہاز پر ملازم ہوا تھا، اس کا کوئی عہدہ نہ تھا۔ ان چھ برسوں میں وہ کندۂ ناتراش ہی رہا تھا۔ جہازوں کے بارے میں اس کی معلومات اتنی ہی تھیں جتنی چھ سال پہلے تھیں۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس نے کچھ سیکھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ لیکن وہ چینی تھا اور اس کے آقا اور سکھانے والے برطانوی تھے جو یہ فیصلہ کر چکے تھے کہ کسی بھی چینی کو سیٹوارڈ سے بڑا عہدہ دیا جائے گا نہ اسے جہازوں کے بارے میں نئی اور تکنیکی معلومات سکھائی جائیں گی۔ چینی برطانوی بحری جہازوں پر یا تو خانساماں ہوتے یا انجن میں کوئلہ جھونکنے والے مزدور۔ جہاز پر رنگ روغن کرنے کی ذمے داری بھی البتہ انہیں سونپ دی جاتی تھی۔ لیکن ملاح اور میٹ کے کام کے لئے انہیں انگریز ناموزوں سمجھتے تھے۔

لم کے آٹھ بھائی بہن تھے۔ وہ سب سے چھوٹا تھا۔ چین کے جنوبی سمندر کے قریب ایک جزیرے میں وہ پیدا ہوا تھا۔ ہنیان نامی اس جزیرہ نما گاؤں کے اسکول کا استاد بڑا سخت گیر تھا۔ وہ پرانے شاہی احکام پر مشتمل کتابیں انہیں یاد کراتا اور سخت پٹائی کرتا تھا۔ ظاہر ہے کہ اس زمانے میں یہ تعلیم عملی زندگی میں کسی کام نہیں آ سکتی تھی۔ بہرحال جب پندرہ برس کی عمر میں لم نے اسکول چھوڑا تو وہ لکھنے پڑھنے کے قابل ہو چکا تھا۔ تھوڑی بہت جمع تفریق سیکھ لی اور چند جملے انگریزی کے...... اس نے زراعت اور کاشت کاری کے بارے میں کچھ سیکھانہ تجربہ حاصل کیا اور گاؤں میں کھیتی باڑی کے سوا دوسرا کام ہی نہیں تھا۔ کچھ نہ جاننے کے باوجود ایک دن اس کے والد نے اسے بتایا:

"بھائی ژی تائی کل ہانگ کانگ اپنے عربی جہاز پر جا رہا ہے۔ لم، تم اس کے ساتھ جاؤ گے۔"

دوسرے دن اس کی ماں نے اسے آنسوؤں کے ساتھ الوداع کیا۔ لم ژی تائی کے ساتھ پہلے تو پیدل چلا پھر اسٹیمر میں سوار ہو کر ہانگ کانگ پہنچے جہاں ژی تائی اسے ایس ایس ٹانڈہ، بحری جہاز میں لے گیا جب وہ عربی جہاز کے اندر داخل ہو رہے تھے تو لم سوچ رہا تھا کہ اسے کیسے انسانوں سے پالا پڑے گا۔ کام آسان ہو گا یا مشکل۔ اسے وہاں زیرِ تربیت آزمائشی سٹیوارڈ رکھ لیا گیا۔ بتایا گیا کہ صاحب لوگ ہر کسی سے مخاطب نہیں ہوتے۔ نمبر ایک سٹیوارڈ ہی کو احکام جاری کرتے ہیں، اس لئے لم کو یہ پریشانی نہیں ہونی چاہئے کہ اسے انگریزی نہیں آتی۔ اسے بتایا گیا کہ اسے صبح پانچ بجے اٹھ کر صاحب لوگوں کے جوتے پالش کرنے ہوں گے۔ اس کے علاوہ جھاڑو اور صفائی کے کام، اور اس کے بعد کھانے پینے کی اشیا پیش کرنی ہوں گی۔ اسے پورا دن مستعد رہنا ہو گا۔ اس سے کوئی کام بھی لیا جا سکتا ہے۔ کپڑوں کی دھلائی، فرش کی رگڑائی، بستر جھاڑنے، تہ کرنے اور بستر بچھانے کا کام بھی اسے ہی کرنا ہو گا۔ سارا دن صرف رات کے کھانے پر، چینی عملے کو مسافروں کے بچے کھچے طعام ہی پر گزارا کرنا ہو گا البتہ رات کا کھانا پورا ملے گا۔

لم کو خاص طور پر متنبہ کیا گیا کہ رات کے کھانے کے بارے میں اسے اپنا ذہن تیار کر لینا چاہئے کہ اسے زیادہ کھانے کو نہیں ملے گا، نیز یہ کہ اسے یہاں کسی چیز کی زیادہ توقع نہیں رکھنی چاہیے، البتہ اسے ہر ماہ ہانگ کانگ کے پانچ ڈالر تنخواہ میں ملیں گے۔



وہ رات لم نے ماضی کو یاد کرتے گزاری۔ سردی سے وہ ٹھٹھر رہا تھا۔ اس کے اعصاب تن گئے تھے وہ بڑی شدّت سے صبح کا منتظر تھا۔ صبح مشرق کی طرف سرخی پھیل رہی تھی لیکن شمال مغرب کی طرف بادل جمع ہو رہے تھے۔ اس کی کشتی ہچکولے کھا رہی تھی ہوا بھی تیز تھی اور سمندری لہریں بھی زوروں پر دکھائی دے رہی تھیں اور پھر تیز موسلا دھار بارش ہونے لگی۔ سوراخوں سے پانی کشتی میں جمع ہونے لگا۔ فرش پر وہ دونوں ہاتھ مضبوطی سے جمائے الٹا لیٹا رہا۔ کشتی کے پرانے تختے اس کے ہاتھوں کو چبھنے لگے۔ اسے یقین ہو گیا کہ اب وہ زندہ نہیں بچے گا۔ یہ طوفانِ بادوباراں کشتی کو غرق کر دے گا لیکن موسم اس پر مہربان ہو گیا، ہوا تھم گئی، بارش رک گئی اور موجوں کی تندی میں بھی کمی ہو گئی، تاہم ابھی آسمان پر گہرے کالے بادل چھائے ہوئے تھے جنہوں نے صبح کی روشنی کو پھر اندھیرے میں ڈھانپ دیا تھا۔ تمباکو پینے، گرم پانی سے غسل کرنے اور گرم کھانا کھانے کی خواہش لم پر مسلط ہو رہی تھی۔ لیکن یہ سب نعمتیں اس کی دسترس سے دور تھیں۔ اچانک اسے احساس ہوا کہ دور ایک اسٹیمر جیسی چیز جا رہی ہے۔ ٹارچ جلا کر اسٹیمر کو اپنی موجودگی اور ابتلا کا اشارہ کرنے لگا۔ اسی لمحے کوئی چیز اس کے ہاتھ سے ٹکرائی۔ لم کی چیخ نکل گئی۔ ٹارچ اس کے ہاتھ سے چھوٹ

گئی۔ دوسرے لمحے وہ اپنی حماقت پر خود ہی شرمندہ ہو رہا تھا۔ وہ ایک مچھلی تھی جو چھلانگیں لگاتی اس کے ہاتھ سے جا ٹکرائی تھی۔

ایک دن اور گزر گیا۔ اس نے ایک رسّی میں تین گرہیں دے دیں۔ اسے سمندر میں تنہا بے یارومددگار رہتے تیسرا دن ہو گیا تھا۔ اس کی بھوک اُڑ چلی تھی مگر وہ جانتا تھا کہ اسے اپنی طاقت بحال رکھنے کے لئے کچھ نہ کچھ ضرور کھانا چاہئے۔ اس نے سخت بسکٹ پانی میں بھگوئے اور کھانے لگا۔ پھر بھی ہر لقمہ اس کے حلق میں اٹک رہا تھا۔ اس کے بعد وہ خطرے کی اطلاع دینے والے سلنڈروں کو دیکھنے لگا۔ اگر وہ ان سلنڈروں کا استعمال سیکھ جائے تو وہ ان کے ذریعے آنے جانے والے دور جہازوں کو اطلاع کر سکتا ہے۔ وہ ان سلنڈروں پر انگریزی میں لکھی ہوئی ترکیب استعمال پر سر کھپانے لگا، لیکن اسے پوری کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔

یوں سات دن بیت گئے۔ دُور دُور تک چاروں طرف سمندر پھیلا ہوا تھا۔ ان سات دنوں میں اس نے کسی قسم کا جہاز نہیں دیکھا تھا، رسّی میں بندھی سات گرہیں اسے یاد دلا رہی تھیں کہ اس کی زندگی کے سات دن اکیلے تنہا گزر چکے ہیں۔ اچانک جنوب کی سمت اس کی نگاہ ایک بڑے متحرک سیاہ دھبّے پر پڑی۔ سورج غروب ہونے والا تھا۔ اس کی بجھتی ہوئی روشنی میں وہ دھبّہ بڑا ہوتا چلا گیا اور لم کے تجسّس اور اشتیاق میں اضافہ ہونے لگا۔ لیکن جب اس دھبّے کی شکل آنکھوں کے سامنے واضح ہوئی تو وہ خوفزدہ ہو گیا۔ یہ ایک ڈسٹرائر تھا..... ایک جہاز جو دوسرے جہازوں کو تباہ اور نیست و نابود کرنے کے لئے بطور خاص تیار کیا جاتا ہے۔ وہ چھپنے کے لئے اپنی کشتی کا جائزہ لینے لگا، وہ اتنا خوفزدہ تھا کہ اب وہ اس ڈسٹرائر کی طرف بھی نہیں دیکھ رہا تھا۔ لکڑی کے کمپارٹمنٹ کے پیچھے وہ دبک کر بیٹھ گیا۔ دشمن کا یہ ڈسٹرائر کشتی کو تباہ کر کے اسے ہلاک کر سکتا تھا۔

وہ دل ہی دل میں خدا سے دعا کرنے لگا۔ زندگی کی دعا، رحم اور کرم کی دعا۔ اس کے دل کی دھڑکن بہت تیز ہو چکی تھی۔ خوف کا یہ عالم تھا کہ وہ اپنے اس دل کی دھڑکن کو ڈسٹرائر کے انجنوں کی آواز سمجھنے لگا۔ ہر آن اسے یہ خدشہ ہو رہا تھا کہ اب ڈسٹرائر نے اس کی کشتی دیکھی اور نشانہ بنایا..... یوں جانے کتنا وقت گزر گیا۔ اسے اپنے ہوش و حواس قابو کرنے میں بڑا وقت لگا۔ جب اس نے اپنے خوف پر غلبہ حاصل کر لیا تو وہ اکڑوں بیٹھ کر اس طرف دیکھنے لگا جدھر اس نے اس ڈسٹرائر کو دیکھا تھا۔ وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ سمندر کا سینہ خالی تھا۔ اس نے اطمینان کا سانس لیا وہ خطرے سے بچ گیا تھا۔ اس کے نزدیک اس کا یوں بچ جانا کسی معجزے سے کم نہ تھا۔ وہ خدا



سردار عبدالرب نشتر کو بطور گورنر جمخانہ میں کسی ایسی تقریب پر مدعو کیا گیا جسے وہ پسند نہیں کرتے تھے - انہوں نے جواب میں لکھ بھیجا وہ ایسی تقریبات میں شرکت کو اچھا نہیں سمجھتے - کہ

نہ کہیں عیش تمہارا بھی منغص کر دے
دوستو! دردؔ کو محفل میں نہ تم یاد کرو۔

(روایت: ریٹائرڈ جسٹس بشیرالدین احمد خاں)



کا شکر ادا کرنے لگا کہ اس نے اس کی دعاؤں کو شرفِ قبولیت بخش کر اسے از سرِ نو زندگی دے دی تھی...... وہ جلد ہی سو گیا۔

آٹھویں دن لم نے سنجیدگی سے سوچنا شروع کیا کہ وہ اس طرح کب تک زندہ رہ سکے گا۔ پانی کا ذخیرہ ختم ہو جائے گا۔ کھانے پینے کی چیزیں مزید کب تک چل سکتی ہیں۔ اسے کچھ سوچنا اور کسی طرح ساحل تک پہنچ جانے کی راہ نکالنی چاہئے۔

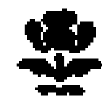
اس نے پانی کی ٹینکی کا جائزہ لیا۔ ٹینکی کا پانچواں حصّہ خالی ہو چکا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ سات دنوں میں دو گیلن پانی پی چکا ہے۔ اسی حساب سے یہ پانی مزید اٹھائیس دن تک چل سکتا تھا۔ اگر وہ پانی پینے میں مزید کمی کر دے تو یہی پانی زیادہ سے زیادہ چالیس دن کے لئے کافی تھا۔ پانی کا اندازہ لگانے کے بعد اس کے پاس جو کھانے پینے کی چیزیں باقی رہ گئی تھیں انہیں بھی لم نے چالیس حصّوں میں تقسیم کر دیا۔ دوسرا اہم مسئلہ سردی سے بچنے کا تھا۔ کشتی کے کھُردرے ناہموار فرش پر سونے سے اسے تکلیف ہوتی تھی۔ پھر اپنی برہنگی ڈھانپنا بھی ضروری تھی۔ اس نے کشتی کے ساتھ جو کینوس لپٹا ہوا تھا اسے اتار کر اس کی چھ تہیں کر کے بستر بنا لیا تین تہیں نیچے اور تین اوپر لے کر وہ اب قدرے آرام سے لیٹ سکتا تھا۔ اور سردی سے بھی بہت حد تک محفوظ رہ سکتا تھا۔ اس رات جب وہ اپنے اس بستر میں لیٹنے لگا تو اچانک اسے پسینے چھوٹنے لگے۔ یہ بستر اسے کفن لگا۔ اس نے اپنے اس وہم اور خوف کو دُور کرنے کی کوشش کی تاہم اکثر جب وہ سو رہا ہوتا تو اسے احساس ہوتا کہ وہ کفن کے اندر لیٹا ہے۔

حالات پر قابو پانا اس کے بس میں نہ تھا۔ شدّت کی گرمی پڑنے لگی تھی کئی دنوں میں ایسا ہوا کہ اس نے اپنے لئے یومیہ پانی کی جو مقدار مقرر کی تھی وہ اسے شام سے پہلے ختم کر دیتا۔ کھانے کی چیزیں مزید بدذائقہ ہوتی چلی گئیں لیکن وہ انہی چیزوں سے اپنا پیٹ

بھرنے پر مجبور تھا۔ اس خیال سے وہ لرز اٹھتا کہ اگر پانی اور خوراک کا باقی ماندہ حصّہ بھی ختم ہو گیا اور وہ ساحل تک نہ پہنچ سکا تو پھر کیا ہو گا۔ موت کا تصوّر ہر وقت اس کے ذہن پر سوار رہتا۔ اس نے ابھی دنیا میں کیا دیکھا تھا؟ شادی ہوئی تھی نہ کوئی خوشی دیکھی تھی۔ تو کیا وہ دنیا سے دُور یوں نامراد حالت میں سمندر کی لہروں کا لقمہ بن جائے گا؟

وہ کمزور ہوتا جا رہا تھا۔ اس کا وزن گھٹنے لگا تھا۔ گرمی میں دودھ کے ڈبوں میں بند دودھ خراب ہونے لگا۔ لیکن تھوڑی بہت توانائی حاصل کرنے کے لئے وہ اسی ناقص دودھ پر گزارا کر رہا تھا۔ وہ اپنے آپ کو صاف ستھرا رکھنے کی کوشش کرتا۔ بارش ہوتی تو بارش میں نہانے لگتا۔ اس کے بال لمبے ہو رہے تھے۔ ڈاڑھی بڑھ رہی تھی۔

اس مایوسی اور ذہنی انتشار کے لمحوں میں لم کو اس وقت خاصا سکون ملتا جب وہ کشتی کے ساتھ ساتھ سمندری مچھلیوں کو تیرتے دیکھتا۔ یہ منظر بہت دلچسپ اور خوبصورت ہوتا۔ سنہری اور سنہرے نیلے رنگ کی مچھلیاں اسے بہت اچھی لگتی تھیں۔ یہ مچھلیاں تین سے چھ فٹ لمبی تھیں! اکثر وہ دیکھتا کہ یہ مچھلیاں تیرتے تیرتے کشتی کے تختے کے ساتھ اپنے جسم رگڑنے لگتی ہیں۔ یہ منظر اسے اپنی پریشانیاں عارضی طور پر بھلا دیتا۔



ایک دن اسے اپنے اُستاد کا سنایا ہوا ایک واقعہ یاد آیا۔ اسکول کے استاد نے جماعت کے طلبہ کو مخاطب کر کے کہا تھا:

"ایک شخص کو اس کے وطن سے نکال دیا گیا۔ اس نے جس غیر ملک میں پناہ لی وہاں ایک اونچا سا مینار تعمیر کرایا۔ وہ سارا دن اس مینار میں بیٹھا منتظر رہتا کہ کب اس کی جلاوطنی ختم ہونے کا حکم لے کر کوئی ہرکارہ آتا ہے اور وہ اپنے وطن واپس جانے کے قابل ہو جاتا ہے۔ لیکن کوئی ہرکارہ ایسا حکم لے کر نہ آیا۔ وہ جلاوطن وہیں انتظار کرتے کرتے مر گیا۔ لوگوں نے اس کی موت کے بعد اس مینار کا نام 'نہ ختم ہونے والے دنوں کا مینار' رکھ دیا تھا"۔

یہی حالت لم کی تھی وہ ہر صبح نئی امید کے ساتھ بیدار ہوتا۔ لیکن مدد کے لئے کوئی نہ آیا تھا۔ کھانے پینے کی اشیا کم ہوتی چلی جا رہی تھیں۔ بسکٹ جو پہلے ہی سخت تھے اب لوہے کے بن چکے تھے۔ وہ دیر تک انہیں پانی میں بھگوئے رکھتا اس کے باوجود وہ نرم نہ پڑتے۔ وہ اپنے دانتوں کا زور لگا کر انہیں کتا کٹ کر کے ٹکڑوں کی شکل دے کر حلق کے نیچے اتارنے کے لئے دیر تک جبڑے چلاتا رہتا۔

اس نے سوچا اگر میں مچھلیاں پکڑنے لگوں تو خوراک کا مسئلہ کسی حد تک حل ہو سکتا ہے لیکن.......... نمک کے بغیر وہ مچھلیوں کو کس طرح کئی دنوں کے لئے گلنے سڑنے سے محفوظ رکھ سکے گا؟ پھر اسے اپنی ماں کی بات یاد آئی اور وہ مسکرا دیا۔ سمندر میں نمک کی کیا کمی تھی؟ اس نے سوچا میں مچھلیاں پکڑ کر انہیں پانی کے ساتھ لٹکا دوں گا جس طرح میرے جسم اور کینوس پر سمندری نمک جمع ہوتا ہے' اسی طرح مچھلیوں پر سمندری نمک لگ جائے گا اور وہ گلنے سڑنے سے محفوظ رہیں گی۔

اس نے جب کشتی کے ساتھ اچھلتی ہوئی مچھلیوں میں سے ایک مچھلی پکڑی تو اپنی اس پہلی کامیابی پر خوشی سے نعرے لگانے لگا۔ اس دن سہ پہر تک اس نے سات مچھلیاں پکڑیں۔ انہیں صاف کر کے سائبان کے بانسوں کے ساتھ لٹکا دیا۔ دوسرے دن کی تیز دھوپ اور ہوا میں موجود نمک نے ان مچھلیوں کو خشک کر کے محفوظ کر دیا۔ اس ترکیب سے خشک کی ہوئی مچھلی کا پہلا لقمہ لیتے ہوئے وہ ہچکچایا۔ لیکن جب اس نے اپنے دانتوں سے مچھلی کے ٹکڑے چبائے تو اسے حیرت انگیز مسرّت ہوئی مچھلی نرم تھی اور اس کا ذائقہ سخت بسکٹوں سے ہزار گنا مزیدار اور بہتر تھا۔

اب وہ مصروف رہنے لگا۔ تنہائی میں اسے مصروفیت کی اشد ضرورت تھی' ورنہ خیالوں میں اُلجھا ہُوا وہ اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھتا۔ دن چڑھتے ہی وہ مچھلیاں پکڑنے کی کوشش کرتا۔ پھر مچھلیوں کے پیٹ صاف کرتا اس کے بعد انہیں بانسوں کے ساتھ لٹکا دیتا۔ اس کام سے فارغ ہو کر وہ فرش رگڑنے لگتا۔ جہاں مچھلیوں کا خون جم جاتا تھا۔ چند روز بعد اس نے دیکھا کہ اس کے ہاتھ سُوجنے اور پھٹنے لگے ہیں' واقعی ہر روز چار پانچ درجن مچھلیاں پکڑنا' صاف کرنا' لٹکانا اور پھر صفائی کرنا ایک تھکا دینے والا کام تھا۔ وہ پریشان رہنے لگا کیونکہ دو تین دن مسلسل بارش ہو یا دو یا تین دن گرمی پڑے...... اس کی محنت کا ایک بڑا حصّہ ضائع ہو جاتا تھا۔

اس رات اسے ایک نئی ترکیب سُوجھی کہ اسے چھوٹی چھوٹی مچھلیوں کی بجائے بڑی بڑی مچھلیاں پکڑنی چاہئیں۔ بڑی مچھلی پکڑنے کے لئے بڑی 'کنڈی' کی ضرورت تھی۔ بہت سوچ بچار کے بعد اسے ایک ترکیب سُوجھ گئی۔ پانی کی ٹینکی کے اوپر جہاں تالے کا سوراخ تھا' وہاں ایک بڑا دھاتی کنڈا لگا ہوا تھا۔ اس نے وہ کنڈا وہاں سے نکالنے کا ارادہ کر لیا۔ چاندنی مدّھم تھی۔ اس کے باوجود وہ خاصی دیر تک ٹینکی کے سوراخ کو بڑا کرتا رہا۔ یہ خاصا مشقت کا کام تھا۔ جب جسم پسینے سے بھیگ گیا تو وہ تھک کر سونے چلا گیا۔ صبح اس

نے دیکھا کہ اس کے ہاتھوں پر کتنی ہی خراشیں آ چکی ہیں۔ ایک کیل کے ذریعے وہ ٹینکی میں سوراخ بنا کر اس کنڈے کو نکالنے کی کوشش میں اپنے ہاتھ زخمی کر چکا تھا۔ ہمت کر کے جب وہ پھر اسی کیل کے ذریعے کنڈے کے اردگرد کے حصّے میں سوراخ بڑا کرنے لگا تو اچانک اس کے ہاتھ سے خُون بہنے لگا۔ اس نے جلدی سے اپنا ہاتھ اوپر کھینچ لیا۔ اس نے اپنی انگلیاں اور زخمی ہاتھ چوسنا شروع کر کے خُون تھوکنا شروع کر دیا۔ تھوڑی دیر بعد اس عمل سے اس کا خُون بہنا بند ہو گیا۔ پہلے سے قدرے محتاط ہو کر وہ کنڈا نکالنے کی کوشش میں جت گیا۔ کئی گھنٹوں کی جدّوجہد کے بعد وہ کنڈا نکالنے میں کامیاب ہو گیا۔ لیکن تب تک اس کے ہاتھ مزید زخمی ہو چکے تھے اور سارے جسم میں شدید درد ہونے لگا تھا۔

کشتی پر بدبو اور غلاظت کے بھبکے اُٹھ رہے تھے اس نے مچھلیوں کے ٹکڑے اور گلی سڑی مچھلیاں اس خوف سے سمندر میں نہیں پھینکی تھیں کہ سمندر میں ان گلی سڑی مچھلیوں کے پیچھے شارک مچھلیاں نہ لگ جائیں جو اس کی کشتی کے لئے خطرہ بن سکتی تھیں۔

کئی دنوں تک ہاتھوں کے زخم بھرنے کا انتظار کرتا رہا۔ جب اس کے ہاتھ ٹھیک ہوئے تو اس نے مچھلیوں کا گلا سڑا انبار سمندر میں پھینک دیا۔ چھ دن بعد اس نے اس کنڈے کے ساتھ بڑی مچھلی پکڑنے کے لئے ایک بڑی کنڈی تیار کی۔ ایک چھوٹی مچھلی پکڑ کر اسے چارہ بنایا اور پھر کنڈی کو سمندر میں پھینک کر انتظار کرنے لگا۔ اسے اپنی نقاہت پر حیرت ہو رہی تھی وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ اتنا کمزور ہو جائے گا۔

مچھلی پکڑنے کی بڑی کنڈی کا آخری سرا اس کے ہاتھوں سے نکلا جا رہا تھا۔ مچھلی بڑی تھی۔ لیکن ابھی تک پانی کی سطح سے اوپر نمودار نہ ہوئی تھی۔ لم کے لئے اس کے ساتھ زور آزمائی کرنا مشکل ہو رہا تھا۔ ڈوری اس کے ہاتھوں سے رگڑ کھاتی ہاتھوں میں ٹیسیں پیدا کر رہی تھی۔ وہ جھکتا چلا گیا۔ ہمّت ہارنے کے لئے وہ تیار نہ تھا۔ اس نے ایک ہاتھ سے ڈوری تھامی اور دوسرے میں چاقو پکڑ لیا۔ جونہی مچھلی سطح سمندر پر نمودار ہوئی وہ اس کے جسم پر اندھا دھند وار کرنے لگا۔ مچھلی پوری قوت سے پھڑپھڑانے لگی۔ طاقت آزمائی کے اس مقابلے میں لم کی ساری طاقت صرف ہونے لگی۔ وہ ہانپنے لگا تھا۔ بالآخر مچھلی کی مزاحمت ختم ہوئی اور وہ کسی طرح اسے اوپر اٹھانے میں کامیاب ہو گیا ایک گھنٹے تک وہ بے سُدھ لیٹا رہا۔ جب اس کی قوت کچھ بحال ہو گئی تو اس نے مچھلی پر اک نگاہ ڈالی۔ یہ بڑا شکار تھا............ وہ مسکرانے لگا......

تنہائی اور اسی قسم کی مصروفیات کے دنوں میں اس نے ایک دن ایک سمندری پرندہ بھی پکڑ لیا جو اس کی کنڈی کی ڈوری میں اُلجھ گیا تھا۔ لم اسے پکڑ کر بہت خوش ہوا۔ اس کے پَر رنگ برنگے تھے۔ اس کی چونچ مُڑی ہوئی اور تیز تھی۔ پنجے بھی اسے بہت اچھے لگے۔ اس کی آنکھوں میں جو خوف تھا' لم نے اسے دُور کرنے کی بہت کوشش کی اس نے اسے رسّی سے باندھ دیا۔ اسے کھانے کے لئے خشک مچھلی دی لیکن پرندہ شاید بھوک ہڑتال پر تھا یا مچھلی اسے پسند نہ تھی۔ اس نے مچھلی کو چھوا تک نہیں۔ لم نے اسے پانی پلانے کی کوشش کی تو پرندے نے پانی کو بھی منہ لگانا پسند نہ کیا' وہ پرندہ تین دن لم کے پاس رہا اور بھوکا پیاسا رہا۔ لم کو اس پر رحم آ گیا۔ اس نے رسّی کھول کر اسے آزاد کر دیا پرندہ بہت کمزور ہو چکا تھا اس نے اُڑنے کی کوشش کی۔ تھوڑا سا اڑا پھر سمندر کی لہروں پر جا گرا۔ چند لمحوں بعد وہ سطح آب پر نمودار ہوا اور ایک بار پھر وہ اڑا اور چند منٹوں میں لم کی آنکھوں کے سامنے تارہ بن کر غائب ہو گیا۔

لم اب خوش رہنے لگا تھا۔ اس کی توانائی بحال ہو رہی تھی۔ خوراک اور پانی کی پریشانیاں خاصی حد تک دُور ہو چکی تھیں۔ کبھی کبھی وہ گیت گانے لگتا۔ وہ گیت جو اس نے کبھی بچپن میں اپنے گاؤں میں گائے تھے۔

اور پھر توہّمات نے اس کے ذہن پر قبضہ کر لیا' پے در پے ایسے واقعات ہوئے کہ وہ یہ سمجھنے لگا کہ جو پرندہ اس نے پکڑا تھا اور جس نے تین دن کھانا کھایا تھا نہ پانی پیا تھا وہ اس کے لئے نیک شگون ثابت نہ ہوا تھا۔ ایک رات جب آسمان پر ایک ستارہ ٹوٹا تو لم نے سوچا کہ اب میری قسمت کا ستارہ بھی گردش میں آ چکا ہے میں بھی ساحل اور آبادی تک نہیں پہنچ سکوں گا۔ اس نے زندہ رہنے کی جدّوجہد سے ہاتھ کھینچ لیا' سر جھکائے اپنی بدقسمتی پر غور کرتا رہتا۔ اس کی بھوک بالکل ختم ہو گئی۔ مچھلی کا شکار بھی چھوڑ دیا۔ تیز اور موسلا دھار بارش کی وجہ سے جو بچی کھچی مچھلی رہ گئی تھی وہ گل سڑ کر خراب ہو گئی۔

انسان کتنا ہی مایوس ہو جائے بھوک تو بہرحال اسے لگتی ہے۔ اسے بھی بھوک تڑپانے لگی اُس نے اپنا چاقو نکالا اور مچھلیاں دیکھنے لگا۔ ایک مچھلی پر اس نے چاقو سے وار کر کے زخمی کیا اور پھر اسے پکڑ لیا۔ اسے بھوک اتنی تھی کہ اس نے مچھلی کو دھوپ میں لٹکا کر خشک کرنے کی بھی ضرورت محسوس نہ کی اور کچّی مچھلی ہی کھانے لگا اسے کچّی مچھلی کا ذائقہ اچھا لگا تو آنے والے دنوں میں وہ مچھلی شکار کرتا اور اسے صاف کر کے کچّا ہی کھانے لگتا۔ مچھلی کے گردے اور

دل کھا کر اسے خاص مزہ آتا۔ کچی مچھلی کھانے سے اس نے ایک تجربہ بھی حاصل کیا کہ دھوپ میں سکھائی ہوئی مچھلی کھانے کے بعد اسے خاصی پیاس لگتی تھی لیکن کچی مچھلی کھانے کے بعد اس کی پیاس کم ہو گئی۔

ان دنوں جانے کیا ہوا کہ مچھلی بہت کم اس کے ہاتھ لگتی۔ محفوظ ذخائر ختم ہونے والے تھے کم خوراکی سے لم کا وزن گھٹنے لگا۔ اس کی زندگی ناقابلِ یقین حد تک تکلیف دہ بن چکی تھی۔ وہ سوچتا، ایک طویل مدّت گزر چکی ہے میں نے کسی انسان کو دیکھا ہے نہ اس کی آواز سنی ہے اس کا ذہن منتشر ہو رہا تھا وہ سوچتا آخر میں کب تک یونہی تنہا اس سمندر کے سینے پر اس کشتی میں زندہ رہ سکوں گا۔

مایوسی کے یہ لمحے اس کے لئے بڑے عذاب ناک ہوتے تھے۔

ایک صبح بیدار ہوا تو اس کا گلا درد کر رہا تھا حلق لکڑی بن گیا تھا۔ کوئی چیز نگلنا مشکل ہو رہا تھا اور پانی کی ٹینکی میں بہت تھوڑا سا پانی رہ گیا تھا۔ اس نے فیصلہ کیا کہ پانی کو بچانے کے لئے وہ شام تک پانی نہیں پئے گا۔ لیکن اس کے حلق میں کانٹے چبھنے لگے۔

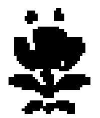
پھر اس نے آسمان پر ہلکی گڑگڑاہٹ کی آواز سنی۔ ایک دھبہ سا اڑتا ہوا دکھائی دیا۔ اس نے اپنی آنکھیں آسمان پر گاڑ دیں اور اسے ایک ہوائی جہاز دکھائی دیا۔ وہ چھلانگ لگا کر اٹھ کھڑا ہوا سوچنے لگا کیا کروں جس سے جہاز کی توجّہ میری طرف مبذول ہو سکے وہ اپنے دُکھتے ہوئے گلے کے ساتھ چیخنے پکارنے لگا۔ لیکن آسمان پر اڑنے والے جہاز تک اس کی آواز بھلا کہاں جا سکتی تھی؟ دیوانوں کی طرح وہ اپنے ہاتھ ہلانے اور لہرانے لگا۔ اس نے پاگلوں کی طرح بانسوں سے بندھا کینوس کا ٹکڑا اتارا اسے ایک بانس سے باندھ کر پرچم سا بنا کر لہرانے لگا۔ مگر جہاز آسمان پر دُور ہوتا ہوا نگاہوں سے غائب ہو گیا۔

دوسری صبح اس نے ایک اور جہاز اڑتے دیکھا۔ انجنوں کی آواز قریب تر آ رہی تھی ایک بار پھر وہ کینوس کا بانس سے بندھا ہوا ٹکڑا لہرانے لگا لیکن یہ ہوائی جہاز بھی دور نکل گیا وہ اس کینونس کے جھنڈے، جہاز کے ہواباز اور اپنے آپ پر بہت جھنجھلا رہا تھا۔ جب مایوسی اور جھنجھلاہٹ میں کمی ہوئی تو پیٹ کی آگ بجھانے کے لئے وہ پھر کنڈی ڈوری سنبھال کر مچھلی کے شکار کے لئے تیار ہو گیا۔ چند منٹ کے بعد آسمان گڑگڑانے لگا اُس نے دیکھا کہ اس بار چھ ہوائی جہاز آسمان میں اُڑ رہے تھے۔ وہ پھر چیخنے چلاّنے لگا۔ کنڈی ڈوری چھوڑ کر پھر بانس سے بندھا کینوس کا ٹکڑا لہرانے لگا۔ ایک جہاز نیچے آتا دکھائی دیا لیکن پھر اُونچا ہو گیا اور کچھ دیر بعد جہاز نگاہوں سے اوجھل ہو گئے۔ لم بے اختیار قہقہے لگانے لگا۔ اس پر دیوانگی کا دورہ پڑ گیا تھا۔

شام ہو گئی اور رات بہت خوفناک طوفان آیا۔ چاند بادلوں کے اندر چھپ گیا۔ بارش کوڑے برسانے لگی۔ کشتی ڈولنے اور اچھل پچھل ہونے لگی۔ سمندر کی طاقتور شوریدہ سر لہریں کئی بار کشتی کے اوپر سے گزر گئیں فرش کے ساتھ چمٹا ہوا لم کانپنے لگا تھا کشتی یوں چکر کاٹ رہی تھی جیسے بھنور میں پھنس گئی ہو اور پھر وہ بیہوش ہو گیا۔

اسے ہوش آیا تو طوفان تھم چکا تھا۔ اس کے جسم کا جوڑ جوڑ دُکھ رہا تھا اور اسے شدید پیاس لگی ہوئی تھی۔ وہ بہت لاچار اور کمزور ہو چکا تھا۔ پانی کی ٹینکی کی طرف گھسٹنے لگا۔ ٹینکی سمندر کے پانی سے بھری ہوئی تھی۔ اس نے بے تابی میں پانی پیا اور پھر تھوک دیا۔ سمندری پانی کی کڑواہٹ نے اس کے حلق میں جیسے آگ لگا دی ہو..... پینے کا پانی نہیں تھا۔ جب تک بارش نہ ہو اسے پانی کی ایک بوند بھی نہ مل سکتی تھی۔

وہ سیدھا لیٹ گیا، پانی تھا نہ کھانے کی کوئی چیز جسم کی طاقت اس کا ساتھ چھوڑنے لگی تھی............



وہ بیہوش ہو گیا۔

ہوش آیا تو اس کا جسم اکڑا ہوا تھا اور بھوک سے بُرا حال ہو رہا تھا۔ محفوظ کی ہوئی مچھلی والی ٹینکی تک وہ گھسٹتے ہوئے پہنچا۔ وہ بھول گیا تھا کہ مچھلی گل سڑ کر بو چھوڑ چکی ہے زندہ رہنے کی آخری کوشش کرتے ہوئے اس نے ایک چھوٹی سی مچھلی پکڑ کر اسے چارہ بنا کر کنڈی سمندر میں پھینک دی جب دیر تک مچھلی نہ پھنسی تو اس نے ڈوری کھینچی اور کنڈی کے ساتھ لگی ہوئی چھوٹی مچھلی ہی کچّی کھا گیا...... اس پر نقاہت کی غنودگی چھا گئی۔

دوسرے دن صبح اس سے کمر سیدھی نہ ہو رہی تھی اُس کا حلق شدید درد کر رہا تھا۔ پیاس کی شدّت ناقابلِ برداشت ہو رہی تھی، لیکن وہ جانتا تھا کہ ان حالات میں اگر اس نے سمندری پانی سے پیاس بجھانے کی کوشش کی توفی الفور اس کی موت واقع ہو جائے گی۔

وہ خوراک والی ٹینکی میں ہاتھ مارنے لگا۔ بالآخر ایک ٹین کا چھوٹا سا ڈبّہ اس کے ہاتھ لگ ہی گیا۔ اس میں کیا تھا، اسے کچھ معلوم نہ تھا۔ اس نے ڈبّہ کھولا تو اس میں ایک زرد رنگ کا محلول

پایا۔ بلا سوچے سمجھے وہ اسے پینے لگا۔ چند ثانئے تک اسے یوں لگا جیسے اس کی پیاس مٹ گئی ہے لیکن ان چند ثانیوں کے بعد جیسے اس کے پیٹ میں آگ بھر گئی ہو۔ اس نے غصے سے وہ ٹین کا ڈبہ دور پھینک دیا۔

وہ لیٹ گیا۔ اس روز اپنے دہکتے ہوئے جسم پر ہاتھ پھیرتے ہوئے لم کو پتہ چلا کہ اس کی ہڈیوں پر جلد خشک ہو کر تڑخنے لگی ہے......

بیداری اور بیہوشی کی کیفیت میں یہ رات بھی بیت گئی۔ صبح آنکھ کھلی تو اس کی نگاہیں آسمان پر جم گئیں۔ دور دور تک بادلوں کا نام و نشان دکھائی نہ دے رہا تھا۔ اب پیاس اس کے لئے جان لیوا ثابت ہو رہی تھی۔ ایک ایک لمحہ گھسٹ رہا تھا۔ وہ نیم غنودگی کے عالم میں تھا کہ اُسے محسوس ہوا کہ اس نے ایک پرندہ اڑتا دیکھا ہے۔ پہلے وہ اسے اپنا وہم سمجھا۔ اس نے اپنے ہوش و حواس سنبھالنے کی کوشش کی اور پھر غور سے دیکھا۔ واقعی وہ پرندہ تھا...... تو کیا خشکی یہاں سے قریب ہے؟ کتنی قریب اور کیا میں خشکی تک پہنچنے سے پہلے زندہ رہ سکوں گا؟

وہ پرندہ کشتی پر آ گیا اور فرش پر ٹہلنے لگا۔ لم کے نیم مردہ جسم میں پھر سے زندگی کی لہر دوڑ گئی۔ وہ گشت لگائے بیٹھ گیا اور پھر جونہی پرندہ اس کے قریب آیا اس نے اسے پکڑ کر اس کا سر زور زور سے تین بار لکڑی کے فرش پر پٹخ دیا۔ وہ پرندے کے سر سے بہتا خون چوسنے لگا۔ جلد جلد اس نے اس پرندے کے پر نوچے۔ اُس کی انتڑیاں نکال کر ایک طرف پھینکیں اور پھر اسے نگلنے لگا۔

اس رات ہلکی بارش ہوئی تو وہ منہ کھولے سیدھا لیٹا رہا اور پانی کے قطرے اس کے ہونٹوں اور زبان کو تر کرتے ہوئے اس کے پیٹ میں جانے لگے۔ اس سے پہلے کہ اس کی پیاس مٹتی، بارش رُک گئی۔

تھوڑی بہت توانائی اس کے جسم میں پھر سے آ گئی تھی۔ دوسرا دن اس کے لئے خوش قسمتی کا دن ثابت ہوا۔ مچھلیاں 'جو عنقا ہو گئی تھیں۔ سمندر کے اس حصے میں کثرت سے دکھائی دیں اور پھر زور دار بارش ہونے لگی۔ کچی مچھلی کے نرم حصے کھا کر اور پیاس بجھا کر وہ گہری نیند سو گیا۔

چار دن مسلسل موسلا دھار بارش ہوتی رہی اور مچھلیوں کا شکار آسانی سے ملنے لگا۔ چھوٹے پرندے بھی اس نے شکار کئے اور ان کے نرم حصے کو چبا کر پیٹ بھرتا رہا۔

ایک سہ پہر اس نے دیکھا سمندر کا پانی نیلا ہو رہا ہے۔ اس



کیا سگریٹ نوشی سے چھٹکارا ممکن ہے؟

- جی ہاں، کیوں نہیں؟ ایک صحیح عقل والا انسان ننگے ہاتھ آگ نہیں پکڑتا کیونکہ اُسے یقین ہے کہ اُس کا ہاتھ جھلس جائے گا۔
- عام حالات میں کوئی گہرے سمندر میں چھلانگ نہیں لگاتا کیونکہ اُس کا ڈوبنا یقینی ہوتا ہے۔
- لوگ تیز رفتار گاڑی سے بچتے ہیں کہیں اُس کی زد میں آ کر کچلے نہ جائیں۔

اگر انسان مندرجہ بالا صورتوں میں بچ سکتا ہے تو پھر سگریٹ نوشی سے بھی چھٹکارا پا سکتا ہے کیونکہ سگریٹ نوشی نہایت مُہلک عادت ہے اور یہ بہت سی بیماریوں کی جڑ ہے جن میں پھیپھڑوں، گلے، پیٹ، اعصاب اور نظر کی بیماریاں شامل ہیں اور ان میں کینسر یا سرطان سرِفہرست ہے جس کا دُنیا بھر میں کوئی علاج نہیں۔

(محمد سلیم رضا، میڈیکل سٹوڈنٹ۔ ایبٹ آباد)

نے اُفق کی طرف دیکھا سورج بادلوں نے چھپا رکھا تھا۔ پھر یہ پانی کا رنگ سرخی مائل سنہرا کیوں تھا۔ خوشی سے لم کا وجود کانپنے لگا تھا وہ دریا کے قریب تھا۔ اور اس کا مطلب تھا کہ زمین بھی قریب ہے۔ اس رات وہ خوشی کے مارے سو نہ سکا۔ اب جو پرندے اس کے آس پاس اُڑ رہے تھے وہ زمینی پرندے تھے۔

صبح جب دُھند چھٹی تو اس نے دُور درختوں کی ہریالی دیکھی۔ وہ خوشی سے جھوم اٹھا لیکن دوسرے لمحے اس کے ذہن پر پھر خوف نے غلبہ کر لیا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ کشتی کو سمندر پھر اپنی طرف دھکیل لے۔ بحری ہوا اور موجوں کا کیا اعتبار؟ جانے وہ درخت کتنی دُور ہیں...... کشتی ہمواری سے چل رہی تھی اور پھر لم نے جنگل کی مرطوب ہوا نتھنوں کے اندر جاتے محسوس کی زن بھر وہ آنکھیں جمائے ارد گرد دیکھتا رہا لیکن اسے کہیں دھوئیں کا مرغولہ تک دکھائی نہ دیا بارش ہونے لگی۔ ایک رات اور اسی بے چینی 'امید و

صبح دُھند چھٹنے کے بعد اسے درخت دکھائی دیئے۔ دُور اسے ایک جزیرہ نظر آیا اور وہاں اس نے کشتیاں بھی دیکھیں جو بہت فاصلے سے بہت چھوٹی دکھائی دے رہی تھیں۔ لیکن وہ کشتیاں ایک کے سوا جلد ہی منظر سے غائب ہو گئیں۔ کہاں گئیں وہ کشتیاں وہ سوچنے لگا۔ وہ چیخنے لگا...... "مدد...... مدد......" یہ الفاظ وہ چینی اور انگریزی دونوں زبانوں میں ادا کر رہا تھا۔ وہ کشتی جو غائب نہیں ہوئی تھی' اب وہ اس کے قریب پہنچ رہا تھا۔ یہ لکڑی کے تختے جوڑ کر بنائی گئی تھی۔ وہ سوچنے لگا کہیں ایسا نہ ہو کہ مَیں کسی دوسری مصیبت میں پھنس جاؤں یہ وحشی آدم خوروں کا جزیرہ نہ ہو۔ اس نے کچھ لوگ دُور سے دیکھے وہ چینی دکھائی نہیں دے رہے تھے۔ ان کا لباس مغربی طرز کا تھا۔ ایک آدمی نے اسے دیکھ ہاتھ کر ہلایا۔

"انگلش...... ......" مرد نے پوچھا۔

"چینی...... میں چینی......" لم چلایا۔

اس لمحے لم کو اپنی برہنگی کا احساس ہوا اُس نے کینوس کا وہ ٹکڑا جسے پرچم بنا کر وہ لہراتا رہا تھا' اپنی کمر کے ارد گرد لپیٹ لیا۔ وہ جسے آدمی سمجھا تھا وہ عورت تھی۔ پھر ایک آدمی نمودار ہوا جس نے اپنی کشتی آگے بڑھائی لم کی کشتی کے ساتھ ایک رسّہ باندھ دیا آگے بڑھ کر وہ لم کی کشتی پر پہنچا۔ لم نے مسکراتے ہوئے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ مرد نے اسے اپنی کشتی میں سوار کرا لیا پھر وہ رسّہ کاٹ دیا جس سے لم کی کشتی باندھی تھی۔ کشتی کو دور جاتے دیکھ کر لم کو دُکھ ہوا۔ اسی کشتی نے اسے پناہ دی تھی اُس کی جان بچائی تھی۔ اسے دُور جاتے دیکھ کر اس کا دل دُکھ رہا تھا۔ لم نے چند لمحوں کے لئے آنکھیں بند کر لیں۔ ان چند لمحوں میں وہ سارے جانگسل' شب و روز اس کے تصوّر میں آ گئے جو اس نے اس کشتی پر تنہا بسر کیے تھے۔

ماہی گیری کی وہ کشتی جس پر لم سوار کیا گیا تھا' ۱۶ اپریل ۱۹۴۳ء کو برازیلی بندرگاہ بیلم پہنچی۔ لم اکیلا ۱۳۳ دن تک سمندر میں رہا تھا یہ ایک ایسا ریکارڈ ہے جسے ابھی تک کوئی نہیں توڑ سکا۔ ۱۳۳ دنوں کے جان لیوا مصائب کے باوجود وہ کسی سہارے کے بغیر چل رہا تھا۔ اسے چھ ہفتے اسپتال میں رکھا گیا۔ اس کے بعد بیلم میں برطانوی قونصل نے انگلستان تک سفر کے انتظامات کرائے۔

جولائی ۱۹۴۳ء میں لم کو بکنگھم پیلس میں شہنشاہ جارج ششم نے خصوصی میڈل دیا۔

۱۹۵۲ء میں لم نے امریکی شہریت حاصل کر لی اسی برس اس کی شادی ہوئی وہ چار بچّوں کا باپ بنا۔ ۱۹۸۳ء میں بحری ملازمت سے چالیس برس کی خدمات کے بعد ریٹائر ہوا تب تک وہ چیف سٹیوارڈ کے عہدے پر فائز ہو چکا تھا۔

گنگا کے پھول

مسافر' سفارت خانے میں معتمد درجہ سوم کے کمرے میں پہنچا اور اپنا تعارف کرایا۔ کرسی اور چائے کی دعوت قبول کرنے کے بعد رسمی اور تعارفی گفتگو کو آگے بڑھایا۔ لاگوس پسند آیا؟ جی ہاں اچھی جگہ ہے' بس ذرا دُور ہے۔ آپ کو یہاں آئے کتنا عرصہ ہوا ہے؟ کم و بیش چھ ماہ۔ آپ کے پیشرو کہاں گئے؟ جواب ملا جائیں کہاں' اجازت ہی نہیں ملتی اور وہ چھ ماہ سے اس الماری میں پڑے ہیں۔ مسافر نے حیرت کا اظہار کیا تو وہ اُٹھے اور الماری کا تالا کھولا۔ اس میں دفتری کاٹھ کباڑ اور اسٹیشنری کے ساتھ ایک ٹین کا ڈبّہ بھی رکھا ہوا تھا۔ کہنے لگے میرے پیشرو اس ڈبّے میں بند ہیں ملازمت لاگوس لے آئی اور موت دوسرے جہان لے گئی۔ موصوف کا تعلق ہندومت سے تھا۔ سورگباشی کی راکھ اس ڈبّے میں بند ہے جسے گنگا میں بہانے کے لیے تین ملکوں کے درمیان طویل خط کتابت ہو رہی ہے۔ فیصلہ ہونے میں نہیں آتا' لہٰذا یہ 'پھول' اس الماری میں بند پڑے ہیں۔ چند دن اس خیال سے وحشت ہوئی تھی مگر اب عادت ہو گئی ہے۔ اکثر یاد تک نہیں رہتا کہ ایک سوختہ جان بھی میرے ساتھ اس کمرے میں موجود ہے؛ البتہ ایک بار آنجہانی پر بہت رحم آیا اور جی چاہا کہ ڈھکنا کھول کر ہوا میں رکھ دوں۔ خاک ہے جو اُن کو خبر ہونے تک ہوا اڑا لے جائے گی۔ یوں بھی اپنے پیشرو کی خاک اڑانا کوئی نئی بات نہیں پھر بولے دیکھئے مَیں نے وہ مقولہ غلط ثابت کر دکھایا جس کی رُو سے دو بادشاہ ایک اقلیم میں' دو تلواریں ایک نیام نہیں رہ سکتیں' مَیں اور میرا پیشرو ہم دونوں ایک دفتر اور ایک کمرہ میں بآسانی سما گئے ہیں۔ یہ وضاحت اُنھوں نے ضروری نہیں سمجھی کہ ایک کرسی پر ہے اور دوسرا الماری میں۔

(شہر نصیب'...... مختار مسعود)

موت کے ساتھ ساتھ





موت کے ساتھ ساتھ

پال برک ہل

اسد حجازی

جنگی کیمپ سے فرار کی جرأت افزا لرزہ خیز کہانی

اماطے میں واپس آیا، تو اُس کا چہرہ لہولہان تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اگلی بار جاپانیوں نے اسے تفتیش کے لیے وائی۔ ایم۔ سی۔ اے میں بُلایا، تو وہ اُس پر اس قدر تشدد کریں گے کہ وہ انجام کو پہنچ جائے گا۔ اس پر مستزاد یہ مصیبت کہ جو بھی متبادل صورتیں ذہن میں آتیں، وہ تقریباً ناممکن العمل تھیں۔

یہ تبدیلی بڑی سُرعت سے عمل میں آئی تھی۔ صرف چند ہفتے پہلے وہ اپنی بیوی پیٹ کے ہمراہ نئے مکان میں منتقل ہُوا تھا جو ایروڈروم کے کوارٹروں سے ملحق تھا۔ وہ چھبیس سال کا تھا اور اس کی بیوی اکیس برس کی۔ پہلے بچے کی آمد آمد تھی۔ اسی ہفتے جاپانی فوج ملایا میں داخل ہُوئی۔ شروع میں سنگاپور کے باشندوں کو خیال تک نہ گزرا کہ جاپانی اتنی دُور تک مار کر سکتے ہیں۔ پیٹ اُس وقت بڑی خوفزدہ ہو جاتی جب چارلس بمبار جہازوں میں پرواز کرتا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے دفاعی حصار ٹوٹتا چلا گیا۔ بمبار اسکواڈرن جاپانیوں کے ایک ہی حملے میں تباہ ہو کر رہ گیا۔ باقی ماندہ عملے کو جاوا میں منتقل کر دیا گیا۔

اس دلیر ہوا باز نے فوری طور پر ملایا سے نکلنا پسند نہ کیا۔ وہ کئی برسوں سے یہاں رہائش پذیر تھا، اُس کا باپ باغات لگانے کا کام کرتا رہا تھا، اسی لیے اُس کے کمانڈنگ افسر نے اُسے مقامی امور کا ماہر گردانتے ہُوئے اُسے پیچھے رہنے کی اجازت دے دی تھی تاکہ وہ اپنی بیوی کو بحفاظت بحری جہاز کے ذریعے وہاں سے نکال سکے۔ جاپانی سپاہی ان یوریشیائی لڑکیوں سے بدسلوکی کرنے کے عادی تھے جو یورپی لوگوں سے شادی رچاتیں۔ وہ اسے غنڈہ گردی پر محمول کرتے تھے۔ جب پیٹ جہاز کے عرشے پر کھڑی ہاتھ ہلا ہلا کر الوداع کہہ رہی تھی، تو چارلس کی آنکھوں میں — زندگی میں پہلی بار — آنسو تیرنے لگے۔ جہاز آہستہ آہستہ افقی لائن کے پیچھے چھپ گیا۔

وہ تھوڑی دیر کے لیے گھر واپس آیا۔ ہر شے کو توڑ پھوڑ دیا تاکہ کچھ بھی جاپانیوں کے ہاتھ نہ لگے۔ بالآخر اُس نے ایک سفید قمیص پہن لی اور بری فوج میں شامل ہو کر لڑنے کے لیے چلا گیا۔ ایک ہفتے بعد سنگاپور کا سقوط ہو گیا اور چارلس مزید دو دن بعد جاپانیوں کے ہتّھے چڑھ گیا۔ وہ اُس وقت رضاکاروں کے ایک دستے میں شامل تھا اور سڑکوں پر رکاوٹیں کھڑی کرکے برسرِ پیکار تھا۔ اُن کا رابطہ دُوسری فوج سے کٹ چکا تھا اس لیے انہیں علم ہی نہ ہو سکا کہ جزیرے پر دشمن قابض ہو گیا ہے۔

بس مصیبت کا آغاز یہیں سے ہُوا۔ جاپانیوں نے اس دستے کو سبوتاژ کی کارروائیوں کے الزام میں سخت سزا دینے کا فیصلہ کیا۔ دو آدمیوں کو فوراً گولی سے اُڑا دیا گیا۔ چارلس کے اس دعوے پر کسی نے یقین نہ کیا کہ وہ رائل ایئر فورس کا ملازم ہے، کیونکہ اس صورت میں اُسے سفید کے بجائے خاکی قمیص پہننا چاہیے تھی۔ دُشمن نے یہی نتیجہ نکالا کہ وہ ضرور کوئی جاسوس ہے، اس لیے اُس کے ساتھ جلد ہی کوئی مناسب سلوک کیا جانا چاہیے!

اور پھر اُسے دُوسرے قیدیوں کے ساتھ ایک پنجرے میں بند کر دیا گیا۔ کیلے کے جنگل کو صاف کرکے کوئی سو مربع گز جگہ کو خاردار تاروں اور کیلے کے پتوں سے گھیر لیا گیا اور یہاں برطانوی اور آسٹریلوی فوجیوں اور عام شہریوں کو بھیڑ بکریوں کی طرح بند کر دیا گیا۔ بھوک اور پیچش نے جلد ہی اپنا رنگ دکھایا۔ کڑے پہرے میں اس پنجرے سے نکال کر محنت مشقت کے لیے لے جایا جاتا۔ کیمپ کے جاپانی کمانڈر نے انہیں تنبیہ کر دی تھی کہ خبردار! بھاگنے کی کوشش نہ کریں، اگر کسی کے دِل میں بھی ایسا خیال آیا، تو نہ صرف اُسے بلکہ اُس کے ساتھیوں کو بھی سخت سزا دی جائے گی۔

ایک دن کسی مشقتی گروہ کے دو آدمی واپس نہ آئے۔ ہر طرف یہی افواہ پھیلی ہُوئی تھی کہ کسی خیرخواہ چینی باشندے نے انہیں پناہ دے دی ہو گی۔ ان کے باقی نحیف و نزار ساتھی سانس روکے سزا کا انتظار کرتے رہے، مگر کچھ نہ ہُوا۔ چند دن بعد ایک فوجی سارجنٹ آنکھ بچا کر نکل گیا۔ اب بھی کوئی انتقامی کارروائی عمل میں نہ آئی۔ مزید کچھ روز بعد سات آدمی اور بھاگ کھڑے ہُوئے۔

اگلی صبح کیمپ کے تمام باشندوں کو اٹین شن کا آرڈر ملا اور وہ اسی حالت میں چار بجے سہ پہر تک کھڑے رہے۔ ان میں سے کئی نڈھال ہو کر گر پڑے۔ جاپانی پہرے دار ان کے پاؤں پر سنگینیں چبھوتے تاکہ وہ سیدھے ہو کر کھڑے رہیں۔ شام کے وقت جاپانی افسروں کی ایک جماعت معاینے کے لیے آئی۔ ایک جاپانی سارجنٹ نے سارے کیمپ میں یوں گھوم پھر کر لوگوں کی طرف دیکھا جیسے کوئی شخص منڈی مویشیاں میں کسی جانور کی پڑتال کر رہا ہو۔ اس نے چھ چھ فٹ لمبے گیارہ آسٹریلوی فوجی گھسیٹ کر باہر نکالے۔ پریڈ کے چبوترے پر کھڑا کرکے ان کے ہاتھ پیچھے کی طرف باندھ دیے گئے۔ ایک جاپانی فائرنگ اسکواڈ حرکت میں آیا اور بڑی شوکت و تمکنت سے ان گیارہ قیدیوں پر ٹوٹ پڑا۔ وہ قیدیوں کی گردنوں اور پیٹ میں سنگینیں چبھو رہے تھے۔ چند منٹ میں

قیدیوں کی ٹکا بوٹی ہو گئی۔

پورے کیمپ میں غم وغصے کی ایک لہر سی دوڑ گئی۔ بعض قیدی یہ منظر برداشت نہ کر سکے اور بے چینی سے آگے پیچھے پاؤں رکھنے لگے۔ یہ حرکت غیر ارادی طور پر سرزد ہوئی تھی، مگر دشمن کو اس سے کیا سروکار، مشین گن کے دہانے کھلے اور تین مزید قیدی خاک و خون میں لوٹنے لگے۔ ایک آسٹریلوی لیفٹیننٹ بے قابو ہو گیا، اُس نے جاپانی افسروں سے پُوچھا، "ہم نہتوں پر اس قدر ظلم کیوں؟" وہ جنگی قانون کا واسطہ دے رہا تھا، اس کی سُنتا کون؟

ایک جاپانی سپاہی نے اُس کی پیٹھ پر رائفل کا بٹ دے مارا۔ وہ لڑکھڑا کر زمین پر آ رہا۔ کمانڈر نے تین سپاہیوں کو اشارہ کیا کہ اُسے کھینچ کر ایک طرف لے جائیں، وہ راستے میں اسی طرح پیچ و تاب کھاتا رہا۔ کمانڈر نے چیخ کر کہا، "اُس حرامی سے ایسا برتاؤ کرو کہ مستقبل کے لیے ایک مثال قائم ہو جائے۔"

پھر اس لیفٹیننٹ کی شکل دکھائی نہ دی۔

کمانڈر نے اعلان کیا کہ آئندہ وہ آنکھ بند کر کے اُس پارٹی کے باقی تمام افراد کو گولی کا نشانہ بنا دے گا جس کا ممبر بھاگ جانے کی جسارت کرے گا۔

اگلی صبح وہ چارلس کو وائی ایم سی اے لے گئے۔ اُس کے سامنے ایک جاپانی افسر بے ڈھنگی خاکی پتلون پہنے اور تلوار تھامے کھڑا تھا۔ اُس کا چوڑا سر اور منگولوں کی طرح چاند سا چہرہ تھا۔ اُس نے ایک گھنٹے تک چارلس کو اندر باہر آنے جانے کے لیے کہا اور یُوں جبراً اپنی تعظیم کرائی۔ پھر ایک گھنٹے تک اُس سے پُوچھ گچھ جاری رہی۔ کبھی کبھار کوئی شخص خواہ مخواہ طیش میں آ کر اُس پر ٹھُکّے برسانے لگتا۔ اگلا مرحلہ یہ تھا کہ اُسے چار گھنٹے تک کٹہرے میں کھڑا کیا گیا تاکہ اُس کے ذہن پر دہشت طاری ہو جائے اور اُس کا حوصلہ پست ہو جائے۔ پھر دو جاپانی فوجیوں نے اُسے کسی اور کمرے میں ایک جاپانی افسر کے رُوبرو پیش کیا۔ خاصے عرصے بعد چارلس نے پتہ چلایا کہ وہ سنگاپور کی پولیس کا سربراہ تروشی تھا۔ اس پولیس افسر کے ہتھکنڈے گسٹاپو سے زیادہ لرزہ خیز اور بھیانک تھے)۔

تروشی چھوٹے قد کا چوڑا سا شخص تھا۔ وہ امریکی لہجے میں انگریزی بولتا اور بالکل یورپیوں جیسا لگتا۔

"کیا تم کیرن ہل روڈ پر رہتے تھے؟" اُس نے پُوچھا۔

"ہاں" چارلس نے جواب دیا۔

"کیا تمہاری بیوی یوریشیا کی تھی؟"

چارلس محض تروشی کو گھُورتا رہا اور مُنہ سے کچھ نہ بولا۔

"اُس سے انکار مت کرو" تروشی نے کہا۔ "ہم تمہارے گھر سے ہو آئے ہیں" وہ چند قدم آگے بڑھا اور جاپانی سپاہیوں نے چارلس کو بازوؤں سے پکڑ لیا۔ تروشی نے سرد لہجے میں کہا۔ "تم مشرق کی لعنت ہو، تم توڑ پھوڑ کی کارروائیاں کرتے ہو" اس نے اپنے بُوٹ سے چارلس کے پیٹ پر ضرب لگائی۔ وہ بار بار یہ عمل دُہراتا رہا، حتیٰ کہ چارلس لاچار ہو کر اپنے گھٹنوں پر گر پڑا۔ اُس کے بازو بدستور مضبوط گرفت میں تھے اور اُسے یُوں محسوس ہو رہا تھا کہ ابھی قے کر دے گا۔

"تمہاری بیوی کہاں ہے؟" تروشی نے پُوچھا۔

"مَیں کچھ نہیں جانتا۔"

تروشی نے آہستہ آہستہ ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہُوئے پھر پُوچھا، "تمہاری ... بیوی ... کہاں ... ہے؟"

"یہاں سے نکل گئی ہے۔"

"کب، کہاں اور کس طرف؟"

"وہ تین فروری کو بحری جہاز پر سوار ہُوئی اور مجھے معلوم نہیں اس وقت کہاں ہے؟"

"آہ!" تروشی نے کہا۔ "ویکفیلڈ جہاز پر سوار کرایا تھا" چارلس ایک بار پھر حیران رہ گیا۔ تروشی ظاہر کر رہا تھا کہ سب حقائق سے آگاہ ہے۔

"ہم نے اس جہاز کو سمندر میں غرق کر دیا۔ مجھے افسوس ہے کہ کوئی مسافر زندہ نہ بچ سکا۔ میری بات کا یقین کرو۔"

چارلس کو یُوں محسوس ہُوا جیسے وہ صدیوں کا بیمار ہو۔

"تمہاری بیوی کا خاندان کہاں ہے؟"

پیٹ کے والدین، اُس کی بہن اور ایک بھائی سراوک کی ریاست میں کوچنگ کے مقام پر رہائش پذیر تھے۔ اُس کا باپ وہاں پوسٹ ماسٹر کی ڈیوٹی دیتا تھا۔ چارلس کو یقین تھا کہ اگر جاپانیوں کو ان کے متعلق علم ہو گیا تو وہ ان سے دہشت گردی سے پیش آئیں گے۔

"مَیں اس بارے میں لاعلم ہُوں" کچھ سوچ کر چارلس نے یہی جواب دینا مناسب خیال کیا۔

تروشی نے آگے بڑھتے ہُوئے بانس کی میان سے تلوار نکال لی۔ اُسے ہینڈل سے پکڑ کر دونوں ہاتھوں سے چارلس کی آنکھوں کے

سامنے گھمایا، تمہاری بیوی کا خاندان کہاں ہے؟

"مَیں کچھ نہیں جانتا" چارلس نے ہٹ دھرمی سے جواب دیا۔ "مجھے ان کا کچھ پتہ نہیں"۔

تروشی نے تلوار کا وار کر دیا۔ چارلس پہلے ہی اس حملے کا منتظر تھا، اس لیے اُس نے اپنی آنکھیں بچانے کے لیے ایک جھٹکے سے سر ایک طرف کر لیا۔ تلوار کی نوک آنکھ کے قریب اُس کے چہرے کو چھید گئی۔ شدتِ کرب سے اُس کا مُنہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔ اُس نے چہرہ نیچے کو کر لیا۔ خون کی گرم دھار اُس کے سینے پر پڑی اور دِل کو گرماتی ہُوئی زمین پر گرنے لگی۔

"تمہاری بیوی کا خاندان کہاں ہے؟" یہ سوال ایک ازلی ابتلا بن کر اُس کے سر پر لٹکا رہا۔

"مَیں نہیں جانتا" چارلس نے اُوپر دیکھتے ہُوئے جواب دُہرایا۔

تروشی نے پھر وار کیا اور چارلس نے جھٹکے سے سر گھما کر ایک طرف کرنا چاہا، مگر تلوار کی نوک اب رُخسار کو چھیدتی چلی گئی۔ تروشی نے طنزیہ قہقہہ لگایا اور چارلس نے غصّے اور دَرد سے بلبلاتے ہُوئے کہا۔ "اگر ایسا پھر کیا، تو تمہیں ٹھکانے لگا دُوں گا"۔

تروشی کا قہقہہ ابھی تک گونج رہا تھا۔ اُس نے نرمی سے کہا: "مَیں تم سے دوبارہ مُلاقات کروں گا۔ ہمارے پاس ابھی کافی وقت ہے اور مُلاقات کے تمام انتظامات بھی ہو سکتے ہیں"۔

جاپانی سپاہیوں نے چارلس کو کیمپ کے پہرے داروں کے سپرد کر دیا جو چار میل اُسے پیدل چلا کر واپس قید خانے میں لے گئے۔

مشقتی پارٹیاں اس وقت تک واپس آ چکی تھیں اور ایک آسٹریلوی قیدی ڈانلڈسن نے چارلس کی قمیص پھاڑی اور اس سے اُس کے زخم صاف کیے۔ وہ دونوں گہرے دوست بن گئے تھے۔ ڈانلڈسن فوجی نہیں تھا، بلکہ سنگاپور میں کاروبار کرتا تھا۔ اُس کی عمر چالیس برس کے قریب تھی اور وہ تقریباً سب قیدیوں سے بڑا تھا۔ "تم انتہائی مصیبت میں گرفتار ہو چکے ہو۔ اگر مزید یہاں ٹھہرے رہے، تو وہ تمہارا اُبھرکس نکال دیں گے"۔

"مجھے علم ہے" چارلس نے جواب دیا۔ "مَیں آئندہ تفتیش سے زندہ واپس نہ آؤں گا۔ خدایا! نجات کا کوئی راستہ نکال۔ مَیں فرار کی کوشش بھی کر سکتا ہُوں، مگر چند قدم جانے کے بعد ان کے ہتھے چڑھ جاؤں گا یا اگر بچ نکلا، تو وہ میری پارٹی کے باقی ساتھیوں کو موت کے گھاٹ اُتار دیں گے"۔

"بہرحال کوئی نہ کوئی ترکیب سوچو ....." ڈانلڈسن بڑبڑایا۔

"ایک متبادل صورت اَور بھی ہے" چارلس نے گہرے غور و فکر کے بعد جواب دیا۔ "اگر پوری پارٹی بھاگ نکلے، تو جاپانیوں کو تشدد کے لیے کوئی نہ ملے گا"۔

"بہت خُوب"۔ ڈانلڈسن نے جواب دیا۔ "مگر کیا معلوم پارٹی کے سب افراد بھاگنے پر آمادہ بھی ہوں یا نہیں"۔

"جو بھی ہو اسے آزمانا ضرور چاہیے" چارلس بڑا پُرامید تھا۔ اُس نے اپنی پارٹی کے سب افراد سے علیحدہ علیحدہ مُلاقات کی۔ دو یا تین قیدیوں نے اس خیال کو سراہا۔ چند ایک نے دلچسپی ظاہر کی لیکن اکثر لوگ اس موضوع پر بات کرنے کو بھی تیار نہ تھے۔

ایک پرتگیزی یوریشیائی باشندہ اس پارٹی کا نگران مقرر تھا۔ وہ قیدی نہ تھا، بلکہ ان لوگوں میں شامل تھا جنہیں مزدوروں کی ضرورت ہوتی تھی۔ وہ روزانہ صبح سویرے مشقتی پارٹی لے جاتا اور رات کو کیمپ میں چھوڑ جاتا۔ دن کے معاملات کا وہ ذمّے دار تھا اور رات کو ساری ذمّے داری کیمپ کے پہرے داروں پر آن پڑتی۔ وہ قیدیوں کے ساتھ نرمی سے پیش آتا اور جب کوئی پہرے دار قریب آتا، تو تب ہی وہ گلا پھاڑ کر حکم دیتا، ورنہ وہ سبھی کو آرام سے کام کرنے کا مشورہ دیتا۔ اسی دوران چارلس سے اُس کی دوستی ہو گئی۔ وہ آپس میں بہت گُھل مِل گئے تھے۔

تروشی کی پُوچھ گچھ کے پانچویں دن اس شخص نے چارلس سے کہا، "دوست تُم مجھے پہچانتے نہیں ... مَیں رادریگز ہُوں ... ایرودڑوم پر کام کیا کرتا تھا"۔

چارلس نے ذہن پر زور دیا، تو اُسے یاد آ گیا کہ یہ شخص ان مزدوروں میں شامل ہُوا کرتا تھا جو ایروڈروم کے اردگرد جھونپڑیوں کی تعمیر پر مامور تھے۔ وہ گرمجوشی سے باتیں کرنے لگے۔ چارلس نے اُسے بتایا کہ وہ کس قدر مصیبت میں پھنس چُکا ہے

"تم فرار کیوں نہیں ہو جاتے؟" رادریگز نے رازدارانہ لہجے میں کہا "میرا بھائی ملایا میں ہے۔ وہ کرالاپس کی پہاڑیوں میں سرگرمِ عمل یوریشیائی اور چینی گوریلوں کے ساتھ ہے۔ وہ گاہے بگاہے جاپانیوں کا ناطقہ بند کرنے کے لیے گوریلا کارروائیاں کرتے رہتے ہیں۔ مَیں تمہیں بتا دُوں گا کہ آبنائے جوہر کو کہاں سے عبور کیا جا سکتا ہے، تمہیں کشتی کہاں ملے گی میرا خیال ہے تم سب وہاں پہنچنے میں کامیاب ہو سکتے ہو۔ ان گوریلوں سے رابطہ قائم کر لو، آگے کوئی راستہ نکل ہی آئے گا"۔

"تم یہ فراخدلانہ پیشکش کیوں کر رہے ہو؟" چارلس نے تعجب سے کہا۔ "ہم تمہیں اس کے عوض میں ایک پائی بھی ادا نہیں کر سکتے۔"

"مجھے کوئی معاوضہ درکار نہیں۔" پھر راڈریگز کی آواز بھرّا گئی۔ "ان جاپانیوں نے میری بڑی بیٹی کی عصمت لوٹ لی تھی اور پھر اس کو اغوا کر کے ساتھ لے گئے۔ میں آج تک اس کی صورت دیکھنے کو ترستا ہوں۔"

اگلے روز یہ افواہ پھیل گئی کہ تمام قیدیوں کو سیام منتقل کر دیا جائے گا اور یہ وہ جگہ ہے جہاں قیدی موذی بیماریوں کا شکار ہو کر مکھیوں کی طرح مرتے رہتے ہیں۔

چارلس کے چہرے کے زخم مندمل ہو رہے تھے، لیکن اس کے رونگٹے اس تصور سے پھر کھڑے ہو جاتے کہ ترووشی اسے کسی لمحے بھی ایذا رسانی کے لیے طلب کر سکتا تھا۔ اسے یہ بھیانک خواب ایک حقیقت معلوم ہو رہا تھا۔ "یہ ہے تو بڑی عجیب بات۔" اس نے ڈانلڈسن سے گفتگو کرتے ہوئے کہا۔ "لیکن اگر وہ ہمیں سیام بھجوا دیں تو وائی ایم سی اے میں بیٹھا ہوا وہ حرامی ترووشی مجھے پھر اپنے پاس نہ بُلا سکے گا۔ میں سیام میں ہنس کر جان دے دوں گا۔"

"شاید ہم سب وہاں جا کر موت سے ہمکنار ہو جائیں۔" ڈانلڈسن نے جواب دیا۔ "ہمیں ایک بار پھر فرار کے امکانات کا جائزہ لینا چاہیے۔"

انہوں نے اپنی پارٹی کے افراد سے پھر بات کی۔ نصف درجن کے قریب اب بھی اس خیال سے کتراتے تھے۔ بالآخر چارلس نے اس دُشواری کا بھی حل تلاش کر لیا۔

ہر پارٹی میں قیدیوں کی ایک معینہ تعداد ہوتی تھی؛ باقاعدہ کوئی ایسی فہرست نہ تھی جس سے پتہ چلے کہ فلاں قیدی ایک خاص پارٹی میں شامل ہے۔ بس گن کر قیدیوں کو نکالا جاتا اور شام کو گنتی پوری کر لی جاتی۔ چارلس نے سوچا ممکن ہے بعض دُوسری پارٹیوں میں ایسے قیدی موجود ہوں جو جان ہتھیلی پر رکھ کر بھاگ نکلنے کو تیار ہوں؛ چنانچہ انہوں نے مختلف لوگوں سے بات کی اور آخر انہوں نے ادل بدل کر کے ایک ایسی پارٹی ترتیب دے لی جس کے تمام افراد اجتماعی طور پر بھاگنے کو تیار تھے۔ اب فرار کے منصوبے پر غور ہونے لگا۔ راڈریگز نے ذرا سی ہچکچاہٹ کے بعد اپنی منظوری دے دی، مگر اس نے یہ شرط عاید کر دی کہ دن کے وقت جب یہ لوگ اس کی تحویل میں ہوتے ہیں، فرار کی کوشش نہ کی جائے، بلکہ رات کو کیمپ سے نکل کر اگر وہ اس کے گھر پہنچ سکیں، تو وہ انہیں اس مقام تک چھوڑ آئے گا جہاں آبنائے جہور عبور کرنے کے لیے کشتی ملتی ہے۔

سب لوگ اس شرط پر رضامند تھے۔ طے یہ پایا کہ کسی رات اچانک روشنی کا انتظام فیل کر دیا جائے اور پھر بانسوں سے تیار کردہ گیٹ پر یلغار کر کے باہر نکلنے کی کوشش کی جائے۔ انہوں نے روشنی کے انتظامات کا جائزہ لینا شروع کر دیا۔ سنتریوں کے بدلنے کے اوقات [illegible] کیے، چھوٹے موٹے ہتھیار جمع کیے جو بوقت ضرورت دفاع میں کام آ سکیں۔

چارلس نے اس جگہ بارود لگا دیا جہاں سے تمام روشنیاں کنٹرول ہوتی تھیں۔ پونے چھ بجے سب لوگ گیٹ کے قرب وجوار میں منڈلانے لگے۔ ساڑھے چھ بجے تک کچھ نہ ہُوا۔ ان کے دل کی دھڑکن لحہ بہ لمحہ تیز ہوتی گئی۔ کیا کسی نے بارود کا سراغ لگا لیا ہے؟ کیا ان کا منصوبہ طشت ازبام ہو چکا ہے؟

اُمید وبیم کی یہی کیفیت طاری تھی کہ ایک زور کا دھماکا ہُوا اور آناً فاناً سب بتیاں بُجھ گئیں۔ ایک لمحے کے توقف کے بعد ان لوگوں نے گیٹ کا رُخ کیا۔ ایک سنتری نے راستہ روکنے کی کوشش کی مگر چارلس اس کے خبردار ہونے سے پہلے اس کی گردن مروڑ چکا تھا۔ قریبی بارکوں سے مزید پہرے دار دوڑتے ہُوئے آئے اور کچھ دیر کے لیے سب لوگ دوست دشمن کی تمیز کیے بغیر آپس میں اُلجھ گئے۔ فائر گونج رہے تھے، خطرے کا سائرن دھاڑ رہا تھا اور انسانی چیخیں بلند ہو رہی تھیں۔

چارلس نے کیلے کے گھنے جنگل کا رُخ کر لیا۔ نہ معلوم کون کون اس کے ساتھ دوڑ رہے تھے۔ اس نے پیچھے مُڑ کر دیکھا۔ ڈانلڈسن کسی سے دست وگریباں تھا۔ "بیوقوف اُسے چھوڑو اور بھاگ نکلو۔" اس نے چیخ کر کہا۔ اس وقت تک کیمپ کے دُوسرے پہرے پر متعین سنتری نے بھی مشین گن کا فائر کھول دیا تھا۔ ڈانلڈسن نے اپنے آپ کو پہرے دار کی گرفت سے چھڑایا اور لڑکھڑاتا ہوا گھاس اور کیلوں کے جنگل میں دائیں بائیں مُڑتے ہُوئے اپنے آپ کو فائر سے محفوظ رکھا۔ وہ جلد ہی چارلس سے جا ملا۔ چند منٹوں تک وہ پتوں میں سے راستہ بناتے آگے بڑھتے رہے۔ آخر شور دُور ہوتا چلا گیا اور وہ سانس لینے کے لیے دم بھر کو رُک گئے۔ چارلس کا حلق خوف اور دہشت کے مارے خشک ہو رہا تھا۔ جب اُسے سانس پر تھوڑا سا قابو حاصل ہُوا، تو اُس نے پوچھا "بندۂ خدا تم پیچھے کیا کر رہے تھے؟"

"ایک سنتری میرا پیچھا نہیں چھوڑ رہا تھا!"

"تم نے اُسے پکڑنے کا موقع کیوں دیا؟"

"اُس نے پکڑا نہیں تھا۔" ڈانلڈسن نے کہا۔ "وہ اُس کی کھوپڑی میں دھنس چکا تھا۔ میں نے اسے وہیں چھوڑا اور اس کی سنگین چھین لایا ہوں۔"

وہ ایک بار پھر بھاگ کھڑے ہُوئے۔ سانس پھولا تو رُک گئے۔ اب وہ گھنے جنگل سے نکل کر کر ٹنک لالانگ گھاس میں چل رہے تھے۔ کہیں کہیں پتھریلی زمین میں کیلے کے پودے بھی راستہ روک لیتے۔ اگرچہ گھپ اندھیرا تھا، تاہم وہ درختوں کے تنوں سے ٹکرانے سے بچ جاتے اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھ رہے تھے۔ ایک جگہ انہیں جاپانیوں کی گشتی پارٹی دکھائی دی۔ وہ گھاس میں چھپ کر بیٹھ گئے۔ قدموں کی چاپ دُور ہو گئی تو انہوں نے سر اُوپر اُٹھایا۔

کوئی دس بجے ڈانلڈسن نے اُس درخت کی شناخت کر لی جس کے متعلق راد ریگز نے بتایا تھا کہ اُس کے گھر سے پچاس گز شمال میں کھڑا ہے۔ تاریکی میں اُور اضافہ ہو چکا تھا۔ دن کی حدت کے بعد فضا میں خنکی آ گئی تھی لیکن اس درخت کے نیچے بیٹھنے کے باوجود بھی وہ دونوں پسینے سے شرابور تھے اور اُن کا سانس پھولا ہُوا تھا۔

دس منٹ بعد اُن کے قریب گھاس میں ایک سرسراہٹ سی ہُوئی۔ وہ دونوں درخت کے تنے کے پیچھے چھپ گئے۔ گھاس میں سے دو چہرے برآمد ہُوئے جو اُن کی پارٹی سے تعلق رکھتے تھے۔ اگلے پندرہ منٹوں میں اُور آدمی آتے چلے گئے۔ پھر چارلس رینگ کر راد ریگز کے دروازے تک پہنچا۔ اُس نے آہستہ سے دستک دی۔ چند سیکنڈ بعد دروازہ کھلا۔ اُس نے دھماکے کی آواز سُن لی تھی اور خاصا گھبرایا ہُوا نظر آتا تھا۔

"خطرے کا سگنل بھی ہو چکا ہے۔" اُس نے سرگوشی کے انداز میں کہا۔ "میں تمہیں کشتی تک پہنچا کر اپنے خاندان کی جانیں خطرے میں نہیں ڈال سکتا۔" پھر اُس نے راستے کی تفصیلات اُسے سمجھا دیں۔ دروازہ بند کرنے سے پہلے اُس نے چارلس کی مُٹھی میں کچھ کاغذ (یہ ۲½ سو جاپانی ڈالر تھے) تھما دیے اور "خدا حافظ" کہہ کر اندر چلا گیا۔ چارلس پہلے کی طرح رینگتا ہُوا درخت تک پہنچا۔ اس وقت تک پندرہ آدمی جمع ہو چکے تھے۔ باقی دو کا انتظار انہوں نے آدھ گھنٹے تک کیا۔ وہ پھر بھی نہ آئے تو اس میں کوئی شک باقی نہ رہا کہ وہ مر چکے ہیں۔

آگے بڑھنے سے پہلے انہوں نے متفقہ طور پر طے کیا کہ اگر راستے میں کوئی شخص زخمی یا نڈھال ہو کر گر پڑے تو باقی لوگ اُس کے لیے نہیں رُکیں گے، کیونکہ تمام افراد کی قربانی سے ایک شخص کی قربانی بہرحال سستا سودا ہے۔ اگر سب پکڑے گئے جائیں تو انہیں اذیت ناک سزائیں دی جائیں گی جن میں ایک سزا یہ بھی ہو سکتی ہے کہ بانس کے ننھے پودوں پر باندھ کر لٹا دیا جائے۔ یہ پودا ایک دن میں پانچ انچ بڑھتا ہے اور آدمی کا بوجھ اسے سیدھا اُوپر نکلنے سے نہیں روک سکتا۔ اس کے علاوہ بھی بعض بھیانک سزائیں مروّج تھیں جن کے تصوّر ہی سے انسانی رُوح کپکپا اُٹھتی ہے۔ ایک بار انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا کہ کسی حاملہ عورت کے پیٹ میں نوکدار بانس داخل کر کے اُسے موت کے گھاٹ اُتار دیا گیا۔

وہ دو تین تین کی ٹولیوں میں یہ لوگ کاربخی پوائنٹ کی طرف روانہ ہُوئے۔ ہر ٹولی میں بیس پچیس گز کا فاصلہ تھا۔ چارلس ان سب کی رہنمائی کر رہا تھا کیونکہ وہ اس علاقے سے اچھی طرح واقف تھا۔ وہ یوچو کانگ روڈ کے متوازی چل رہے تھے۔ نیو ہی ہیں روڈ کے چوک پر پہنچ کر وہ دلدل سے بچنے کے لیے سڑک کے دوسری طرف ہو گئے۔ چارلس کو اس سے آگے کے علاقے کا کچھ پتہ نہ تھا۔ وہ صرف اتنا جانتا تھا کہ یہاں سے دلدل اور گہرے پانی کی کھاڑیاں شروع ہو جاتی ہیں۔ جونہی انہوں نے سڑک پار کی، ڈانلڈسن کو دو کشتیاں دکھائی دیں، مگر خوش قسمتی سے عین وقت پر انہیں پہلو کی جھاڑیوں میں کچھ متحرک سے سائے بھی نظر آ گئے۔ جو لوگ آگے بڑھ چکے تھے، انہوں نے واپس مُڑنا چاہا۔ عین اس وقت متحرک سایوں کی جانب سے خطرے کا سگنل بلند ہُوا۔

چارلس، ڈانلڈسن اور چند ایک دل گُردے والے افراد ان سایوں پر جھپٹے ——— سامنے سے اندھا دھند رائفل کا فائر ہونے لگا۔ دونوں گروپ ایک دوسرے میں رَل گئے اور دست بدست لڑائی شروع ہو گئی۔ چشم زدن میں میدان لاشوں سے اَٹ گیا۔ ان میں جاپانی بھی شامل تھے اور مفرور قیدی بھی۔

موقع غنیمت جانتے ہُوئے ڈانلڈسن اور چارلس نے آواز لگائی، "ان کشتیوں پر سوار ہو جاؤ۔ ابھی تو کئی سو جاپانی فوجی سامنے کے جُھنڈ سے نکل کر ادھر آ رہے ہیں۔"

وہ ایک کشتی پر چڑھ دَوڑے۔ اس میں چپّو بھی موجود تھے اور وہ چلاتے ہُوئے کشتی کو گہرے پانی میں لے گئے۔ ابھی وہ دو سو گز دُور گئے ہوں گے کہ آسمان پر سرچ لائٹ نمودار ہُوئی۔ ان کے اردگرد کا پُورا علاقہ منوّر ہو گیا۔ چارلس نے سرگوشی کی، "سب لوگ نیچے لیٹ جاؤ۔" سرچ لائٹ ان کے اُوپر سے گزر کر آگے بڑھ گئی۔ تھوڑی دیر

بعد پھر واپس آگئی اور ان کے اُوپر چکر کاٹنے لگی۔ وہ دھڑکتے دلوں سے ہر آن کسی لانچ کے انتظار میں تھے مگر خوش قسمتی سے یہ خطرہ نمودار نہ ہُوا۔

"ہم پانی کی لہروں پر بہتے رہے ہیں۔" چارلس نے سر اُوپر اُٹھاتے ہُوئے کہا۔ "یہ تیز بہاؤ اس بات کی نشانی ہے کہ ہم سمندر کا رُخ کر رہے ہیں۔"

"کوئی بات نہیں۔" ڈانلڈسن نے جواب دیا۔ "زمین سے جس قدر دُور ہو سکیں بہتر ہے۔"

اب چپّو چلانے کی ضرورت نہ تھی، کیونکہ انہیں نہ تو اپنی منزل کا پتہ تھا اور نہ تیز بہاؤ کی بنا پر وہ کسی اَور جانب کشتی کا رُخ موڑ سکتے تھے۔

صبح طلوع ہونے میں بڑی دیر لگی۔ مشرقی سُورج اُفق سے اُبھرا تو انہیں اندازہ ہُوا کہ وہ ساحل سے کتنا دُور جا چکے ہیں۔ ابھی کچھ لوگ نیند میں مست پڑے تھے اور کچھ آنکھیں مَلتے ہُوئے انگڑائیاں لے رہے تھے کہ چارلس نے دُور آسمان پر دو نقطے اپنی طرف بڑھتے دیکھے۔ چند سیکنڈ کے اندر یہ نقطے ہُوائی جہازوں میں تبدیل ہو گئے۔

"زیرو فائٹر۔" چارلس نے سب کو خبردار کیا۔ "کشتی سے اُتر کر سمندر میں کُود جاؤ، کسی لمحے بھی تڑتڑ گولیاں برس سکتی ہیں۔" ایک کھلبلی سی مچ گئی اور ہر شخص نمکین گرم پانی میں غوطہ لگا گیا۔ کسی نے چیخ کر کہا، "ہائے اللہ! شارک!" وہ دُہری مصیبت کا شکار تھے۔ آسمان پر بمبار طیارے اور سمندر کے اندر ایک ہی ڈلے میں ہڑپ کر جانے والی خوفناک مچھلیاں۔ جہاز بالکل سطحِ سمندر کے اُوپر پرواز کر رہے تھے۔ کشتی کے نزدیک پہنچ کر وہ تھوڑی دیر تک چکر کاٹتے رہے، پھر پہلے جہاز نے غوطہ لگایا۔ ساتھ ہی چارلس نے پھیپھڑوں میں تازہ ہَوا بھری اور پانی کے نیچے چلا گیا۔ جب وہ دوبارہ اُوپر اُبھرا تو پانی میں بارُود کی بُو پھیل چکی تھی، جھاگ اُڑ رہی تھی، پھر دُوسرے جہاز نے غوطہ لگایا اور چارلس بھی پانی کے نیچے چلا گیا۔ جب اُسے پھیپھڑوں پر زور محسوس ہُوا تو وہ سطحِ سمندر کے اُوپر اُبھرا۔ ایک جہاز زن سے اُس کے سر کے قریب سے گزر گیا۔ بارُود کی بُو پہلے سے زیادہ تھی۔ انسانی اعضا اور لکڑی کے تختے اِدھر اُدھر بکھر رہے تھے۔ دونوں جہازوں نے ایک ایک چکر اَور کاٹا اور پھر انہوں نے ساحل کا رُخ کر لیا۔

چارلس تیر کر اوندھی کشتی کی طرف گیا۔ ڈانلڈسن بھی دُوسری سمت سے وہاں پہنچ چکا تھا۔ صرف دو شخص اَور زندہ بچے تھے رائے اور سکنی۔ دونوں کا تعلق برطانوی فوج سے تھا۔ باقی کسی کا نام و نشان نہ ملتا تھا۔ یا تو شارکوں نے انہیں ہڑپ کر لیا یا بموں کے ٹکڑوں نے ان کے جسم ریزہ ریزہ کر دیے تھے۔

ڈانلڈسن نے کہا، "آؤ زور لگا کر کشتی کو سیدھی کریں۔" اور وہ چاروں مل کر زور آزمائی کرنے لگے۔ خاصی تھکا دینے والی جدوجہد کے بعد کشتی سیدھی تو ہو گئی، مگر اس کے اندر پانی بھرا ہُوا تھا۔

"شارکوں سے بچنے کے لیے اس پر سوار ہو جاؤ۔" رائے نے کہا اور وہ اس پر چڑھ کر ہاتھوں سے پانی باہر نکالنے لگے۔ پُورا پانی نکالنے کی اُن میں ہمت نہ تھی، کیونکہ پیندے میں ایک سوراخ بھی ہو گیا تھا۔ چارلس نے اپنی قمیص سے ایک پٹی پھاڑی اور اس کی مدد سے سوراخ بند کر دیا۔ ان کی کوشش رنگ لائی اور کشتی ایک بار پھر بہنے لگی۔ اگرچہ پیندے میں چھ انچ پانی موجود تھا، تاہم اس سے کشتی کے توازن میں کوئی فرق نہ پڑا۔

مشرق کی طرف زمین ابھی تک اُفق کے پیچھے چھپی ہُوئی تھی۔ دوپہر تک زمین کا ہیولیٰ بھی نظروں سے غائب ہو گیا۔ ایک طرف پیاس کی شدّت سے ان کی زبان سُوکھ کر کانٹا ہو رہی تھی، دُوسری طرف تپش سے بُرا حال ہُوا جاتا تھا۔ انہوں نے عافیت اسی میں سمجھی کہ پیندے میں موجود پانی میں لیٹ جائیں تاکہ گرمی سے تو محفوظ رہیں۔ رات کی آمد کے ساتھ خنکی تو ہو گئی، مگر پیاس کی وہی کیفیت تھی۔ نیند اُن کی آنکھوں سے کوسوں دُور رہی۔

معجزاتی طور پر آدھی رات کو اچانک بادل چھا گئے اور موسلا دھار بارش ہونے لگی۔ وہ مُنہ کھول کر چت لیٹ گئے اور بارش کا پانی آزادی سے حلق سے نیچے اُترنے دیا۔ پھر انہوں نے کپڑے بھی تر کر کے ایک طرف رکھ لیے تاکہ بعد میں نچوڑ کر ان سے پانی نکال سکیں۔

صبح کی روشنی پھیلی تو انہوں نے بے کراں سمندر کی سطح پر اپنے آپ کو تنہا پایا۔ دُور نزدیک خشکی کا نام و نشان نہ تھا۔ کسی سمندری پرندے کی شکل تک نظر نہ آتی تھی۔ اس کا ایک ہی مطلب تھا کہ وہ ساحل سے اس قدر دُور نکل چکے ہیں کہ یہ دُوری انہیں ہڑپ بھی کر سکتی ہے۔ دوپہر تک ان کی پیاس کا پھر وہی حال ہو گیا۔ سترہ قیدیوں میں سے چار باقی بچ رہنے والے ان افراد نے سوچا کہ اب ان کی موت بھی قریب ہے۔

چار بجے سہ پہر سکنی نے شور مچایا، "وہ پھر آ رہے ہیں۔" باقی تینوں

کی نظریں اُس کی انگلی کے اشارے کا تعاقب کرنے لگیں۔ فضا میں دُور ایک نقطہ سا تیر رہا تھا جو بڑھتے بڑھتے ایک جہاز کی شکل اختیار کر گیا۔ یقینی موت کے خوف سے ان کے جسم میں خون کے آخری قطرے بھی خشک ہونے لگے۔ "شارک یا گرل" میں سے وہ کس کا انتخاب کریں۔ موت ہر طرف سے انہیں گھیر چکی تھی۔

"یہ لڑاکا بمبار نہیں۔" چارلس نے اپنے فنِ ہوابازی سے کام لیتے ہُوئے اعلان کیا۔ "یہ جسامت میں بہت بڑا ہے اور کئی انجنوں والا طیارہ ہے۔"

جہاز ان کے قریب آیا تو چارلس نے واضح طور پر پہچان لیا کہ یہ فلائنگ بوٹ ہے۔ "اوہ! یہ تو جرمن جہاز ہے۔"

"لیکن اس کا عملہ جاپانی ہوگا۔" ڈانلڈسن نے کہا۔

"جاپانیوں کے اپنے فلائنگ بوٹ طیارے ہیں۔" چارلس نے جواب دیا۔

سکنی نے جوش میں آتے ہُوئے کہا "ہمیں ہاتھ ہلا کر مدد طلب کرنی چاہیے، شاید وہ ہمیں اُوپر اُٹھا لیں۔ جرمنوں کے ہاتھوں شاید اتنی تکلیف نہ اُٹھانی پڑے۔"

"بیوقوف، وہ آگے جاپانیوں کے سپرد کر دیں گے۔"

بھاری بھرکم طیارہ ان کے سروں پر آ گیا تھا۔ سکنی نے کشتی میں کھڑے ہو کر اپنی قمیص لہرانا شروع کر دی۔ جہاز کوئی نوٹس لیے بغیر سوگز تک آگے بڑھ گیا۔ چند منٹوں میں وہ ایک چوتھائی میل دُور جا چکا تھا۔ چارلس اس کشمکش میں تھا کہ وہ خوشی کا اظہار کرے یا غمی کا۔ اس اثنا میں طیارے نے موڑ کاٹا۔ اس کا اگلا حصہ نیچے کی طرف ہو گیا اور کچھ دیر بعد یہ ایک دلدلی سی جگہ پر اُتر چکا تھا اور انجن بند ہو گئے۔ کیبن کا دروازہ کھلا اور ایک نوجوان سفید فام شخص نے کسی غیر ملکی زبان میں انہیں اپنی طرف بُلایا۔

کشتی، جہاز کے قریب پہنچ چکی تھی۔ سفید فام پائلٹ نے سب سے پہلے سکنی کو اُوپر اُٹھایا اور پھر ایک ایک کر کے باقی تینوں بھی جہاز پر سوار ہو گئے۔ وہ سب فرش پر شدتِ کمزوری سے نڈھال ہو کر گر پڑے اور چارلس کو اُبکائیاں آنے لگیں۔ تھوڑی دیر کے بعد اس نے سر اُوپر اُٹھایا۔ ایک سفید فام اور ایک بھُوری رنگت کا شخص اس پر جھکا ہُوا تھا۔ وہ لمحہ بھر کے لیے کچھ نہ سمجھ سکا۔ اُس نے ملائی زبان میں دریافت کیا "تم کون ہو؟" اور سفید فام نے ملائی سے ملتی جلتی زبان میں جواب دیا "رائل نیدرلینڈ ایئر فورس۔"

چارلس نے چیخ کر اپنے ساتھیوں کو خوشخبری سُنائی کہ یہ لوگ نہ تو جرمن ہیں نہ جاپانی، بلکہ ولندیزی اور جاوی ہیں۔ پھر اُس نے سفید فام کی طرف دیکھتے ہُوئے کہا "میں رائل ایئر فورس کا ممبر ہُوں۔"

سفید فام نے حیرت کا اظہار کیا۔ دونوں نے ہاتھ ملائے اور چارلس دوبارہ قے کرنے لگا۔ باقی تینوں کو بھی خطرہ ٹلنے کا احساس ہو گیا اور خوشی اور غم کے مِلے جُلے جذبات کے ساتھ انہوں نے ایک دُوسرے کو گلے لگا لیا۔ بھُوری رنگت والا شخص جاوا کا باشندہ تھا اور جہاز پر وائرلیس آپریٹر کی حیثیت سے کام کر رہا تھا۔ اُس نے فوراً سب کو کافی کے مگ پیش کیے اور پھر اُبلے ہُوئے چاولوں سے ان کی تواضع کی۔

چارلس ہوش میں آ چکا تھا۔ اُس نے سفید فام سے پُوچھا کہ وہ کدھر جا رہے ہیں۔

جواب ملا "شمالی سماٹرا کے ایک جنگل کی طرف۔"

"شکر ہے، پھر تو ہم بچ نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔"

ولندیزی ہواباز نے اُس کی طرف تجسس سے دیکھتے ہُوئے کہا "دوست! سماٹرا بھی جاپانیوں کے قبضے میں جا چکا ہے۔ ہمیں وہاں سے کچھ لوگوں کو نکالنا ہے۔ بہت سے لوگوں کو۔ مجھے افسوس ہے ہم تمہیں وہیں اُتار دیں گے۔"

یہ ایک تلخ خبر تھی۔ چارلس کے چہرے پر غم واندوہ اور نئے خطرات کے اثرات جھلک آئے۔

طیارہ پھر ہوا میں بلند ہُوا۔ چند گھنٹوں کی پرواز کے بعد یہ جنگل میں گھرے ہُوئے ایک شکستہ رَن وے پر اُترا۔ ابھی اس کے دروازے کھلنے بھی نہ پائے تھے کہ واپس جانے والے لوگوں نے اس پر یلغار کر دی اور دیکھتے ہی دیکھتے جہاز اوور لوڈ ہو گیا۔ ولندیزی ہواباز نے بادلِ نخواستہ چاروں مفرور قیدیوں کو الوداع کہا۔ جانے سے پہلے اُس نے ان کی مُلاقات ایک بُوڑھے جاوی سے کرا دی اور اُسے ہدایت کی کہ وہ انہیں کسی منزل تک بحفاظت پہنچانے کا بندوبست کرے۔

بُوڑھے آدمی نے انہیں اپنے پیچھے چلنے کا اشارہ کیا۔ وہ ایک جنگلی راستے پر سفر کر رہے تھے۔ جا بجا جھاڑیاں ایک دُوسرے سے اُلجھی ہُوئی تھیں، کہیں درختوں کی جڑوں نے راستہ روک رکھا تھا۔ چارلس اور اس کے ساتھیوں کا سارا جوش و جذبہ ہَوا ہو گیا۔ تھکن، اضمحلال اور پژمردگی نے ان کے اعصاب ڈھیلے کر دیے۔ رائٹ خاص طور پر بڑا نحیف ہو چکا تھا۔ اُسے کئی ہفتوں سے پیچش لاحق تھی اور اب اُس کی چال میں لڑکھڑاہٹ

آگئی تھی۔ چارلس اور ڈانلڈسن اسے سہارا دے کر چلاتے رہے۔ دو میل اسی طرح سفر کرنے کے بعد وہ ایک کمپانگ میں پہنچ گئے۔ یہ جنگل میں صاف کی ہوئی جگہ پر چھوٹا سا گاؤں تھا۔

انہیں ایک جھونپڑی الاٹ کر دی گئی۔ بوڑھے شخص نے تیل کا دیا جلا دیا اور وہ چاروں فرش پر دراز ہو گئے۔ تھوڑی دیر بعد وہی بوڑھا ایک مقامی عورت کے ساتھ دوبارہ آیا۔ انہوں نے کھانے پینے کی وافر چیزیں پیش کیں اور یہ گدھوں کی طرح ٹوٹ پڑے۔ عورت انہیں پانی کے جگ بھر بھر کے دیلے جاتی تھی اور ہنستی جاتی تھی۔ بہرحال پیٹ بھر کر کھانا نصیب ہوا، تو ان کی جان میں جان آئی اور پھر وہ نیند میں مست ہو گئے۔

اگلے دن وہ جھونپڑی ہی میں لیٹے رہے۔ جب کسی وقت پیچش تنگ کرتی، تو باہر نکلتے۔ بوڑھا شخص ان کے پاس آ کر چارلس سے بڑی دیر تک باتیں کرتا رہا۔ آخر تان اس بات پر ٹوٹی کہ ان لوگوں کو زیادہ دیر تک اس گاؤں میں نہیں ٹھہرنا چاہیے، کیونکہ جاپانی کسی وقت بھی تلاشی لے سکتے ہیں۔ ان کے لیے بہتر یہ ہے کہ وہ وسطی پہاڑیوں میں جھیل ٹرکا کے نزدیک گوریلوں سے رابطہ قائم کریں یا پھر وہ جاوا پہنچنے کی کوشش کریں جہاں سفید فوج کے دستے ابھی تک جنگلوں میں چھپے بیٹھے ہیں۔

چارلس نے اپنے ساتھیوں سے کہا "جاوا یہاں سے پانچ سو میل دور ہے، آئیے ہم پہاڑیوں کا رُخ کریں۔ وہاں موسم بھی خنک ہو گا اور تازہ قویٰ بحال ہو جائیں گے۔"

تیسرے روز سہ پہر کو بوڑھے شخص نے ہاتھ جوڑتے ہوئے انہیں چلے جانے کو کہا، کیونکہ کوئی بھی مقامی شخص مخبری کر کے جاپانیوں سے چار سو گلڈر کما سکتا تھا۔ چارلس نے اس پر صاد کیا۔ مکمل آرام کرنے کی وجہ سے ان کی صحت بہتر ہو گئی تھی۔ رائے بھی اب چلنے پھرنے کے قابل تھا۔ انہوں نے چاول اور چوزے کی دعوت کھائی اور شام سے دو گھنٹے پہلے نئے سفر کے لیے نکل کھڑے ہوئے۔ بوڑھے شخص نے انہیں بتایا کہ پہاڑیوں تک کا سفر چھ دن کا ہے۔ انہیں الوداع کہنے کے لیے سارا گاؤں اُمڈ آیا تھا۔ چارلس کو جنگلی سفر کا زیادہ تجربہ تھا، اس لیے وہ سب سے آگے ہو لیا۔ وہ گذشتہ دو دن سے انہیں مقامی رسم و رواج اور جنگل کے بارے میں لیکچر دیتا رہا تھا۔ "جنگل دشمن بھی ہے اور دوست بھی۔" اس نے انہیں بتایا تھا: "یہ انہیں اپنے دامن میں چھپا بھی سکتا ہے، پانی اور خوراک بھی مہیا کر سکتا ہے اور اگر وہ بد احتیاطی کا مظاہرہ کریں گے، تو یہی جنگل قاتل کا رُوپ دھار لے گا۔ سب سے بدترین دشمن اتھارہ

انچ لمبا سیاہ اور سنہری کرائٹ سانپ ثابت ہوتا ہے۔ یہ انسان کی آنکھوں پر حملہ کرتا ہے۔ اس کے علاوہ بچھو، مکڑیاں، گوشت خور چیونٹیاں اور جنگلی سور بھی بسا اوقات جان لیوا خطرات کا باعث بنتے ہیں۔"

پہلا گھنٹہ سفر آرام سے جاری رہا، پھر چارلس نے اپنے ساتھیوں کو بتایا کہ وہ شام ہونے سے پہلے کہیں رُک کر سونے کے لیے جگہ صاف کریں گے۔" جنگلی راستہ گیا تھا، جھاڑ جھنکاڑ سے اٹا پڑا تھا۔ شاخیں ایک دوسرے سے اُلجھی ہوئی تھیں۔ درختوں کے بڑے بڑے تنے جا بجا رکاوٹ بنتے، نہ آسمان نظر آتا اور نہ زمین کا پتہ چلتا۔ وہ چرچراتے ہوئے پتوں اور شاخوں پر قدم رکھتے آگے بڑھتے رہے۔ راستے کا ایک موہوم سا نشان تھا، ورنہ عام جنگل اور اس میں ذرا بھر فرق نہ تھا۔ حبس اور پسینے کی شدت سے ان کی زبان باہر نکلی پڑتی تھی۔ پھیپھڑے دھونکنی کی مانند چل رہے تھے۔ چارلس نے دیکھا کہ اب آگے بڑھنا دشوار ہے، تو وہ رُک گیا۔ "ہم راستے سے ہٹ کر جنگل میں سونے کے لیے جگہ بنائیں گے۔"

بارہ فٹ جنگل کے اندر انہوں نے ایک جگہ جھاڑیاں وغیرہ صاف کیں، کانٹے ہٹائے، پتوں کا بستر بچھایا اور وہ دلدلی زمین پر لیٹ گئے۔ تھوڑی دیر بعد ڈانلڈسن نے بے تابی سے کہا، "خدایا! یہ پیاس ۔ ہم تو مر جائیں گے۔" چارلس نے تجویز پیش کی کہ رات گئے پتوں پر شبنم پڑے گی، تو اُسے چوس لیا جائے۔

اچانک کسی نے چیخ ماری۔ وہ ہڑبڑا کر اٹھ کھڑا ہوا اور پھر اپنے بستر پر لوٹ پوٹ ہوتے ہوئے کہنے لگا، "اُف! سانپ نے مجھے کاٹ کھایا!" رات کی تاریکی میں سب لوگوں کے رنگ دہلے، میں خوف کی لہر دوڑ گئی۔ پھر ڈانلڈسن نے بلبلاتے ہوئے کہا، "آہ! اس نے مجھے بھی آن لیا!" اور پھر چارلس نے بھی اپنی ٹانگوں پر کچھ رینگتے ہوئے محسوس کیا۔ ہر شخص ایک دوسرے کو روندتا ہوا بھاگ کھڑا ہوا اور جھاڑیوں میں اُلجھ کر پھر زمین پر آ رہا۔ ایک ہراس کی فضا طاری تھی۔ چارلس نے اُس جگہ ہاتھ مارا جہاں درد محسوس ہو رہا تھا۔ اچانک اُس نے چیونٹی قابو کر لی۔ "اوہ! یہ تو چیونٹی ہے۔" اُس نے اعلان کیا۔ یہ سُن کر سب کی جان میں جان آئی، مگر ڈانلڈسن بضد تھا کہ وہ اب زمین پر نہ سوئے گا۔ "بہتر یہ ہے کہ ہم درختوں کی شاخوں کو ایک دوسرے سے یوں باندھ لیں کہ ہوا میں معلق بستر بن جائے۔" اُس نے تیزی سے ایسا بستر بنانے کا مظاہرہ کیا۔ سب نے اُس کی تقلید کی اور کچھ دیر بعد وہ نئے بستروں پر خراٹے لے رہے تھے۔ کبھی کبھار کوئی بندر یا جنگلی سور اُن کے نیچے سے گزرتا، تو ان کی نیند میں خلل واقع ہو جاتا۔ رات ختم ہونے میں نہ آ رہی تھی۔ کوئی پیاس کی شکایت کرتا، کسی کو کرائٹ سانپ کا بھیانک خواب آتا اور چیخ مار کر دوسروں کو جگا دیتا۔

صبح ہوئی تو ان کے بیشتر خطرات ٹلتے نظر آئے۔ چارلس پھلوں کی تلاش میں جنگل میں گھس گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ ناریل کی قسم کا ایک پھل ڈھونڈ لایا۔ اس کے اندر پانی بھی موجود تھا اور خود پھل کا ذائقہ بھی لذیذ۔ ڈانلڈسن کو بھی نزدیک ہی ایک ایسی جھاڑی نظر آئی جس پر بیری کے پھل لگے ہوئے تھے۔ غذا کا مسئلہ حل ہوا تو وہ پھر عازمِ سفر ہوئے۔ گھنٹہ آدھ گھنٹہ بعد وہ راستے کے آرام کے لیے رُک جاتے۔ ایک بار ڈانلڈسن کا پاؤں کسی نرم سی چیز پر پڑا۔ وہ اُچھل کر ایک طرف ہو گیا۔ چارلس نے آگے بڑھ کر دیکھا۔ یہ مُردہ کرائٹ سانپ تھا۔ اس نے پہلی بار شکل دیکھی تھی۔ وہ سنہری سے زیادہ سیاہی مائل تھا اور اس کا سر گولی کی طرح نوک دار تھا۔

سہ پہر کو چارلس نے کہا کہ اُسے لکڑیوں کے جلنے کی بُو آ رہی ہے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ کوئی کیمپ نزدیک واقع ہے۔ کچھ دُور جا کر انہیں جنگل میں سے ایک گاؤں کا ہیولیٰ سا نظر آ گیا۔ لوگ اِدھر اُدھر پھر رہے تھے اور عورتیں قریبی ندی سے پانی بھرنے کے لیے آ رہی تھیں۔ ندی کے کنارے ایسے درخت اُگے ہوئے تھے جن کی جڑیں کھانے کے قابل تھیں؛ چنانچہ چارلس نے خاصی جڑیں اکھاڑ لیں اور انہوں نے اپنا پیٹ بھر لیا۔

رات کو پھر وہ شاخوں کو باندھ کر معلق بستر پر لیٹ گئے۔ جب پیاس محسوس ہوتی، جڑیں چبا لیتے۔ یہ پانی اور نشاستے سے بھری ہوئی تھیں۔ صبح سویرے ایک بار پھر انہوں نے جڑیں چبائیں اور سارا ذخیرہ ختم کر کے سفر شروع کر دیا۔ اب جنگل کا دشوار گزار حصہ آ گیا تھا۔ پھلوں کے درخت ناپید ہوتے چلے گئے اور پانی بھی معدوم ہو گیا۔ رائے کی حالت خستہ تھی۔ اس نے کئی بار چلنے سے انکار کر دیا اور ساتھیوں کو صحیح معنوں میں اُسے گھسیٹنا پڑا۔

رات کو سونے کی صعوبتیں الگ تھیں، سانپ کا خوف ان کے دماغ پر اس قدر حاوی تھا کہ انہوں نے ایک موقع پر فیصلہ کیا کہ اب وہ دن کو آرام کیا کریں گے اور رات کو سفر کریں گے۔ راتیں خوش قسمتی سے روشن تھیں، مگر وہ اس طرح زیادہ سفر طے نہ کر سکے۔ چار راتوں کے بعد وہ ایک بار پھر کھلے علاقے میں پہنچ گئے۔ ایک گاؤں پر اُن کی نظر پڑی، تو ان کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی؛ لیکن انہوں نے دن کی روشنی میں گاؤں میں داخل

ہونے کے بجائے رات تک انتظار مناسب سمجھا کہ اگر گاؤں میں دشمن عناصر ہوں تو ان کی نظر سے بچا جا سکے۔

رات ڈھلے چارلس گاؤں کی طرف روانہ ہوا۔ "اگر میں واپس نہ آؤں تو سمجھ لینا خطرے کی بات ہے اور میرا انتظار کیے بغیر آگے روانہ ہو جانا۔" پھر وہ جھاڑیوں میں سے رینگتا ہوا گاؤں پہنچ گیا۔ گلی میں چند ایک دیہاتیوں سے اس کا آمنا سامنا ہوا، مگر کسی نے اُس میں دلچسپی ظاہر نہ کی۔ کچھ دُور جا کر وہ ایک جھونپڑی کے پاس رُک گیا۔ یہ گاؤں کا کافی ہاؤس تھا۔ تین انڈونیشی بانس کی میز کرسیوں پر بیٹھے کافی کی چسکیاں لے رہے تھے۔ کاؤنٹر پر ایک چینی براجمان تھا۔ چارلس دھڑکتے دل کے ساتھ جھونپڑی میں داخل ہو گیا۔ تینوں انڈونیشی اُسے گھور گھور کر دیکھنے لگے۔ وہ سیدھا کاؤنٹر کی طرف بڑھا اور چینی سے پوچھنے لگا۔ "گاؤں میں جاپانی فوجی موجود ہیں؟"

چینی دکاندار کا چہرہ بالکل نہ بدلا۔ اس نے لمحہ بھر کے لیے چارلس کی ہیئت کذائی کا مشاہدہ کیا۔ پھر اُس نے خالص کاروباری لہجے میں جواب دیا۔ "نہیں۔"

چارلس نے کہا۔ "میرے پاس کھانے کو کچھ نہیں۔" بھکاریوں کی طرح مانگتے ہوئے اس کی آنکھوں میں آنسو تیر آئے۔

"تم کہاں سے آئے ہو؟" چینی نے پوچھا۔

چارلس نے شمال مغرب کی طرف اشارہ کر دیا۔ "وہاں میرے کچھ اور ساتھی بھی ہیں۔" اُس نے کہا۔ "ایک تو چلتے چلتے بے حال ہو کر رہ گیا ہے۔"

"ذرا انتظار کرو۔" یہ کہہ کر چینی دکاندار جھونپڑی سے باہر نکل گیا۔ چارلس کے پاؤں کے نیچے سے زمین سرکنے لگی۔ اس شخص کے کیا ارادے ہیں؟ کیا اُس کا انجام قریب آ گیا؟ کیا یہ چینی اُسے دشمن کے حوالے کر کے انعام لینے کی فکر میں ہے؟ بے شمار خدشات نے سر اُبھارا اور وہ اُمید و بیم کی کیفیت میں اُس کی واپسی کا انتظار کرتا رہا۔

چینی دُکاندار واپس آیا تو اس کے ساتھ سفید بالوں والا ایک بوڑھا بھی تھا۔ اُس کے سینے پر ملکہ وِلہلمینا کا میڈل آویزاں تھا اور چاندی کا ایک اور تمغہ بھی اُس نے گلے میں لٹکا رکھا تھا۔ چارلس کے سارے شبہات دُور ہو گئے۔ گاؤں یقیناً اُنہیں خوش آمدید کہے گا۔

آدھ گھنٹہ بعد وہ چاروں ساتھی آرام دہ بستروں پر لیٹے ہوئے تھے۔ گرم شوربے سے ان کی تواضع کی گئی اور انہوں نے اُس وقت تک کھانا بند نہ کیا جب تک انہیں یہ احساس نہ ہُوا کہ کھانا حلق تک بھر گیا ہے اور اب سانس لینا دوبھر ہو گیا ہے۔ رائے کی حیرت کی انتہا نہ رہی، ایک عورت سبز پتے پر تھوڑا سا سفوف لائی اور اُسے کھانے کے لیے کہا۔ رائے نے تھوڑی سی پس و پیش کے بعد یہ سفوف کھا لیا۔ صبح ہُوئی تو اس کی پیچش کی تکلیف دُور ہو چکی تھی۔

بیس برس کا نوجوان چینی ان سے ملنے آیا۔ اُس نے اپنا تعارف تانگ سین کے نام سے کرایا۔ اس کا مُنہ سُنہری دانتوں سے بھرا ہُوا تھا اور وہ اپنے دانت دکھانے کا کوئی موقع ضائع نہ کرتا۔ اُس نے بتایا کہ چند ہفتے پیشتر جاپانی اس گاؤں پر یلغار کر چکے ہیں۔ انہوں نے بعض نوجوان لڑکیوں کی عصمت بھی لُوٹی، اس لیے فضا اُن کے خلاف ہے۔ تھوڑی دیر تک گپ شپ لڑانے کے بعد اُس نے سوال کیا۔ "آخر تم لوگوں کا منصوبہ کیا ہے؟"

"یہ کہ جاپانیوں سے جس قدر دُور رہ سکیں رہیں۔" چارلس نے جواب دیا۔ "ہم بعض دوست فوجیوں کی تلاش میں ہیں۔"

"میں چند دنوں میں جنوب کی طرف ایک لاری لے جا رہا ہوں۔" تانگ سین نے کہا۔ "میرے ساتھ جانا چاہو تو خوشی سے جا سکتے ہو۔ بعد میں تم جاوا کا رُخ کر لینا۔ وہاں دوست فوجی مِل جائیں گے۔"

دو دن تک سوائے آرام کے انہوں نے کوئی کام نہ کیا۔ گرم چاول اور اُبلی ہُوئی نشاستے دار جڑیں کھانے سے ان کے فلاکت زدہ چہروں پر گوشت اُبھر آیا۔ بوڑھے سردار کی ایک نوجوان بیوی نے غسل کے لیے تازہ پانی لا دیا۔ ان کے پھٹے پُرانے کپڑے اُتار دیے گئے اور نئے کپڑوں میں اُن کے چہرے چمک اُٹھے۔

تیسرے دن انہوں نے گاؤں کی ایک شادی کا منظر دیکھا۔ صبح سویرے دُلہن گاؤں کے ایک چوک میں کرسی پر بیٹھ گئی۔ اس کی عمر پندرہ سال سے زیادہ نہ ہو گی۔ سارا دن وہ سر نیہوڑائے بیٹھی رہی۔ اُس کے قریب دُولہا میاں تحائف وصول کرنے میں مصروف رہے۔ جُونہی سُورج غروب ہُوا، وہ اپنی جگہ سے اُٹھا اور اُس نے دُلہن کا دوپٹہ سر سے اُتارا اور دونوں کے گرد لپیٹ دیا اور پھر ایک قریبی جھونپڑی کی طرف چلے گئے جو خاص طور پر سُہاگ رات کے لیے تیار کی گئی تھی۔

چند دن بعد تانگ سین نے انہیں اپنی لاری میں بٹھایا۔ یہ بارہ سال پُرانے ماڈل کی تھی اور اس پر روغن نام کی کوئی چیز باقی نہ تھی۔ لاری کے پچھلے حصّے میں پیٹرول کے ٹین اور ربڑ کے گندے ٹکڑے

پڑے تھے۔ چاروں مفرور قیدی ان کے نیچے چھُپ گئے۔ رات بھر لاری جنگلی راستے پر رواں دواں رہی۔ صبح سے ذرا پہلے تانگ سین نے اسے ایک طرف کھڑا کر دیا تاکہ دن کو وہ کہیں چھُپ جائیں۔ وہ سب جنگل میں گھُس گئے اور پھل وغیرہ تلاش کر کے کھانے لگے۔

دو راتوں تک ان کا سفر یونہی جاری رہا۔ کبھی کبھار راستے میں انہیں جاپانی گاڑیاں آتی دکھائی دیتیں، مگر انہیں کسی نے نہ روکا۔ ایک صبح تانگ سین نے لاری سڑک سے اُتار دی اور ایک قریبی کمپانگ کا رُخ کیا۔ ایک جھونپڑی کے سامنے وہ لوگ اُتر گئے۔ اندر سے بالکل گڑیا کی مانند ایک نوجوان عورت نکلی۔ یہ تانگ سین کی بہن تھی۔ اُس نے قیدیوں کی خاطر مدارات میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ ایک صبح اُس نے انہیں جگایا اور اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔ وہ ربڑ کے جنگل میں گھُس گئے اور سُورج طلوع ہونے تک ایک دریا کے کنارے پہنچ چکے تھے۔ یہاں ایک چھوٹی سی کشتی میں وہ سوار ہو گئے۔ تانگ سین کی بہن اسے کھینے لگی۔ دریا کے ایک موڑ پر چارلس کی نظر کسی بڑے سے قصبے پر پڑی۔ عورت نے بتایا اُس کا نام 'پالم بانگ' ہے۔ پھر اُس نے کشتی دلدل کنارے پر لگا دی۔ وہ بڑی مشکل سے کنارے تک پہنچ سکے اور ایک ثانوی جنگل میں ہو لیے۔ جھاڑ جھنکاڑ ختم ہُوا تو سامنے ایک ریلوے لائن تھی اور ترپال سے ڈھکے ہُوئے ڈبے کھڑے تھے۔ عورت نے انہیں فوراً ایک ڈبے پر چڑھ کر ترپال کے نیچے چھُپ جانے کا حکم دیا اور وہ خود وہاں سے چلی گئی۔ پھر ملی جلی آوازیں سُنائی دینے لگیں۔ چارلس کو جاپانی آواز پہچاننے میں دیر نہ لگی۔ ریلوے اسٹیشن پر کھلبلی سی مچی ہُوئی تھی اور لوگ اِدھر اُدھر بھاگ رہے تھے۔

تھوڑی دیر بعد گاڑی آہستہ آہستہ رینگنے لگی۔ چارلس اور اُس کے ساتھیوں کی سمجھ میں کچھ نہ آ رہا تھا کہ یہ ہو کیا رہا ہے۔ ربڑ کے ترپال کے نیچے اُن کے پسینے چھُوٹ رہے تھے۔ کسی نے اچانک ترپال اُٹھایا۔ کوئی جاوی باشندہ انہیں گھُور گھُور کر دیکھ رہا تھا۔

"تم سیدھے ہو کر بیٹھ سکتے ہو، خطرہ ٹل گیا ہے۔" جاوی باشندے نے کہا۔ اُس نے سگریٹ اور بسکٹوں کا ایک ڈبہ پیش کیا۔

"تمہیں کیسے پتہ چلا کہ ہم یہاں چھُپے ہُوئے ہیں؟" چارلس نے سوال کیا۔

"ہمیں کسی نے بتا دیا تھا!"

"کس نے؟"

جاوی باشندے نے مُسکراتے ہُوئے کہا "سب کچھ جاننا اچھا نہیں ہوتا۔"

گاڑی اب پُوری رفتار سے دوڑ رہی تھی۔ چارلس نے اندازہ لگایا کہ اُن کا رُخ جنوب مشرق کی طرف ہے۔ وہ نرم نرم ربڑ پر محوِ خواب ہو گئے۔

شام سے ذرا پہلے جاوی باشندے نے انہیں جگایا۔ گاڑی ایک بلندی پر چڑھ رہی تھی اور اس کی رفتار سُست ہو گئی تھی۔ انہیں ہدایت ملی کہ وہ فوراً نیچے کُود جائیں اور اوستاوان کا راستہ تلاش کریں۔ ایک ایک کر کے وہ گاڑی سے کُود پڑے اور رینگ کر جنگل میں گھُس گئے۔ گاڑی اُن سے بہت دُور نکل گئی، تو وہ اُٹھ کر کھڑے ہو گئے۔ انہیں منزل کا پتہ تھا نہ راستے کا علم۔ بس اندازے سے وہ آگے ہی آگے بڑھتے رہے۔ پیٹ بھرنے کے لیے انہیں جنگلی بیری کی ایک انوکھی قسم دکھائی دی۔ اس کی گٹھلی کنکر کی مانند سخت تھی اور ذائقہ تُرش، مگر وہ کوئی پروا کیے بغیر ڈھیر سارے پھل کھا گئے۔ تھوڑی دیر بعد ان کے جسم میں عجیب سی سنسناہٹ دوڑنے لگی۔ ان کی چال میں لڑکھڑاہٹ آ گئی۔ یہ کیفیت کوئی گھنٹہ بھر طاری رہی۔

ایک موقع پر رکینی نے چیخ ماری، پھر وہ نیچے گھاس میں جھک گیا۔ جب وہ سیدھا کھڑا ہُوا تو اُس کے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا بندر تھا۔ چاقو سے اُس نے بندر کا پیٹ چاک کیا، گوشت کے پارچے بنا کر آگ پر بھُونا اور بڑے مزے سے کھا گئے۔ ڈانلڈسن نے چند بوٹیاں کھانے کے بعد ہاتھ اُٹھا لیا اور بُرا سا مُنہ بناتے ہُوئے کہا "یہ سراسر درندگی اور وحشیانہ پن کا مظاہرہ ہے۔ مَیں اس عمل میں شریک نہیں ہونا چاہتا!"

اگلے دن انہیں ایک بستی دکھائی دی اور وہ جرأت کر کے اس میں گھُس گئے۔ مقامی لوگ ان کے گرد اکٹھے ہو گئے اور تجسس سے دیکھنے لگے۔ تھوڑی دیر بعد گاؤں کا بڑا بُوڑھا بھی آ گیا۔ اُس نے ملکہ ولہلمینا کا میڈل پہن رکھا تھا۔ چارلس نے بڑی چالاکی سے کام لیتے ہُوئے اُسے مقامی زبان میں تکریم بھرے لہجے میں مخاطب کیا "توان! ہم یوریشیائی باشندے ہیں اور جاپانیوں کی قید سے فرار ہو کر آ رہے ہیں۔"

بڑے بُوڑھے نے انہیں بتایا کہ صرف بیس میل دُور اوستاوان میں جاپانی موجود ہیں اور کبھی کبھی گاؤں پر 'مہربانی' کرتے رہتے ہیں۔ انہیں عورتیں بڑی پسند ہیں اور جوان مرد مشقت کے لیے ہانک لے جاتے ہیں۔ بنا بریں ان لوگوں کا گاؤں میں ٹھہرنا مناسب نہیں۔ بوجھل قدموں سے وہ آگے چل دیے۔ تیسرے دن رائے کی پیچش عود کر آئی۔ سہ پہر کو وہ تھکے

کرنے لگا اور شام تک وہ بخار میں پھنک رہا تھا۔ اُس کے جسم پر دہشت طاری تھا۔ "اسے ملیریا اور پیچش دونوں کی شکایت ہے۔" چارلس نے کہا۔ "اگر یہ کل تک ٹھیک نہ ہُوا تو ہمیں مجبوراً کسی گاؤں میں قیام کرنا پڑے گا۔"

رات انہوں نے جنگل میں بسر کی۔ صبح تک رائے کی حالت اَور بھی بگڑ گئی۔ چارلس اُس کے پاس بیٹھا رہا اور ڈانلڈسن اور سکنی خوراک کی تلاش میں نکل گئے۔ دوپہر کو صرف سکنی واپس آتا دکھائی دیا۔ اُس کے ساتھ ایک کم سن مقامی لڑکی بھی تھی۔

"اس کا نام لی تانگ ہے۔" سکنی نے بتایا۔ "یہ بھی جنگلی پھل توڑنے آئی تھی اور اس کا اصرار ہے کہ اس کے ساتھ گاؤں چلیں۔"

چارلس نے لڑکی سے ملائی میں گفتگو کی۔ اُس نے بتایا کہ وہ گاؤں کے سردار کی بھتیجی ہے۔ گاؤں دو میل دُور ہے اور اگر وہ اس کے ساتھ چلیں تو اُسے بڑی خوشی ہوگی۔ چارلس نے موقع غنیمت جانا اور باری باری وہ رائے کو کندھوں پر اُٹھا کر گاؤں کی طرف چل دیئے۔ گاؤں کے نزدیک جا کر لڑکی ان سے آگے بڑھ گئی تاکہ اپنے باپ اور سردار کو ان کے استقبال کے لیے بھیج سکے۔

گاؤں میں ان کا استقبال اُس گرمجوشی سے نہ ہُوا جو پہلے دیکھنے میں آئی تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ نزدیکی شہر اوستادان میں جاپانی موجود تھے اور ان کا خوف وہراس لوگوں کے ذہن پر مسلّط تھا۔

سردار انہیں گاؤں میں صرف ایک شرط پر پناہ دینے پر راضی ہُوا۔ وہ یہ کہ ہر روز ان میں سے کوئی نہ کوئی جاپانیوں کے کیمپ میں مزدوری کے لیے جائے اور جو رقم ملے اُسے ادا کر دے۔ چارلس نے کہا "میں خود مزدوری کرنے جایا کروں گا۔"

رائے کو ایک الگ جھونپڑی میں رکھا گیا۔ مقامی عورتوں نے اس کا علاج معالجہ شروع کر دیا، مگر اسے کوئی افاقہ نہ ہُوا۔ باقی تین آدمی علیحدہ جھونپڑی میں ٹھہرائے گئے۔ اگلی صبح وعدے کے مطابق چارلس گاؤں کے دیگر جوانوں کے ساتھ مزدوری کے لیے روانہ ہُوا۔ جب وہ جاپانی کیمپ میں پہنچا تو گیٹ پر سنتری نے اُسے شک وشُبہے سے دیکھتے ہُوئے پُوچھا "تم کون ہو؟"

"میں یوریشیائی ہُوں۔" چارلس نے پُرسکون لہجے میں جواب دیا "شمال میں ولندیزی کمپنی کے ایک کیمپ سے بھاگ کر آیا ہُوں اور اب بندونگ میں اپنے خاندان کے پاس جا رہا ہُوں۔"

"مگر تمہاری آنکھیں نیلی ہیں!"

"میرا باپ جرمن تھا۔" چارلس نے وہ کہانی فرفر سنا دی جو ہفتوں سے اُس نے اپنے ذہن میں گھڑ رکھی تھی، مگر اُسے کبھی یہ خیال نہ آیا تھا کہ اگر کسی جاپانی نے اُس کے ساتھ جرمن بولنا شروع کر دی، تو پھر اُس کا سارا راز فاش ہو جائے گا — وہ تو جرمن زبان کی ابجد سے بھی واقف نہ تھا۔ لیکن خوش قسمتی یہ ہُوئی کہ جاپانی سارجنٹ نے اُس سے مزید کوئی سوال نہ پُوچھا۔

اگلے پانچ دن تک چارلس یہ بھول گیا کہ وہ یورپی ہے۔ اُس نے عام مزدوروں کی طرح مٹی کھودنے اور پتھر تراشنے کا کام کیا۔ روزانہ اُسے ڈیڑھ جاپانی گلڈر ملتے اور وہ شام کو گاؤں کے سردار کی ہتھیلی پر جا رکھتا۔

اس دوران میں سکنی نے بیشتر وقت لی تانگ کے ساتھ محبت کی پینگیں بڑھانے میں گزارا اور رائے کی حالت مزید پتلی ہوتی چلی گئی۔ مقامی "معالج" عورتوں نے کبھی اُسے تنہا نہ چھوڑا۔ ہر لحظہ وہ اس کی تیمارداری میں مصروف رہتیں، مگر قدرت کو کچھ اَور منظور تھا۔ ایک دن اُس پر ایسی غشی طاری ہُوئی کہ وہ پھر نہ سنبھل سکا۔ آخر اس کے دل کی دھڑکن بند ہو گئی۔ اُس کے باقی تین ساتھیوں کو کچھ زیادہ افسوس نہ ہُوا۔ جنگ کے ہنگاموں میں وہ موت کو بڑے قریب سے دیکھ چکے تھے۔

تجہیز وتکفین کے بعد سردار نے چارلس سے کہا "توان، اب تمہیں یہاں سے چلے جانا چاہیے۔"

"کیا تم ہمیں آبنائے سیونڈا پار کرا کے جاوا پہنچا سکتے ہو؟"

"یہ ناممکن ہے۔" سردار نے خشک سے انداز میں جواب دیا۔ چارلس کا چہرہ فق ہو گیا اور سردار نے اُس کی کیفیت بھانپتے ہُوئے کہا۔ "اچھا، کوئی انتظام کرتے ہیں۔"

اگلی صبح سردار پھر اُن کی جھونپڑی میں آیا۔ اُس نے کہا "سکنی نے لی تانگ سے شادی رچانے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ اس بنا پر لڑکی کے باپ نے باقی دو قیدیوں کے لیے ایک کشتی کا انتظام کر دیا ہے جو انہیں آبنائے کے پار اُتار آئے گی۔"

چارلس اور ڈانلڈسن نے حیرت سے سکنی کی طرف گھورنا شروع کر دیا۔ انہیں ہرگز اُمید نہ تھی کہ وہ یُوں دل چھوڑ بیٹھے گا اور اپنی عافیت کے لیے انہیں تنہا چھوڑ دے گا۔ چارلس کو کچھ نہ سُوجھ رہا تھا کہ وہ سکنی کو لعنت ملامت کرے یا شادی کی مبارکباد دے۔

رات کو ان کی روانگی طے پائی تھی۔ سکنی انہیں الوداع کہنے کے لیے ساحل تک آیا۔ لی تانگ اور اُس کا باپ بھی وہاں آگئے۔ جب کشتی چلنے لگی، تو اچانک سکنی نے کہا: "میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گا۔"

اس پر ایک ہنگامہ کھڑا ہوگیا۔ لی تانگ نے چیخ پکار شروع کردی۔ اُس کا باپ بگڑ کر کہنے لگا: "اگر اس نے شادی نہ کی، تو وہ انہیں کشتی پار کرانے کی پیش کش واپس لے لے گا۔"

چارلس نے کہا: "دوست، اب تو تم پھنس گئے ہو، یہاں ضرور ٹھہرنا پڑے گا۔"

سکنی نے جھلا کر جواب دیا: "جہنم میں جائے شادی، میں کس دلدل میں دھنس گیا۔" پھر اُس نے کچھ سوچتے ہوئے اپنا فیصلہ بدل دیا۔ وہ لی تانگ کی طرف بڑھا۔ اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر اُس نے دونوں ساتھیوں کو خدا حافظ کہا اور چارلس اور ڈانلڈسن ایک ایسی کشتی میں سوار ہوگئے جو درخت کے تنے کو کاٹ کر بنائی گئی تھی۔ ایک ملاح نے کشتی آہستہ آہستہ کھلے پانی کی طرف دھکیلی۔ سکنی اور لی تانگ کا ہیولیٰ نگاہوں سے غائب ہوتا چلا گیا۔

ملاح جاپانی کشتیوں سے سخت خائف تھا، مگر ان کا سامنا کہیں نہ ہوا، تو تب اُس کی جان میں جان آئی۔ آدھی رات کو اُس نے انہیں ایک جزیرے پر اُتارا اور کچھ دیر کے لیے انہیں تنہا چھوڑ کر واپس چلا گیا۔ چارلس نے سوچا کہ ان سے زبردست دھوکا کیا گیا ہے۔ وہ اب اس چھوٹے سے جزیرے پر ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر جائیں گے۔ وہ اسی کشمکش و پیچ میں مبتلا تھے کہ کشتی دوبارہ ساحل پر آگئی۔ اس وقت رات کے تین بجے ہوں گے۔ ہُو کا عالم طاری تھا۔ سمندری موجوں کے شور کے سوا کوئی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔

صبح سویرے وہ پھر خشکی پر پہنچ گئے۔ ملاح نے کہا کہ وہ جاوا میں پہنچ چکے ہیں۔ قریب ہی برک کا قصبہ ہے۔ ملاح نے انہیں ایک مقامی باشندے کے حوالے کیا جو ان کی رہنمائی کرتا ہوا جنگلی راستے پر ہو لیا۔

ایک میل تک جنگل میں چلنے کے بعد انہیں پھلدار درخت نظر آئے۔ تھکے ہارے تو تھے ہی، وہ آرام کے لیے لیٹ گئے۔ کئی گھنٹوں بعد جب وہ دوبارہ سفر شروع کرنے کی باتیں کر رہے تھے، انہیں ایک موڑ پر کوئی آدمی نظر آیا۔ وہ ان سے صرف پندرہ گز دور تھا۔ ان کے حرکت کرنے سے پہلے اُس نے انہیں دیکھ لیا۔ چارلس اور ڈانلڈسن اُچھل کر کھڑے ہوگئے۔ اجنبی اُن کی طرف بڑھنے لگا اور صرف پانچ گز دور آکر رُک گیا۔ اُس نے خاکی پتلون اور سفید قمیص پہن رکھی تھی۔ چارلس فیصلہ نہ کر سکا کہ وہ مقامی باشندہ ہے، یوریشائی یا یورپی۔ وہ کوئی بھی ہو سکتا تھا، کیونکہ اس کی شکل و صورت ہر ایک سے ملتی جلتی تھی۔ دونوں ایک دوسرے کی طرف دیر تک دیکھتے رہے۔ آخر اُس نے پوچھا: "تم دونوں حرامی یہاں کیا کر رہے ہو؟"

"تم کون ہو؟" ڈانلڈسن نے پوچھا۔

"بھاڑ میں جاؤ، تم کون ہو؟" اجنبی نے کہا۔ قدرے توقف سے وہ بولا: "اگر تمہیں مدد کی ضرورت ہے، تو سیدھی بات کرو۔ مجھے پتہ چل گیا تھا کہ تم لوگ اِدھر گھوم پھر رہے ہو، کہاں سے آرہے ہو؟"

"سنگاپور سے۔" چارلس نے محسوس کیا کہ حقیقت بیانی سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

"میں نے سُنا تھا بہت سے لوگ بھاگ نکلنے میں کامیاب ہوگئے تھے، باقی کہاں ہیں؟"

"ہم انہی میں شامل تھے۔ باقی ساتھی مر چکے ہیں۔" چارلس نے جواب دیا۔

"تمہیں کیسے پتہ چلا کہ ہم لوگ اس نواح میں موجود ہیں؟" ڈانلڈسن نے پوچھا۔

"صرف میں ہی سوال پوچھ سکتا ہوں۔" اجنبی نے تند لہجے میں کہا: "آؤ میرے ساتھ چلو۔"

راستے میں وہ باتیں کرتے رہے۔ وہ جاوی زبان مقامی باشندوں کی طرح بولتا اور انگریزی کسی آسٹریلوی کی طرح، مگر صحیح پتہ نہ چلتا تھا کہ وہ ہے کون؟ تین گھنٹے کے سفر کے بعد وہ جنگل میں ایک صاف جگہ پر پہنچ گئے۔ وہاں بیس کے قریب خیمے نصب تھے۔ ایک خیمے سے کوئی بلند قامت شخص نکلا۔ اجنبی نے اُسے مانی کے نام سے مخاطب کیا۔ اُس کے چہرے پر بہت بڑا زخم تھا جو پیپ پڑنے کی وجہ گل سڑ گیا تھا۔

اجنبی رخصت ہوگیا اور اب مانی نے ان کا کنٹرول سنبھال لیا۔ ان دونوں کو ایک خیمہ مل گیا۔ انہیں آہستہ آہستہ معلوم ہوگیا کہ یہ ایک گوریلا کیمپ ہے اور مانی ان کا لیڈر ہے۔ یہ لوگ کبھی کبھار گوریلا کارروائی کرکے اور جاپانیوں سے خاصی بڑی تعداد میں اسلحہ چھین کر لے آتے۔

ایسی ہی ایک مہم پر چارلس اور ڈانلڈسن بھی بصد اصرار شامل ہوگئے۔ وہ گوریلوں کی جرأت اور ان کے لیڈر کی ذہانت و دلیری کی داد دیے بغیر نہ رہ سکے۔ انہوں نے دشمن کے ایک پہاڑی کیمپ پر حملہ کیا اور جب وہ واپس پلٹے تو پہاڑی پر جاپانیوں کی لاشیں بکھری پڑی تھیں۔ گولہ بارود اور کھانے پینے کا سارا سامان لے کر وہ واپس کیمپ میں آگئے۔ چارلس نے ایک تیز رنگ

مشاہدہ یہ کیا کہ ہر گوریلا ایکشن کے بعد کیمپ پہلے والی جگہ سے ہٹا لیا جاتا تاکہ دشمن کی جوابی کارروائی سے محفوظ رہا جا سکے۔

ایک صبح مانی نے خود انہیں خیمے میں آ کر جگایا۔ اس کے ساتھ ایک جادی باشندہ بھی تھا۔ "تم اس کے ساتھ جاؤ گے؟" مانی نے کہا۔ "اس کے حکم کی تعمیل کرنا"

"ہم کہاں جا رہے ہیں؟" چارلس نے پوچھا۔

"تمہیں بہت جلد پتہ چل جائے گا۔" مانی نے کہا۔

چارلس اور ڈانلڈسن نے مانی کی عنایتوں کا شکریہ ادا کیا اور اپنے گائیڈ کے ہمراہ چل دیے۔

اگلے چند دنوں میں گائیڈ نے ان سے بہت کم بات چیت کی۔ وہ خاموشی سے اس کے پیچھے چلتے رہے۔ دن کو ان کا سفر جاری رہتا اور رات کسی کمپانگ میں گزرتی۔ انہیں زمان و مکاں کا کوئی احساس نہ تھا۔ حقیقت بہت بعید معلوم ہوتی تھی۔ چلتے چلتے وہ ایک ایسی بستی میں پہنچے جس کے دوسری جانب سمندر شروع ہو جاتا تھا۔ گائیڈ نے گاؤں کے سردار سے بات کی۔ یہ بوڑھا اپنے تمام بالوں سے محروم تھا اور بات کرتے وقت اس کی شکل عجیب مضحکہ خیز لگتی۔

بوڑھے کے گھر انہوں نے کچھ آرام کیا، کھایا پیا۔ کچھ دیر بعد انہیں بتایا گیا کہ وہ تیار ہو جائیں۔ آگے سمندری سفر شروع ہونے والا تھا۔ وہ جس کشتی میں سوار ہوتے، وہ پہلے کی طرح محض درخت کے تنے کو کاٹ کر بنائی گئی تھی۔ صرف دو تین آدمیوں کے بیٹھنے کی گنجائش تھی۔ اس کا ملاح بہت تجربہ کار لگتا تھا۔ اس نے فوراً پتوار سنبھالا اور کشتی کو کھلے پانیوں کی طرف موڑ دیا۔

"خدا کے لیے ہمیں بتاؤ، کہاں جا رہے ہو؟" ڈانلڈسن نے گھبرا کر کہا۔ "ہزاروں میل دور تک سمندر ہی سمندر نظر آ رہا ہے۔ ساحل کا تو کچھ پتہ ہی نہیں چلتا"

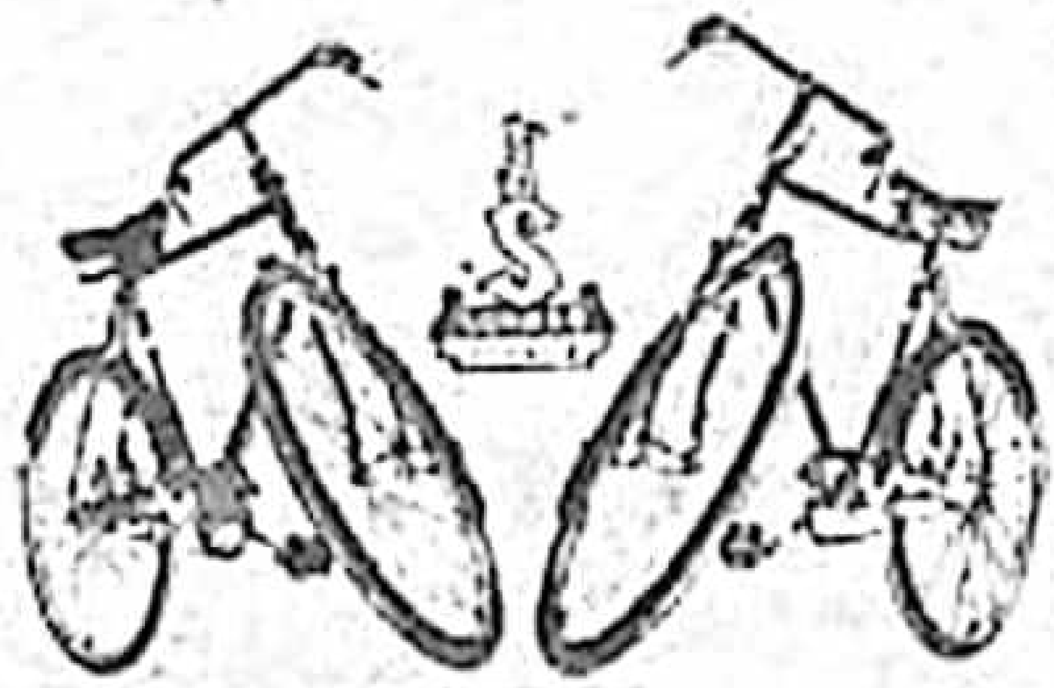
چارلس نے یہی سوال جادی ملاح سے مقامی زبان میں کیا، مگر اس نے جواب دینے میں دلچسپی ظاہر نہ کی۔ کشتی کا سفر رات بھر جاری رہا اور جب صبح کی پہلی کرن پھوٹی، تو انہوں نے دیکھا کہ وہ ساحل کے متوازی جا رہے ہیں۔ سارا دن انہوں نے ساحل پر ایک گاؤں میں آرام کیا اور رات ہوئی تو پھر سفر شروع ہو گیا۔ سمندر پُرسکون تھا اور ہوا گرم۔ چارلس نے محسوس کیا کہ اس بے منزل شست سفر میں بھی نیم کی سی تاثیر ہے۔ اب انہوں نے یہ سوچنا چھوڑ دیا تھا کہ وہ کدھر جا رہے ہیں۔ زندگی ان کے نزدیک ایک بہت بڑا خلا تھی۔

اگلی صبح کشتی پھر ساحل کی طرف بڑھ رہی تھی جہاں کسی گاؤں کی جھونپڑیاں ہیولے کی مانند نظر آ رہی تھیں، مگر نجانے کیا ہوا، ملاح نے ساحل سے بہت دور ہی کشتی پھر کھلے پانیوں کی طرف موڑ دی۔ چارلس نے حیرت سے وجہ پوچھی، تو اس نے انگوٹھے سے اشارہ کرتے ہوئے کہا: "وہاں جاپانی قابض ہیں"۔ مگر اس نے یہ نہ بتایا کہ اسے جاپانیوں کی موجودگی کا علم اتنی دور سے کیسے ہو گیا!

چھٹی صبح وہ ایک اور کمپانگ میں اترے۔ ایک جھونپڑی کے سامنے ایک بھوری رنگت والے آدمی نے ان کا استقبال کیا۔ "گڈ ڈے! تم لوگ کہاں سے آ رہے ہو؟" اس نے پوچھا۔

چارلس نے اسے ساری کہانی سنائی۔ وہ دانتوں تلے انگلیاں دباتے ہوئے بولا: "اوہ! ہزاروں میل جنگل کا سفر طے کر کے تم یہاں پہنچے ہو؟" پھر اس نے آرام دہ بستروں کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا: "ذرا لیٹ جاؤ، میں ڈاروِن سے رابطہ قائم کرتا ہوں۔ تمہیں جلد ہی آسٹریلیا پہنچا دیا جائے گا"

"ڈاروِن!" ڈانلڈسن نے حیرت سے کہا۔ "تم آسٹریلوی بندرگاہ کی



بات کر رہے ہو نا!"

"ہاں، وہاں سے ہمارے لیے کچھ سپلائی آرہی ہے۔"

مزید سوال جواب کی اس شخص نے حوصلہ افزائی نہ کی۔ دونوں ساتھی بستروں پر دراز ہو گئے۔ اُسی رات استوائی طوفان نے کیاہگسی کو اپنی لپیٹ میں لے لیا اور دو دن تک موسم سخت خراب رہا۔ آسٹریلیا پہنچنے کے خیال سے چارلس اور ڈائمنڈسن نے سہانے سپنوں کے تانے بانے بننا شروع کر دیے۔ وہ ہفتوں سے کسی منزل کے متلاشی تھے، مہذب اور دوستانہ ماحول کی انہیں تلاش تھی اور اب ان کی آس پوری ہو رہی تھی۔ بے شمار تکلیفوں اور قریبی دوستوں کی جانوں کی قیمت پر آخر کسی ٹھوس حقیقت کو پانے والے تھے، مگر معلوم نہیں کیوں آخری وقت بھی ان پر بے یقینی کی کیفیت طاری تھی، انہیں خدشہ تھا کہ کہیں منزل پر پہنچنے سے پہلے ہی وہ پھر دشمن کے ہتھے نہ چڑھ جائیں۔

ایک شام ان کا میزبان بڑے خوشگوار موڈ میں ان کے پاس آیا "مبارک ہو، ڈارون سے اسٹیمر آگیا ہے، اب تم جا سکتے ہو!"

چارلس اور ڈائمنڈسن کو ان لفظوں کی صداقت پر یقین نہ آیا۔ جب وہ اسٹیمر پر بیٹھ گئے، تو پھر کہیں انہیں موہوم سی اُمید ہوئی کہ وہ منزل کی طرف گامزن ہیں۔ جاوی ملاحوں نے کشتی کھلے سمندر میں دوڑا دی۔ پون گھنٹہ بعد اچانک کشتی رُک گئی۔

"یہ کیا ہو گیا؟" ڈائمنڈسن نے ڈرتے ہوئے اضطراب سے پوچھا۔

"بس انتظار کرو۔" انہیں مختصر سا جواب ملا۔

چند لمحوں بعد فضا میں گڑگڑاہٹ بلند ہوئی۔ ایک جہاز اُن کی طرف بڑھتا چلا آرہا تھا۔ ملاحوں نے اسے کوئی خفیہ سگنل دیا اور جہاز چکر کاٹ کر قریبی دلدل میں اُتر گیا۔ یہ فلائنگ بوٹ تھی، بالکل اسی طرح کی جس میں ایک بار پہلے بھی وہ سوار ہو چکے تھے۔

کشتی، جہاز کی طرف بڑھی اور چارلس اور ڈائمنڈسن کو اس میں سوار کرا دیا گیا۔ ان کی بڑھی ہوئی ڈاڑھیوں اور پھٹے کپڑوں کی طرف دیکھ کر ہر ایک نے تعجب سے سوالوں کی بوچھاڑ کر دی۔

انھوں نے مختصراً اپنی بپتا کہہ سنائی۔

چارلس نے جہاز کے عملے سے تاریخ پوچھی۔ جواب ملا "سولہ۔"

"کس مہینے کی؟"

"ستمبر کی سولہ۔"

اس کا مطلب یہ تھا کہ انہیں جاپانی کیمپ سے فرار ہوئے پورے پانچ ماہ ہو رہے تھے۔ اتنے طویل عرصے تک بھوک، پیاس کا مقابلہ کرتے ہوئے وہ ہزاروں میل کا سفر طے کر آئے تھے۔

جہاز پھر ہوا میں بلند ہو گیا۔ چارلس اور ڈائمنڈسن گہری نیند سو گئے۔ پورے بارہ گھنٹوں بعد اُن کی آنکھ کھلی، تو وہ ڈارون میں اتر چکے تھے، لیکن وہاں پہنچ کر انہیں کوئی حقیقی خوشی محسوس نہ ہو رہی تھی، کیونکہ زندگی میں رنگ بھرنے کے لیے انہیں کوئی سامان میسر نہ تھا۔ اڑتالیس گھنٹوں کے بعد ان کی سوچنے سمجھنے کی قوت عود کر آئی، تو چارلس کو اپنی بیوی پیٹ کا خیال آیا۔ اُس نے ہر ایک سے "وکیفیلڈ" جہاز کی تباہی کے بارے میں پوچھا، کوئی بھی اُسے حتمی جواب نہ دے سکا۔

ایک ماہ بعد واپس انگلینڈ جاتے ہوئے وہ سیلون میں رُکا۔ کوگالا کے آر اے ایف کے میس میں اُس نے ڈیلی میل اُٹھا کر پڑھنا شروع کیا۔ پہلے صفحے پر اس کی نظر ایک تصویر پر پڑی۔ اس میں پیٹ نے ایک بچہ اُٹھایا ہوا تھا۔ سُرخی میں لکھا ہوا تھا کہ جب جہاز وکیفیلڈ سنگاپور سے چل کر انگلینڈ کے ساحل کے قریب پہنچا تو اس بچی نے جنم لیا۔ اُس وقت صبح کا وقت تھا اس لیے اس کا نام "سحر" رکھ دیا گیا۔

* * *

۱۹۴۵ء کے آخر میں چارلس ایک بار پھر سنگاپور میں تھا۔ اس وقت وہ لارڈ ماؤنٹ بیٹن کے اسٹاف میں اسکواڈرن لیڈر کی حیثیت سے آیا تھا۔ ایک روز وہ جنگی مجرموں کی عدالت میں گیا۔ وہاں جس قیدی کو سب سے پہلے اُٹھنے کا حکم ملا، اُسے دیکھ کر چارلس کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔ یہ تروشی تھا اور اُسے بے شمار جرائم کی پاداش میں سزائے موت دینے کا فیصلہ کیا گیا۔

چارلس، ماؤنٹ بیٹن کے پاس گیا "جناب، کیا میں اُس جاپانی کی تلوار یادگار کے طور پر اپنے پاس رکھ سکتا ہوں جسے آج سب سے پہلے پھانسی کی سزا ملی؟"

"کیوں؟"

چارلس نے اُسے اپنے چہرے کے زخم دکھاتے ہوئے کہا "اس ظالم جاپانی نے یہ گھاؤ اسی تلوار سے لگائے تھے۔"

ماؤنٹ بیٹن نے جواب دیا "پھر تو تمہارا حق بنتا ہے۔"

چارلس نے آج یہ تلوار اپنے گھر میں سجا رکھی ہے۔ پیٹ اس سے سخت متنفر ہے۔ سحر کو اس سے کوئی دلچسپی نہیں، مگر اس کے دونوں جوان بچے اُسے شان و شکوہ کی حامل یادگار تصور کرتے ہیں۔

--

آخری جرمن قیدی



آخری جرمن قیدی

امریکہ میں جنگی کیمپ سے فرار ہونے والے مُہم جُو کی تحیّر خیز سچی داستان جو چالیس برس تک طرح طرح کے رُوپ بھرتا رہا اور گرفتار نہ ہو سکا۔

جارج گارٹنر / آرنلڈ کریمر

دوسری جنگِ عظیم میں ساڑھے چار لاکھ سے زائد اطالوی اور جرمن سپاہیوں کو شمالی افریقہ اور یورپ میں قید کر کے بحری جہازوں کے ذریعے امریکہ میں جنگی قیدیوں کے کیمپوں میں پہنچایا گیا تھا۔ ۱۳ مئی ۱۹۴۳ء کو مجھے بھی تیونس کے محاذ پر قیدی بنایا گیا اور کئی جنگی کیمپوں میں رکھنے کے بعد بالآخر ڈیمنگ پہنچا دیا گیا جو نیو میکسیکو کے جنوب مغرب میں ایک دُور افتادہ مقام تھا۔ اس کیمپ میں میرا نام جنگی قیدی نمبر ۸۱-۹-۱۰۳۵۲ انجنیئر آفیسر جارج گارٹنر تھا۔

ہمیں اس کیمپ میں جو خوراک دی جاتی تھی وہ جرمن فوج کی خوراک سے کہیں بہتر تھی۔ ہفتے میں تین دن گوشت کھانے کو ملتا۔ اخبارات دیے جاتے۔ موسیقی اور ڈراموں کے شو بھی اکثر ہماری تفریح کے لیے منعقد کیے جاتے۔ اس کے علاوہ مقامی خط کتابت کے ذریعے ہمیں

علیمی کورس بھی کراتے تھے۔ ایسے حالات میں بیشتر جرمن یدی جیل کیمپ چھوڑ کر جانے کے لیے تیار نہیں تھے۔

خوشگوار حالات اور ماحول کے باوجود قید کا تصور بڑا کلیف دہ ہوتا۔ قیدی فرار کے منصوبے بھی بناتے اور رار ہونے کی کوشش بھی کرتے۔ کامیابی کی صورت میں زادی اور ناکامی کی صورت میں موت۔ اس کیمپ جیل میں و آہنی خاردار باڑوں کے درمیان جو حصہ تھا اُسے موت کا منطقہ کہا جاتا تھا۔ جو قیدی فرار ہو کر اس منطقے تک ہنچ جاتا اور وارننگ کے بعد بھی واپس نہ آتا اُسے بلا تاخیر ولی مار دی جاتی تھی۔ اونچے ٹاورز پر سنتری مشین گنیں ے ہر وقت چاق چوبند دکھائی دیتے تھے۔

مئی ۱۹۴۵ء میں جرمنی نے ہتھیار ڈال دیے۔ اس سے موسم گرما میں ہم اپنے گھروں، خاندانوں اور اپنے ستقبل کے بارے میں پریشان رہے۔ ہر وقت ایک ہی ال ذہن پر حاوی رہتا کہ ہمارے ساتھ کیا سلوک ہونے الا ہے۔ ستمبر ۴۵ء میں ہمیں اس اعصاب شکن سوال کا اب مل گیا۔ نوٹس بورڈ پر ایک اعلان چسپاں کر دیا گیا تھا۔ میں ریزی بولنے اور پڑھنے میں خاصی مہارت رکھتا تھا اور لان انگریزی زبان میں تھا، اس لیے بہت سے جرمن دی میرے اردگرد جمع ہو گئے۔ امریکی وزارت جنگ طرف سے اعلان کیا گیا تھا کہ ہمیں بحری جہازوں کے یعے یورپ لے جایا جا رہا ہے اور ہمیں فرانس اور برطانیہ تقسیم کر دیا جائے گا۔ ان ملکوں میں ہم سے تعمیر نو کے صوبوں میں مشقت لی جائے گی۔ اس حد تک یہ اعلان ت خوشگوار تھا کہ اس میں رُوس کا ذکر نہیں تھا۔ رُوس جس قسم کی جبری مشقت لی جاتی ہے، اُس کے تصور سے ہر شخص خوفزدہ ہو جاتا ہے، لیکن اعلان کا دوسرا ہ ٹھکرا دینے والا تھا جس میں بتایا گیا تھا کہ ایک مقررہ ت تک ہم سے مشقت لینے کے بعد ہمیں ہمارے اپنے علاقوں، قصبوں اور شہروں میں واپس بھیج دیا جائے گا۔ میرا سانس رُکنے لگا، کیونکہ میرا آبائی قصبہ دوسری جنگ عظیم کے بعد اب مشرقی جرمنی میں شامل ہو چکا تھا۔ رُوسی مقبوضہ وطن میں زندگی بسر کرنے کا تصور ہی میرے لیے بہت اذیت ناک تھا۔ میں واپس اپنی بیرک میں پہنچا تو بہت غمزدہ تھا۔ اپنی قسمت کا یہ موڑ مجھے پسند نہیں آیا تھا۔۔۔

ایک ہی خیال اب بار بار ذہن میں ہلچل پیدا کرنے لگا۔ کیا میں فرار ہونے میں کامیاب ہو سکتا ہوں؟ کیا میں آزادی حاصل کر کے اپنے اہل خانہ سے دوبارہ مل سکوں گا۔

جنگی قیدی بننے کے بعد ۱۹۴۳ء کے اواخر تک مجھے اپنے والدین کے خطوط ملتے رہے تھے۔ اس کے بعد خط کتابت کا سلسلہ منقطع ہو چکا تھا۔ میں نے یہ تکلیف دہ حقیقت قبول کر لی تھی کہ میرے والدین اور عزیز جنگ کی بھینٹ چڑھ چکے ہیں۔ اس کے باوجود اپنے گھر کی یاد میرے دل سے نکلتی ہی نہیں تھی۔

میں ایک چھوٹے سے خوبصورت جرمن قصبے شیوڈنیٹز میں پیدا ہوا تھا۔ ہمارا خاندان متوسط طبقے سے تعلق رکھتا تھا۔ میرے والد ریلوے میں افسر تھے۔ میری ماں بہت مہربان اور شفیق خاتون تھیں۔ ہمارا اپنا تین منزلہ مکان تھا جس کی سب سے نچلی منزل میں ہم رہتے تھے۔ میں نے اسکول میں زراعت اور انگریزی زبان میں خاص مہارت حاصل کر لی تھی۔ مجھے ٹینس سے بڑی دلچسپی تھی۔ میں اٹھارہ برس کی عمر میں اپنے صوبے کی ٹینس ٹیم کا چیمپئن بن چکا تھا۔

جنگ شروع ہوئی تو بھرتی کے بعد تربیت ختم ہوتے ہی مجھے جنرل رومیل کی افریقی کورپس میں بھیج دیا گیا۔ میں اس وقت افریقی کورپس میں شامل ہوا جب العالمین کے معرکے کے بعد جنرل رومیل پسپائی اختیار کر چکا تھا۔

مئی ۱۹۴۳ء کے ایک دن برطانوی افواج نے تیونس کے محاذ پر ہمیں اپنے گھیرے میں لے لیا۔ ہمارے لیے ہتھیار ڈالنے کے سوا کوئی راستہ باقی نہ بچا تھا۔ برطانوی افواج نے

ہمیں امریکیوں کے حوالے کر دیا۔ جنگی قیدی بنتے وقت میری عمر صرف بائیس برس تھی۔ فرار ہونے کی خواہش میں بے پناہ شدت پیدا ہوتی جا رہی تھی۔ میں نے ذہنی طور پر اپنے آپ کو فرار کے لیے تیار کرنا شروع کر دیا۔ میں جوان تھا۔ میری صحت بہت اچھی تھی اور بہت اچھی انگریزی بول سکتا تھا۔ میرا لہجہ امریکیوں جیسا نہیں تھا، لیکن اَن گنت لوگوں کا لہجہ امریکیوں سے مختلف تھا۔ میں سکی، گولف اور ٹینس کی کوچنگ کر سکتا تھا۔ اس کے علاوہ میرا چہرہ دیکھ کر کوئی اندازہ نہیں کر سکتا تھا کہ میں جرمن ہوں۔ اس چہرے سے بلکہ بشرے سے میں کھیتوں میں کام کرنے والا ایک امریکی جوان دکھائی دیتا تھا۔

میں نے جیل کیمپ کا بغور مشاہدہ کرنا شروع کر دیا۔ معمولی سے معمولی جزئیات پر نگاہ رکھنے لگا۔ میرا ذہن فرار کا منصوبہ بنانے میں منہمک رہتا۔ بالآخر میں نے فرار کا ایک منصوبہ بنا لیا... مجھے آہنی خاردار تاروں کی باڑ کے پاس کسی سایہ دار جگہ کی تلاش تھی، جہاں میں قدرے تاریکی میں مناسب وقت تک انتظار کر سکوں۔ اس کے بعد تاروں کے نیچے سے گھسٹ کر باڑ پار کروں۔ صحرائی علاقے سے ایک تیز رفتار ریل گاڑی ہر شب دس بجے گزرتی تھی۔ ریل کی پٹڑی جیل کیمپ سے چند میل کے فاصلے پر تھی۔ میں اچھل کر اس ریل گاڑی پر سوار ہو سکتا تھا۔ اس کے بعد کھلی دُنیا تھی اور میں گمنامی میں آزادانہ زندگی بسر کر سکتا تھا۔

ستمبر کے اوائل میں قسمت عجب انداز میں مجھ پر مہربان ہوئی۔ کیمپ جیل میں کام کرتے وقت پہننے والے کپڑے لانڈری سے دُھل کر آئے تو میں نے دیکھا کہ ان پر گہرے پیلے رنگ میں سٹینسل کیے ہوئے "جنگی قیدی نمبر..." کے الفاظ دُھل کر مٹ چکے ہیں۔ میں نے کبھی نہیں سُنا تھا کہ دُھلنے سے یہ نمبر اور الفاظ مٹ جاتے ہوں، اس لیے اسے قسمت کا خاص کرشمہ قرار دیا۔ میں نئے حوصلے اور اُمنگ کے ساتھ فرار کے منصوبے کی تیاریاں کرنے لگا۔

۲۰ ستمبر ۱۹۴۵ء تک میں فرار کا مکمل منصوبہ بنا کر اس پر عمل کرنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ خوب سمجھتا تھا کہ اگر میں ریل گاڑی کی آمد سے بہت پہلے جیل کیمپ سے غائب ہو گیا تو جلد ہی میرے فرار کا بھانڈا پھوٹ جائے گا اور مجھے پکڑ کر گولی مار دی جائے گی۔ اور اگر میں کسی وجہ سے ریل گاڑی تک پہنچنے میں کامیاب نہ ہوا تو بھی یہی انجام ہو سکتا ہے۔ میں نے ایک ایک منٹ کا حساب لگایا اور فیصلہ کیا کہ مجھے بیس منٹ کے اندر اندر آہنی خاردار باڑ پار کرنی ہے اور پھر تیس منٹ کے اندر مجھے ریل کی پٹڑی تک پہنچنا ہے۔ گویا مجھے اپنے منصوبے پر نو بجے رات عمل کرنا چاہیے، یہ نہایت موزوں اور مثالی وقت تھا، کیونکہ اس وقت ہر جنگی قیدی ٹیلی ویژن دیکھنے میں مصروف رہتا اور یوں میرے لیے کھسکنا بہت آسان تھا۔

کھانے کے وقت میں اعصابی بے چینی محسوس کرنے لگا تھا۔ جونہی نو بجے میں بیرکوں سے نکل کھڑا ہوا۔ باہر نکلتے ہی میرا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ میری توقع کے برعکس رات تاریک نہیں تھی، چاندنی چھٹک رہی تھی۔ دُور دُور تک پھیلا صحرا چاندنی میں صاف دکھائی دے رہا تھا۔

میں آہنی خاردار باڑ کے قریب بیرکوں کے سایے میں کھڑا ہو گیا۔ میرا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا۔ سرچ لائٹیں معمول کے مطابق اُوپر نیچے، آگے پیچھے حرکت کر رہی تھیں۔ جب روشنی پیچھے ہٹی تو میں تیزی کے ساتھ سایے سے نکلا اور اُکڑوں بھاگتا ہوا پہلی آہنی خاردار باڑ کے پاس پہنچ گیا اور نیچے لیٹ کر دوسری طرف گھسٹنے لگا۔ میں نے زخموں اور خراشوں کی مطلق پروا نہیں کی۔ تھوڑی دیر بعد میں اس حصے میں تھا جسے "موت کا علاقہ" کا نام دیا گیا تھا۔

اپنا چہرہ ریت میں چھپائے میں پیٹ کے بل گھسٹنے لگا۔ سرچ لائٹ کی روشنی میری طرف بڑھ رہی تھی۔ میں زمین کے ساتھ چپک گیا۔ میرے دل سے بے اختیار دعا

نکل رہی تھی:

"میرے خدا! مَیں سرچ لائٹ کی روشنی کی زد میں نہ آؤں۔ یہ میری نشاندہی نہ کر سکیں۔ اگر ایسا ہُوا تو مَیں مارا جاؤں گا۔ میرے خدا۔۔۔ میرے خدا۔۔۔"

سانس روکے پیٹ کے بَل لیٹے، مُنہ ریت میں چھپائے مَیں روشنی کے گزرنے کا انتظار کرتا رہا۔ جونہی روشنی پیچھے ہٹی مَیں آہنی خاردار تاروں کو ہاتھوں سے پیچھے ہٹانے لگا۔ کچھ راستہ بنا تو گھسٹ کر ان کے باہر نکل گیا۔

چند منٹ مَیں وہیں لیٹا اپنی طاقت مجتمع کرتا رہا۔ اس کے بعد گھسٹنے اور رینگنے لگا۔ جب مَیں نے کسی کے چیخنے چلّانے اور گولی چلنے کی آواز نہ سُنی تو لیٹے لیٹے رُک کر مَیں نے پیچھے نگاہ ڈالی۔ مَیں جیل کیمپ کی بیرونی خاردار باڑ سے کوئی سو گز دُور پہنچ گیا تھا۔ مَیں اُٹھا اور پہلے آہستہ دُور تک دوڑا اس کے بعد سیدھا ہو کر سرپٹ ریل کی پٹڑی کی طرف بھاگا۔ ریل کی پٹڑی کے قریب پہنچا تو مجھے یوں محسوس ہُوا جیسے جیل کیمپ میں سائرن بجنے لگے ہیں۔ ریل گاڑی سُست رفتار سے چلتی آ رہی تھی۔ مَیں نے اپنے آپ کو سنبھالا۔ ایک ڈبّے ادروازہ کُھلا تھا۔ مَیں بھاگتے ہُوئے اُس کے ساتھ لٹک ر اُچھلا اور ڈبّے کے اندر جا گرا۔ یہ مال بردار ڈبہ تھا۔ ں ایک گوشے میں جا بیٹھا اور مَیں نے اپنے اُوپر سوکھی گھاس ل لی۔ اب مَیں ہانپ بھی رہا تھا اور مُسکرا بھی رہا تھا۔ میرا منصوبہ کامیاب ہو چکا تھا۔ مَیں آزاد تھا!

مَیں سو گیا۔۔۔ جب ریل گاڑی دھچکے کے ساتھ رُکی تو ری آنکھ کُھلی۔ وہ اپنی منزل سان پیڈرو پہنچ گئی تھی جو کیلیفورنیا بندرگاہ بھی ہے۔ اس زمانے میں یہاں ہزاروں افراد شی، دولت اور روزگار کی تلاش میں جوق در جوق پہنچ ہے تھے۔

اپنی شناخت گم کرنے کے لیے مَیں نے اپنے آپ کو یوگوسلاوی مہاجر بتانا شروع کیا۔ ایک دن جب مَیں لوا رہا تھا تو حجام نے مجھ سے پُوچھا کیا مَیں ناروے کا رہنے والا ہُوں۔ مَیں نے پُوچھا اُسے میرے نارویجین ہونے کا گمان کیسے ہُوا۔ تو کہنے لگا میرا بہنوئی ناروے کا ہے جو مشیگن (امریکہ) میں آباد ہو چکا ہے۔ میری شکل اُس سے بہت ملتی جلتی ہے۔ اُس نے باتوں باتوں میں اپنے بہنوئی کا نام پیٹر پیٹرسن بھی بتا دیا۔ جب مَیں بال کٹوا کر باہر نکلا تو مَیں ناروے کا رہنے والا پیٹر پیٹرسن بن چُکا تھا۔

کام کی تلاش اعصابی اذیت کی طرح تھی۔ ہر دم دھڑکا لگا رہتا کہ کوئی مجھے مشکوک یا مشتبہ نہ سمجھ لے۔ شروع میں مَیں ہوٹلوں میں پلیٹیں دھوتا رہا۔ اس کام میں شناخت کی ضرورت پڑتی ہے نہ کوئی ایک پلیٹیں دھونے والے کو اتنی اہمیت دیتا ہے کہ اُس سے گپ شپ لگائے۔ تنخواہ ہر روز نقدی کی صُورت میں مل جاتی۔ مَیں ہوٹلوں اور اقامت گاہوں کو بدلتا رہا اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مجھ میں اعتماد پیدا ہونے لگا۔

میرے لیے پیسے کمانا، اقامت گاہیں تبدیل کرنا کوئی مسئلہ نہ تھا۔ اصل مسئلہ اپنے ماضی سے نجات حاصل کرنے اور امریکی معاشرے میں رچ بس جانے کا تھا۔ مَیں نے اپنی چال تبدیل کر دی تھی۔ ہاتھ ملانے کا انداز بدل دیا تھا۔ بالوں کا انداز یورپی بنا لیا تھا۔ مَیں نے کھانے کی عادت بدل لی تھی۔ ہم جرمن دوپہر کے کھانے کو اہمیت دیتے ہیں۔ اب مَیں نے یورپیوں اور امریکیوں کی طرح رات کے کھانے کو اہمیت دے دی تھی۔ مَیں اس حد تک محتاط ہو چکا تھا کہ ہر رات سونے سے پہلے اپنی دن بھر کی سرگرمیوں اور واقعات کا پُوری جُزئیات کے ساتھ تجزیہ کرتا۔ اور یہ دیکھتا کہیں کوئی غلطی سرزد تو نہیں ہو گئی تھی۔

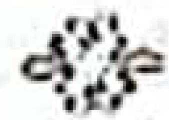
ایک مفرور کی حیثیت سے جو ابتدائی برس گزرا اُس میں کسی نے مجھے شناختی کارڈ دکھانے کا مطالبہ نہیں کیا۔ جنگ ختم ہو چکی تھی اور اب امریکہ میں حالات ایسے تھے کہ جن میں لائبریری کارڈ یا کوئی خط دیکھ کر ہی معمولی اُمور سے نمٹا دیا جاتا تھا۔

مَیں الفاظ میں ایک مفرور انسان کی پریشانیوں کو بیان نہیں کر سکتا۔ مفرور ہر لحظہ فکرمند اور پریشان رہتا ہے۔ چلتے چلتے یونہی کوئی شخص اُسے قدرے دلچسپی یا گہری نظر سے دیکھ لے تو دل میں خطرے کی گھنٹیاں بجنے لگتی ہیں۔

حال ہی میں مَیں نے امریکی قانون فریڈم آف انفارمیشن ایکٹ کے تحت اجازت لے کر اپنی اُس فائل کا مطالعہ بھی کیا جو ایف بی آئی اور امریکی فوج نے میرے بارے میں تیار کی تھی۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ جیل کیمپ سے میرے فرار کے بعد جیل میں میرے ساتھی قیدیوں سے پوچھ گچھ کی گئی لیکن وہ کچھ بھی نہ بتا سکے۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ مَیں نے کسی سے بھی اپنے فرار کے منصوبے کا ذکر نہیں کیا تھا۔

میرے فرار کے بعد تین جہاز دو سو میل کے علاقے میں میری تلاش کے لیے نکلے۔ اس کے علاوہ پندرہ گھڑسوار کاؤ بوائز بھی میری تلاش میں روانہ ہوئے لیکن مَیں تو ریل گاڑی پر سوار ہو گیا تھا، اس لیے کسی کو صحرا میں میرا نام و نشان ہی نہ ملا۔ امریکی انٹیلی جنس ٹیموں نے یورپ میں میرے رشتے داروں اور دوستوں سے پوچھ گچھ کی۔ امریکی فوج نے اپنی فائل میں میرے بارے میں رائے دی کہ مَیں محض فرار ہوا ہوں۔ کسی سازش یا سبوتاژ کا مجھ پر شبہ نہیں کیا جا سکتا، اس لیے مجھے خطرناک مفرور قرار نہیں دیا گیا اور فوری طور پر میری تلاش اور شناخت کے لیے پوسٹر بھی شائع نہیں کیے گئے۔ مجھے جیل کیمپ سے فرار ہوئے ڈیڑھ برس ہو چکے تھے کہ میری مطلوبہ تلاش کے سلسلے میں پہلا پوسٹر شائع ہوا۔

سان پیڈرو سے میرا جی اُکتایا تو مَیں ۱۹۴۵ء کے اواخر میں شمال کی طرف جانے والی ایک بس میں سوار ہو کر اس شہر سے نکل آیا۔



مئی ۱۹۴۷ء میں اوریگن میں بڑھئی کا کام کرتا تھا۔ اُنہی دنوں میرے ٹخنے میں زخم ہو گیا۔ علاج کے لیے دو دن

برن یونیورسٹی کے پروفیسر جناب کالا وُز رگاسٹر نے پاکستان کے شمالی علاقوں کا بارہا دورہ کیا ہے۔ اپنے دوروں میں انہوں نے قدیم بادشاہوں کی کہانیاں سُن کر صفحۂ قرطاس پر محفوظ کر لی ہیں جو صدیوں سے سینہ بہ سینہ چلی آ رہی ہیں مگر کسی نے انہیں تحریری شکل میں یکجا نہیں کیا تھا۔ پروفیسر سگاسٹر اور اُن کے بعض رُفقا یہ کہانیاں ٹیپ ریکارڈ بھی کر رہے ہیں۔ بعد میں یہ کتابی شکل میں شائع کی جائیں گی۔

(جرمنی نامہ۔ جنوری ۱۹۸۷ء)

ہسپتال رہنا پڑا۔ یہ دونوں دن میرے لیے بہت ہولناک اور لرزا دینے والے تھے۔ مَیں ڈرتا رہتا کہ ناروے کے ماہر پیٹر پیٹرسن کے نام سے ہسپتال میں اگر مَیں نے نیند میں جرمن زبان بولنی شروع کر دی تو کیا ہو گا۔ اس خیال سے مَیں اتنا پریشان ہوا کہ مَیں سارا وقت جاگتے رہنے کی کوشش کرتا۔ دوسری رات مَیں ہسپتال سے اجازت کے بغیر نکل کھڑا ہوا۔ ڈیڑھ دن سے مسلسل جاگنے کے بعد مَیں نیند پر قابو نہیں پا سکتا تھا۔

اوریگن سے مَیں نے فریسنو کا رُخ کیا۔ یہ ایک ہری بھری وادی ہے۔ یہاں میری ملاقات ارکنساس سے آنے والے ایک کنبے سے ہوئی جو فریسنو میں نئے سرے سے زندگی کا آغاز کر رہا تھا۔ خاندان کے سربراہ کا نام ڈینس وائلز تھا جو ایک لمبے قد کا کھردری جلد کا مالک اور دانتوں سے محروم تھا۔ اُس کی بیگم چھوٹے قد کی مضبوط سانولی خاتون تھی۔ اُن کے کئی بیٹے اور ایک اٹھارہ برس کی شرمیلی سی خوبصورت بیٹی تھی۔

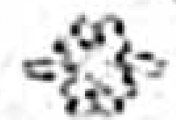
اُنہوں نے میری خدمات حاصل کر کے مجھے خاندان کا ایک فرد بنا لیا۔ کاشت کاری کے علاوہ اس خاندان کے بیسیوں ناشپاتی اور چیری کے باغات بھی تھے۔ خاصا

مصروف دن گزرتا تھا۔ انہوں نے مجھے ایک کمرے کا نصف حصہ دے دیا جسے کمبل لٹکا کر تقسیم کیا گیا تھا۔ میرے ماضی کے بارے میں کبھی کوئی سوال نہیں کیا۔ وہ مجھے اپنے بڑے بیٹے کی طرح سمجھتے تھے۔ اس کے باوجود میں گھبرایا رہتا کہ کسی لمحے میرا پول نہ کھل جائے۔ اس گھرانے میں مجھے بہت آرام اور سکون ملا۔ جب مجھے فراغت ہوتی تو میں مقامی لائبریری سے کتابیں لا کر مطالعہ شروع کر دیتا۔ ایک کتاب نے مجھے بہت کچھ سکھایا۔ یہ سٹینسلاوسکی کی کتاب تھی "اداکار کیسے بنا جاسکتا ہے۔" اس کتاب کے ذریعے میں نے سیکھا کہ میں کسی دوسرے نام اور شخصیت کو اپنا کر کس طرح زندہ رہ سکتا ہوں کہ میری حقیقت کسی پر واضح نہ ہو۔

فریسنو ہی میں میں نے سوچا کہ اب مجھے پیٹر ہیرسن کے نام اور شخصیت کو خیرباد کہہ دینا چاہیے۔ یہ نام اجنبی لگتا تھا، جبکہ میں امریکی قسم کا نام رکھنا اب ضروری سمجھتا تھا۔

میں نے کسی ایسے شخص کی زندگی اختیار کرنے کا فیصلہ کیا جس کی عادات و اطوار سے میں واقف تھا اور جس کا ماضی بھی میرے علم میں آچکا تھا۔ یہ شخص اس خاندان کا سربراہ ڈینس وائلز تھا جس نے مجھے خاندان کے ایک فرد کی حیثیت دی تھی۔

اپنے آپ کو ڈینس وائلز بنا کر میں نے اپنی زندگی کی ایک نئی کہانی ترتیب دی۔ ڈینس وائلز نیویارک میں پیدا ہوا۔ جب وہ بچہ ہی تھا تو اس کے والدین کار کے ایک المناک حادثے میں ہلاک ہو گئے۔ اس نے کونیکٹیکٹ کے ایک کیتھولک یتیم خانے میں تعلیم حاصل کی۔ جہاں تک فوجی لازمی ملازمت کا تعلق تھا، میں نے بحریہ کا انتخاب کیا، کیونکہ اس سے تعلق رکھنے والے اکثر گمنام سے رہتے ہیں۔ نیز میں نے یہ داستان بھی گھڑی کہ میں کبھی شادی شدہ تھا لیکن میری بیوی مر چکی ہے۔



فریسنو سے میں شاکٹن آیا اور پھر سان فرانسسکو جہاں میں سال بھر کے لگ بھگ رہا۔ ایک دن میں نے سان فرانسسکو چھوڑنے کا ارادہ کیا۔ بس میں سوار ہوا اور سیرا نوادا کے پہاڑی علاقے کا رخ کیا۔ بس میں میں کھڑکی سے باہر کا منظر دیکھتا رہا۔ شاہ بلوط کے درختوں پر برف جمی ہوئی تھی۔ مجھے یاد آیا کہ کبھی سکی اِنگ سے مجھے کتنی دلچسپی تھی۔ بس کوئی ایک سو میل کا فاصلہ طے کر کے ایک پہاڑی سروس اسٹیشن پر رکی تو مجھے معلوم ہوا کہ وہاں ایک نیا سکی اِنگ کھولا جا رہا ہے اور کام کرنے والوں کی ضرورت ہے۔ برف سے لدے درختوں کو دیکھ کر میں نے فوراً فیصلہ کر لیا۔ ڈرائیور سے میں نے کہا کہ میں یہاں اتروں گا۔ تین میل پیدل چل کر میں سکی اِنگ ریزورٹ پہنچ گیا۔ وہاں میری ملاقات ولہلم کاہمین سے ہوئی جو ۱۹۳۸ء میں آسٹریا چھوڑ کر امریکہ میں آباد ہوا تھا۔ اب وہ نورتھ کیلی فورنیا میں سکی اِنگ کا ایک اسکول بڑی کامیابی سے چلا رہا تھا۔ اُس نے میرا امتحان لیا اور آنے والے سیزن کے لیے مجھے ملازمت کی پیشکش کر دی۔

میں اُسے بے تکلفی میں بل کہنے لگا۔ بل نے میری زندگی میں اہم تبدیلیاں کیں۔ اُس سے میں نے امریکی طرزِ معاشرت سیکھی۔ اُس کی رہنمائی میں میں سکی اِنگ کا ماہر اُستاد بھی بن گیا۔ چونکہ سکی اِنگ کی تربیت پانے والوں کی اکثریت فرانسیسی، سوس، نارڈیمین، آسٹروی اور جرمن ہوتی ہے، اس لیے کوئی اُن کے لب و لہجے پر توجہ نہیں دیتا۔ میرے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا اور کسی نے میرے ماضی کے بارے میں کبھی سوال نہ کیا۔

ایف بی آئی نے مجھے ہنوز فراموش نہیں کیا تھا۔

اس وقت ایف بی آئی کا ڈائریکٹر جے ایڈگر ہوور تھا۔ اُس نے میری تلاش کا حکم جاری کیا۔ 'مطلوب ہے' کے پوسٹر جن پر میری تصویر چھپی ہوئی تھی امریکہ کے ہر پوسٹ آفس اور سرکاری دفاتر میں لگوا دیے گئے۔ یہ واقعہ فروری ۱۹۴۷ء کا ہے۔ ان پوسٹروں میں میرے بارے میں ضروری معلومات

بھی فراہم کی گئیں۔

ان پوسٹروں کی ترسیل کے بعد میرے بارے میں کہانیوں کا ایک سلسلہ اخبارات و جرائد میں شروع ہو گیا۔ کسی نے مجھے شمالی علاقوں میں ایک بوسیدہ اوورکوٹ پہنے دیکھا۔ کسی نے جنوبی امریکہ کے ایک شہر میں مجھے ریل کی پٹڑی پر کام کرتے مزدوروں میں موجود پایا۔ مارچ ۱۹۴۸ء کے "ملواکی جرنل" میں میرے بارے میں بتایا گیا کہ میں شراب کے نشے میں دُھت کئی شراب خانوں میں دیکھا گیا ہوں۔ ایف بی آئی کے درجنوں ایجنٹ میرے پیچھے لگے ہوئے ہیں لیکن میں ہر بار انہیں چکمہ دینے میں کامیاب ہو جاتا ہوں۔

میں سان فرانسسکو کے ایک کیفے ٹیریا میں کام کرتا تھا کہ اُس کے منیجر نے ایک دن مجھے کچھ فارم تھماتے ہوئے کہا کہ انہیں پُر کر دیجیے۔ ان فارموں پر حکومتِ امریکہ اور سوشل سیکورٹی کے الفاظ جلی حروف میں چھپے ہوئے تھے۔

میں ان فارموں کو لے کر اپنے چھوٹے سے رہائشی کمرے میں چلا آیا اور اُن کی خانہ پُری کرنے لگا۔ ڈینس واٹلز کا نام میں مستقل طور پر اپنا چکا تھا۔ اس کے حوالے سے جو میں نے کہانی تیار کی تھی اُس کے مطابق میں نے خانہ پُری کی۔ کانپتے ہوئے ہاتھوں سے میں نے وہ فارم منیجر کے سپرد کیے۔ کئی دنوں تک میں بہت پریشان رہا کہ جانے کیا ہو۔ چند دنوں کے بعد جب مجھے سرکاری طور پر سوشل سیکورٹی کارڈ جاری کر دیا گیا تو بے حد طمانیت ہوئی۔ بالآخر مجھے ایک حقیقی شناخت نامہ سوشل سیکورٹی کارڈ کے ذریعے مل گیا تھا جو بہرحال اصل شناختی کارڈ کا نعم البدل نہیں تھا۔

مجھے نہیں معلوم تھا کہ ایف بی آئی کے ایجنٹ واقعی بہت تندہی اور سرگرمی سے میری تلاش میں ہیں تاہم ہر وقت ایک بے چینی سی میرے دل میں موجود رہتی تھی۔

۱۹۴۹ء میں میں ایک ہوٹل میں ملازم تھا۔ میرے فرائض میں ہوٹل کی دیکھ بھال شامل تھی۔ ایک دن اچانک دو آدمی آئے اور مجھے کہا وہ علیحدگی میں مجھ سے کچھ پوچھنا چاہتے ہیں۔ ایک طرف لے جا کر انہوں نے بتایا وہ ایف بی آئی کے ایجنٹ ہیں اور شناختی کارڈ بھی دکھائے۔ انہیں دیکھتے ہی میری سٹی گم ہو گئی۔ کسی نہ کسی طرح میں نے اپنے آپ کو سنبھالا۔ وہ پوچھ رہے تھے کہ فلاں کمرے میں رہنے والی مسافر خاتون کے بارے میں میں کیا بتا سکتا ہوں۔ اُن کا خیال تھا کہ وہ پیشے کے لحاظ سے نرس تھی اور منشیات کے خفیہ دھندے میں ملوث تھی۔ میں نے بتایا میں اس سلسلے میں کچھ نہیں جانتا اور وہ خاتون بہت دن پہلے کمرہ چھوڑ کر جا چکی ہے۔ انہوں نے میرا شکریہ ادا کیا اور پوچھا کیا اُس کے جانے کے بعد کوئی دوسرا مسافر وہاں ٹھہرا ہے۔ میرا جواب نفی میں سن کر انہوں نے کمرہ دیکھنے کی خواہش ظاہر کی۔ میں نے انہیں کمرے کی چابی دے کر کہا کہ وہ کمرہ خود دیکھ لیں، مجھے ایک ضروری کام ہے۔

اُسی روز شام کو میں نے اپنا سامان پیک کیا اور کوئی وجہ بتائے بغیر ہوٹل کی ملازمت چھوڑ دی۔ میں جانتا تھا کہ ایف بی آئی کے ایجنٹ میری تلاش میں نہیں تھے۔ اس کے باوجود میں اتنا خوفزدہ تھا کہ وہاں رُکنے پر کسی طرح اپنے آپ کو آمادہ نہ کر سکا۔

۱۹۵۰ء میں میں ٹینس کی تربیت سے کچھ پیسے کمانے لگا۔ اُسی زمانے میں میں نے ہوپ لیکس کی فرم کے تیار کردہ دروازوں کے سیلز مین کی حیثیت سے بھی کام کیا۔ جب سکی اِنگ کا سیزن ہوتا تو میں سکی اِنگ کی تربیت کے کسی سکول سے منسلک ہو جاتا۔ دسمبر ۱۹۵۱ء میں میں سکی اِنگ کے انسٹرکٹر کی حیثیت سے سیرا کلب سے منسلک ہو گیا۔ اس تمام عرصے میں امریکی ڈاک خانوں اور سرکاری دفاتر میں میری تصویروں والے "مطلوب ہے" کے پوسٹر آویزاں رہے۔

۱۹۵۱ء نئے سال کے آغاز میں ریکارڈ برف باری ہوئی جو انتہائی غیر متوقع تھی۔ مسلسل چوبیس روز تک برفباری کا سلسلہ جاری رہا جس کے نتیجے میں راستے بند ہو گئے اور ہم باقی دُنیا سے کٹ گئے۔ ہم برف کے تیس فٹ نیچے رہتے

تھے اور ایک برفانی سرنگ میں بتی لیمپ جلا کر چلتے پھرتے تھے۔ ہم ایسی زندگی بسر کرتے ہوئے بڑے محظوظ ہو رہے تھے لیکن ایک دن ہمیں پتہ چلا کہ ایک ریل گاڑی بیس فٹ برف کے نیچے دب گئی ہے اور اس میں دو سو چھبیس مسافر اور ریل گاڑی کا عملہ سوار ہے۔ ہماری قیام گاہ سے پندرہ میل دُور برف میں دب جانے والی ریل گاڑی کے مسافروں کے پاس صرف ایک دن کی خوراک تھی۔ ایندھن بھی جلد ہی ختم ہونے کا اندیشہ تھا، جس کے نتیجے میں ریل گاڑی میں روشنی کا نظام معطل ہو جاتا اور مسافر سردی سے ٹھٹھر کر مر سکتے تھے۔

اس ریل گاڑی کے مسافروں کو بچانے کے لیے ہم ہر وہ چیز جس سے برف میں راستہ بنایا جا سکتا تھا استعمال میں لے آئے لیکن جلد ہی اندازہ ہو گیا کہ اس طرح راستہ بنانے میں کئی دن لگ جائیں گے۔ طے پایا کہ ایک ہراول ٹیم خوراک اور دوائیاں لے کر پہلے روانہ کی جائے۔ دس افراد پر مشتمل ایک ٹیم کا سربراہ بن کر میں سکی اٹنگ کرتا روانہ ہُوا۔ راستے میں ہم صرف اپنے تھرماسوں سے گرم گرم شوربا پینے کے لیے رُکتے اور پھر آگے بڑھنے لگتے۔ برف کے پہاڑ بنے ہوئے تھے۔ بہرحال ہم کسی نہ کسی طرح ریل گاڑی کو تلاش کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ اس میں ہمیں پورا ایک دن لگا۔ ہماری مسرت کی انتہا نہ رہی جب ہم نے دیکھا مسافر زندہ اور اچھی حالت میں ہیں۔ وہ ایک دوسرے کے ساتھ چمٹے ہوئے تھے۔ بستر کی چادریں، کمبل، ریل گاڑی کے پردے اور نشستوں کے اوپر چڑھا ہُوا چمڑہ تک اُتار کر اُنھوں نے اپنے آپ کو سردی سے محفوظ رکھنے کی کوشش کی تھی۔ جب ایندھن ختم ہُوا تو اُنھوں نے ریل گاڑی کے فالتو تختے وغیرہ جلا کر آگ جلائے رکھی۔

ہم نے اُنھیں دوائیاں اور خوراک فراہم کی۔ رات کے وقت جب میں وہاں سے روانہ ہُوا تو میری جیبیں سو سے زائد خطوط اور ٹیلی گراموں سے ٹھنسی ہوئی تھیں جو مسافروں نے میرے سپرد کیے تھے کہ میں کسی شہر جا کر اُنھیں پوسٹ کر سکوں۔

جب میں نیاٹنک پہنچا تو بیشتر لوگ قصبہ چھوڑ کر جا چکے تھے۔ یہاں ڈاک اور ٹیلی گرام روانہ کرنے کا کوئی انتظام نہ تھا۔ نیاٹنک میں مجھے اطلاع ملی کہ ایک ہزار رضا کاروں پر مشتمل ایک امدادی ٹیم ریل گاڑی کے مسافروں کے لیے روانہ ہو چکی ہے۔ میں نے فوراً وہاں سے نکل بھاگنے کا فیصلہ کر لیا۔ میں جانتا تھا کہ اس ٹیم کے ساتھ ٹیلی ویژن اور اخبار کے نمائندے بھی ہوں گے اور میں اُن کا سامنا کرنا نہیں چاہتا تھا۔

نیاٹنک سے میں دس میل کے فاصلے پر واقع قصبے بیکسٹر کی طرف روانہ ہُوا۔ یہاں میں نے وہ خطوط اور ٹیلی گرام پوسٹ ماسٹر کے سپرد کیے اور واپس سیرانوادا کی راہ لی، جہاں میرا استقبال میرے ساتھیوں نے ایک ہیرو کی حیثیت سے کیا۔ اس گرما گرمی اور ہنگامے میں مجھے معلوم ہی نہ ہُوا کہ میری کچھ تصویریں بھی کھینچ لی گئی ہیں۔ پہلے ایک تصویر مقامی اخبار میں شائع ہوئی۔ اس کے بعد شہرۂ آفاق 'لائف' میگزین میں میری تصاویر چھپیں..... "ڈینس واٹز جس نے رضا کارانہ طور پر اپنی زندگی خطرے میں ڈال کر برف میں دبی ٹرین کے مسافروں کو مدد فراہم کی تھی" میری حیرت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ بہرحال یہ سب تصویریں آؤٹ آف فوکس تھیں اور ان سے میں پہچانا نہیں جا رہا تھا۔ اس کے باوجود میں نے سیرانوادا سکی اٹنگ کلب چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا۔ کسی لمحے بھی مجھے شناخت کیا جا سکتا تھا۔

ایک مفرور کی زندگی کا المناک ترین پہلو یہ ہوتا ہے کہ جب وہ کہیں بھی جا کر زندگی گزارنے کے قابل ہوتا ہے تو کوئی واقعہ یا حادثہ ایسا رُونما ہوتا ہے کہ اُسے سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر وہاں سے بھاگنا پڑتا ہے۔

ایک برس مشہور امریکی جریدے "کولیئر" میں ایک مضمون شائع ہوا جس کا عنوان تھا "امریکیوں کو دھوکا دینا بہت آسان ہے۔" ایک جرمن جنگی قیدی نے جو ۱۹۴۳ء میں فرار ہوا تھا اپنی آپ بیتی رقم کی تھی۔ اُس کی کہانی میری کہانی سے ملتی جلتی تھی۔ اس آپ بیتی کے ساتھ ایک مختصر مضمون بھی شائع ہُوا تھا جسے پڑھ کر میں دنگ رہ گیا۔ اس میں بتایا گیا تھا کہ اس وقت پانچ جرمن قیدی مفرور ایسے ہیں جن کی تلاش ایف بی آئی کر رہی ہے۔ ان پانچ میں میں بھی شامل تھا۔

اس مضمون کے مطالعے کے کئی برس بعد مجھے اپنے چار مفرور ساتھیوں کے بارے میں معلومات حاصل ہوئیں۔ ان میں سے ہر شخص کی شناخت ہو چکی تھی۔ اُنھوں نے اپنے آپ کو خود حکومت کے حوالے کر دیا تھا یا وہ پکڑے گئے تھے اور اس وقت اُن میں سے دو کو امریکہ سے جلاوطن کیا جا چکا تھا اور دو کو امریکی شہریت دے دی گئی تھی۔

یُوں میں امریکہ میں اکیلا جرمن قیدی مفرور تھا جس کی تلاش میں ایف بی آئی سرگرداں تھی۔

۱۹۶۰ء میں میں ہیر سکی انگ کے ساتھ ساتھ ٹینس کی کوچنگ کر کے اپنے دن گزار رہا تھا لیکن میں بہت تھک گیا تھا۔ اپنے آپ کو بے حد تنہا اور اکیلا محسوس کرنے لگا تھا۔ آخر یہ کیا زندگی تھی؟ ہمہ وقت خوف، ایک جگہ ٹِک ہی نہ سکتا تھا۔ پھر یہ تنہائی .... بڑھتی ہوئی عمر کا احساس، غیر یقینی مستقبل کے اندیشے اور وسوسے۔ میں اپنی حقیقی شناخت کھو رہا تھا۔ میری اپنی ذات پر پردے پڑتے چلے جا رہے تھے۔

مئی ۱۹۶۴ء کی ایک شام میں تھکا ماندہ، جی بہلانے رقص کے لیے چلا گیا، جہاں میری ایک لمبی خوبصورت خاتون سے ملاقات ہوئی۔ اُس کے ساتھ رقص کرتے ہوئے مجھے یُوں محسوس ہُوا جیسے دل محبت کے نغمے گانے لگا ہو۔ اُس کا نام جین برگمین تھا۔ ہماری ملاقاتیں بڑھتیں۔ ہم اکثر راتوں کو اکٹھے کسی ہوٹل میں کھانا کھاتے۔ جین ایک انشورنس کمپنی میں منیجر تھی۔ وہ طلاق یافتہ خاتون تھی اور اُس کے دو بچے ڈگلس بارہ برس اور لین پندرہ برس کے تھے۔ مجھے چونکہ بچوں سے محبت ہے، اس لیے اُن سے مل کر مجھے بے حد خوشی ہوئی اور وہ بھی مجھ سے اپنائیت کا اظہار کرنے لگے۔ میں نے شادی کی پیش کش کی جسے جین نے قبول کر لیا۔ ہماری شادی خالص امریکی انداز میں یعنی ایک عدالت میں ہوئی۔ چند فارم پُر کیے گئے۔ سرکاری افسر نے ایجاب و قبول کروایا اور شادی ہو گئی۔

سان فرانسسکو کے قریب پالو آلٹو میں ہم نے ایک پرانا لکڑی کا مکان خریدا۔ جین کے دونوں بچے بھی آ گئے اور یوں میری خاندانی زندگی کا آغاز ہُوا۔ زندگی میں پہلی دفعہ حقیقی مسرتوں سے آشنا ہوئی۔ ہم میاں بیوی ایک دوسرے کے سچے دوست بن گئے۔ اس کے باوجود مجھ میں اتنا حوصلہ نہیں تھا کہ میں جین کو بتا سکتا کہ میں ایک مفرور جرمن جنگی قیدی ہُوں جس کی تلاش میں ایف بی آئی اب بھی سرگرداں ہے۔

میری محتاط عادتوں اور رویّے پر جین بعض اوقات چونک جاتی لیکن نظرانداز کر دیتی۔ اُس کی بیٹی لین جلد ہی مجھے ناپسند کرنے لگی۔ اُس نے اپنی مرضی سے شادی کی جو ناکام رہی۔ ہم نے اُسے گھر آنے کی دعوت دی لیکن وہ امریکہ

مصوری فوٹوگرافی نہیں ہے۔ بقول جدید فنکاروں کے وہ چاند ہی کیا جو چاند معلوم ہو۔ چاند عوام کو گول روپیہ معلوم ہوتا ہے۔ شاعر کو چوکور زردی اور مصوّر کو قرمزی مثلث۔ آخر نظر نظر ہے۔ بشر بشر ہے۔ فنکار کا پیمانہ ایرے غیرے کا فیتہ یا ریاضی کا فٹا نہیں۔ اس کا ترازو الگ، باٹ الگ۔ شاعرانہ صداقت اور مادی حقیقت کا ایک دوسرے سے کوئی علاقہ نہیں۔

(سات سمندر پار از بیگم اختر ریاض الدین احمد)

اور کینیڈا کی آوارہ گردی کے لیے نکل کھڑی ہوئی میرا سوتیلا بیٹا ڈوگلس اپنی دُنیا میں مگن رہنے والا نوجوان تھا میرے اور اُس کے درمیان کبھی اَن بن نہ ہوئی بلکہ ہمیشہ خوشگوار تعلقات رہے۔



۱۹۷۰ء میں مَیں نے ریوڈل مار میں ٹینس کے کوچ کی حیثیت سے معقول ملازمت حاصل کر لی۔ اس زمانے میں میں نے ایک کتابچہ "ٹوٹل ٹینس وِد ڈوٹینس" کے نام سے لکھا جو بےحد مقبول ہوا۔ اُس کی پشت پر میری تصویر بھی کوچنگ سنٹر والوں نے میری اجازت کے بغیر شائع کروا دی جس سے میں خاصا پریشان ہوا؛ تاہم اب مجھے ایک مفرور کی زندگی بسر کرتے پچیس برس ہو چکے تھے۔ مَیں اب پچاس برس کا تھا اور میری شکل و صورت میں نمایاں فرق آ چکا تھا؛ پھر مَیں نے ڈاڑھی بھی رکھ چھوڑی تھی۔

ایف بی آئی کو گزشتہ پچیس برسوں میں کوئی کامیابی حاصل نہ ہوئی تھی، مَیں آزاد تھا، اس کے باوجود میری تصویر والے 'مطلوب ہے' کے پوسٹر ہر ڈاک خانے میں چسپاں تھے۔

۱۹۷۱ء کے موسمِ بہار میں جب مَیں حسبِ معمول سہ پہر کے بعد جوگنگ کر رہا تھا تو میرا ایک ہم عمر شخص جوگنگ کرتے ہوئے مجھ سے گفتگو کرنے لگا۔ وہ ایک جرمن تھا جو امریکہ میں ایک تجارتی کانفرنس میں حصہ لینے ایک ماہ کے لیے آیا ہوا تھا۔ وہ مجھے بغور دیکھتے ہوئے کہنے لگا "میں دوسری جنگِ عظیم میں رومیل کی افریقی کورپس میں تھا اور مجھے یُوں لگ رہا ہے جیسے ہم دونوں شمالی افریقہ میں پہلے ضرور مل چکے ہیں۔"

اپنی حیرت اور سراسیمگی کو چھپانے کے لیے مَیں یُوں کھانس گیا جیسے سانس لینے کے لیے رُکا ہُوں۔ مَیں نے کہا "یہ آپ کی غلط فہمی ہوئی جبکہ مَیں کبھی شمالی افریقہ نہیں گیا۔" اس کے باوجود اُس کا اصرار جاری رہا اور وہ جرمنی میں باتیں کرنے لگا۔ مَیں نے اُسے جلدی سے خدا حافظ کہہ کر اپنا بازو چھڑایا اور اُسے پریشان اور حیرت زدہ چھوڑ کر آگے بڑھ گیا۔

مسلسل محنت اور کام نے تھکا دیا تھا۔ جین، میری بیوی نے سیر و تفریح کا پروگرام بنایا اور ہم دونوں سیاحوں کی طرح نکل کھڑے ہوئے۔ چند ماہ خوب تفریح رہی۔ مجھے ایک سرکاری ٹھیکہ ملا جو ایک فوجی اڈّے کے قریب بننے مکانات کی تعمیر کے لیے لکڑی فراہم کرنے کا تھا تو مَیں نے یہ ذمّے داری نباہنے سے انکار کر دیا۔ میں خوفزدہ تھا کہ فوجی اڈّے کے اندر مال بھجواتے اور آتے جاتے چیکنگ کے درمیان کوئی ایسی بات ہو سکتی ہے جو میرا راز فاش کر دے۔ جب جین کو علم ہوا کہ مَیں نے خود ہی ٹھیکہ لینے سے انکار کر دیا ہے تو وہ پہلی بار ناراض ہوئی۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ایسا منافع بخش ٹھیکہ مَیں نے کیوں چھوڑ دیا۔ کسی نہ کسی طرح اُسے قائل کرنے کی کوشش کی لیکن بات جین کے دل میں بیٹھ گئی۔

ایک دن جین گھر آئی تو اُس نے بروشروں کا ایک پلندہ اُٹھا رکھا تھا جو سب فجی کے بارے میں تھے۔ وہ عرصے سے فجی جانا چاہتی تھی اور مجھے بھی اُکسا رہی تھی۔ مَیں فجی کیسے جا سکتا تھا؟ اس کے لیے پاسپورٹ کی ضرورت تھی اور پاسپورٹ اُس وقت جاری کیا جاتا ہے جب شہریت کے حقوق حاصل ہوں اور شناختی کارڈ پیش کیا جائے۔ مَیں نے حیلے بہانے شروع کیے تو اُس کا اصرار بڑھتا گیا جو بتدریج خفگی میں تبدیل ہوتا چلا گیا اور وہ اکیلی ہی فجی چلی گئی۔ مَیں جانتا تھا کہ اب شک اور بےیقینی کا پودا جین کے دل میں پروان چڑھنے لگا ہے.....

مَیں باسٹھ برس کا ہو چکا تھا۔ ۱۹۸۲ء میں جین بھی ریٹائر ہونا چاہتی تھی، اس لیے سوشل سکیورٹی کے تحفظات کے لیے درخواست دینا چاہتی تھی۔ اس کے لیے پیدائش کے سرٹیفکیٹ کی ضرورت تھی اور میرے پاس یہ سرٹیفکیٹ کہاں تھا؟

اپنی گھڑی ہوئی کہانی کے مطابق مَیں نے اُسے بتایا کہ کونیکٹیکٹ کے یتیم خانے میں مَیں نے تعلیم پائی ہے۔ وہیں

سے پیدائش کا سرٹیفکیٹ مل سکتا ہے۔ جین نے مجھے بتائے بغیر یہ معاملہ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور ایک دن اُس نے مجھے یہ اطلاع دے کر بلا دیا کہ کونیکٹیکٹ میں کبھی کوئی کیتھولک یتیم خانہ نہیں رہا۔

میرے جھوٹ اب چھپائے نہ چھپ سکتے تھے....

مارچ ۱۹۸۷ء میں ایک دن ہم اپنے مستقبل پر باتیں کرتے ہوئے ایک دوسرے سے اُلجھ پڑے۔ وہ میرے بارے میں جاننا چاہتی تھی۔ میرے جھوٹ بولنے پر تلملا رہی تھی۔ جین کے چہرے پر نظر پڑی تو مجھے یوں لگا کہ میں نے جو گھر بسایا تھا وہ اب تباہ ہونے والا ہے۔ جین نے کوئی جواب نہ پاکر اپنا سامان سمیٹنا شروع کر دیا۔ وہ مجھے چھوڑ کر جا رہی تھی۔ ایک جھوٹے، مشکوک انسان کے ساتھ رہنا اُسے گوارا نہ تھا۔

بے اختیار میں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا.... اور پھر آنسوؤں، سسکیوں اور ہچکیوں کے درمیان میں نے اُسے سب کچھ بتا دیا... "میں ایک جرمن مفرور قیدی ہوں۔ ۴۲ برس سے ایف بی آئی میری تلاش میں ہے۔" وہ غور سے، حیرت سے سب کچھ سنتی رہی۔ جب میری کہانی ختم ہوئی تو اُس نے کہا:

"میں تمہارا ساتھ دوں گی۔"

دوسرے دن ہم نے اپنی شناخت کرائے بغیر کچھ قانونی مشورے حاصل کیے۔ میں ایک مفرور تھا، لیکن اَن گنت امریکی جنگی قیدی بھی تو جرمنی سے مفرور ہوئے تھے۔ میں نے کوئی قانون شکنی نہیں کی تھی اور باقاعدگی سے سرکاری ٹیکس ادا کیے تھے۔ اتنے برس گزر جانے کے بعد اب مجھے جلاوطن نہیں کیا جا سکتا تھا۔



اور پھر ہم نے ایک فیصلہ کیا۔

میں نے اپنی داستانِ حیات لکھنی شروع کی۔ طے پایا کہ جونہی یہ کتاب شائع ہوئی میں اپنے آپ کو ایف بی آئی کے حوالے کر دوں گا اس کے بعد جین میرے لیے چارہ جوئی کرے گی۔

اس دوران میں جب میں اپنی یہ آپ بیتی لکھ رہا تھا میں نے جین کے مشورے سے جرمنی میں ریڈ کراس سے رابطہ قائم کر کے اپنے عزیز و اقارب کے بارے میں معلومات فراہم کرنے کی درخواست کی۔ ایک ماہ بعد مجھے جواب ملا کہ میری بہن لوٹے اب بھی زندہ ہے اور اُس کی عمر پچپن برس کے لگ بھگ ہے۔ وہ مغربی جرمنی میں رہتی ہے۔ میں نے اپنی بہن کو خط لکھا جو مجھ سے پانچ ہزار میل دُور لگ بھگ چالیس برس سے یہ یقین کر چکی تھی کہ میں مر چکا ہوں۔

میرے خاندان کے سب افراد سوائے اس بہن کے فوت ہو چکے تھے۔ میری بہن نے مجھے خط میں لکھا:

"ہمارے والدین جب تک زندہ رہے یہی کہتے رہے تم زندہ.... خوش اور آزاد ہو۔"

ہاں میں واقعی زندہ تھا.... خوش تھا کہ جین جیسی [illegible] خاتون میری بیوی تھی۔



جارج گیرٹز المعروف ڈینس وائلز کی یہ کتاب جس روز شائع ہوئی اُس نے اپنے آپ کو امریکی حکام کے حوالے کر دیا۔ اُسے ضمانت پر مزید پوچھ گچھ اور سماعت کے لیے رہا کر دیا گیا۔ جنوری ۱۹۸۶ء میں اُسے امریکہ میں رہائش کے مستقل شہری کے حقوق دے دیے گئے۔ ●●



جو شخص خدا پر توکّل کرتا ہے، مغلوب نہیں ہوتا۔ اور جو خدا سے لَو لگاتا ہے اور اُس سے تمسک اختیار کرتا ہے، شکست کا منہ نہیں دیکھتا۔
(امام باقرؑ۔ بحارالانوار)

اُچھل پڑا۔ اوسرفی اپنی جگہ چپ چاپ بیٹھا سامنے کسی غیر مرئی شے کو گھور رہا تھا۔ اُس نے ہمیں ایک نظر دیکھنے کی بھی زحمت گوارا نہ کی۔ مَیں نے پوئرو سے کہا "کیا یہ مناسب نہ ہوگا کہ مسٹر اوسرفی کو ہتھکڑیاں پہنا دی جائیں؟ یہ بڑی مشکل سے ہاتھ آئے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ پھر غائب ہو جائیں۔"

پوئرو ہنس پڑا "نہیں نہیں ... ہتھکڑی کی ضرورت نہیں۔ مسٹر اوسرفی نے وعدہ کیا ہے کہ وہ دوبارہ غائب نہ ہوں گے۔"

پوئرو دوسری کار میں جا بیٹھا اور ایک بار پھر ہم شمال کی جانب چل پڑے۔ مجھے اس پر تعجب تھا کہ ہم لندن واپس نہیں جا رہے تھے۔ یکایک پولیس کار کی رفتار سُست پڑنے لگی۔ باہر اندھیرا بڑھ گیا تھا؛ تاہم مجھے یہ جاننے میں وقت نہ ہُوئی کہ ہم ہینڈن ایروڈروم کے نزدیک پہنچ گئے ہیں۔ معاً مجھے احساس ہُوا کہ ہرکول پوئرو ہوائی جہاز کے ذریعے فرانس جانے کا پروگرام بنا چکا ہے۔ بلاشبہ آئیڈیا بہت عمدہ تھا، لیکن میری نگاہ میں اس وقت قطعی بے سُود کر وقت نہ ہونے کے برابر تھا اور وزیرِاعظم کو تلاش کرنا باقی تھا۔ ہوائی جہاز میں سوار ہو کر فرانس جانے کے بجائے زیادہ بہتر یہ تھا کہ ایک ٹیلی گرام کے ذریعے فرانسیسی پولیس کو آگاہ کر دیا جاتا کہ اوسرفی مل گیا ہے اور اُس نے اب تک ضرور بتا دیا ہوگا کہ وزیرِاعظم کہاں ہے ... مگر ہرکول پوئرو خود فرانس جا کر وزیرِاعظم کو پیش کرنے کا اعزاز حاصل کرنا چاہتا ہے؛ حالانکہ ...

پولیس کار یک لخت رُک گئی اور میجر نارمن جلدی سے باہر نکلا۔ اس کی جگہ پولیس کے آدمی نے سنبھال لی۔ میجر نارمن چند لمحے پوئرو سے سرگوشیوں میں باتیں کرتا رہا اور پھر پیدل ہی ایک جانب چل دیا۔ اب مجھ میں صبر و ضبط کی تاب نہ رہی۔ مَیں پولیس کار سے باہر نکلا اور پوئرو کا بازو پکڑ کر دبے ہُوئے جوش سے کہنے لگا:

"مَیں تمہیں مبارک باد دیتا ہُوں ... تم نے اوسرفی کو ڈھونڈ نکالا ... اور یقیناً ان لوگوں نے تمہیں بتا دیا ہوگا کہ فرانس میں کس جگہ وزیرِاعظم کو چُھپایا گیا ہے ... مگر تم خود ہُوائی جہاز کے ذریعے فرانس کیوں جا رہے ہو؟ اس طرح وقت ضائع ہو گا ... فرانسیسی پولیس کو تار دے دو ... وہ لوگ خود وزیرِاعظم کو برآمد کر لیں گے۔"

پوئرو نے گہری سنجیدگی سے میری طرف دیکھا اور آہستہ سے کہا:

"میرے دوست! بدقسمتی سے کئی باتیں ایسی بھی ہوتی ہیں جو ٹیلی گرام کے ذریعے نہیں بھیجی جا سکتیں۔"

☆

ابھی مَیں پوئرو سے بحث کرنے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ سامنے سے میجر نارمن لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہماری طرف آتا دکھائی دیا۔ اس کے ساتھ فضائیہ کی وردی پہنے ایک نوجوان افسر بھی تھا۔ میجر نارمن نے اس کا تعارف کراتے ہُوئے کہا:

"یہ کیپٹن لائل ہیں اور یہ چند منٹ کے اندر اندر فرانس کی طرف پرواز کے لیے روانہ ہوں گے۔"

پوئرو نے اُس سے مصافحہ کیا۔ کیپٹن لائل نے کہا:

"جناب! فضا میں خاصی ٹھنڈ ہوگی اور مَیں دیکھتا ہُوں آپ گرم لباس بھی پہنے ہُوئے نہیں۔ مَیں ایک گرم کوٹ فراہم کر سکتا ہُوں۔"

لیکن پوئرو اس کی بات سے بے نیاز اپنی گھڑی میں دیکھ رہا تھا۔

"ابھی کچھ وقت باقی ہے ..."

پھر اس نے نظر اُٹھا کر نوجوان افسر کی طرف دیکھا اور گردن جُھکا کر حسبِ عادت انکساری سے کہا:

"آپ کا بیحد شکریہ ... شاید آپ خیال کر رہے ہیں کہ میں ہوائی جہاز میں سفر کرنے والا ہُوں! جی نہیں، مَیں وہ مسافر نہیں جسے آپ فرانس لے جا رہے ہیں ... وہ کوئی اور آدمی ہے اور اُن سے ابھی آپ کا تعارف کرایا جائے گا۔"

مَیں نے اپنے عقب میں قدموں کی آہٹ سُنی، مُڑ کر دیکھا ایک شخص باوقار انداز میں نپے تُلے قدم رکھتا ہُوا چلا آ رہا تھا۔ جب وہ نزدیک آیا تو مَیں نے پہچانا، یہ وہی دُوسرا شخص تھا جسے اُس مکان سے گرفتار کیا گیا تھا۔ دفعتہً پولیس کار کی ہیڈ لائٹس آنے والے کے چہرے پر پڑیں اور مَیں حیرت زدہ ہو کر ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔

وہ انگلستان کے گمشدہ وزیرِاعظم کے علاوہ اور کوئی نہ تھا۔

☆

مارشل کیو





نسیم اقبال



قد اور دبلے جسم کا آدمی سادہ لباس پہنے ہاتھ میں ایک خوبصورت بریف کیس سنبھالے ہوئے ملٹری ہیڈ کوارٹر کے ایریا میں داخل ہوا۔ اور بیرک نمبر سات کی طرف بڑھ گیا۔ بیرک نمبر سات جس اہمیت کی حامل تھی، اس کے تحت ۔۔ ایسی معمولی شخصیت کے آدمی کا گذر وہاں ممکن نہیں تھا خاردار تاروں کی باڑ کے ایک سمت بنی ہوئی اندرونی پوسٹ پر تعینات میجر ٹوڈ نے اسے روک لیا میجر ٹوڈ اپنے علاوہ دنیا کے ہر آدمی سے نفرت کرتا تھا۔ وہ فوجی ڈسپلن کی سختی سے پابندی کرتا تھا لیکن کسی ایسے آدمی کو معاف نہیں کر سکتا تھا جو عام حیثیت میں ہو۔ اور خاص طور سے ان لوگوں کو جن کے انداز سے لاپرواہی اور لاابالی پن ٹپکتا ہو۔

دبلے پتلے جسم کا دھندلائی ہوئی آنکھوں والا یہ شخص اسے بالکل پسند نہیں آیا۔ اور اس نے اندر قدم رکھتے ہوئے اس کے سینے پر اپنا چوڑا اور کھردرا ہاتھ رکھ دیا۔

"تم کون ہو۔ تمہیں یہ نہیں معلوم کہ کسی اہم جگہ داخلے کے لئے شناخت نامہ پہلے سے نکال لینے کی ضرورت ہوتی ہے۔" ٹوڈ نے ہونٹ سکوڑتے ہوئے کہا۔

"اوہ۔ سوری مسٹر ٹوڈ۔" دبلے پتلے شخص نے گردن ہلاتے ہوئے کہا لیکن اپنے سینے سے ٹوڈ کا ہاتھ نہ ہٹتے دیکھ کر اس نے ایک گہری سانس لی۔ "براہ کرم آپ مجھے شناخت نامہ نکال لینے کی مہلت دیں۔" اس نے اپنے سینے پر رکھے ہاتھ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔ لیکن پوسٹ ایریا سے پانچ فٹ پیچھے ہٹنے کے بعد۔ جبکہ تم ایریا میں داخل ہو چکے ہو۔" ٹوڈ نے دبلے پتلے آدمی کو تقریباً پانچ فٹ پیچھے ہٹانے کے لئے دھکا مارا..... لیکن ہوا اس سے مختلف۔ ٹوڈ نے اس کے سینے پر قوت صرف کی۔ اسے اپنے قوی ہیکل جسم پر ناز تھا لیکن ہوا یوں کہ اپنے ہاتھ کی قوت سے وہ خود ہی پانچ فٹ پیچھے سرک گیا دبلی پتلی چٹان یوں ہی کھڑی رہی تھی۔ ٹوڈ جیسے قوی ہیکل گینڈے نما کچے آدمی کا یہ حشر دیکھ کر اس کے ساتھیوں کے منہ حیرت سے کھل گئے۔ اور ٹوڈ کی آنکھیں غصے سے سرخ ہو گئیں۔ وہ خونخوار انداز میں آگے بڑھا۔ لیکن اس دوران دبلے پتلے آدمی نے اپنا شناختی کارڈ نکال لیا تھا۔ اس نے کارڈ کھول کر ٹوڈ کے سامنے پیش کرنے کی کوشش کی لیکن ٹوڈ کا فولادی ہاتھ بلند ہو گیا تھا اور ہوش درست کر دینے والا گھونسہ دبلے پتلے آدمی کی پیشانی کی طرف بڑھ رہا تھا۔ چنانچہ اس نے کارڈ دکھانے

کی کوشش ایک ساعت کے لئے ملتوی کر کے جسم کو تھوڑا سا ترچھا کیا اور ٹوڈ کا بازو پکڑ کر اسے فضا میں اچھالا اور زمین پر پھینک دیا۔ ٹوڈ بری طرح گرا تھا۔ تب دبلے پتلے آدمی نے قدم آگے بڑھائے اور گرے ہوئے ٹوڈ کے قریب بیٹھ کر اپنا کارڈ اس کے سامنے پیش کر دیا۔

غصے سے دیوانہ ہوتے ہوئے ٹوڈ نے اپنا پستول نکال لیا لیکن کارڈ کا سرخ رنگ اس کی آنکھوں میں لہرا گیا تھا۔ اور اس سرخ رنگ کے کارڈ پر ایک سیاہ لائن نمایاں دیکھ کر ٹوڈ کا پستول والا ہاتھ اٹھا رہ گیا۔ گستاپو کے اسپیشل آفیسر کے اختیارات بعض جگہوں پر کسی جنرل کی حیثیت بھی اختیار کر لیتے تھے۔

ٹوڈ نے اٹھنے میں بڑی پھرتی دکھائی تھی اور پھر اس کی ایڑیاں بج اٹھیں۔ اور اس کے ساتھی جنہوں نے میجر ٹوڈ کے ساتھ ہونے والے سلوک پر اسٹین گنیں تان لی تھیں، دم بخود رہ گئے۔

"تھینکیو مسٹر ٹوڈ"۔ لمبے قد والے آدمی نے خوش اخلاقی سے گردن خم کرتے ہوئے کہا۔ اور پھر برنپ اٹھا کر آگے بڑھ گیا۔ ٹوڈ اور اس کے ساتھی اسے دیکھتے رہ گئے تھے۔ لمبے قد کا آدمی بیرک کے دروازے سے اندر داخل ہو گیا۔ بیرک کے اندرونی ہال میں چند لوگ موجود تھے۔ یہ سب بھی سادہ لباس میں تھے۔ انہوں نے لمبے قد والے کو دیکھ کر گردنیں خم کیں، پھر سب نے اس سے مصافحہ کیا۔

"آپ کے آنے کے بعد ٹیم مکمل ہو گئی مسٹر گرنپ"۔

"ہاں۔ میں تمام شیروں کو دیکھ رہا ہوں"۔ لمبے قد والے گرنپ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"دیکھنا یہ ہے کہ جنرل پیگارلے کو ہماری کیا ضرورت پیش آ گئی"

"میں اس سلسلے میں تم لوگوں کو انتظار کی زحمت نہیں دوں گا دوستو"۔ بیرک کے اندرونی کمرے سے جنرل پیگارلے نے نکلتے ہوئے کہا اور وہ سب مؤدب ہو گئے۔

"ایریا نائنٹی نائن کو اس وقت ایک بہت بڑا مسئلہ درپیش ہے۔ یہ سیکٹر جس قدر اہم ہے اس کا اندازہ آپ لوگوں کو ہوگا، لیکن ہمارے لئے مارشل کیو ایک مسئلہ بن گیا ہے۔ وہ اتحادی سیکرٹ سروس کا کوئی فرد ہے کونسی نسل، اور کس۔ ملک سے تعلق رکھتا ہے، نہیں معلوم۔ خود میری رائے ہے کہ یہ کوئی ایک فرد نہیں ہے، بلکہ نازی صفوں میں انتشار پھیلانے کے لئے یہ نام منظر عام پر لایا گیا ہے اور اسے خوب پبلسٹی دی گئی ہے چنانچہ اس نام سے بہت سے ایجنٹ کام کر رہے ہیں ورنہ یہ بات ناممکن ہے کہ اس عریض سلسلے میں پھیلی ہوئی نازی فوجوں کے خلاف صرف ایک شخص اس کامیابی سے کام کر رہا ہو"۔

"مارشل کیو"۔ بہت سے لوگوں نے زیر لب کہا۔

"ہاں۔ مارشل کیو۔ ہمارے بہترین دماغ اتحادی ٹھکانوں پر ضربیں لگانے کے لئے بہترین پروگرام ترتیب دیتے ہیں ایسے پروگرام جن پر اگر اب تک کامیابی سے عمل ہو گیا ہوتا تو بہت بڑا اتحادی علاقہ ہمارے قبضے میں ہوتا۔ لیکن ہمارے تمام پروگرام بروقت ناکام بنائے جاتے ہیں۔ صاف ظاہر ہے کہ مارشل کیو کے ایجنٹ ہمارے اندر موجود ہیں۔ لیکن ان کا طریقہ کار۔ مجھے اعتراف ہے کہ اس طریقہ کار کے بارے میں ابھی تک نہیں معلوم ہو سکا۔ جن جگہوں پر پروگرام بنائے جاتے ہیں انہیں ہر طرح چیک کر لیا جاتا ہے۔ جن لوگوں کو اس پروگرام میں شامل کیا جاتا ہے وہ اتنے بھروسے کے ہوتے ہیں کہ ان کے بارے میں کوئی شبہ کرنا عظیم حماقت ہے لیکن اس کے باوجود پروگرام ناکام ہوتے ہیں۔ اور ہمیں سخت نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ چنانچہ میں نے ہائی کمان سے ..... درخواست کی اور ہائی کمان نے جواب میں فوراً ہی ...... اس مسئلے کو حل کرنے کے لئے گستاپو کے بہترین دماغ بھیج دیئے ہیں"۔ جنرل خاموش ہو گیا۔ ہال میں موجود تمام لوگ خاموشی سے کچھ سوچ رہے تھے۔

"ابتدائی اقدام کے طور پر میں نے بھی کچھ کوشش کی ہے، اور اپنی کارروائی میں آپ کے سپرد کرنے کو تیار ہوں"۔

"وہ کیا جنرل۔۔؟" ایک آفیسر نے پوچھا۔ اور جنرل پیگارلے نے ایک ہاتھ بلند کر دیا۔ دوسرے لمحے ایک افسر اندر داخل ہو گیا۔ اس نے ایڑیاں بجائیں اور بغل میں دبی ہوئی فائلیں جنرل کے سامنے ایک میز پر رکھ دیں۔ اس کے بعد وہ ایڑیاں بجا کر واپس چلا گیا۔ اس کے نکل جانے کے بعد جنرل نے ایک فائل اٹھائی۔ اسے کھولا اور پڑھنے لگا۔

"جیمز گرین۔ برٹش سیکرٹ سروس کا رکن۔ نوجوان۔ اعلیٰ کارکردگی کا مالک۔ چالاک پھرتیلا۔ غیر معمولی سیاہ آنکھوں کا مالک۔ ایشیائی خدوخال رکھنے والا۔ پھر اس نے دوسری فائل اٹھائی کرنل ساواترے۔ فرنچ ملٹری اکیڈمی کا سربراہ۔ عمر پچاس سال۔ اور پھر اس کے بارے میں تفصیل تھی۔ اس طرح اس نے چھ فائلوں میں موجود چھ افراد کے ریکارڈ پڑھ کر سنائے۔ اور پھر ایک گہری سانس لے کر آخری فائل بھی رکھ دی۔

"میرے خیال میں، یہ وہ لوگ ہیں جو خاصی اہمیت رکھتے ہیں ممکن ہے ان میں سے کوئی مارشل کیمو کے نام سے واقف ہو۔ اور کوئی اس کی شخصیت سے! کیا آپ ان لوگوں میں سے اس شخص کا انتخاب کرسکتے ہیں جو مارشل کیمو سے واقف ہو۔؟" جنرل نے بھنویں اٹھا کر انہیں دیکھا۔ تمام لوگ خاموش رہے۔ کسی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ تب جنرل نے کہا۔

"میں کہہ چکا ہوں۔ یہ میری کاوش ہے۔ یوں سمجھ لیں یہ میری طرف سے ایک تحفہ ہے جو آپ کی خدمت میں پیش ہے اگر ان میں کوئی کام کی شخصیت مل جاتی ہے تو ٹھیک ہے ورنہ آپ اپنے طور پر کام کے لئے آزاد ہوں گے۔"

"مناسب ہے جنرل ۔ لیکن کیا ان لوگوں کے ٹھکانے معلوم ہوسکے۔؟" گرین نے پوچھا۔

"ہاں۔ ہم نے کوشش کرکے ان سب کو گرفتار کرلیا ان میں سے ایک ایک آدمی کا انتخاب آپ لوگ کرلیں اور اسے حاصل کرلیں۔ اور پھر آپ ان سے اپنے طور پر معلومات کریں۔ ممکن ہے کوئی کام کا آدمی نکل آئے۔"

"یہ عمدہ بات ہے۔" گرین نے کہا۔ اور پھر ایک فائل اٹھاتے ہوئے بولا۔ "میجر بریک کو آپ میرے حوالے کردیں یہ غالباً برٹش ہے۔"

"ہاں۔" جنرل نے کہا اور دوسرے لوگ بھی اپنی پسند کی فائل منتخب کرنے لگے۔ تب جنرل نے گردن ہلائی اور ایک بار پھر اس نے ہاتھ بلند کردیا۔ چند ساعت کچھ نہیں ہوا۔ لیکن جنرل کا ہاتھ اٹھانا بے مقصد نہیں تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد زنجیروں کی کھنکھناہٹ سنائی دی۔ اور پھر ایک ایک کرکے چھ آدمی اندر داخل ہوگئے۔ ان کے پیروں میں بیڑیاں پڑی ہوئی تھیں۔ سب کے سب چہروں سے خطرناک نظر آتے تھے۔ وہ سب ایک لائن سے کھڑے ہوگئے۔

"آپ لوگ انہیں لے جاسکتے ہیں۔" جنرل ہیگالے نے گردن خم کرتے ہوئے کہا۔ اور پھر وہ الوداعی الفاظ کہہ کر باہر نکل گیا۔



بیرک نمبر اکیس کے خوبصورت ہال میں بہت بڑی میز پڑی ہوئی تھی۔ اس میز کے گرد صرف تین آدمی موجود تھے۔ پورے ہال میں تاریکی تھی۔ صرف میز کے اوپر روشنی تھی۔ گول میز کی ٹاپ ایک خاص قسم کے مصالحے کی بنی ہوئی تھی اور اس پر اس پورے علاقے کا نقشہ ترتیب دیا گیا تھا۔ نقشے میں علاقے پر مقبوضہ پوزیشن، خطرناک علاقے اور دوسرے شہری علاقوں کی مکمل تفصیل موجود تھی۔ جرمن اور اتحادی فوجوں کی اچھی اور خطرناک پوزیشن نمایاں کی گئی تھی اور تینوں افراد اس نقشے پر غور کر رہے تھے۔ ان کے نزدیک ایک میز پر جرمن جاسوسوں کی رپورٹیں موجود تھیں۔ جو اتحادی فوجوں میں گھسے ہوئے تھے اور ان کے بارے میں خبریں دے رہے تھے۔

کافی دیر تک پراسرار خاموشی چھائی رہی۔ کرسیوں پر بیٹھے لوگ بت معلوم ہو رہے تھے۔ تیز روشنی میں ان کے فکر مند چہرے چمک رہے تھے۔ پھر جنرل ہیگالے نے نزدیک رکھے سگار بکس سے ایک سگار اٹھایا۔ اس کا کونہ توڑ کر لائٹر سے اسے سلگانے لگا۔ اس کی تحریک سے بقیہ دونوں افراد بھی جاگ اٹھے اور انہوں نے گہری گہری سانسیں لیں۔

"سگار۔" جنرل ہیگالے نے سگار بکس ان دونوں کے سامنے کیا، اور انہوں نے بھی ایک ایک سگار اٹھالیا۔ کمرے میں سگار کا دھواں بھرنے لگا۔ "کیا خیال ہے کرنل زیکچو۔ آپ کسی بہتر نتیجے پر پہنچ سکے؟"

"میری ناقص رائے میں منصوبہ مکمل ہوچکا ہے۔" کرنل زیکچو نے بتایا۔

"اوہ۔ ویری گڈ۔ میں آپکے شاندار منصوبوں کی دل سے قدر کرتا ہوں۔ کاش اگر یہ منصوبے کامیاب ہوجاتے تو میرا خیال ہے ہم کہیں اور موجود ہوتے۔" جنرل ہیگالے نے کہا۔ "بہرحال آپ نے کیا سوچا ہے؟"

"ہم اپنے دوست کرنل میکاؤ سے بھی گفتگو کرلیں۔" کرنل زیکچو نے کہا۔ لیکن تاریکی کی وجہ سے وہ کرنل میکاؤ کو گہرے خیال سے چونکتے نہ دیکھ سکے تھے۔ پراسرار چہرے والا کرنل میکاؤ چمکتی آنکھوں سے ان دونوں کو دیکھنے لگا۔ پھر اس نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے کہا "میں بہرحال اپنے دوست زیکچو کی ذہانت کا قائل ہوں ان کے منصوبے بہتر ہوتے ہیں۔"

"اس کے باوجود ہم آپ کی رائے جاننا پسند کریں گے۔" ہیگالے نے زیر لب مسکراتے ہوئے کہا۔ لیکن اس کی پراسرار مسکراہٹ دونوں میں سے کوئی آدمی نہیں دیکھ سکا تھا۔

"بلاشبہ ہمارے جاسوسوں نے جو تازہ اطلاعات دی ہیں ان کے تحت اتحادی فوجوں نے ایک جنگی چال چلی ہے، وہ

نیکا کے چھپے ہوئے دروں سے داخل ہو کر دو طرف سے آ وونگ تک پہنچنا چاہتی ہیں۔ اگر انہوں نے ہمارے آ وونگ ایئر پورٹ پر قبضہ کر لیا تو وہ بہت بڑی فوجی کامیابی حاصل کر لیں گی اس کے بعد ان کے سرحدی شہروں پر ہمارے ہوائی حملے بند ہو جائیں گے اور اس دوران وہ ان شہروں کا دفاع مضبوط کر لیں گی۔ میرا دعویٰ ہے کہ اس کے بعد وہ آ وونگ کے اڈے کو کھلا چھوڑ دیں گی اور پیچھے ہٹ جائیں گی تاکہ اس ہوائی اڈے کو چارے کے طور پر استعمال کریں۔ اور یہاں سے پرواز کرنے والے جہازوں کو آسانی سے شکار کر لیا جائے۔ ایک دوسری صورت بھی ہو سکتی ہے وہ یہ کہ وہ اس ہوائی اڈہ کو ڈائنا مائٹ کر دیں، اور اس وقت تک انتظار کریں جب تک ہماری فوجیں دوبارہ اس حصے پر قبضہ کر کے وہاں سے اپنی کارروائی نہ شروع کر دیں۔ اور پھر ایک مخصوص وقت پر جب وہ مطمئن ہوں گے، پورے ہوائی اڈے اور اس علاقے کو اڑا دیا جائے۔"

پیگارلے کے چہرے پر ہنسی پھیل گئی۔ اس نے عجیب سی نگاہوں سے کرنل میکاؤ کو دیکھا۔ کسی اندرونی تردد کی وجہ سے اس کے چہرے پر بہت سے رنگ آ کر گزر گئے۔ کئی سیکنڈ خاموشی رہی پھر پیگارلے کی آواز ابھری۔

"جاسوسوں کی ان رپورٹوں سے آپ نے جو اندازہ قائم کیا ہے مسٹر میکاؤ۔ میں اسے دنیا کے ذہین ترین انسانوں کا منصوبہ قرار دے سکتا ہوں۔ اور اگر اپنی بدقسمتی سے اتحادیوں نے یہ منصوبہ نہیں بنایا ہے اور اس سے مختلف طور پر سوچا ہے تو درحقیقت یہ ان کی سب سے بڑی بدقسمتی ہے بہرحال جس مکمل طور سے آپ نے اس منصوبے کا خاکہ بنایا ہے وہ قابلِ داد ہے کیا خیال ہے مسٹر زیکو۔ کیا آپ کو مجھ سے اختلاف ہے۔؟"

"قطعی نہیں۔ ہاں میں اس بات کا اعتراف کرتا ہوں کہ اتحادیوں کی اس چال پر میں نے کبھی غور نہیں کیا تھا" کرنل زیکو نے حیرت زدہ لہجے میں کہا۔ "میں اس فکر میں تھا کہ ان لوگوں کی اس گہری چال کا سب سے گہرا نکتہ کیا ہو سکتا ہے"۔

"کرنل میکاؤ ہمارے لئے قیمتی سرمایہ ہے" پیگارلے نے کہا۔ اور کرنل میکاؤ کے ہونٹوں پر معنی خیز مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس کی آنکھیں سامنے بیٹھے ہوئے لوگوں کا مذاق اڑا رہی تھیں۔ لیکن تاریکی نے بہت سے راز چھپا لئے تھے۔

"اب آپ بتائیے مسٹر زیکو۔ آپ کا منصوبہ کیا ہے؟"

"نیکا کے پوشیدہ درے، جنہیں پہاڑیوں نے اس طرح ڈھک لیا ہے کہ انہیں سرنگ بھی کہا جا سکتا ہے" کرنل زیکو نے دونوں ہاتھ پیچھے کر کے اپنی پہیوں والی کرسی آگے بڑھائی اور پھر ایک سفید چھڑی دروں کے نشان پر رکھتے ہوئے بولا۔ "جہاں ــــ اتحادی فوجوں کی خفیہ کارروائی کا مسکن بن سکتے ہیں، وہیں وہ ہمارے کام بھی آ سکتے ہیں"۔

"دخل اندازی کی معافی چاہتا ہوں کرنل۔ میرا خیال ہے میں آپ کا منصوبہ سمجھ رہا ہوں، غالباً آپ سیکٹر فور کی چھاؤنی سے کام لینا چاہتے ہیں۔ یعنی جب اتحادی فوج دروں میں داخل ہو جائے تو سیکٹر فور حرکت میں آ جائے۔ اور انہیں دروں میں گھیر کر مار دیا جائے" کرنل میکاؤ نے کہا۔

اور کرنل زیکو دلچسپ نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔ "کیا آپ کے خیال میں یہ اقدام مناسب نہیں رہے گا؟"

"انتہائی شاندار۔ بلکہ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہو سکتا" جنرل پیگارلے نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا۔

"اگر مجھ سے اس سلسلے میں رائے لی جاتی تو میں بھی اس سے بہتر منصوبہ نہیں پیش کر سکتا تھا" کرنل میکاؤ نے کہا۔

"لیکن میری بدقسمتی ہے کہ میں اس پروگرام سے متفق نہیں ہوں" کرنل زیکو نے چمکدار آنکھوں سے انہیں دیکھتے ہوئے کہا، اور ایک دم خاموشی چھا گئی۔ کئی منٹ تک وہ خاموشی سے سوچتے رہے پھر جنرل پیگارلے نے آہستہ سے کہا۔

"کیا کوئی اس سے اچھا منصوبہ آپ کے ذہن میں ہے؟"

"میں اس منصوبے کو کبھی برا نہیں کہہ رہا۔ بس اس میں ایک خامی ہے"

"وہ کیا۔؟"

"کیا آپ کے خیال میں سیکٹر فور ــ اتحادی جاسوسوں سے خالی ہو گا۔ کیا آدمی کی نقل و حرکت اور خفیہ روانگی سے اتحادی جاسوس باخبر نہ ہوں گے۔ کیا وہ بروقت اپنی فوج کو اطلاع نہ دیں گے۔ ایسی شکل میں نہ صرف یہ کہ اتحادی طیارے سیکٹر فور کی آدمی کو راستے میں ہی پکڑ لیں گے بلکہ انہیں سیکٹر فور پر حملہ کر کے اس پر قبضہ کرنے کا اس سے بہتر موقع اور کوئی نہیں ملے گا" کرنل زیکو نے چمکدار آنکھوں سے دونوں افراد کو دیکھتے ہوئے کہا۔ اور جنرل پیگارلے کا منہ حیرت سے کھل گیا۔ کرنل میکاؤ بھی گہری گہری سانسیں لے رہا تھا

...کے بعد خوف کا سحر ٹوٹا اور جنرل پیگیالے نے کہا۔

" بلاشبہ یہ ایک خوفناک غلطی ہوتی جس کا ہمیں احساس نہیں تھا۔ ہم ایک عظیم نقصان سے بچانے پر تمہارا شکریہ ادا کرتے ہیں کرنل زیکو۔ اف وہ بیشک اس سے زیادہ خوفناک اور کوئی بات نہیں ہو سکتی تھی۔ اگر اتحادی فوجیں سیکٹر فور واپس لے لیں تو پھر انہیں ایک فاصلہ حل جاتا ہے۔ لیکن آپ کا اپنا پروگرام کیا ہے مسٹر زیکو۔ ؟"

" میں ان دروں کے اندر موجود محاذوں کی نشان دہی کرنا چاہتا ہوں۔" کرنل زیکو نے چھڑی سے نقشے پر دائرہ بناتے ہوئے کہا۔ " ہم سیکٹر فور کی چھاؤنی کو جنبش بھی نہیں دیں گے۔ ہماری کچھ فوجیں .... مختلف ٹکڑیوں میں بٹ جائیں گی۔ مثلاً پچاس پچاس افراد۔ سب سے پہلی ٹکڑی بہترین اسلحہ سے لیس ہو کر چلے گی۔ اور آگے تک بڑھ جائے گی نیکا کے دروں کے آخری حصے کے کسی غار میں یہ ٹکڑی چوکیداری کے فرائض انجام دے گی۔ دوسری ٹکڑی بھی اس کے بعد والے غار تک جائے گی۔ اور پھر اسی طرح یہ ٹکڑیاں پورے درے میں پھیل جائیں گی اور اتحادی فوجوں کا انتظار کریں گی۔ پھر جب اتحادی فوج درے میں داخل ہو جائے گی اور اس کا ہراول آخری غار تک پہنچ جائے گا تو یہ ٹکڑیاں غاروں سے نکل کر ٹوٹ پڑیں گی۔ میرا دعویٰ ہے کہ ایک بھی فوجی زندہ واپس نہیں جا سکے گا۔"

" تمہارا ثانی نہیں ہے کرنل زیکو۔" میکاؤ نے بےساختہ کہا۔ " بلاشبہ تمہارا ثانی نہیں ہے۔"

" شکریہ کرنل۔" کرنل زیکو نے مسکراتے ہوئے کہا۔

" میری طرف سے اس شاندار منصوبے پر مبارکباد قبول کرو۔" جنرل پیگیالے نے کہا۔ لیکن اس کے چہرے پر کسی قدر پریشانی کے آثار پیدا ہو گئے تھے۔ وہ سلگتی ہوئی نگاہوں سے کرنل زیکو اور کرنل میکاؤ کو دیکھ رہا تھا۔

" اس سلسلے میں اور کوئی حکم جنرل ؟" کرنل زیکو نے کہا۔

" نہیں۔ میں اس منصوبے کو مکمل قرار دیتا ہوں۔ کل سے اس پر کام شروع ہو جائے گا۔ میرا خیال ہے ہم پچاس پچاس فوجیوں کے دستوں کو اس طرح روانہ کریں کہ کسی کو نہ معلوم ہو کہ اسے کہاں تک جانا ہے اور کس سلسلہ میں جانا ہے ؟"

" یہ ضروری ہے جنرل۔ مارشل کیو کو ہم نظر انداز نہیں کر سکتے۔" کرنل زیکو نے تشویش سے کہا۔

" مارشل کیو۔" جنرل پیگیالے کے منہ سے ایک غراہٹ نکلی

"مارشل کیوے" میکاؤ ہونٹوں ہی ہونٹوں میں بڑبڑایا۔

اور اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی "میرا خیال ہے گستاپو کے بہترین دماغ اسے کھوج نکالیں گے۔ وہ کب تک پوشیدہ رہے گا"۔

"ہاں۔ اب وہ پوشیدہ نہ رہ سکے گا" جنرل پیکارے نے کہا۔ اور پھر وہ اپنی کرسی کھسکا کر کھڑا ہو گیا۔ کرنل میکاؤ نے بھی اس کی تقلید کی تھی لیکن کرنل زیکو ان دونوں کو دیکھ کر خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر رہ گیا تھا۔ پھر اس نے تھکے تھکے انداز میں اپنی پہیوں والی کرسی پیچھے کھسکائی اور بازوؤں کی قوت صرف کر کے اسے دھکیلنے لگا

کرنل میکاؤ نے ازراہ ہمدردی اس کی کرسی پشت سے سنبھال لی۔ اور اسے دھکیلتا ہوا باہری دروازے کی طرف بڑھ گیا جنرل بھی ساتھ آیا تھا۔ دروازے سے دس گز دور فوجی مستعد کھڑے تھے۔ ایک اسٹول پر ایک حسین لڑکی بیٹھی ہوئی تھی جس کے بھورے بال گھنگھریالے تھے اور آنکھیں گہری نیلی۔ پورے چہرے میں اسکے ہونٹ بے حد حسین تھے۔ اُبھرے اُبھرے، بھرپور ہونٹ۔ ان لوگوں کو دیکھتے ہی وہ کھڑی ہو گئی، اس نے آگے بڑھ کر کرنل زیکو کی کرسی سنبھال لی۔ "او کے جنرل۔ او کے کرنل میکاؤ" کرنل زیکو نے دونوں کی طرف ہاتھ لہرایا۔ اور لڑکی کرنل زیکو کی کرسی گھسیٹتی ہوئی چل پڑی۔

★

کیپٹن ہاربر نے گستاپو کے خوفناک نمائندے کی طرف سہمی ہوئی نگاہوں سے دیکھا۔ نہ جانے وہ کیا کرنا چاہتا تھا۔ کیپٹن ہاربر برٹش سیکرٹ سروس کا رکن تھا۔ نازی فوجوں میں گھس کر جاسوسی کر رہا تھا لیکن نہ جانے کس طرح اس کا راز فاش ہو گیا۔ ایک صبح جب وہ سائیکل پر سبزیاں لے کر جا رہا تھا، ایک فوجی جیپ نے اسے روک لیا۔ فوجیوں کو اس کے بارے میں بالکل صحیح اطلاعات مل چکی تھیں۔ چنانچہ انہوں نے سرسری طور پر اس کے بوسیدہ لباس کی تلاشی لی۔ اور پھر اسے اسٹین گنوں سے کور کر کے سبزیاں ٹٹولنے لگے۔ جب انہوں نے ایک مولی کو چاقو سے تراشا تو کیپٹن نے ایک گہری سانس لی۔ اب بچ نکلنا آسان نہ تھا۔ سبزیوں میں بم موجود تھے جنہیں تھوڑی دیر کے بعد برآمد کر لیا گیا۔ اور پھر وہ اس کے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال کر اسے لے آئے۔ اور یہاں اس نے اپنے ڈیپارٹمنٹ کے کچھ اور رکن بھی دیکھے۔ دوسرے ملکوں کے لوگ بھی پکڑے گئے تھے۔ یہ سب اپنے اپنے طور پر کام کر رہے تھے۔ کوئی ایک دوسرے سے واقف نہیں تھا لیکن نازی کتے ان سب سے واقف تھے۔

گستاپو کے تمام نمائندے اپنے اپنے شکار کو لیکر آ گئے تھے پوری رات انہیں الگ الگ بند رکھا گیا۔ لیکن دوسری صبح انہیں ایک ہی بیرک میں ناشتہ دیا گیا تھا۔ یہ بیرک بے حد طویل و عریض تھی، اور یہاں طرح طرح کے آلات لگے ہوئے تھے جن کے بارے میں ان ذہین لوگوں کو اندازہ لگانے میں دشواری نہیں پیش آئی کہ وہ تشدد کے آلات ہیں۔

اور اس وقت کیپٹن ہاربر کو ایک لوہے کے کراس نما شکنجے سے باندھا ہوا تھا۔ یہ بندش بہت سخت تھی، وہ جنبش بھی نہیں کر سکتا تھا، شکنجے میں بہت سے بٹن لگے ہوئے تھے۔ جو نہ جانے کس لئے تھے۔ دوسرے لوگوں کے ساتھ ان کے شکاریوں نے عجیب عجیب مضحکہ خیز حرکتیں کی تھیں۔ مثلاً ہاربر کے بالکل سامنے شیشے کا بہت بڑا ٹب رکھا ہوا تھا جس میں آدھے ٹب میں پانی بھرا ہوا تھا اور ٹب کی پوزیشن یہ تھی کہ اس کا ڈھکن بھی بند کیا جا سکتا تھا۔ میجر ہوپ اس ٹب میں بٹھایا ہوا تھا۔ نہ جانے کیوں ۔۔۔ اس کا شکاری اس کے سامنے اسٹول ڈالے بیٹھا تھا۔ بائیں طرف فرانسیسی میجر اودترے کی ایک ٹانگ ایک مشین سے باندھ دی گئی تھی، دوسری ٹانگ نیچے زمین میں گڑے ہوئے ایک کڑے سے مضبوطی کے ساتھ بندھی ہوئی تھی۔ اسی انداز کی دوسری خوفناک حرکتیں کی گئی تھیں۔ وہ لوگ بار بار گھڑی دیکھ رہے تھے۔ گویا کسی خاص وقت پر اپنا کام شروع کرنا چاہتے تھے۔

نازی گستاپو اذیت رسانی میں اپنی مثال آپ تھی۔ اس میں بڑے بڑے سنگدل لوگ تھے جن کا انسانیت سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ وہ جنگلوں میں آوارہ پھرنے والے درندوں سے بھی زیادہ خونخوار تھے۔ اور موقع ملنے پر انسانیت سے بہت دور ہٹ جاتے تھے۔ حالانکہ سب کے سب ذہین اور تعلیم یافتہ تھے۔ لیکن ان کی ذہانت غلط رخ اختیار کئے ہوئے تھی۔

سب سے پہلے فرانسیسی میجر اودترے کی باری آئی۔ یہ بھی نفسیاتی حربہ تھا۔ انہوں نے اپنے کام کے لئے الگ الگ وقت متعین کیا تھا، تاکہ سب ایک دوسرے کا حشر دیکھ لیں۔ اور اس سے عبرت حاصل کریں۔ چنانچہ اودترے پر تعینات افسر اپنی جگہ سے اٹھ گیا! اس نے اودترے کے قریب جا کر اس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔

"مسٹر اودترے۔۔۔" اس نے نرم آواز میں کہا اور ۔۔۔ اودترے اس کی شکل دیکھنے لگا۔ "تمہیں معلوم ہے ہمیں مارشل کیوکے بارے میں معلومات حاصل کرنی ہے کیا تم ہماری مدد کرو گے۔ سنو،

اس کے بارے میں تفصیل بتا دی تو تمہیں صرف ایک قیدی کی حیثیت سے نظر بند کر دیا جائے گا۔ اور اگر کبھی رہائی کی ضرورت پیش آئی تو رہا کر دیا جائے گا۔ لیکن دوسری شکل میں تمہیں قتل کرنے میں کوئی پس و پیش نہیں کیا جائے گا۔ ہاں تو میرے دوست جواب دو۔ کیا مارشل کیو فرانسیسی ہے؟"

"مجھے نہیں معلوم۔" اوترے نے بتایا۔

"اگر تمہیں نہیں معلوم تو تمہاری زندگی ہمارے کس کام آسکتی ہے کیوں؟ ہاں البتہ اگر تمہیں یاد آجائے تو ضرور بتا دینا۔" اس نے کہا اور مشین کا بٹن دبا دیا۔ اوترے کی بندھی ہوئی ٹانگ اوپر اٹھنے لگی مشین سے لٹکی ہوئی فولادی ڈوری اسے کھینچ رہی تھی۔ اوترے کی پیشانی پر پسینہ نمودار ہو گیا۔ اس کی ٹانگ بلند ہوتی جا رہی تھی۔

"نہیں۔ نہیں۔ یقین کرو۔ وہ فرانسیسی نہیں ہے میں نے، میں نے کبھی اس کا نام نہیں سنا۔ یقین کرو۔ آہ۔ یقین کرو۔ آآآہ۔ آآآہ۔ آآآآ۔" اوترے کی چیخیں طویل ہونے لگیں۔ اب اس کی ٹانگ گنجائش سے اونچی ہو گئی تھی، جبکہ دوسری ٹانگ اپنی جگہ بندھی ہوئی تھی۔ وہ اوندھا ہو گیا۔ "یقین کرو۔ سنگدل کتو۔ مجھے ۔۔۔ مجھے اس کے بارے میں ۔ ہا آآآ ۔" اوترے طاقت صرف کرنے لگا لیکن مشین کے سامنے اس کی طاقت بے سود تھی۔ اس کی ہڈیاں چٹخنے کی آوازیں گونجیں۔ اور خون کی پھوار پھوٹ پڑی۔ پھر گوشت ادھڑنے کی آواز سنائی دی۔ اوترے کی چیخیں مدھم پڑتی جا رہی تھیں اسکی دونوں ٹانگیں چر گئیں تھیں۔ اور پھر گردن کے پاس سے اس کا جسم الگ ہو گیا وہ دو حصوں میں تقسیم ہو گیا تھا۔ تب مشین کا بٹن بند کر دیا گیا۔ لٹکے ہوئے حصوں سے خون برابر ابل رہا تھا۔ اور وہ لوگ اپنے لباس کو گندہ ہونے سے بچا رہے تھے۔

"ٹو"۔ اچانک دوسری آواز گونجی۔ اور ٹب کے سامنے اسٹول پر بیٹھا ہوا شخص اٹھ گیا۔ اور میجر ہوپ کے سامنے پہنچ کر بولا "کیوں میجر ہوپ ۔۔۔ کیا مارشل کیو برطانوی باشندہ بھی نہیں ہے۔ کیا اسے برطانیہ میں تربیت نہیں دی گئی۔ کہہ دو کہہ دو تم بھی اس سے ناواقف ہو۔ مگر ٹھہرو۔ پہلے میں ٹب کا ڈھکنا بند کر دوں۔" اس نے ٹب کا ڈھکن بند کر دیا۔ چھت کے باریک سوراخوں سے آواز بھی اندر جا رہی تھی اور ہوا بھی۔ تاہم میجر ہوپ گہری گہری سانسیں لے رہا تھا۔

"ہاں میجر ہوپ ۔ اس کے بارے میں بتاؤ۔"

"میں جانتا ہوں۔ میں جانتا ہوں تم مجھے قتل کر دو گے تم صرف مجھے قتل کرنا چاہتے ہو۔ کر دو۔ جلدی کرو، سنو مجھے مارشل کیو کے بارے میں کچھ بھی نہیں معلوم۔ کچھ بھی نہیں معلوم۔" میجر ہوپ کی بھرائی ہوئی آواز ابھری۔

"اوہ۔ اوہ۔ سنا کرنل میگن۔ میرا شکار بھی موت چاہتا ہے۔ ٹھیک ہے۔ یہ لو۔ !" اس نے ایک چرخی گھما دی اور ٹب کے ایک پائپ سے ہوا خارج ہونے لگی۔ نہ جانے کیسی ہوا تھی میجر ہوپ کا جسم کانپنے لگا۔ اس نے دونوں ہاتھ جسم کے گرد لپیٹ لئے اس کے منہ سے گاڑھی گاڑھی بھاپ نکل رہی تھی۔ اور اس کا جسم سردی سے نیلا پڑتا جا رہا تھا۔ اس نے بے بسی سے دو تین بار گردن ادھر ادھر پٹخی اور پھر اس کی ناک اور کانوں سے خون نکل پڑا۔ لیکن چند لکیریں۔ اور خون بھی جم گیا۔ اور ۔۔۔ اب ٹب کا پانی بھی جمتا جا رہا تھا۔ چند منٹ کے بعد میجر ہوپ کی لاش برف میں جمی ہوئی تھی۔ اس کی آنکھیں خوف و دہشت سے پھٹی رہ گئی تھیں۔ تب وہی منحوس آواز ابھری۔

"تھری" اور تیسرا نمبر خود کیپٹن ہاربر کا تھا۔

"کیپٹن ہاربر" ہاربر کے سامنے بیٹھے ہوئے پتلے چہرے والے شخص نے مسکراتے ہوئے اسے دیکھا "کیا خیال ہے۔؟" اس نے ہاربر کے کان کے قریب ہونٹ کر کے کہا۔ اور ہاربر خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر رہ گیا۔

"کیا تم بھی اس سے واقف نہیں ہو۔" اس نے بدستور اسی انداز میں کہا۔ وہ ہاربر کے اتنے قریب جھک آیا تھا کہ ہاربر کے اور اس کے چہرے میں چند انچ کا فرق تھا، دوسرے لمحے ہاربر کے دانت کچکچائے اور سر کی بھرپور ٹکر اس کے چہرے پر دے ماری۔ سامنے کھڑے ہوئے شخص کی ناک کی ہڈی ٹوٹ گئی۔ اس کے سامنے والے دانتوں کی پوری لائن صاف ہو گئی اور وہ کربناک انداز میں چیخ پڑا۔ وہ دونوں ہاتھ چہرے پر رکھے بیٹھتا چلا گیا تھا۔ خود ہاربر کی پیشانی سخت زخمی ہو گئی تھی۔ اس کی آنکھوں میں تاریکی چھا گئی تھی۔ لیکن موت سے قبل اس اقدام پر وہ بہت خوش تھا۔ اس نے مارشل کیو کا نام سنا تھا لیکن مارشل کیو کے بارے میں اس کے فرشتے بھی کچھ نہیں جانتے تھے۔ اور جب وہ اسکے بارے میں کچھ نہیں جانتا تھا تو بتاتا کیا۔ چنانچہ اپنا حشر اسے معلوم تھا۔

ہال میں موجود تمام لوگ زخمی شخص کی طرف بڑھ گئے۔ باہر سے کچھ سپاہیوں کو بلایا گیا جو اسے لے کر باہر نکل گئے۔ شاید ہسپتال۔

ایک بھاری جسامت اور چھوٹے قد کا آدمی ہاربر کے سامنے آکھڑا ہوا۔

"میں نے اس کی جگہ سنبھال لی ہے۔ کیا تم مجھے اس کے بارے میں نہیں بتاؤ گے؟" اس نے ہونٹ بھینچ کر کہا۔

"قریب آؤ، تمہارے کان میں بتاؤں گا۔" ہاربر نے مضحکہ خیز انداز میں کہا۔ اور پستہ قد گردن ہلانے لگا! پھر اس نے سامنے لگی ہوئی مشین کا بٹن آن کر دیا۔ اور ہاربر کو اب معلوم ہوا کہ لوہے کا شکنجہ بجلی کے تاروں سے منسلک ہے۔ اس کے جسم میں کرنٹ دوڑنے لگا لیکن اس کی طاقت بہت کم تھی۔ ہاربر کے جسم کا خون آہستہ آہستہ جلنے لگا اور اس کے چہرے پر سخت اذیت کے آثار نمودار ہونے لگے۔

تب پستہ قد آدمی اس کے قریب چہرہ لے گیا۔ "ہاں۔ اب بتا دو۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ لیکن ہاربر کے جسم میں اب جنبش کرنے کی سکت کہاں رہ گئی تھی۔ اس کے ہونٹ آہستہ آہستہ ہلے۔

"کتے۔ ذلیل۔ کتے۔" اس کے منہ سے آواز نکلی، اور پستہ قد چونک پڑا۔

"اوہ۔ سوری۔ ابھی تمہارے پاس زبان کا ہتھیار موجود ہے۔ ٹھیک ہے مجھ سے غلطی ہوگئی۔" اس نے یکے بعد دیگرے دو بٹن دبائے اور ہاربر کے حلق سے دھاڑیں نکلنے لگیں۔ اس کے جسم سے دھواں نکلنے لگا تھا

"جلدی بتا دو۔ جلدی بتا دو۔ مارشل کیو کون ہے؟" پستہ قد نے کہا لیکن ہاربر کی کراہیں بھی مدھم پڑتی جا رہی تھیں۔ تب پستہ قد نے ایک گہری سانس لی اور آخری بٹن دبا دیا۔ ایک زوردار جھماکا ہوا اور ہاربر کا جسم کوئلے میں تبدیل ہوگیا۔ اس کے ساتھ ہی آواز ابھری ——

"نور —— !"

اور تھوڑی دیر کے بعد ہال میں صرف گرنپ کا شکار رہ گیا تھا۔ وہ ایک کرسی پر بیٹھا ہوا تھا اور گرنپ اس کے سامنے موجود تھا آخری آدمی کی موت کے بعد گرنپ اٹھا اور اس نے ایک گہری سانس لے کر میجر بریک کا بازو پکڑتے ہوئے کہا۔ "اب تمہاری باری ہے۔"

میجر بریک زندہ لاش نظر آرہا تھا۔ وہ خاموشی سے کھڑا ہوگیا

"ٹھیک ہے دوستو۔ میرے کام کرنے کا انداز ذرا مختلف ہے۔ اس لئے مجھے اجازت دو۔" اس نے میجر بریک کا بازو پکڑا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ ہال میں موجود لوگ اسے دیکھتے رہ گئے تھے۔

دبلے پتلے جسم کے مالک گرنپ نے اپنی رہائش گاہ پر پہنچ کر میجر بریک کو ایک کرسی پر بٹھا دیا۔ اور پھر چابی لے کر اس کے ہاتھوں کی ہتھکڑیاں کھول دیں۔ پھر اس نے ملازمہ کو آواز دے کر چائے لانے کے لئے کہا۔ اور جیب سے اعلیٰ درجے کے سگرٹ کا پیکٹ نکال کر اس میں سے ایک سگرٹ ہونٹوں سے لگایا اور پیکٹ میجر بریک کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔

"سگرٹ۔" اور بریک نے سگرٹ نکال لیا۔ گرنپ نے اس کا سگرٹ سلگایا۔ اور پھر اپنا سلگا کر گہرے گہرے کش لینے لگا

"میں جانتا ہوں تم بھی مارشل کیو کے بارے میں نہیں جانتے ہوگے۔"

"یہ۔ یہ درست ہے۔ میں نے صرف اس کا نام سنا ہے۔" میجر بریک نے جواب دیا۔

"مجھے یقین ہے۔" گرنپ نے گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ "ایسے لوگوں کے بارے میں عام لوگوں کو نہیں معلوم ہوتا۔ لیکن تم اس حد تک تو میری مدد کر سکتے ہو کہ اگر میں کچھ لوگوں کو تمہارے سامنے پیش کروں تو تم ان کے بارے میں اندازہ لگا سکو۔ میں جانتا ہوں کہ یہ کام تمہارے لئے تکلیف دہ ہے۔ لیکن تم کاروباری انداز میں سوچو۔ مارشل کیو اتنا کمزور نہ ہوگا کہ آسانی سے قابو میں آجائے۔ اور پھر یوں سوچو کہ اگر وہ قابو میں آبھی گیا تو تمہاری زندگی بچ جائے گی۔ زندہ رہ کر تم اپنے ملک کی زیادہ خدمت انجام دے سکو گے۔ یوں مرنے سے کیا فائدہ۔ تمہارے ذریعہ نہ سہی کسی دوسرے ذریعہ سے مارشل کیو روشنی میں آجائے گا۔ تم اپنی جان بچاؤ، اس کے بعد دوسروں کے بارے میں سوچنا۔"

میجر بریک گردن جھکا کر کچھ سوچنے لگا، پھر اس نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔ "میں تیار ہوں مسٹر گرنپ۔"

"شکریہ۔ مجھے تمہاری موت سے کوئی دلچسپی نہیں ہے شام کو میں تمہیں تین افراد کے سامنے پیش کروں گا، تم اپنے طور پر اندازہ لگانے کی کوشش کرنا۔ اور پھر واپس آکر مجھے بتا دینا۔ ہاں۔ میں ان لوگوں کے سامنے کوئی کہانی پیش کروں تو تم اس کی تائید کرو گے۔" گرنپ نے کہا اور میجر بریک نے گردن ہلا دی۔

چنانچہ اسی شام گرنپ میجر بریک کو لے کر جنرل ہیگیا کے سامنے پیش ہوا۔ اس نے نیلے رنگ کا ایک کارڈ جنرل کو پیش کیا اور بولا۔

"یہ کارڈ ہائی کمان سے براہ راست ایشو ہوا ہے جنرل۔ اس کے تحت مجھے کچھ گستاخیاں کرنے کی اجازت ہے۔" جنرل نے کارڈ دیکھا۔ اور خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر رہ گیا۔

"میں معلوم کرنا چاہتا ہوں جنرل، کہ اتحادی فوج کے

پلاننگ کی گئی اور ناکام ہوئی۔ اس پلاننگ میں کتنے افراد شامل ہیں؟ اور ان کے رینک کیا ہیں ۔۔؟"

"تقریباً ایک درجن افراد ۔ جن کی تعداد محدود کر دی گئی ہے اور اب صرف تین افراد ہیں" جنرل نے جواب دیا۔

"براہ کرم ۔ مجھے ان تمام لوگوں سے ملوا دیں ۔ ہاں تعداد کم کرنے کے بعد کوئی ایسا واقعہ ہوا ہے؟"

"نہیں"

"گڈ ۔ تب پہلے ان تمام لوگوں کو بلوا دیں جو شروع سے پلاننگ میں شریک تھے۔ میں چاہتا ہوں جنرل کہ یہ مسئلہ حل کر کے واپس جاؤں"

"میری بھی یہی خواہش ہے ۔" جنرل ہیگالے نے خشک سے انداز میں کہا۔ اور پھر اس نے اپنے اردلی کو بلا کر چند لوگوں کو بلوا بھیجا۔ تھوڑی دیر کے بعد تمام افراد ایک بڑے ہال میں جمع تھے۔

"معزز آفیسرز ۔ ہمارے قیدی نے مجھے ایک انوکھی کہانی سنائی ہے۔ میں آپ سب کو اس کہانی سے روشناس کرانا چاہتا ہوں، کیا مجھے اجازت ہے؟" گرنپ نے ایک ایک کا چہرہ دیکھتے ہوئے کہا، اور سب متوجہ ہو گئے۔

"اس کا کہنا ہے کہ یہ مارشل کیو کو پہچانتا ہے اور اس نے یہ بھی بتایا ہے کہ وہ ۔ ہمارے درمیان موجود ہے۔ اس نے دعویٰ کیا ہے کہ وہ اسے شناخت کرے گا۔ لیکن میں شرمندگی کے ساتھ کہتا ہوں کہ ابتداً آپ لوگوں سے ہو گی اس کے لئے میں جنرل کی اجازت لے چکا ہوں"۔

تمام لوگوں کے چہروں پر عجیب سے تاثرات پیدا ہو گئے سب ایک دوسرے کی طرف شبہ کی نگاہوں سے دیکھنے لگے۔ تب گرنپ نے کہا۔

"میں نے گستاخی کے لئے پہلے ہی معذرت کر لی ہے ۔ یہ ضروری ہے ۔ ہاں تو مجھے اجازت دی جائے۔ کیا میں اپنا کام شروع کر سکتا ہوں جنرل ۔۔؟" اور جنرل نے گردن ہلا دی۔ تب گرنپ نے میجر بریک کا بازو پکڑا اور ایک ایک کرسی کے سامنے سے گزرنے لگا۔ بلاشبہ بڑی ڈرامائی کیفیت پیدا ہو گئی تھی۔ بہت سے لوگوں کے چہرے اتر گئے تھے۔ گرنپ ایک ایک کے سامنے سے گزر رہا تھا۔ آخری آدمی جنرل ہیگالے تھا۔ گرنپ جنرل کے سامنے سے بھی گزرا اور پھر اس نے دونوں ہاتھوں سے تالی بجائی۔ "میں آپ لوگوں کا شکر گزار ہوں۔ بس یہی زحمت دینی تھی۔ اب مجھے اجازت دی جائے"۔

"لیکن آپ نے کیا فیصلہ کیا مسٹر گرنپ" جنرل ہیگالے نے کہا۔

"فیصلہ اس شخص نے کیا ہوگا جنرل۔ میں آپ کو بہت جلد رپورٹ دوں گا" گرنپ نے کہا اور پھر وہ میجر بریک کا بازو پکڑے ہوئے ہال کے دروازے سے باہر نکل گیا۔ پورے ہال میں سنسنی پھیلی ہوئی تھی۔

★

گستاپو کا خطرناک انسان گرنپ سنسنی پھیلا کر گہری نیند سو گیا۔ پورا ایک ہفتہ گزر چکا تھا۔ لیکن اس نے جنرل کو کوئی رپورٹ نہیں دی تھی۔ ایک آدھ بار جنرل نے اس سے معلوم بھی کیا لیکن اس نے جواب دیا کہ ابھی اس کا کام مکمل نہیں ہوا ہے جس وقت اس کا کام مکمل ہو جائے گا وہ رپورٹ پیش کرے گا۔

جنرل بذاتِ خود بھی مصروف تھا۔ اس نے نئے آپریشن کی تیاریاں مکمل کر لی تھیں۔ اور پھر ایک رات آپریشن شروع کر دیا گیا جرمن فوجیں اس درے سے گزر کر غاروں میں داخل ہو گئیں۔ جنرل ہیگالے ایک ایک لمحے کی رپورٹ موصول کر رہا تھا۔ نہ جانے اسکے اندرونی جذبات کیا تھے۔ لیکن دوسرے لوگوں پر اس کی کیفیت منکشف تھی وہ اس آپریشن کی کامیابی کا متمنی تھا۔ چوبیس گھنٹے سخت سنسنی میں گزرے دوسرا دن وہ تھا جب جرمن جاسوسوں کی رپورٹ کے مطابق اتحادی فوجیں دروں میں داخل ہونے والی تھیں۔ جنرل ہیگالے نے یہ چوبیس گھنٹے سخت پریشانی میں گزارے۔

اور پھر ۔ صبح کو ساڑھے چار بجے جنرل کو سیکٹر فور سے ایک بھیانک رپورٹ ملی۔ جس نے جنرل کے اوسان خطا کر دیئے۔ رپورٹ تھی کہ جرمن فوجیں غاروں میں چھپی ہوئی اتحادی فوجوں کا انتظار کر رہی تھیں کہ اچانک ٹھیک اس وقت جب توقع کے مطابق اتحادی فوجوں کو درے میں داخل ہونا چاہیئے تھا، اچانک غاروں میں خوفناک دھماکے ہونے لگے۔ یہ دھماکے اس قدر خوفناک اور اچانک تھے کہ جرمن فوجوں کو غاروں سے نکلنے کا موقع بھی نہیں مل سکا۔ پہاڑیاں فضا میں بلند ہو گئیں۔ اور پورا درہ جرمن فوجوں کا مقبرہ بن گیا۔ بمشکل تمام چند جرمن فوجی جان بچا کر سیکٹر فور پہنچ سکے جنہوں نے پوری کہانی سنائی۔

جنرل ہیگالے کا چہرہ اتر گیا۔ دوسرے لوگوں کی گردنیں بھی لٹک گئی تھیں۔ صاف ظاہر تھا کہ یہ راز بھی باہر پہنچ گیا ہے۔ لیکن کس طرح ۔ کیا مارشل کیو ان تینوں میں سے کوئی تھا۔ لیکن کون ۔؟ خود جنرل ہیگالے ۔ کرنل زیکو ۔ یا کرنل میکاؤ ۔ اور کوئی صورت نہیں تھی اس راز کے باہر پہنچنے کی۔

بہر حال اس بھیانک شکست نے سب کو ہراساں کر دیا تھا
سی شام جنرل پیکارلے نے گرنپ کو طلب کیا۔ اور گرنپ مسکراتا ہوا اس
کے سامنے پہنچ گیا۔

" آپ کب تک اپنا کام مکمل کر لیں گے مسٹر گرنپ۔ میرا
خیال ہے آپ کو کافی وقت مل گیا ہے۔"

" اگر میں کہوں جناب، کہ ابھی مجھے وقت لگے گا تو ؟"

" میں آپ کو مزید وقت نہیں دے سکتا مسٹر گرنپ۔ اگر آپ
ناکام ہو گئے تو اعتراف کریں میں ہائی کمان کو لکھ کر دوسرے آدمیوں کا
بندوبست کروں۔"

" میرے ساتھ دوسرے لوگ بھی آئے ہیں جنرل۔ آپ ان سے
بھی گفتگو کریں۔ لیکن خیر۔ میں آپ کو خوشخبری سنا دوں کہ میں کل
مارشل کیو کو گرفتار کر لوں گا۔ در اصل میرا کام طویل تھا۔ وہ شخص میری
خاص مدد نہیں کر سکا جس کا نام میجر بریک ہے۔ لیکن مجھے اس سے صرف
تھوڑی سی مدد درکار تھی جو میں نے حاصل کر لی۔ مثلاً ! میں نے یہ اعلان
کر کے کہ بریک مارشل کیو کو پہچان سکتا ہے، لوگوں کے ذہنوں میں ہیجان
پیدا کیا اور ان کے چہروں کا جائزہ لیا۔ بہت سے چہرے مشکوک اور خوفزدہ نظر
آئے لیکن کوئی نتیجہ اخذ نہ ہو سکا۔ تب میں انتظار کرتا رہا کہ کون شخص میجر
بریک پر حملہ کر کے اسے قتل کرنے کی کوشش، یا اس سے رابطہ قائم کرنے کی
کوشش کرتا ہے۔ لیکن مارشل کیو احمق نہیں ہے۔ یہ بھی نہیں ہوا۔ تب میں نے
ہائی کمان سے رابطہ قائم کر کے ان لوگوں کے حالاتِ زندگی طلب کئے جو
یہاں موجود ہیں اور جن پر میں شبہ کر سکتا ہوں۔ میری مطلوبہ رپورٹ مجھے
مل گئی ہے۔ اور میرا خیال ہے اب میں کسی نتیجے پر پہنچ گیا ہوں ــــ"
شیطان صفت گرنپ نے دلچسپ نگاہوں سے جنرل پیکارلے کی شکل
دیکھتے ہوئے کہا۔

" لیکن۔ لیکن مسٹر گرنپ۔ براہ کرم مجھے بتائیں تو سہی۔ آخر
آپ کو کس پر شبہ ہے ہم اس کے گرد حصار قائم کر لیں گے تاکہ وہ نکل کر نہ جانے
پائے۔ دوسری شکل میں جب اسے یہ احساس ہو جائے گا کہ اس کی شخصیت
شناخت کر لی گئی ہے تو وہ اپنے بچاؤ کی تیاریاں کرے گا۔" پیکارلے مضطربانہ
انداز میں بولا۔

" صرف چوبیس گھنٹے، آپ اطمینان رکھیں، میں نے اس
پر پوری نگاہ رکھی ہوئی ہے۔" گرنپ نے جواب دیا اور جنرل سلگتی ہوئی
نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔ اسے جرمن ہائی کمان کے قانون سے نفرت
ہونے لگی۔ صرف ایک نیلے کارڈ کے ذریعہ ایک معمولی انسان کو اس قدر
اختیارات دے دیئے گئے تھے کہ وہ جنرل کو بھی جواب دہ نہیں تھا۔

★

سوزی رینگ گو، جرمن نژاد تھی۔ وہ جرمن افواج میں شامل
ہو کر یہاں آئی تھی۔ اسے اپنی قوم کے گھناؤنے کارنامے معلوم تھے۔ اتحادی
ملکوں کے نہتے باشندوں پر وحشیانہ مظالم اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھے
تھے۔ لیکن اس کے باوجود وہ ایک رحمدل خاتون تھی۔ وحشیانہ مظالم پر اس کا
دل تڑپ اٹھتا تھا۔ دوسری جرمن عورتوں کی طرح وہ اتحادی نہتوں
پر مظالم سے خوش نہیں ہوتی تھی۔ لیکن وہ مجبور تھی، وہ سوچتی تھی جو کچھ
ہو رہا ہے وہی مناسب ہو گا۔ ورنہ اس کے ساتھی اس بربریت کا ثبوت
کیوں دیتے۔ بہر حال وہ اپنی قوم کی وفادار تھی اور رضاکارانہ طور پر فوج
میں شامل ہوئی تھی۔ اس نے نرسنگ کورس کیا تھا۔ ابتداء میں وہ ایک
ڈاکٹری یونٹ کے ساتھ کام کرتی رہی۔ پھر اسے ایڈوانس میں شامل کر لیا
گیا اور اس کے بعد اس کی ڈیوٹی کرنل زیکو پر لگا دی گئی۔

نوجوان کرنل غیر معمولی ذہانت کا مالک تھا۔ فوج میں شامل
ہونے کے صرف ایک سال کے بعد اس کی ٹانگیں ایک حادثے کا شکار
ہو گئی تھیں۔ اس کی دونوں ٹانگیں گھٹنوں کے پاس سے غائب تھیں تندرست
و توانا جسم، سرخ و سفید چہرہ، دلکش خدوخال، لیکن ٹانگوں سے معذور
اس انسان کی آنکھوں میں ہمیشہ ایک گمبھیر سی اداسی چھائی رہتی تھی۔
شاید اسے اپنی معذوری کا شدید احساس تھا۔ اگر وہ غیر معمولی ذہانت
کا مالک نہ ہوتا تو شاید فوج سے اسے کبھی کا جواب مل چکا ہوتا لیکن اس
کی شاندار ذہنی صلاحیتوں کو نظر انداز نہ کیا جا سکا۔ بہت سے جرمن پلان
اس کی وجہ سے کامیاب ہوئے۔ چنانچہ اسے اعزاز ملتے رہے اور وہ
کرنل کے عہدے تک پہنچ گیا۔ آج بھی اس کی وہی عزت وہی احترام تھا
اور اس کے پروگراموں کو شاندار اہمیت حاصل تھی۔ اگر پراسرار مارشل کیو
کی خوفناک سرگرمیاں نہ ہوتیں تو شاید کرنل زیکو کے پروگرام ایک بہت
بڑے علاقے پر جرمن فوجوں کو قبضہ دلا چکے ہوتے۔

لیکن مارشل کیو ــ وہ جرمن فوجوں کے لئے ایک مصیبت
بن گیا تھا۔ اور اب نئے حالات کے تحت اور مشکلات پیش آ گئی تھیں۔

سوزی رینگ نے کرنل زیکو کو دیکھا اسے یہ اداس اداس
نوجوان پسند آ گیا۔ اس کی معذوری پر سوزی کا دل تڑپ اٹھا کرنل
زیکو سوزی سے شرمایا شرمایا سا رہتا تھا۔ لیکن سوزی نے اپنی لازوال

تب سے اس کے دل سے محرومیوں کا احساس فنا کر دیا۔ اس نے کرنل زبچو کو سنبھال لیا تھا۔ اور اب کرنل کی اُداس آنکھوں میں خوشیاں تیرنے لگی تھیں۔

سوزی اس کی گاڑی دھکیلتی، اسے غسل کراتی، اس کے بال سنوارتی، اسے لباس پہناتی، جو کام کرنل خود نہیں کر سکتا تھا، وہ سوزی کرتی اور کرنل کو احساس بھی نہ ہوتا کہ وہ ٹانگوں سے معذور ہے سوزی نے اس کے بغیر ٹانگوں والے جسم سے کبھی نفرت نہیں کی تھی اور کرنل اس کا بے حد ممنون تھا۔ اکثر اس نے کہا تھا: "اب تو ایسا محسوس ہوتا ہے سوزی کہ اگر کبھی تم جدا ہو گئیں۔ تب مجھے اپنی معذوری کا احساس ہوگا، ورنہ مجھے میری دونوں ٹانگیں مل گئی ہیں۔"

"میں کبھی تم سے جدا نہ ہوں گی کرنل۔" سوزی کا جواب ہوتا اور زبچو اپنے بازو پھیلا دیتا۔ سوزی ان بازوؤں میں سمٹ جاتی اور کرنل اپنے خوش رنگ ہونٹ سوزی کے حسین ہونٹوں پر رکھ دیتا۔

آج بھی وہ کرنل کی گاڑی دھکیلتی ہوئی اندر لائی۔ کرنل کے چہرے پر گہرے غور و فکر کے آثار تھے۔ اندر آتے ہی اس نے قمیص کے بٹن کھول دیئے اور سوزی جلدی جلدی قمیص اتارنے میں اس کی مدد کرنے لگی۔

"میں غسل کروں گا سوزی۔" کرنل نے کہا۔

"ضرور کرنل۔" سوزی نے مستعدی سے کہا۔ اور پھر وہ کرنل کی گاڑی کو دھکیلتی ہوئی باتھ روم میں لے گئی۔ اس نے باتھ روم کا دروازہ کھولا۔ اور پھر گاڑی ایک جگہ کھڑی کر کے باتھنگ ٹب کے نزدیک پہنچ گئی۔ اس نے باتھنگ ٹب کا نل کھولا، ایک الماری سے بوتل نکالی اور اس کا سیال ٹب میں ٹپکانے لگی۔ چند قطرے سیال ٹپکانے کے بعد اس نے کرنل کے قریب پہنچ کر اس کی گاڑی دھکیلی اور ٹب کے نزدیک لے آئی۔ تب اس نے سہارا دے کر کرنل کو گاڑی سے اتارا۔ بغیر ٹانگوں کا یہ انسان واقعی قابل رحم تھا۔ بہرحال سوزی نے اس کا زیریں لباس بھی اتار دیا، اور اب کرنل کے جسم پر ایک باریک سا انڈرویئر رہ گیا۔ یہ انڈرویئر شرافت کے نشان کے طور پر ہمیشہ سوزی کے اور اس کے درمیان حائل رہا تھا۔ سوزی نے اسے ٹب میں لٹا دیا۔ اور پھر وہ کرنل کا نیا لباس لینے چلی گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ واپس آئی، اور نیا لباس ایک طرف ٹانگ کر کرنل کے نزدیک پہنچ گئی۔ اس نے ایک ایک کر کے اپنا لباس اتارا اور جب اس کے جسم پر برائے نام لباس رہ گیا تو وہ نرم اسفنج لے کر ٹب میں اتر گئی یہ بات غیر معمولی نہ تھی۔ کرنل کی خدمت کے لئے اس نے خود کو بھلا دیا

تھا۔ وہ اپنا عورت پن تک بھول گئی تھی۔ اس نے اسفنج لے کر کرنل کے جسم کو ملنا شروع کر دیا اور کرنل کی خوبصورت آنکھوں پر خمار چھانے لگا اس کی نگاہیں سوزی کے سڈول جسم پر پھسل رہی تھیں۔ اور جب سوزی پوری طرح اس کے جسم پر سوار ہو کر اس پر جھکی تو کرنل کے دونوں بازو اس کی کمر میں حمائل ہو گئے۔ سوزی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ اکثر ایسا ہوا تھا وہ جھکی اور اس نے کرنل کے ہونٹوں پر ہونٹ رکھ دیئے۔

"سوزی۔" کرنل نے بوسے سے فارغ ہو کر لرزتی آواز میں کہا

"ہوں"۔

"تمہاری یہ محبت کس قدر بے لوث ہے تمہیں کھو کر میں بہت کچھ کھو دوں گا سوزی"!

"کیوں کرنل۔ آپ مجھے کھونے کا ذکر کیوں کرتے ہیں۔؟"

"جنگ ایک نہ ایک دن ختم ہو جائے گی سوزی۔ اور پھر۔ پھر تم اپنے دوسرے فرائض میں مصروف ہو جاؤ گی۔ ظاہر ہے اس کے بعد ــ اس کے بعد۔ تم ایک فاتح قوم کی رکن ہو گی۔ لوگ تمہیں عزت سے سر پر بٹھائیں گے۔ بہت سے نوجوان تم سے شادی کے آرزو مند ہوں گے اس وقت ایک معذور انسان کی تمہاری نگاہوں میں کیا حیثیت ہو گی"۔

"میں آخری دم تک تمہارا ساتھ نہیں چھوڑوں گی کرنل

میرا وعدہ ہے"۔

"لیکن۔ لیکن میں۔ میں تمہیں کیا دے سکوں گا سوزی"۔

"مجھے کچھ نہیں چاہئے کرنل۔ کچھ نہیں چاہیئے"۔ سوزی نے کہا اور کرنل پریشان نگاہوں سے اسے دیکھنے لگا۔ اس کے چہرے پر بہت سے رنگ آ کر گزر گئے۔ وہ شدید کشمکش کا شکار تھا۔ لیکن آہستہ آہستہ اس کے چہرے پر سکون پھیل گیا۔ تب اس نے کہا۔

"نہیں سوزی، میں تمہاری زندگی کے لئے روگ نہیں بن سکتا۔ تم نے جو کچھ کیا اس کا میں شکر گذار ہوں۔ تمہیں کسی ایسے شخص سے شادی کرنا چاہئے جو تمہاری خدمت کرے۔ میرے ساتھ رہ کر تمہیں کیا مل جائے گا۔ میں خلوص دل سے کہہ رہا ہوں سوزی"۔ کرنل زیکو نے کہا۔

"ابھی جنگ ختم نہیں ہوئی کرنل۔ ہمیں ابھی سے ان الجھنوں میں نہیں پڑنا چاہئے، نہ جانے کون زندہ رہے کون مر جائے۔ فی الحال مجھے اپنے لئے رہنے دو۔ میں تمہیں چاہتی ہوں کرنل۔ میں تمہیں پسند کرتی ہوں"۔ سوزی ریگ نے اس کے بدن کو ملتے ہوئے کہا اور پھر اچانک اس نے ہاتھ روک کر کرنل زیکو کے مضبوط جسم کو دیکھا اس کی آنکھوں میں ایک انوکھا سوال ابھرا تھا۔ اسی وقت کرنل کی نگاہیں اس کی نگاہوں سے ٹکرائیں۔ اور اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"تمہارے اس خاموش سوال کو میں نے پڑھ لیا ہے سوزی میں تمہیں اس کا جواب ضرور دوں گا"۔ اس نے مسکراتے ہوئے کہا اور سوزی کے چہرے پر ایک شرمائی ہوئی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ تھوڑی دیر کے بعد کرنل زیکو ٹب سے نکل آیا۔ سوزی نے اسے لباس پہنایا اور پھر اس کی کرسی باہر نکال لائی۔ نرم تولئے سے اس کے بال خشک کر کے سوزی نے اس کے بال سنوارے۔ تب کرنل کی آواز ابھری۔

"سوزی۔ ذرا الماری سے میری ٹانگیں نکال لاؤ، براہ کرم"

اور سوزی چونک کر اسے دیکھنے لگی لیکن اس نے کوئی سوال نہیں کیا۔ وہ ایک طرف بڑھ گئی اور پھر اس نے الماری سے پلاسٹک کی دو ٹانگیں نکالیں یہ ٹانگیں کسی مضبوط مصالحے کی بنی ہوئی تھیں۔ ان پر انسانی رنگ کا چمڑا چڑھا ہوا تھا۔ اور بظاہر دیکھنے میں وہ انسانی ٹانگیں ہی معلوم ہوتی تھیں۔ ان کے جوڑوں میں لچک تھی۔ اور اوپری حصے میں فٹ ہونے کا سامان موجود تھا۔

پلاسٹک کی یہ ٹانگیں کرنل زیکو نے جرمنی میں ہی کسی فرم سے تیار کرائی تھیں۔ کبھی کبھی وہ ان ٹانگوں کو جسم سے جوڑ لیا کرتا تھا۔ شاید اس وقت جب وہ نفسیاتی طور پر الجھا ہوا ہوتا تھا، انہیں لگا کر وہ خود کو مطمئن محسوس کرتا تھا اور اپنی محرومی کو بھلانے کی کوشش کرتا تھا۔ کرنل زیکو نے سوزی کی مدد سے ٹانگیں اپنی کٹی ہوئی ٹانگوں کے حصوں پر فٹ کیں اور پھر گہری گہری سانسیں لیتے ہوئے سوزی کی طرف دیکھنے لگا۔

"مجھے اپنے جسم کی بدنمائی کا احساس ہے سوزی۔ شاید میں تمہارے علاوہ اور کسی کے سامنے اپنی بدنمائی کو عریاں نہ کر سکتا۔ لیکن اس وقت، میں تمہاری آنکھوں میں پیدا ہونے والے سوال کا جواب دے رہا ہوں۔ میں تمہیں مستقبل کی شکل دکھا رہا ہوں سوزی۔ مجھے دیکھو۔ مجھے پرکھو ممکن ہے۔ میں تمہارے قابل نکل آؤں"۔

اس نے ہاتھ آگے بڑھائے اور سوزی کو گرفت میں لے لیا سوزی نہ جانے کیوں مدہوش سی ہو گئی تھی۔ کرنل زیکو اسے دل سے پسند تھا اس نے کئی بار اس کے بارے میں مختلف انداز میں سوچا تھا اور کرنل کی شخصیت پر غور کر کے اس کے ذہن میں خلفشار پیدا ہو جاتا تھا۔ اس وقت کا تجربہ بھی انوکھا تھا۔ کرنل زیکو نے اسے مسہری پر گرا لیا۔ وہ بہت پر جوش تھا۔ اس نے سوزی کے ہونٹوں کو اپنے ہونٹوں کی گرفت میں لے لیا اور اس کے

ہاتھ سوزی کو لباس کی گرفت سے آزاد کرانے لگے۔

بلاشبہ یہ تجربہ انوکھا۔ عورت ہمیشہ مرد کی برتری کی خواہشمند ہوتی ہے۔ آج سے قبل سوزی نے اسے ایک معصوم بچہ سمجھا تھا ایک ننھا سا بہادر سا بچہ۔ بےبس۔ معذور۔ وہ اس کا لباس اتار کر، اس کے بال سنوار کر، اسے نیا لباس پہنا کر خوشی محسوس کرتی تھی ایک انوکھی خوشی، لیکن آج یہ بچہ اچانک نوجوان ہو گیا تھا۔ بالغ ہو گیا تھا۔ محبوب بن گیا تھا۔ اور وہ اس کی حرکتیں انوکھی محسوس کر رہی تھی اسے ان حرکتوں میں لطف آ رہا تھا۔

آہستہ آہستہ سوزی کا لباس اُتر گیا۔ کرنل زیکو کے کھردرے ہاتھ اس کے جذبات پر مضراب بن گئے۔ اس کی سانسیں بوجھل ہوتی گئیں اور چند ساعت کے بعد اس نے کرنل کو خود پر جھکا ہوا پایا۔ کون کہہ سکتا تھا کہ وہ ایک معذور انسان ہے۔ وہ تو ایک قوی ہیکل مرد تھا۔ ایک مکمل مرد۔ اور سوزی بے ربط انداز سے اس کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ لیکن چند لمحات کے بعد یہ سوچ بھی لذتوں کے بے کراں سمندر میں ڈوب گئی۔ اس کی آنکھیں بند ہو گئیں، ہونٹ خشک ہو گئے۔ اور چند لمحات کے بعد وہ بے سُدھ پڑی تھی۔ اسے کچھ ہوش نہ تھا کہ وہ کہاں ہے۔ کیا کر رہی ہے۔ ہاں کافی دیر کے بعد اسے ہوش آیا تو اس نے کرنل کو صوفے پر بیٹھے دیکھا۔ اس کے جسم پر پورا لباس موجود تھا۔

★

ہال کا دروازہ کھلا اور گرنپ مسکراتا ہوا اندر داخل ہو گیا جنرل پیگالے اور دوسرے آٹھ آدمی اندر موجود تھے۔ سب کے سب بے چین اور مضطرب نظر آ رہے تھے۔ گرنپ نے جنرل پیگالے کو پیغام دیا تھا کہ آج وہ مارشل کیو کو بے نقاب کر دے گا۔ اس کے لئے اس نے آٹھ آدمیوں کی فہرست دی تھی۔ جنہیں جنرل پیگالے نے انہیں طلب کر لیا تھا ہر شخص سنسنی محسوس کر رہا تھا۔ ہال سے باہر مسلح سنتری مستعد تھے انہیں پیگالے نے خاص ہدایات دی تھیں۔

گرنپ کے ہال میں داخل ہوتے ہی تمام چہروں پر سنسنی پھیل گئی۔ لمبے قد کے مریل سے لیکن پوشیدہ طور پر بے پناہ طاقت ور انسان نے اندر داخل ہو کر ڈرامائی انداز میں گردن خم کی، اور پھر ہال کے نیم تاریک ماحول پر ایک نگاہ ڈالی۔ پھر وہ دیوار کی طرف بڑھ گیا۔ اس نے ایک سوئچ آن کیا اور ہال میں تیز روشنی پھیل گئی۔ ہال میں بیٹھے ہوئے لوگوں کی آنکھیں چوندھیا گئیں تھیں۔ یہ طاقتور روشنی غالباً گرنپ نے ہی لگوائی تھی۔ اب ان سب کے چہروں کے تاثرات صاف نظر آ رہے تھے۔

"میں اپنے کام کے لئے تیار ہوں جنرل"، گرنپ نے کہا۔

"دیر نہ کرو۔ کافی ڈرامائی فضا پیدا ہو گئی ہے۔" جنرل نے غراتے ہوئے کہا۔

"میں آپ کو بتا چکا ہوں جنرل، مارشل کیو دراصل ہم میں سے ایک ہے اور یہی آسانی اسے سہولتیں مہیا کرتی ہے۔ اسے ہیڈ کوارٹر کے تمام راز معلوم ہوتے رہتے ہیں جنہیں وہ پراسرار طریقے سے اتحادی ہیڈ کوارٹر کو پہنچا دیتا ہے اور اس کے نتیجے میں اب تک ہم ناقابل برداشت نقصان اٹھا چکے ہیں۔ میں نے تمام رپورٹوں کا تجزیہ کیا اور پھر ان میں سے لوگوں کا انتخاب کرنے لگا۔ ہمارے آخری منصوبے کی ناکامی نے میری مدد کی، اور صرف تین آدمیوں کو روشنی میں لایا۔ مجھے اجازت دیں جنرل کہ میں ان کے نام پیش کر دوں۔"

"اجازت ہے"، جنرل نے غصے سے دانت پیستے ہوئے کہا۔ اسے گرنپ کی یہ بکواس بہت بُری لگ رہی تھی۔

"ان تین آدمیوں کے نام ہیں۔ جنرل پیگالے، کرنل زیکو اور کرنل میکاؤ۔" گرنپ نے مسکراتے ہوئے کرنل میکاؤ کی طرف دیکھا اور کرنل میکاؤ کا چہرہ تن گیا۔ اس کی آنکھوں میں عجیب سے تاثرات ابھر آئے اس نے پہلو بدلا، اور چاروں طرف دیکھنے لگا۔

"تو جنرل پیگالے، میں نے تینوں حضرات کے متعلق ہائی کمان سے گفتگو کی اور ان تینوں کے حالاتِ زندگی طلب کئے۔ تینوں اچھی حیثیت اور مضبوط پوزیشن کے مالک تھے۔ لیکن میں نے ان میں چور تلاش کر ہی لیا میں نے اندازہ لگا ہی لیا کہ جرمنی کا کون باشندہ فرانس، برطانیہ یا امریکہ کا وفادار ہے......؟"

گرنپ نے اپنا پستول نکال لیا اور اس کا رُخ چھت کی طرف کرتے ہوئے بولا۔ "ان میں ایک شخص ہے جنرل، جس کا باپ جرمن، لیکن ماں فرنچ ہے۔ اس شخص کے مہم جو باپ نے کسی مہم کے دوران اس فرنچ عورت کو حاصل کیا اور اس سے شادی کر لی لیکن فرنچ عورت مشتبہ کردار کی حامل تھی۔ اس لئے اس کے باپ نے اسے قتل کر دیا۔ اس وقت جبکہ وہ ایک بچے کی ماں تھی۔" گرنپ نے پستول کا رُخ کرنل زیکو کی طرف کر دیا۔ اور بولا۔ "اور وہ شخص آپ ہیں کرنل زیکو ——— براہ کرم اپنے دونوں ہاتھ میز پر رکھ دیں۔"

بال میں گویا بم پھٹا تھا۔ تمام لوگ پھٹی پھٹی نگاہوں سے معذور کرنل زیکو کو دیکھ رہے تھے۔ کرنل زیکو نے خاموشی سے دونوں ہاتھ میز پر رکھ دیئے۔ اس کے چہرے پر ایک پراسرار سکون رقصاں تھا۔

"کیا میری معلومات غلط ہیں کرنل زیکو۔۔۔؟" گرنب نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔ "کیا آپ مارشل کیو نہیں ہیں۔۔۔؟ کیا آپ ہی اتحادی فوجوں کو خود اپنے بنائے ہوئے بہترین پروگراموں سے آگاہ نہیں کرتے رہے ہیں۔ کیا آپ کی ماں فرنچ نہیں تھی؟"

"تمہاری معلومات قابل داد ہیں مسٹر گرنب! یہ درست کہہ رہا ہے جنرل" کرنل زیکو نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اس کے اس پرسکون اعتراف نے ماحول کو اور سنسنی بخش دی تھی۔

"تم۔۔۔ تم کرنل زیکو۔۔۔!" جنرل پیکاڑے کے منہ سے بدحواسی کے عالم میں نکلا۔

"ہاں جنرل، عرصہ دراز تک میں نے دوہری شخصیت گزاری ہے۔ دراصل میں فیصلہ نہیں کر سکا تھا کہ کون سی شخصیت اختیار کروں میرا باپ جرمن تھا اور ماں فرنچ۔ لیکن اس وقت وہ قوموں کا مسئلہ نہیں تھا۔ مجھے اپنی مظلوم ماں سے بھی ہمدردی تھی اور ظالم باپ سے بھی محبت تھی۔ لیکن ماں کی موت کے بعد باپ نے میرے ساتھ برا سلوک نہیں کیا تھا۔ پھر جب میں فوج میں آیا تو مخلص تھا۔ ماں پر ہونے والے مظالم بھول گیا تھا۔ مجھے عہدے دیئے گئے۔ اور میں نے پورے خلوص کے ساتھ جرمنوں کے لئے کام کیا۔ لیکن۔۔۔ ایک دفعہ۔۔۔ کچھ فرنچ قیدی لائے گئے، جن میں عورتیں بھی تھیں۔ ان قیدیوں کے ساتھ ہونے والے سلوک کو میں نے دیکھا تو مجھے اپنی ماں یاد آگئی اور اس وقت سے میرا ذہن پلٹ گیا۔ ان لوگوں کے مظالم دیکھ کر مجھے احساس ہوا کہ غلطی میرے باپ کی ہی تھی۔ جرمن فطرتاً ظالم ہوتے ہیں۔ چنانچہ میں نے اپنی ماں کا انتقام لینے کا فیصلہ کیا۔ میں ایک معذور انسان ہوں جنرل۔ آپ کو علم ہے کہ میری دونوں ٹانگیں کٹی ہوئی ہیں۔ لیکن میرے ایک پوشیدہ فن کے بارے میں کسی کو نہیں معلوم۔ بہرحال میں نے اپنے ارادے کو پختہ کر کے اتحادی جاسوسوں سے رابطہ قائم کیا۔ اور انہیں اپنی ذہنی کیفیت بتا کر ان کی مدد کرنے کی خواہش ظاہر کی اور اس کے بعد کے حالات آپ کے علم میں ہیں جنرل۔ میں نے شاندار منصوبے ترتیب دیئے اور اتحادی دانشوروں کو ان کی پوری تفصیل معلوم ہوتی رہی۔ وہ انہیں کراس کرتے رہے" کرنل زیکو نے تفصیل بتائی۔ سب حیرت سے بت بنے ہوئے تھے سب کے چہروں پر کرنل زیکو کے لئے نفرت کے جذبات تھے۔

"لیکن۔ انہیں اطلاعات کن ذرائع سے ملتی رہیں" چند منٹ کے بعد کرنل پیکاڑے نے پوچھا۔

"میرے پاس ایک خفیہ ٹرانسمیٹر ہے جو میرے جسم کے ایک حصے میں آپریشن کر کے رکھ دیا گیا ہے۔ مجھے کوئی پیغام دینے کی ضرورت نہیں پیش آتی۔ وہ میرے اور آپ کے درمیان ہونے والی گفتگو ریسیور پر سنتے رہتے ہیں۔ اور اس کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ مثلاً اس وقت کی گفتگو۔۔۔ ان کے لئے کافی قیمتی ثابت ہو سکتی ہے۔ کیا آپ کے خیال میں وہ میری طرف سے غافل ہوں گے۔۔۔؟"

"لیکن تمہارا ان لوگوں سے رابطہ کیسے قائم ہوا۔۔۔؟ تم کب اور کہاں ان سے ملے۔ تم معذور ہو"۔ جنرل پیکاڑے نے بتایا۔

"میں نے آپ کو ایک خفیہ فن کے بارے میں بتایا تھا کیا میں اس کا مظاہرہ کر سکتا ہوں۔۔۔؟" کرنل زیکو نے پوچھا۔ اسے کوئی جواب نہیں ملا تھا۔ لیکن جواب کا انتظار کئے بغیر اس نے اپنی کرسی چھوڑ دی اور فوراً کرنل زیکو۔۔۔ کھڑا ہو گیا۔ اس کے پیروں سے پلاسٹک کی ٹانگیں بندھی ہوئی تھیں۔

تمام لوگوں کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں خود گرنب بھی حیران کھڑا تھا، لیکن بات کھڑے ہو جانے تک ہی محدود نہیں تھی، اچانک زیکو نے چھلانگ لگائی اور میز پر چڑھ گیا۔ گرنب نے چونک کر پستول سیدھا کر لیا تھا۔

"میں صرف اپنے فن کا مظاہرہ کر رہا ہوں جنرل۔ میں نہ صرف ان ٹانگوں سے کھڑا ہو سکتا ہوں، بلکہ میں کسی تیز رفتار گھوڑے سے زیادہ تیز دوڑ سکتا ہوں۔ اس کے علاوہ۔ اس نے جھک کر اپنی مصنوعی ٹانگوں میں سے ایک کو ٹٹولا اور پھر سیدھا کھڑا ہو گیا۔ اس کے علاوہ بھی یہ ٹانگیں کچھ خصوصیات کی حامل ہیں، یہ مجھے فرار ہونے میں مدد دیں گی۔ میں جانتا ہوں میرے دوستوں نے میرے لئے مکمل بندوبست کر لیا ہو گا۔ اس لئے۔ اچانک کرنل زیکو نے کوئی چیز فضا میں اچھال دی چشم زدن میں ایک دھماکہ ہوا اور اتنا زبردست سیاہ دھواں پھیلا کہ وہ لوگ اس کے بارے میں سوچ بھی نہ سکے۔ دوسرے لمحے گرنب کے منہ پر ایک زوردار ٹھوکر پڑی اور وہ چیخ کر الٹ گیا۔ تب ہی جنرل کی آواز ابھری۔ "خبردار۔۔۔ گولی مت چلانا"

اور پھر اچانک باہر بہت سے خوفناک دھماکے سنائی

گئے۔ اور گولیاں چلنے کی آوازیں سنائی دیں۔ مسلح سنتری پاگلوں کی طرح منہ پھاڑے کرنل زیکو کو دیکھ رہے تھے جو معذور تھا۔ لیکن جو انتہائی تیز رفتاری سے دوڑ رہا تھا۔ پورے کیمپ میں خوفناک دھماکے ہو رہے تھے۔ اور کرنل زیکو ایک خاص سمت دوڑ رہا تھا۔ یہاں تک کہ وہ خاردار تاروں کی باڑ پھلانگ کر ایک پہاڑی کو بان کے قریب پہنچ گیا۔ کہ ان کے دوسری طرف ایک بند ٹرک کھڑا ہوا تھا۔ ٹرک پر بہت سے جوان موجود تھے۔ کرنل زیکو کو ٹرک میں گھسیٹ لیا گیا، اور ٹرک اسٹارٹ ہو کر چل پڑا۔

جرمن فوجی گولیاں چلاتے ہوئے دوڑ رہے تھے۔ لیکن پھر ٹرک کی آہنی خول سے بہت سی نالیں باہر نکل آئیں اور مشین گنوں کی آوازیں گونج اٹھیں۔ فوجیوں کی پیش قدمی رک گئی۔

اندر ٹرک میں کرنل زیکو سوزی ریگ کے منہ میں ٹھنسا ہوا کپڑا نکال رہا تھا اور پھر اس نے سوزی کے ہاتھ اور پاؤں بھی کھول دیئے۔

"ہاں سوزی۔ تم نے مجھے ایک مکمل مرد کی حیثیت سے پسند کر لیا ہے۔ میں خواہ کوئی بھی ہوں۔ تمہاری محبت سے متاثر ہوا ہوں۔ تم نے میرے دل سے محرومیوں کا احساس مٹا دیا ہے۔ شاید تمہیں معلوم نہ ہو۔ میری ماں فرنچ تھی سوزی اور باپ جرمن۔ لیکن جرمن بہت ظالم ہوتے ہیں۔ تو باپ کی طرف سے میں خود کو جرمن ہی سمجھتا ہوں لیکن ظالموں سے اپنے رشتے میں بہت پہلے منقطع کر چکا ہوں۔ اور اب میں خود کو فرنچ کہلانے میں فخر محسوس کرتا ہوں۔ تم دیکھو گی سوزی۔ فرنچ مرد جرمن مردوں کے مقابلے میں زیادہ رحمدل اور فراخ دل ہوتے ہیں میں تمہاری محبت کی قدر کروں گا۔ میں تم سے شادی کر لوں گا اور پھر میں تمہیں اپنا اور اپنے باپ کا فرق سمجھاؤں گا! ابھی تھوڑی دیر کے بعد ہم ایک پوشیدہ رستے سے فرانسیسی آزاد علاقے میں داخل ہو جائیں گے اور جیسے ہی ہم یہ علاقہ عبور کریں گے فرنچ ملیٹری ہیڈ کوارٹر تباہی پھیلا دیں گے۔ یہ میرا آخری پلان تھا۔ میرا مطلب ہے مارشل کیو کا پلان"۔

"مارشل کیو؟" سوزی ریگ نے متحیرانہ انداز میں کہا۔

"ہاں۔ مارشل کیو" کرنل زیکو نے مسکراتے ہوئے کہا۔

اور سوزی نے آنکھیں بند کر لیں۔ اسکے چہرے پر عجیب سے تاثرات پھیل گئے تھے۔

"کیا سوچ رہی ہو سوزی۔ کیا تم میرے ساتھ آ کر خوش نہیں ہو۔ میرے دوست کتنی محنت سے تمہیں نکال کر لائے میں



قبرص کے ایک یونانی علاقے میں ایک روز بہت سویرے خطرے کا سائرن بجنے لگا۔ اور سائرن بجا تو ہر یونانی سر پر پاؤں رکھ کر پناہ گاہوں کی طرف بھاگا۔ پورے علاقہ میں شور مچ گیا کہ ترکوں کا ہوائی حملہ شروع ہو گیا جب کافی دیر ہو گئی اور کوئی حملہ وملہ نہ ہوا تو سائرن کو جا کر چیک کیا گیا معلوم ہوا کہ ایک موٹا تازہ چوہا سائرن کی مشین میں گھسا بیٹھا ہے اور وہ اس بٹن پر بیٹھا ہوا تھا جس کے دبنے سے سائرن بجتا ہے۔

(شیریں عارف۔ لانڈھی کراچی)



مجھے احساس ہو گیا تھا سوزی کہ چالاک گرپ حقیقت کی تہہ تک ضرور پہنچ جائے گا۔ چنانچہ میں نے اپنا پروگرام ترتیب دے لیا تھا میں کسی قیمت پر تمہیں یہاں نہیں چھوڑنا چاہتا تھا" کرنل زیکو نے جھک کر سوزی کو آغوش میں لے لیا۔

لیکن۔ وہ سوزی کے ہاتھ کی جنبش نہیں محسوس کر سکا تھا نہ ہی اس سپاہی کو اپنے خنجر کی چوری کا احساس ہوا تھا۔ ان لوگوں کو تو اس وقت پتہ چلا جب کرنل زیکو کے حلق سے ایک کربناک چیخ نکل گئی سوزی کے ہاتھ میں دبا ہوا خنجر اس کے دل میں اتر گیا تھا اس کی آنکھیں اذیت سے بند ہو گئی تھیں۔ پھر اس کے منہ سے لرزتی ہوئی آواز نکلی۔

"آہ۔ جرمن عورتیں بھی مردوں ہی کی طرح ظالم ہوتی ہیں۔ آہ۔ آہ۔ سوزی۔ تم۔ تم۔" اور اس کے منہ سے خون کا فوارہ نکل پڑا اور آنکھیں پھیل گئیں۔

فوری طور پر ٹرک میں بیٹھے ہوئے ایک سپاہی نے سوزی ریگ کے سینے میں سنگین بھونک دی تھی۔




موت کے ساتھی



نسیم اقبال کا



برطانوی طیاروں نے برلن پر تباہی نازل کر رکھی تھی۔ جتنا زبردست نقصان نازیوں کو اٹھانا پڑا تھا، اس کے پیش نگاہ تو ان کے چھکے چھوٹ جانے چاہئیں تھے، لیکن نازیوں میں پسپائی کے آثار نظر نہیں آ رہے تھے، اور جی ٹو کا پلاننگ ڈیپارٹمنٹ شب و روز یہ معلوم کرنے کے لیے کوشاں تھا کہ جرمنوں کی اس قدر مضبوطی کی وجہ کیا ہے۔

اتحادی جاسوس دن رات خبریں دے رہے تھے اور پلاننگ ڈیپارٹمنٹ ان خبروں کو مرتب کر کے آگے پہنچا رہا تھا۔ بہرحال جاسوسوں کی رپورٹ سے اتحادی جرنیلوں نے جو نتیجہ اخذ کیا وہ یہ تھا کہ نازی سیگفرڈ لائن جیسے نادر روزگار حصار میں محفوظ ہو کر جنگی قوت حاصل کر رہے ہیں، اور برطانوی طیاروں کی خوفناک بمباری سے ہونے والی تباہی کے باوجود اس حصار میں پوشیدہ رہ کر وہ جنگ کو اتنا طول دینے میں کامیاب ہو جائیں گے کہ کوئی انتہائی تباہ کن ہتھیار تیار کر لیں۔ ممکن ہے اٹم بم، یا اس سے بھی زیادہ خوفناک ہتھیار۔

اور اس کے بعد کیا ہوگا، اس کا اندازہ اتحادی بخوبی لگا سکتے تھے۔

جاسوسوں نے سیگفرڈ لائن کے بارے میں جو رپورٹیں دی تھیں ان کے تحت جنگی ماہرین کا اندازہ تھا کہ سیگفرڈ لائن سخت کٹھن مسئلہ ہے اور اسے توڑنا کسی حد تک ناممکن عمل۔ لیکن جب ۱۴ مارچ ۱۹۴۵ء کو اتحادی فوجیں یہاں پہنچیں تو اس مضبوط اور تقریباً ناقابل تسخیر حصار کو دیکھ کر دنگ رہ گئیں کہ یہ اس حد تک مضبوط ہوگا، اس کا انہیں اندازہ نہیں تھا۔ سیگفرڈ لائن ایک ہزار گز سے لے کر بیس میل لمبے زمین دوز قلعے کی حیثیت رکھتی تھی۔ خفیہ مورچوں کی دیواریں چھ فٹ موٹی اور مضبوط ترین کنکریٹ پر مشتمل تھیں جس کو سوراخوں سے رائفل مین فائرنگ کرتے تھے۔ وہ موٹی آرمر پلیٹ سے ڈھکے ہوئے تھے طاقتور ہینڈ گرنیڈ وغیرہ ان پر بے اثر تھے۔ چھوٹے چھوٹے سینکڑوں چبوتروں پر ایک سو پانچ ملی میٹر کی لاتعداد ٹینک شکن توپیں نصب تھیں اور انہیں کنکریٹ

کے مضبوط مورچوں میں چھپا یا گیا تھا، اس کے علاوہ بردہ کا گنیں اور آگے پیچھے ہولناک بارودی سرنگیں بچھی ہوئی تھیں۔

سیگفرڈ لائن کے گیریژن میں ایک بھی نجربے کار سپاہی نہیں تھا۔ اس کے دفاع پر جرمنی کی ففتھ پینزر آرمی متعین تھی۔ روسی محاذ پر بے پناہ کارنامے انجام دینے والی فوج، جس نے اتحادیوں سے اتنا خوفناک مقابلہ کیا تھا کہ اتحادی اسے کبھی نہیں بھول سکتے تھے۔ ہٹلر کو اس فوج پر بے پناہ اعتماد تھا اور وہ سمجھتا تھا کہ اتحادیوں کا قبرستان تیار کرنے کے لئے یہ فوج کافی ہے۔

لیکن سیگفرڈ لائن کو دیکھ کر اتحادی بھی سوچ میں ڈوب گئے تھے بہت سی تجاویز سامنے لائی گئیں۔ بالآخر فیصلہ ہوا کہ اس پر بھاری توپ خانے اور ہوائی فوج کی مدد سے بھرپور حملہ کیا جائے اور اس کے لئے سیگفرڈ لائن کے ایک نسبتاً کمزور حصے کو منتخب کیا گیا۔ یہاں یہ دفاعی لائن صرف ایک ہزار گز چوڑی تھی۔

بائیس گھنٹے تک اتحادی توپ خانہ ایک لمبی پٹی پر مسلسل گولے برساتا رہا اور اس کا نتیجہ خاطر خواہ نکلا۔ امریکی اور برطانوی طیاروں کی بمباری نے یہ ٹکڑا بالکل تباہ کر دیا تھا اور اتحادی اس کامیابی سے کافی خوش نظر آرہے تھے چنانچہ ۱۹ مارچ کی صبح برطانیہ، کینیڈا اور امریکی فوجوں کا سیلاب آگے بڑھا تو یہ حقیقت منکشف ہوئی کہ اب تک کی کوششیں حماقت کے سوا کچھ نہ تھا۔ نازیوں نے مناسب جنگی چال چلی تھی اور اتحادیوں کو خوب بے وقوف بنا کر غلط فہمی میں مبتلا کر دیا تھا، وہ اس ساری کارروائی میں محفوظ رہے تھے اور خاموشی سے وقت کا انتظار کر رہے تھے، ان کی بڑی گنیں بھی خاموش رہی تھیں، اس طرح اتحادیوں کو ان کی پوزیشن بھی معلوم نہیں ہو سکی تھی۔ چنانچہ یہ سیلاب ان خوفناک ہتھیاروں کی صحیح پوزیشن سے بے خبر آگے بڑھا تھا، اور یہی نازیوں کی جنگی چال تھی۔

اچانک ہی خوفناک طوفان نے انہیں چاروں طرف سے گھیر لیا تھا اور ۱۰۰ ملی میٹر کی توپیں گرجنے لگیں، اور دوسری طرف سے مشین گنیں اور رائفلیں اپنا کام کرنے لگیں۔ اتحادی فوجی تیز رفتاری سے نیست و نابود ہو رہے تھے اور اس سے اندازہ ہوتا تھا کہ ان کی ساری تعداد ایک ہی دن میں ختم ہو جائے گی، چنانچہ حملہ روک دیا گیا، اور اس ہولناک ہزیمت کا اندازہ لگایا گیا۔ مرنے والوں کی تعداد بے حد خوفناک تھی، لیکن بہرحال اتحادی یہاں پیچھے ہٹنے کے لئے تو نہیں آئے تھے، دوسرے دن ٹینکوں سے حملہ کیا گیا۔ پانچسو پینتیس ٹینک لاتعداد فوجوں کے ساتھ آگے بڑھے، وہ خوفناک گولہ باری کر رہے تھے، لیکن تھوڑی ہی دیر کے بعد توپوں کی گھن گرج سنائی دی۔ ایک سو پانچ ملی میٹر کی توپیں ایسی جگہوں پر نصب تھیں کہ اندازہ نہیں ہوتا تھا لیکن ان کی پھیلائی ہوئی تباہی ناقابل یقین تھی۔ امریکی ٹینک شعلوں میں لپٹے ہوئے تھے، لیکن ٹینکوں کے ریلے نے بھی ہار نہیں مانی تھی۔ وہ ایسی خوفناک جنگ لڑ رہے تھے جس کا تصور ناممکن تھا۔ دوسری طرف نازیوں نے بھی ان کا صفایا کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا، چنانچہ اب چاروں طرف سے بھاری توپوں سے گولہ باری ہو رہی تھی اور ٹینک شدت سے نقصان اٹھا رہے تھے۔ چاروں طرف شعلوں میں لپٹے ٹینک بکھرے پڑے تھے، اس حد تک آ رہے تھے جہاں تک آسکتے تھے، وہ سر توڑ کوشش کر رہے تھے کہ ان توپوں کے مورچوں کو توڑ دیں، لیکن دوسری طرف سے جو کارروائی ہو رہی تھی وہ اتنی خوفناک تھی کہ ان کی ایک نہ چل رہی تھی۔

چنانچہ تھوڑی دیر ہی میں امریکی لائن تباہی کی لپیٹ میں آگئی اور پھر انہیں بھاگتے بن پڑی۔ امریکی اور دوسری فوجیں ٹینکوں کا ایک وسیع قبرستان چھوڑ کر مغرب کی جانب بھاگ نکلیں اور بھاگتے ہوئے ٹینکوں اور پیدل فوجیوں پر جرمنوں نے فائرنگ شروع کر دی، اس کے علاوہ فاسفورس بم بھی ان کا تعاقب کر رہے تھے۔ چنانچہ شعلوں میں لپٹے ہوئے فوجی بری طرح بدحواس ہو گئے، ایک ایک فوجی نازیوں کے نشانے پر تھا۔

اب تک کی پوری جنگ میں ایسی عبرت ناک جنگ کی مثال نہیں ملتی تھی جس قدر جانی نقصان ان چند دنوں میں ہوا تھا وہ کئی مہینوں میں نہ ہوا ہوگا۔ جوائنٹ الائیڈ ہیڈ کوارٹر میں آج ہر چہرہ لٹکا ہوا تھا۔ برلن کو روندنے کا روشن خواب دھندلا گیا تھا، اور اب سارے چہروں پر سوالیہ لکیریں تھیں۔

• مسئلہ یہ درپیش ہے کہ اگر سیگفرڈ لائن کو توڑنے میں مکمل ناکامی ہو گئی تو پورے جنگی پلان میں وسیع تر ردو بدل کرنا ہوگی؛ امریکی جنرل مائیکل ہوپ نے کہا۔

• اس کے علاوہ اس لائن میں شگاف نہ پڑ سکے تو جرمن دہشت پر اسرار ہتھیار بنانے میں کوشاں ہیں، اپنی کوششوں میں کامیاب ہو جائیں گے اور اس کے بعد — میرا خیال ہے ہمیں تھوڑا بہت اندازہ ہوتا ہے؛

• میرا اشارہ بھی اسی طرف ہے، جنگی پلان کی ردو بدل میں صرف یہ احساس ہی پریشان کن نہیں ہے کہ ہمیں اعلیٰ پیمانے پر تبدیلیاں کرنا ہوں گی بلکہ معاملہ جرمنوں کے لئے مہلت کا بھی ہے، جو ہمارے لئے بے حد خطرناک ہے؛ امریکی جنرل نے کہا۔

• پھر کیا کرنا چاہئے؛

• میرے خیال میں ایک بار پھر سیگفرڈ لائن کے بارے میں تازہ ترین حاصل شدہ معلومات دہرائی جائیں؛

• جی ہاں؛ امریکی جنرل نے اشارہ کیا۔

• ایک انتہائی پیچیدہ اور مضبوط حصار، جس کی تیاری میں جرمن انجینئروں نے اپنی تمام تر صلاحیتیں صرف کر دی ہیں، یوں لگتا ہے جیسے جرمن اسے اپنا آخری قلعہ سمجھتے ہوں اور اسی پر اپنی زندگی اور موت کا انحصار کئے ہوئے ہوں؛

• اس طرح اس کی اہمیت اور بڑھ جاتی ہے؛

• اگر چھاتہ بردار فوج اتاری جائے؛

• ایک اور احمقانہ کوشش ہوگی۔ اتحادی فوجوں کو نقصان پہنچانے والا ایک اور اقدام؛ امریکی جنرل نے جواب دیا۔

• اجازت ہو تو میں کچھ عرض کروں جناب؛ جی ایچ کیو کے پلاننگ اسٹاف کے ایک کرنل نے ان بڑوں کے درمیان زبان کھولنے کی جرأت کی اور ساری نگاہیں فرانسیسی کرنل ورشیل کی طرف اٹھ گئیں۔

• ہاں یقیناً، تمہارا تعلق بہرحال پلاننگ اسٹاف سے ہے؛ امریکی

جواب دیا۔

" یہ بات پایۂ تکمیل کو پہنچ گئی ہے کہ اتحادی فوجوں کے لئے سیگفریڈ لائن توڑنی تقریباً ناممکن العمل ہے۔" کرنل ورشیل نے کہا۔

" ہاں، ہمیں یہ اعتراف کرلینا چاہئے۔" جنرل ہوپ نے ہونٹ سکوڑتے ہوئے کہا۔

" چنانچہ جہاں اسلحہ مؤثر ثابت نہیں ہوا، ممکن ہے وہاں ایک جنگی چال کام آجائے۔"

" تمہیں اس کے بارے میں مزید تجسس نہیں پیدا کرنا چاہئے۔ چنانچہ فوراً اس جنگی چال کے بارے میں بتاؤ جو تمہارے ذہن میں آئی ہے۔"

" اگر ہم ایسا ایک شخص تلاش کرنے میں کامیاب ہوجائیں جو جرمن زبان اہل زبان ہی کی مانند بول سکے اور اس کی صورت نازی کرنل ہاسو وان رٹر سے ملتی ہو تو میری اس تجویز پر عمل درآمد ہوسکتا ہے۔"

" تجویز کیا ہے؟" جنرل ہوپ نے کسی قدر دلچسپی لیتے ہوئے کہا۔

" جی ہاں۔ وہی عرض کرنے جا رہا ہوں۔ کرنل ہاسو وان رٹر کا ہمشکل جرمن سائڈ سے سیگفریڈ لائن میں داخل ہونے میں کامیاب ہوجائے۔ زمین دوز مورچوں سے اتر کر وہ اپنے دو ماتحتوں کے ساتھ سیگفریڈ لائن کو منہدم تباہ کرنے کی کوشش کرے گا، اور اس کی اس کوشش میں مدد دینے کے لئے، رات شروع ہوتے ہی اتحادی توپخانہ اور فضائیہ جرمنوں کو اپنی طرف متوجہ رکھے۔ اس رات بھرپور کارروائیاں کی جاتی رہیں تاکہ جرمنوں کی پوری توجہ اس طرف رہے اور جعلی نازی افسر کو کام کرنے کا پورا موقع مل جائے۔"

کرنل ورشیل کی تجویز بے حد دلکش لیکن تقریباً ناقابل عمل نظر آتی تھی۔ اول تو کرنل وان رٹر کے ہمشکل کا مسئلہ تھا۔ اور پھر ظاہر ہے جرمنوں کے اس خوفناک قلعے میں داخلہ کوئی آسان کام نہیں تھا۔ چنانچہ تھوڑی دیر سوچنے کے بعد جنرل ہوپ نے کہا۔

" بلاشبہ کرنل ورشیل، تمہاری تجویز بے حد ڈرامائی اور پرتاثر ہے لیکن میرے دوست، اس میں جو دقتیں ہیں ان کا حل مشکل سے ہی ملے گا۔ کیا تم ان مشکلات کا حل بھی پیش کرسکتے ہو؟"

" بے شک جناب، میں نے بہت غور و خوض کے بعد یہ بات کہی ہے۔"

" اوہ۔ واقعی۔ اب میں تمہاری تجویز میں پہلے سے زیادہ دلچسپی لے رہا ہوں۔" جنرل ہوپ نے کہا۔ دوسرے لوگ بھی فرانسیسی فوج کی انٹیلی جنس کے اس افسر کی جانب متوجہ ہوگئے۔

" کرنل ہاسو وان رٹر کے بارے میں مکمل تفصیلات میرے پاس موجود ہیں۔ اس کی تصاویر کا پورا ریکارڈ، اس کی آواز کے ٹیپ اور اس سے متعلق دوسری چیزیں بھی میرے پاس ہیں۔ البتہ یہ شخص اپنی محبوبہ کو ہر وقت اپنے ساتھ رکھتا ہے، سنہرے بالوں والی لڑکی ہیلر کی بیٹی ہے۔ چنانچہ ہمارے لئے سب سے اہم ایک ایسی لڑکی ہے جو ہیلر کی بیٹی کا کردار ادا کرسکے۔"

" بقیہ لوگ، میری مراد ہے وہ شخص جو وان رٹر کا کردار ادا کرے گا؟"

" فرانس سے تین افراد میرے ساتھ آئے تھے، میری فوج کے تین نسبتاً چھوٹے عہدیدار سارجنٹ فریڈ اور سارجنٹ بروجرا اور سارجنٹ ہنری گرین۔ یہ تینوں آدمی شمالی افریقہ، سسلی اور نارمنڈی کے محاذ پر جرمنوں سے لڑ چکے ہیں اور ان کے خون کے پیاسے ہیں۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ سارجنٹ فریڈ، بروجرا اور گرین غیر فوجی لوگ تھے اور بہروپ بدل کر فراڈ کرتے پھرتے تھے، انتہائی ذہین اور جوشیلے نوجوان، جو جنگ شروع ہوتے ہی رضاکارانہ طور پر ملک کے دفاع میں شامل ہوگئے تھے۔ تینوں دنیا کی بیس زبانیں اہل زبان لوگوں کی مانند بول، لکھ اور پڑھ سکتے ہیں، فریڈ آوازیں بدلنے کا ماہر ہے گرین بھی بہت عمدہ ہے، لیکن فریڈ سے کسی حد تک کم، چنانچہ مجھے یقین ہے یہ لوگ اپنی کوشش میں ضرور کامیاب ہوجائیں گے۔"

" اوہ مسٹر ورشیل، سنہرے بالوں والی ایک ایسی لڑکی کی تلاش بھی زیادہ مشکل نہیں ہوگی جو ہیلر کی بیٹی کی ہمشکل ہو۔" جنرل ہوپ نے مضطربانہ انداز میں کہا۔

" تب اگر میری رائے کو پسند کیا جائے اور مجھے اس پر عملدرآمد کی اجازت دی جائے تو میں اپنے دوستوں سے اہم گفتگو کروں۔"

" آپ لوگوں کی کیا رائے ہے؟" جنرل ہوپ نے دوسرے لوگوں سے پوچھا اور کسی نے ان کی رائے سے اختلاف نہیں کیا۔ سیگفریڈ لائن کے بارے میں جس قدر سوچا جاتا صورتحال خوفناک محسوس ہونے لگتی تھی، اس لئے سب ایسی کارروائی چاہتے تھے جو مؤثر ہو۔

دوسرے دن فیلڈ ہیڈ کوارٹر کو ہدایت کردی گئی کہ جلد از جلد ایسی لڑکیوں کی فائلیں مہیا کی جائیں جو سنہرے بالوں والی ہوں اور جن کے خد و خال ہیلر کی بیٹی سے ملتے جلتے ہوں، یوں لگتا تھا جیسے کوئی پوشیدہ قوت امداد پر آمادہ ہو، ابتدائی فائلوں میں ہی مارگریٹ گروسرل گئی۔ یہ لڑکی بھی فرانسیسی تھی، اور فرانس کی تحریک مزاحمت کی سرگرم رکن رہ چکی تھی۔ تخریب کاری کے بے شمار ناقابل یقین کارنامے انجام دے چکی تھی اور بہت سے نازیوں کو انتہائی بے رحمی سے موت کے گھاٹ اتار چکی تھی۔ چنانچہ اسے طلب کرلیا گیا اور ہیلر کی بیٹی کی تصویروں سے اس کی شکل ملائی گئی تو ہوبہو اس جیسی تھی۔ گویا یہ کام بخوبی انجام پا گیا تھا۔

چنانچہ آخری میٹنگ ہوئی، جس میں کرنل ورشیل اور جی ٹو کا کرنل ہیومر ایف ایلیس شامل تھے۔ سارجنٹ فریڈ وان رٹر کی شکل میں تھا اور اس کے دونوں دوست اس کے ماتحت بنے ہوئے تھے۔ مارگریٹ ہیلر کی بیٹی بن کر بہت سج رہی تھی۔

" گو مس مارگریٹ قطعی فوجی حیثیت کی حامل نہیں ہیں، لیکن بہرحال اس پروگرام میں ان کی شمولیت بے حد لازمی ہے، اور مس مارگریٹ جتنی خوشی سے اس میں شریک ہوئی ہیں اس پر انہیں داد نہ دینا ایک اخلاقی جرم کی حیثیت رکھتا ہے۔" کرنل ہیومر نے کہا۔

" بلاشبہ، یہ کانچ گرل جیسی صورت والی لڑکی جس دلیری سے ہمارے ساتھ شامل ہوئی ہے، وہ قابل رشک ہے۔" فریڈ نے کہا۔

" اوہ۔ اگر آپ مس مارگریٹ کی فائل دیکھ لیتے تو یہ نہ سوچتے "
" ہاں۔ بدقسمتی سے میں اس سے محروم ہوں " فریڈ نے جواب دیا۔
" اور افسوس، اس وقت اس بارے میں کچھ بتایا بھی نہیں جاسکتا " ورشیل نے جواب دیا۔
" آپ لوگ کچھ اور تفصیلات معلوم کرنا چاہتے ہیں ؟" کرنل ہیومر نے پوچھا۔
" میرا خیال ہے ساری ضروری تفصیلات ہمیں معلوم ہو چکی ہیں "
" تم لوگ دشمن کی وردیوں میں ملبوس ہو گے، اگر کسی طور پکڑے بھی گئے تو کم از کم جنگی قیدی نہیں بنائے جاؤ گے " کرنل ورشیل نے کہا۔
" لیکن اگر مہم کے دوران اصلی کرنل وان رز سے ٹکراؤ پڑا تو کیا ہوگا " بروجر نے پوچھا۔
" کتے کی موت مارے جاؤ گے، لیکن وہاں دو سو بتیس سیکٹر ہیں اس لئے امکان کم ہے، تاہم اگر ایسی صورتحال پیدا ہو جائے تو اس کے لئے پلان میں کوئی ترکیب نہیں ہے۔ تمہیں اپنے طور پر اس صورتحال سے نکلنے کی کوشش کرنا ہوگی " کرنل ورشیل نے بے تکلفی سے کہا اور سب مسکرانے لگے۔
" کتے کی موت " مارگریٹ آہستہ سے بولی۔
" ہاں مس مارگیٹ، آپ جرمنوں کے بارے میں اچھی طرح جانتی ہیں "
" ہاں۔ میں جانتی ہوں " مارگریٹ آہستہ سے بولی۔
" کیا آپ کسی قسم کا تردد محسوس کر رہی ہیں ؟"
" ہرگز نہیں " مارگریٹ پرخیال انداز میں بولی۔
" آپ کے چہرے سے اس کا اظہار ہو رہا ہے "
" ہاں، لیکن یہ تردد ذاتی نوعیت کا ہے اور اس کا اس مہم سے کوئی تعلق نہیں ہے "
" تب ہم اسے معلوم کرنے پر زور نہیں دیں گے کیونکہ بہرحال آپ سویلین ہیں اور رضاکارانہ طور پر فوج میں شامل ہوئی ہیں۔ متحیر کن بات یہ ہے کہ آپ کے ساتھی بھی ایسی ہی نوعیت کے حامل ہیں، یعنی سب کے سب وہ لوگ جو بنیادی طور پر فوجی نہیں ہیں، لیکن جن کے کارنامے بھلائے نہیں جاسکتے "
" خوب " مارگریٹ نے ان تینوں کو باری باری دیکھا۔
" ہماری روانگی کا کیا وقت مقرر ہوا ہے جناب " فریڈ نے پوچھا چونکہ یہی کردار اسے ہی ادا کرنا پڑ رہا تھا، اس لئے وہ ایک طرح سے لیڈر بن گیا اور دوسرے لوگ اس کی لیڈرشپ تسلیم کرتے تھے۔
" تقریباً آدھی رات کو ایک طیارہ تم لوگوں کو لے کر دفاعی لائن کے اوپر سے گذر جائے گا اور تمہیں جرمن مورچوں کے پیچھے اتار دے گا "
" اوہ۔ کیا یہ خطرناک کام نہ ہوگا "
" بلاشبہ، لیکن اس پورے کیس میں کونسا کام خطرناک نہیں ہے، بہرصورت اس کا بندوبست کیا گیا ہے، یہ ایک مخصوص ساخت کا طیارہ ہوگا۔ بیس بمبار طیارے اسے ساتھ لے جائیں گے اور جس وقت یہ بائیں سمت کی نیچی پرواز کرے گا وہ بیسوں طیارے دائیں سمت خوفناک بمباری کریں گے۔ اس طرح ہمیں ان کی توجہ ایک مخصوص سمت کرنے کا موقع مل جائے گا، تاہم میرے دوستو؛ ہدایات میں

خطرات کے سوا کیا ہوتا ہے، کبھی یہ خطرات سرخ رو کرتے ہیں اور کبھی صرف سرخی ہی سرخی رہ جاتی ہے " کرنل روشیل نے کہا اور چاروں افراد کے چہروں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔
" ہمیں ہر قسم کی سرخی قبول ہے " فریڈ نے جواب دیا۔
" ہاں، اس طرح تمہیں کچھ اور جرمن نازیوں کو قتل کرنے کا موقع مل جائیگا "
" اور یہ انسانیت کی بہترین خدمت ہے " مارگریٹ نے جواب دیا، اور تینوں افراد چونک کر اس کی شکل دیکھنے لگے، اس معصوم سی صورت والی لڑکی سے اس سفاکی کی توقع نہیں کی جاسکتی تھی۔

* — * — *

۲۳ مارچ ۱۹۴۵ء کی درمیانی شب کو چھوٹے پروں والا اینسن گلائڈ ووڈنگ ایک چراگاہ کے اوپر جھکا اور اس میں سے چار غبارے باہر نکل آئے فرانسیسی حدود کا حصہ ... ساحلی چکر لے کر واپس چلا گیا اور غبارے نیچے گرے، رات تاریک تھی۔ چاروں طرف ہو کا عالم تھا۔ جرمن گاؤں "منسٹریفل" کے نزدیک کی چراگاہ میں اترنے والوں نے جلدی سے اپنے بدن سے پیراشوٹ کھولے اور ان کی گٹھڑیاں بنا کر انہیں ایک گڑھے میں اچھال دیا۔ پھر چاروں ایک ساتھ آگے بڑھ گئے۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ کسی مخصوص اور متعین کردہ سمت کی جانب جا رہے ہوں اور اس سے بخوبی واقف ہوں۔ لیکن مرد اور سنہری بالوں والی خوبصورت لڑکی بے حد چاق و چوبند نظر آ رہے تھے، اس میں ایک کرنل تھا دو لیفٹیننٹ۔ لڑکی البتہ سویلین ڈریس میں تھی۔ چاروں خاموشی سے آگے بڑھتے رہے، پھر لڑکی نے اپنے ساتھی کو مخاطب کیا۔
" ہم محسوس کر رہے ہیں کہ یہاں تک ہمارے لئے کوئی مشکل پیش نہیں آئی "
" یقیناً مس مارگریٹ " فریڈ نے جواب دیا۔
" اس کے باوجود ہم اس طرح خاموش ہیں "
" اوہ " فریڈ نے ہلکا سا قہقہہ لگایا " ہاں۔ یہ خاموشی عجیب ہے "
" تو اسے توڑا جائے "
" بلاشبہ "
" لیکن موضوع ہماری اس مہم کے علاوہ کیا ہوسکتا ہے " سارجنٹ گرین نے کہا۔
" اس میں حرج بھی کیا ہے اور میں سمجھتی ہوں کہ موضوع دلکش ہے " مارگریٹ نے جواب دیا۔
" چنانچہ بہتر یہ ہے مسٹر فریڈ کہ ہم اسی موضوع پر بولیں " بروجر نے کہا
" میرے خیال میں ابتدا اس بات سے کرنی چاہئے کہ اب ہم کہاں تک چلیں گے اور یہ کہ آئندہ پروگرام کیا ہے " سارجنٹ گرین نے کہا۔
" رات کو کچھ دیر سو لینا بہتر ہوگا، ماحول نے ہمیں اس کا موقع دیا ہے کیونکہ کل کا دن بڑی مشقت کا دن ہے " فریڈ نے کہا۔

رہو۔ اس طرف دیکھو، وہ کھلیانوں کے ڈھیر ہیں۔" اچانک سارجنٹ بروجر نے سب کو متوجہ کیا۔

"ہاں۔" گرین نے کہا۔

"تو کیا رات کے لیے عمدہ جگہ نہ ہوگی۔"

"یقیناً ہوگی، آؤ۔" فریڈ نے کہا اور سب کھلیانوں کی طرف بڑھ گئے۔

کھلیانوں کے نزدیک کی جگہ قیام کے لیے بہت عمدہ تھی، انہوں نے ایک جگہ کا انتخاب کر لیا اور بیٹھ کر جوتے کھولنے لگے۔

"کرنل رنٹر۔" اچانک مارگریٹ نے فریڈ کو مخاطب کیا۔

"ہوں۔" فریڈ نے چونک کر اسے دیکھا۔

"کچھ کہنا چاہتی ہوں۔"

"کہو۔"

"کیا تم یقین کرو گے کہ میں ابھی تک کنواری ہوں۔"

"ہر چند کہ یہ ایک حیرت انگیز بات ہے تاہم تم کہہ رہی ہو تو یقین کر لینے میں کوئی حرج بھی نہیں ہے۔"

"شکریہ۔ لیکن میرے ذہن میں ہمیشہ کسی خوبصورت مرد کا تصور رہا ہے یعنی اس وقت سے جب میں کسی مرد کے بارے میں سوچنے کے قابل ہوئی مجھے موقع نہیں مل سکا کہ میں کسی کو منظورِ نظر بناتی اور میرا راستہ بدل گیا۔ لیکن زندگی کی انتہا سے پہلے میں مرد کی لذت سے محروم رہنا نہیں چاہتی۔"

مارگریٹ کے یہ الفاظ تینوں نوجوانوں کے لیے خاصے سنسنی خیز تھے اس وقت اس اظہار کا مقصد اگر وہی سمجھا جائے جو وہ کہہ رہی تھی تو ایک عجیب و غریب کیفیت کا حامل تھا، کوئی جواب نہ دے سکا، تو مارگریٹ نے خود ہی کہا۔

"کیا تم مجھے یہ ضمانت دے سکتے ہو کہ کل میں زندہ رہوں گی۔"

"ناممکن سی بات ہے مس مارگریٹ۔" بروجر نے جلدی سے کہا۔

"تو پھر انسان جب موت کے اس قدر نزدیک ہو تو کیا وہ اپنی آخری خواہش کا اظہار نہیں کر سکتا؟"

"ضرور، اسے پورا پورا حق ہے۔" سارجنٹ گرین جلدی سے بولا۔

"تو میں بھی چاہتی ہوں کہ موت کے اس قدر نزدیک پہنچ کر میں نوجوانی کی اس لذت سے محروم نہ رہوں، میں تم میں سے کسی ایک کے ساتھ یہ رات گزارنا چاہتی ہوں۔" مارگریٹ نے کہا اور تینوں کے چہروں پر عجیب سے تاثرات پھیل گئے، پھر سارجنٹ بروجر نے کچھ بولنا ضروری سمجھتے ہوئے جلدی سے کہا۔

"لیکن اس کا انتخاب تو آپ ہی کو کرنا ہوگا مس مارگریٹ۔" اس کے ساتھ ہی وہ چند قدم آگے بڑھ آیا۔

"ہاں — اگر مسٹر فریڈ پسند کریں۔" مارگریٹ نے مسکراتے ہوئے کہا اور فیصلہ ہو گیا۔ بروجر اور گرین نے شانے ہلائے اور فریڈ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ بھلا اتنا احمق کون تھا جو اس حسین اور نوجوان لڑکی کی اس دعوت کو ٹھکرانے کی جسارت کرتا۔ ہاں۔ قرعہ جس کے نام نکلے۔

"آپ نے جواب نہیں دیا مسٹر فریڈ؟"

"اوہ۔ جس کی لاٹری نکل آئی ہو وہ جواب کیا دے گا۔" گرین نے مسکرا کر فریڈ کو آنکھ مارتے ہوئے کہا اور فریڈ بھی مسکرانے لگا۔ کھلیانوں کے دوسری جانب انہوں نے اپنا بستر لگایا، اور گرین اور بروجر دوسری جانب۔

فریڈ کے چہرے پر درحقیقت خوشی کے آثار تھے، پہلی بار اس لڑکی کو دیکھ کر اس نے سوچا تھا کہ بہرحال ایک ایسی معیت موجود ہے جس کی صورت دیکھ کر بخوشی جان دی جا سکتی ہے، اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ یہ خوبصورت لڑکی اس طرح قابلِ حصول بن جائے گی اور پھر لڑکی نے خود اس کا انتخاب کیا تھا، یہ بات بھی خاصی اطمینان بخش تھی۔

کھلیانوں کی چرمری گھاس پر اس نے مارگریٹ کو بازوؤں میں لے لیا اور دونوں کے ہونٹ آپس میں پیوست ہو گئے، طویل بوسے سے فارغ ہو کر فریڈ نے اس کا چہرہ سامنے کیا اور اسے دیکھنے لگا۔

"میں تمہارا شکریہ ادا کرتا ہوں۔"

"کیوں؟" مارگریٹ نے پوچھا۔

"تم یقین کرو، تم میری پسند ہو۔"

"اسے۔ اچانک۔" مارگریٹ ہنس پڑی۔

"ہاں۔ کیا محبت ہونے میں دیر لگتی ہے، اور خدا تم یہ بتاؤ کہ تم نے تین افراد میں سے میرا انتخاب ہی کیوں کیا؟"

"اس لئے ڈارلنگ کہ مجھ کے لیے بھی میں تمہاری ہی محبوبہ بنی ہوں۔"

"اوہ۔" فریڈ کے ہونٹ سکڑ گئے۔ "صرف یہی وجہ تھی؟" اس نے آہستہ سے کہا، اور مارگریٹ کی مسکراہٹ گہری ہو گئی، اس نے فریڈ کی گردن میں باہیں ڈال دیں۔

"نہیں۔ اس کے علاوہ بھی کوئی بات ہے، لیکن بتاؤں گی نہیں۔"

"تمہاری مرضی۔" فریڈ نے اسے خود میں کس لیا۔ دوسری جانب گرین اور بروجر کروٹیں بدل رہے تھے۔

٭ ٭ ٭

دوسری صبح مارگریٹ اور اس کے ساتھیوں نے جرمن فیلڈ راشن سے ناشتہ کیا، یہ راشن انہیں جی ٹو نے فراہم کیا تھا۔ کوئی دس بجے وہ پختہ سڑک پر پہنچے، جو منسٹیل اور سیگفرپڈ دفاعی لائن سے سیکر تک پھیلی ہوئی تھی۔

متعدد فوکس ویگن جیپیں اور دوسری فوجی گاڑیاں ان کے قریب سے گذریں۔ ہر گاڑی پر سوار جرمن فوجی ایس۔ ایس افسروں کو سلام کر رہے تھے، ابھی تک کسی کو ان پر شبہ نہیں ہوا تھا، اس کی ایک خاص وجہ اور بھی تھی اور وہ تھی سنہرے بالوں والی دوشیزہ۔ پیدل سفر کرنے والے ان افسروں کے ساتھ کسی دوشیزہ کی موجودگی لوگوں کو شبہ کا موقع نہیں دیتی تھی۔ کیونکہ جرمن افسر اپنی محبوباؤں کو اکثر ساتھ لئے پھرتے تھے اور ان کے پیدل ہونے کی وجہ بھی اظہر من الشمس تھی۔

امریکی اور برطانوی ہوائی جہاز آئے دن بمباری کر کے سڑکوں کو تہہ و بالا کرتے رہتے تھے، ایسے موقعوں پر گاڑیوں میں سفر کرنے والے فوجی گڑھوں میں پناہ لیتے تھے اور اگر ان کی گاڑیاں تباہ ہو جاتی تھیں تو پیدل ہی منزل کی طرف چل پڑتے تھے یا پھر راستے سے گذرنے والی کوئی گاڑی روک کر اس میں سوار ہو جاتے تھے۔

کافی دور تک یہ سفر انہوں نے اسی انداز میں طے کیا۔ رات کے آخری پہر میں سونے کا موقع بھی مل گیا تھا، اس لئے اس وقت تھکن بھی نہ تھی اور پھر وہ علاقے کا جائزہ بھی لے لینا چاہتے تھے، یہ اندازہ بھی کر لینا چاہتے تھے کہ شبے کے مواقع کتنے ہیں، اور مطمئن تھے اس بات سے کہ ابھی تک کسی کو ان پر کوئی شبہ نہیں ہوا تھا۔

" مسٹر فریڈ " کافی فاصلہ طے کرنے کے بعد سارجنٹ برو جر نے کہا۔

" کیا بات ہے مسٹر برو جر؟ "

" صرف یہ کہ پیدل سفر کس حد تک سودمند ہے۔ "

" کسی حد تک نہیں، میرا خیال ہے اس کی انتہا ہو جانی چاہیئے۔" فریڈ نے جواب دیا۔

" گڈ۔ میرا بھی یہی خیال تھا۔ "

" چنانچہ ہم اس پہلی گاڑی کو روک لیں گے جس میں کوئی جرمن افسر سوار نہ ہو۔ " فریڈ نے کہا اور وہ سب متفق ہو گئے۔

چنانچہ تھوڑی ہی دیر کے بعد انہیں ایک مرسیڈیز اسٹاف کار نظر آئی۔ کارپورال شوفر کے سوا اس میں کوئی فرد موجود نہیں تھا۔ انہوں نے شوفر کو گاڑی روکنے کا اشارہ کیا، اور شوفر نے سلام کے ساتھ ہی گاڑی بریک لگا کر روک دی۔ گاڑی کے دروازوں پر پانچویں پینزر آرمی کے نشانات تھے، یہ گاڑی انہیں سیگفریڈ لائن تک پہنچانے میں بہت کارآمد ثابت ہو سکتی تھی۔

گاڑی رکی تو فریڈ فیوہرر کی ذاتی فوج کے افسروں کے مخصوص تحکمانہ لہجے میں بولا۔

" تم ہمیں قریب ترین اسٹیشن تک پہنچاؤ گے۔ "

" بہت بہتر جناب! " شوفر نے مستعدی سے کہا۔ " لیکن آپ کی گاڑی کیا ہوئی؟ "

فریڈ نے شعلہ بار نگاہوں سے اسے گھورا، بلاشبہ ایک معمولی سپاہی کی یہ جرأت مناسب نہ تھی۔ کارپورال کو ایک دم احساس ہو گیا اور اس کے چہرے پر خجالت کے آثار نظر آئے، دوسرے لمحے وہ معذرت آمیز لہجے میں بولا " سوری سر! " اور اس نے جلدی سے دروازہ کھول دیا۔ تینوں جی آئی اور مارگریٹ گاڑی میں بیٹھ گئے اور گاڑی چل پڑی۔ ان کے اعصاب وائلن کے تاروں کی طرح تنے ہوئے تھے۔ اگرچہ وہ اگلے مورچوں پر متعین ایس۔ ایس افسروں کے مخصوص ہتھیاروں سے مسلح تھے۔ مشینی پستول اور دستی گنیں ان کے پاس موجود تھیں، لیکن اس کے باوجود وہ یہ جانتے تھے کہ اگر انہیں پہچان لیا گیا تو یہ ہتھیار ان کے کسی کام نہ آ سکیں گے۔ جرمنوں کی زبردست فوج کے مقابلے میں یہ چار افراد مکھیوں سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے تھے جنہیں معمولی سی کوشش سے مارا جا سکتا ہے۔

اور پھر سڑک کے خاتمے کے آثار نظر آنے لگے اور اس کے ساتھ ہی وہ خوفناک منظر بھی عریاں ہو گیا۔ جس کی اب تک صرف داستانیں ہی سنی گئی تھیں۔ شمال سے جنوب تک، افق تا افق کنکریٹ کی زمین دوز چوکور قلعہ بندیوں، فولادی ٹینک ٹریپس، خفیہ مورچوں اور بھاری توپوں کے چبوتروں کی ایک طویل و عریض پٹی پھیلی ہوئی تھی۔

یہ سیگفریڈ لائن تھی، جسے جرمن مغربی دیوار کے نام سے پکارتے تھے یہ دیوار بحیرۂ شمالی سے سوئٹزرلینڈ تک پھیلی چلی گئی تھی۔ بالآخر مرسیڈیز دیوار کے قریب پہنچ گئی اور شوفر نے گاڑی روک دی۔ فریڈ بڑے کروفر سے گاڑی سے اتر آیا۔ اس کے پیچھے ہی باقی لوگ بھی اتر آئے تھے۔

اب وہ سب کچھ بھول گئے تھے، آپریشن شروع ہو چکا تھا، اور اب صرف کام کرنے کی مشین چل رہی تھی۔ فریڈ نے ایک محافظ کو اشارہ کیا اور وہ دوڑتا ہوا اس کے سامنے پہنچ گیا، اس نے مخصوص جرمن سلام کیا تھا۔

" اس سیکٹر کے سیکورٹی افسر کو میری آمد کے بارے میں اطلاع دو۔ " اس نے کرخت لہجے میں کہا۔

" بہت اچھا جناب! " محافظ نے کہا اور وہ تیزی سے ایک بیرک کے اندر داخل ہو گیا، اور پھر ٹیلیفون اٹھا کر شاید سیکورٹی افسر سے بات کرنے لگا پھر اس نے ٹیلیفون رکھا اور باہر نکل آیا۔

" مسٹر جیکاٹ ابھی پہنچ رہے ہیں جناب! " اس نے کہا لیکن فریڈ نے اس کی بات کی طرف توجہ نہیں دی تھی۔ چند ہی لمحات میں ادھیڑ عمر کا ایک لحیم شحیم کیپٹن ایک اور بنکر سے نکل کر اس کے قریب پہنچ گیا۔ اس نے کرنل کو دیکھ کر مخصوص سلام کیا تھا۔

" میں کرنل ہاسو وان رٹر ہوں۔ چیف انسپکٹر آف سینٹر فارٹیفکیشنز کمانڈ۔ " فریڈ نے کہا۔

" یس سر " سیکورٹی افسر نے قدرے گردن خم کر کے کہا اور پھر ایک سرسری سی نگاہ فریڈ کے ساتھ کھڑی ہوئی لڑکی پر ڈالی۔

" ہمارے ساتھ ایک آدمی کر دیا جائے جو ہمیں بارودی سرنگوں سے بچاتا ہوا زمین دوز قلعہ بندیوں تک لے جائے، ہمیں شبہ ہے کہ امریکی ایک نئے حملے کا منصوبہ بنا رہے ہیں، ہم دیوار کا معائنہ کر رہے ہیں۔ "

" اوہ۔ یقیناً جناب! " سیکورٹی افسر نے دوبارہ مارگریٹ کی طرف دیکھا۔

" کیا تم انہیں نہیں پہچانتے؟ " فریڈ نے جلدی سے کہا۔ " فرائی لائن ایمیلر، ہیملر کی بیٹی۔ " اور سیکورٹی افسر گھٹنوں تک جھک گیا۔ ہیملر ایسی ممتاز شخصیت کی بیٹی اس کے سامنے تھی اور اس کا احترام فرض تھا۔ چنانچہ اس نے سیدھے ہوتے ہوئے کہا۔

" اگر آپ، مس ہیملر اور آپ کے ساتھی میری معیت پسند کریں تو۔۔۔ تو میں حاضر ہوں۔ " اور دوسرے لمحے فریڈ کی نگاہوں میں سختی نظر آنے لگی۔

"مسٹر جیکاٹ، کیا آپ ہمارے شناختی کاغذات وغیرہ چیک نہیں کریں گے؟ تمہیں کیسے معلوم کہ میں کوئی جعلساز یا دشمن کا کوئی جاسوس نہیں ہوں!"

دوسرے لمحے کیپٹن کا چہرہ سرخ ہوگیا اور وہ سراسیمہ نگاہوں سے چاروں طرف دیکھنے لگا۔ ویسے ساری غلطی اس کی بھی نہ تھی۔ یہ بات تو سب جانتے تھے کہ کرنل وان رٹر جہاں بھی جاتا ہے، سنہرے بالوں والی خوش اندام محبوبہ اس کے ساتھ ہوتی ہے، چنانچہ وہ تو پہلے ہی سمجھ گیا تھا کہ یہ کرنل وان رٹر ہی ہے۔

لیکن اس وقت ایک لمحے کے لیے اس سے کوئی بات نہ بن پڑی۔ تاہم جواب نہ دینا بھی گستاخی تھی۔ چنانچہ اس نے سادگی سے اپنے اس خیال کا اظہار کر دیا۔

"مس ہیلر کی موجودگی میں میں یہ جرأت نہیں کر سکتا تھا جناب۔ میں انہیں پہچانتا ہوں، تاہم اس غلطی کے لیے معافی کا خواستگار ہوں۔" اس کی آنکھوں میں خوف کے تاثرات منجمد تھے، کیونکہ اسے معلوم تھا کہ ایس۔ ایس افسروں کی خفگی مول لے کر یا تو تنزلی نصیب ہوتی ہے یا پھر مشرقی محاذ کے جہنم میں کودنا پڑتا ہے۔

اس اثنا میں کرنل وان رٹر نے اپنے اور اپنے ساتھیوں کے کاغذات نکال کر اس کی طرف بڑھا دیئے۔ کیپٹن جیکاٹ نے صرف دکھانے کے لیے کاغذات چیک کئے اور پھر انہیں احترام سے واپس کر دیا۔

"میں آپ کے ساتھ . . ."

"نہیں۔ ایک معمولی سپاہی ہمارے ساتھ کر دیا جائے۔" رٹر نے کہا۔ "تمہیں میرے ساتھ دیکھ کر بہت سے یونٹ سمجھ جائیں گے کہ انسپکشن ہونے والی ہے۔"

"بہت بہتر جناب!" سیکورٹی افسر نے کہا۔ وہ اب شاید خود بھی اس بدمزاج افسر سے گلوخلاصی چاہتا تھا۔ چنانچہ اس نے ڈیوٹی کے ایک سپاہی کو طلب کر کے ان کے ساتھ کر دیا۔

فریڈ اس احمق سپاہی کے ساتھ آگے بڑھ گیا، اس کے دوسرے ساتھی اس کے ساتھ تھے، اور اب وہ اس مشہور زمانہ پناہ گاہ میں داخل ہو چکے تھے، بلاشبہ یہ ایک انوکھی قلعہ بندی تھی۔ زمین دوز مورچوں میں لمبی لمبی گنیں لگی ہوئی تھیں، ان کے فاصلے اتنے تھے کہ وہ بہ آسانی ایک دوسرے کی مدد کر سکیں۔ انہیں سرنگ نما بلند دیواروں سے ایک دوسرے سے ملا دیا گیا تھا۔

فریڈ اور اس کے ساتھی نیچے اتر کر خندق میں آگے بڑھنے لگے بیوقوف سپاہی ان کی رہنمائی کر رہا تھا۔ آٹھ یا نو مورچوں کے قریب سے گذرنے کے بعد کرنل رٹر رک گیا۔

"ٹھیک ہے تم اپنے یونٹ میں واپس جاؤ۔" اس نے بھاری لہجے میں حکم دیا اور کارپورل جلدی سے نزدیکی زینے پر چڑھنے لگا۔ پھر جب وہ نظروں سے اوجھل ہوگیا تو فریڈ نے نزدیکی دروازے پر دستک دی اور گرجا۔

"دروازہ کھولو، میں کرنل وان رٹر ہوں۔"

اندر سے کسی نے فولادی پلیٹ اوپر کھسکائی، دروازے میں ایک مختصر سا سوراخ نظر آنے لگا، پھر اس میں سے ایک آنکھ دکھائی دینے لگی۔ شاید وہ انہیں چیک کر رہے تھے اور بالآخر سارجنٹ نے دروازہ کھول دیا۔

جی آئی مورچے میں داخل ہو گئے، اندر اسٹاف کے چند لوگ موجود تھے، ایک سیاہ چشمے والا لیفٹیننٹ اور سترہ سپاہی جن میں سے بیشتر دیواروں پر پیوست فولادی تختوں پر دراز تھے، ان افسروں کے اچانک آ جانے سے وہ ہڑبڑا کر کھڑے ہو گئے۔

"ہر ہٹلر!" لیفٹیننٹ نے نازی سیلوٹ مارتے ہوئے ایڑیاں بجائیں۔

"ہر ہٹلر!" فریڈ نے پروقار انداز میں کہا اور پھر تیزی سے بولا۔ "تمہارے پورے یونٹ کا معائنہ کیا جائے گا، قطار میں کھڑے ہو جاؤ۔"

"یس سر!" لیفٹیننٹ نے سر جھکاتے ہوئے کہا اور اپنے آدمیوں کو دو قطاروں میں کھڑا کر دیا اور خود اگلی صف کے پہلے حصے میں کھڑا ہوگیا۔

فریڈ نے چاروں طرف دیکھا، اندازہ کیا کہ وہاں ان لوگوں کے علاوہ اور کوئی نہ تھا اور پھر اس کی نگاہ آہستہ آہستہ اپنے ساتھیوں کی جانب اٹھ گئی۔ مارگریٹ، گرین اور بروجر وغیرہ تیار کھڑے تھے، انہیں معلوم تھا کہ دوسرے لمحے انہیں کیا کرنا ہے، چنانچہ آہستہ آہستہ فریڈ کا ہاتھ بلند ہوا اور دائیں قطار میں کھڑے ہوئے لوگوں پر جا کر اس کی نگاہیں رک گئیں۔

نازی سپاہی، قابل نفرت لوگ جن سے وہ ہمیشہ سے نفرت کرتا تھا، اور اس کے ساتھی —— ان کے چہروں پر بھی دبی دبی نفرت کے آثار نظر آ رہے تھے، جن کا اظہار وہ کبھی نہ کر پاتے تھے۔ اور پھر اچانک فریڈ کا ہاتھ نیچے کی جانب ہوگیا اور اس کے ساتھ ہی گرین اور بروجر نے نازی سپاہیوں پر مشین گنوں کی باڑھ ماری اور وہ سب کٹے ہوئے درختوں کی طرح زمین پر گر پڑے۔

لیفٹیننٹ کے چہرے پر سخت حیرت کے آثار نظر آ رہے تھے۔ مشین گنوں کی باڑھ سے نکلی ہوئی گولیاں اس کے سینے میں پیوست ہو گئی تھیں اور اس کے منہ سے خون کی ایک تیز دھار بہہ نکلی، پھر آہستہ آہستہ وہ زمین پر گر پڑا اور اس کے ہونٹوں سے آخری الفاظ نکلے۔

"ہر ہٹلر!"

سترہ جوان اور اسٹاف کے چند لوگ مع لیفٹیننٹ کے زمین پر تڑپ رہے تھے، ان کے منہ سے آوازیں تو نہ نکل سکی تھیں لیکن جسموں کی اچھل کود سے خاصی آوازیں پیدا ہو رہی تھیں، لیکن سامنے کھڑے ہوئے لوگوں کے چہروں پر کچھ ایسے تاثرات تھے جیسے وہ کسی بہت ہی دلکش منظر کو دیکھ رہے ہوں۔

وہ سب نازیوں سے بے پناہ نفرت کرتے تھے۔

"کیا تمہیں اس بات پر یقین ہے کرنل وان رٹر کہ ہم جرمنوں کے . . . ایسے مورچوں پر قابض ہیں جو سیگفرڈ لائن میں ہوں۔"

"ہاں۔ ہم یہاں اسی یقین کے ساتھ داخل ہوئے تھے۔" فریڈ نے سامنے پڑی ہوئی میز پر سے سگریٹ کا پیکٹ اٹھایا اور اس میں سے سگریٹ

نکال کر ہونٹوں سے لگایا، پھر اس نے سگریٹ اپنے ساتھیوں کو پیش کئے اور لائٹر سے سب کے سگریٹ سلگا دیئے۔

"واہ واہ، تادمِ آخر حقیقی وفادار" سارجنٹ گرین نے مردہ لیفٹیننٹ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا، جواب سرد ہو چکا تھا۔

"تم اس یونٹ میں داخلے کی بات کر رہے تھے غالباً" فریڈ نے آہستہ سے کہا۔

"ہاں سارجنٹ، بلاشبہ یہ پہلی کامیابی ہے، جسے ہم ایک چھوٹی سی کامیابی کہہ سکتے ہیں، لیکن بہرحال اس چھوٹی سی کامیابی نے ہمت بڑھا دی ہے، کیا خیال ہے مس مارگریٹ؟" فریڈ نے مارگریٹ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"بالکل ٹھیک، اور مجھے یقین ہے کہ ہم سیگفرڈ لائن کو مکمل طور پر تباہ کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے"

"یقیناً یقیناً" فریڈ نے کہا۔

"مرنے والوں کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟" گرین نے پوچھا

"یہ وہ تھے، جن کی موت یقینی تھی" مارگریٹ نے نفرت سے ہونٹ سکوڑ لئے تھے۔

"ایک بات بتائیں گی مس مارگریٹ"

"جی پوچھئے" مارگریٹ نے فریڈ کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

"آپ نے اس تحریک کی ابتدا کب سے کی؟"

"اوہ، فرانس پر نازیوں کے ابتدائی قبضہ کے وقت ہی میں نے اس بارے میں سوچا تھا۔"

"یہ تحریک کیا کسی خاص جذبے کی بنا پر پیدا ہوئی تھی؟"

"ہاں"

"کیا آپ مجھے اس کی وجہ بتانا پسند کریں گی؟"

"میں اسکول گرل تھی، چھوٹی سی، زمانے کی غلاظتوں سے ناآشنا، تب جنگ چھڑ گئی۔ مجھے کوئی اندازہ نہ تھا کہ جنگ کیا حیثیت رکھتی ہے لیکن پھر فرانس کے مخصوص حصے پر نازی قابض ہو گئے۔ اور انہوں نے ظلم و ستم کی جو داستانیں تحریر کیں وہ ناقابل بیان ہیں، میرے باپ کو ہمارے خاندان کی نگاہوں کے سامنے پھانسی پر لٹکا دیا گیا، میری ماں اور بہنوں کی عصمت دری کی گئی، اور

یہ سب کچھ میں نے اپنی نگاہوں سے دیکھا، اور تب میں نے سوچا کہ میں بھی انہی کی طرح نازیوں کی بھینٹ چڑھنے کے لئے نہیں ہوں، میری زندگی کا کوئی مقصد ہونا چاہیے، اور پھر میں نے اپنی زندگی کا ایک مقصد بنا لیا۔

تب میں نے اس مقصد کو اپنے ذہن میں رکھ لیا اور زیر زمین تحریک میں حصہ لے لیا، اور اس کے بعد اس تحریک کی ایک سرگرم کارکن بن گئی۔ کیا تم یقین کر سکتے ہو مسٹر فریڈ کہ میں نے سینکڑوں نازیوں کو اپنے ہاتھ سے موت کے گھاٹ اتارا ہے، جس جگہ بھی مجھے موقعہ ملا، میں نے انہیں کتوں کی طرح مار ڈالا۔ لیکن آج بھی ان کے خون کی پیاس نہیں بجھی ہے"

"بلاشبہ، ان نازی کتوں کو ہم قبر کی گہرائی میں پہنچائے بغیر چین سے نہ رہ سکیں گے"

"ہاں، نازیوں کی تباہی یا موت، ہمارا مقصد ان دو کے سوا کچھ نہیں ہے فریڈ" مارگریٹ نے کہا۔

"ہاں، اب ہم جگہوں کا معائنہ تو کر لیں، کم از کم اس مورچہ پر ہمارا قبضہ ہے، دیکھیں تو سہی ان نازیوں نے نام نہاد سیگفرڈ لائن میں کیا کیا ہے"

"اوہ، پہلے ان لاشوں کے بارے میں سوچا جائے مسٹر فریڈ" بروجر نے کہا۔

"لاشیں، ہاں یقیناً"

"کیوں نہ انہیں گھسیٹ کر اسلحہ خانے میں ڈال دیا جائے" گرین بولا۔

"انتہائی مناسب کام ہے اور میرا خیال ہے ان کے لئے اس سے بہتر جگہ اور کوئی نہ ہو گی" فریڈ نے تائید کی اور پھر تینوں لاشوں کو گھسیٹ کر اسلحہ خانے میں لے جانے کا کام کرنے لگے، اور اس کام میں زیادہ دیر نہیں لگی تھی۔

اسلحہ خانے میں سے فریڈ نے دیوار میں نصب ایک مشین پسٹل نکال کر مارگریٹ کے سپرد کرتے ہوئے کہا۔

"مس مارگریٹ، میرا خیال ہے کیوں نہ ہم اسے اپنے قبضہ میں رکھ لیں کیا آپ اس کا استعمال جانتی ہیں؟"

"اوہو، تین سال پہلے یہ گن کثرت سے استعمال کر چکی ہوں" مارگریٹ نے کہا "میں نے ہوٹل میں بیٹھے ہوئے نازیوں کے ایک بڑے گروہ کا صفایا اسی گن سے کیا تھا، ان میں سے ایک بھی زندہ نہیں بچا تھا"

"میرا خیال ہے اس مہم کے دوران ایک بار پھر تمہیں یہ گن استعمال کرنا ہو گی مس مارگریٹ"

"ضرور مسٹر فریڈ۔ میں اس مناسب موقع سے پورا پورا فائدہ اٹھاؤں گی"

لاشوں کو ٹھکانے لگانے کے بعد وہ ایک اور کمرے میں داخل ہو گئے، وہاں نازیوں کا راشن موجود تھا، ان لوگوں کو بھوک بھی محسوس ہو رہی تھی، چنانچہ سب سے پہلے کھانے پینے کا بندوبست کیا۔ ویسے بھی باقی مورچوں کو ناکارہ کرنے کی انہیں اتنی جلدی نہیں تھی، اور اگر کام میں کسی طور دیر ہو بھی جائے تو وہ رفتار تھوڑی تیز کر کے اس وقت کی کسر نکال سکتے تھے۔ کھانا کھانے کے بعد وقت گزاری اور کچھ اپنے تجسس کی تسکین کے لئے وہ ٹکڑ کا معائنہ کرنے میں مصروف ہو گئے۔

ایک ایک چیز سے جرمن انجینئرز کی مہارت نمایاں تھی۔ مورچہ میں چھ چھ ٹولیوں میں اٹھارہ آدمیوں کے بنکرز بنے ہوئے تھے۔ ابتدائی طبی امداد کا سامان موجود تھا اور بجلی بھی، کاربن گیس والے انجن بجلی پیدا کرتا تھا اور اس بجلی سے ہوادانوں میں پنکھے بھی چلتے تھے، یہاں پر موجود سپاہیوں کے لئے تقریباً ایک ماہ کا راشن موجود تھا۔

"کمال ہے، ایک چھوٹا سا تو مکمل قلعہ ہے" بروجر نے تبصرہ کیا۔

"... گرین نے جواب دیا۔

"ہمیں صرف اپنے ٹینکوں اور توپ خانے کیلئے اس دفاعی لائن کے ایک حصے کو ناکارہ کرنے کی ضرورت ہے۔ اس کے بعد ہمیں دوسرے مورچوں کو تباہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے، ہمارے ٹینک اور توپخانے باقی خود کام کر لیں گے، آپ کا کیا خیال ہے مسٹر فریڈ؟" برو جر نے پوچھا۔

"یقیناً" فریڈ نے جواب دیا۔

تھوڑی دیر کے بعد ٹیلی فون کی گھنٹی بجتی تھی۔ ہر بار ڈویژن ہیڈ کوارٹر سے کال کی جاتی تھی اور ہر بار فریڈ یہی جواب دیتا تھا "مورچہ نمبر ۸۲ ۳ آر۔ بی حالات بالکل ٹھیک ٹھاک ہیں" آخر فریڈ نے اپنی گھڑی پر نظر ڈالی اور گرین سے مخاطب ہوا۔

"میرا خیال ہے مسٹر گرین، ایک آدمی کا یہاں رہنا ضروری ہے"

"میں بھی محسوس کر رہا ہوں" گرین نے جواب دیا۔

"تب پھر اس کے لئے تم سے عمدہ اور کوئی نہیں ہے"

"بہتر" گرین نے جواب دیا۔

"تو تب تم یہیں ٹھہرو اور ٹیلی فون کا جواب باقاعدگی سے دیتے رہو"

پھر وہ برو جر اور مارگریٹ سے مخاطب ہوا "آئیے ہم لوگ آگے بڑھیں"

"ٹھیک ہے فریڈ" مارگریٹ نے جواب دیا اور تینوں آگے بڑھ گئے۔

اس مہم کا دوسرا مرحلہ، دوسرا مورچہ، جس کے قریب پہنچنے میں زیادہ دیر نہ لگی۔ یہ مورچہ پہلے تباہ شدہ مورچے کے شمال میں تھا، فریڈ اس کے قریب پہنچ کر رک گیا۔ اس نے اپنے دونوں ساتھیوں کی جانب دیکھا اور دروازے پر آہستہ سے دستک دے کر گرجا۔

"کھولو"

کسی نے سوراخ کے ذریعے باہر جھانکا اور دروازہ کھل گیا۔ فریڈ برو جر اور مارگریٹ اندر داخل ہو گئے۔

"ہم معائنہ کرنے آئے ہیں" فریڈ نے اپنے مخصوص لہجے میں کہا "میں سپاہیوں کے معائنہ سے آغاز کروں گا، قطار بناؤ"

"بہت اچھا جناب" بنکر کے نوجوان سی او نے کہا اور شاید دل ہی دل میں دعا کرنے لگا کہ اس لاکر میں بند وہسکی کی بوتل اس افسر کے ہاتھ نہ لگ جائے۔ پھر اس نے اپنے آدمیوں کو اچانک قطار میں کھڑے ہونے کا حکم دیا۔ سپاہی اس اچانک معائنہ کرنے والی مصیبت کو دیکھ رہے تھے، پھر ان کی نگاہیں مارگریٹ کی طرف اٹھ گئیں، سنہرے بالوں والی لڑکی ان کے لئے کافی دلکشی رکھتی تھی، بہرصورت وہ قطاروں میں کھڑے ہو گئے اور برو جر، مارگریٹ اور فریڈ کی نگاہیں ان کا جائزہ لینے لگیں۔ بظاہر لگ رہا تھا کہ وہ صرف سپاہیوں کا معائنہ کر رہے تھے لیکن درحقیقت وہ سوچ رہے تھے کہ کیا پہلی بار میں ان تمام آدمیوں کا صفایا کیا جا سکتا ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ ان میں سے کوئی اپنی جگہ چھوڑنے میں کامیاب ہو جائے اور کام غلط ہو جائے۔

لہٰذا کام ایسا ہی ہونا چاہئے تھا جس میں غلطی کا کوئی امکان نہ ہوتا اور ان میں سے ایک بھی آسانی سے نہ بچ سکتا اور جب انہیں اندازہ ہو گیا کہ کام مکمل طور پر درست ہو جائے گا تو اچانک گنیں سیدھی ہو گئیں اور پہلے ہی برسٹ میں تمام نازی سپاہی ڈھیر ہو گئے گویا یہ دوسری کامیابی تھی جو انہیں حیرت انگیز طور پر حاصل ہوئی۔

"کیا خیال ہے، یوں لگتا ہے جیسے ہم اس خوفناک اور ناقابل یقین مہم کو بخوبی انجام دے لیں گے" مارگریٹ نے کہا۔

"ہاں، اس سے قبل یہ ناقابل تسخیر لائن دوسرے لوگوں کی طرح ہمارے لئے بھی خوفناک تھی، لیکن اب صورتحال دوسری ہے، اب تو یوں لگتا ہے جیسے ان سارے مورچوں کو ہم بہ آسانی تباہ کر کے اتحادی فوجوں کی کامیابی یقینی بنا دیں گے"

"مسٹر فریڈ" مارگریٹ نے اچانک کہا۔

"کہئے مس مارگریٹ"

"کیا آپ کو یقین نہیں ہے کہ ہم اس مہم کو سرانجام دے کر کامیابی سے یہاں سے نکل چلیں گے؟"

"کیوں نہیں مس مارگریٹ، ہم پورے یقین کے ساتھ اپنا کام کر رہے ہیں اور ان دو کامیابیوں کے بعد ہمارے حوصلے اور بڑھ گئے ہیں، میری پیش گوئی ہے مس مارگریٹ کہ ہم کامیابی کے ساتھ یہاں سے واپس جائیں گے"

"تب تو۔۔۔ تب تو شاید میں نے اپنی آخری آرزو پوری کرنے میں جلد بازی سے کام لیا ہے" مارگریٹ نے شرماتے ہوئے انداز میں کہا۔

"اوہ۔ تمہیں شاید یہ احساس ہے کہ تم نے ایک معیاری انسان کو۔۔۔"

"مسٹر فریڈ، براہ کرم۔ ٹھیک ہے نازیوں کو میں خونخوار درندہ سمجھتی ہوں اور درندوں پر ہر وہ شخص گولی چلا سکتا ہے جو گولی چلانا جانتا ہے، لیکن ایک عورت، مسٹر فریڈ! آپ جس طرح چاہیں یقین کر سکتے ہیں۔ میں کنواری تھی اور میری زندگی کی پہلی چاہت آپ تھے، میں نے آپ کو اپنے پہلے مرد کی حیثیت سے قبول کیا ہے، اس میں معیار کیا حیثیت رکھتا ہے؟"

"اوہ۔ پھر میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں مس مارگریٹ، لیکن اگر ہم اس مہم سے کامران ہو کر لوٹے تو اس کے بعد۔۔۔ کیا اس کے بعد بھی میں آپ سے توقع رکھوں کہ آپ۔۔۔"

"مسٹر فریڈ! آپ فرنچ ہیں؟"

"ہاں"

"میں بھی فرانسیسی ہوں۔ ہمارے وطن ایک ہیں، ہمارے دل بھی ایک دوسرے سے مختلف نہ ہوں گے"

"آپ کے یہ الفاظ میرے لئے بڑے روح افزا ہیں" فریڈ نے کہا اور پھر وہ اس بنکر کا جائزہ لینے لگے، یہ بھی دوسرے مورچوں سے مختلف نہ تھا۔ چنانچہ سب سے پہلا کام یہی کیا جا سکتا تھا کہ لاشوں کو مناسب طور پر ٹھکانے لگا دیا جائے۔

لاشوں کو ٹھکانے لگانے کے بعد وہ کام سے فارغ ہو گئے۔

"مسٹر فریڈ" مارگریٹ نے اسے مخاطب کیا۔

"جی!"

"میری خواہش ہے کہ اگلے مورچے کے سارے سپاہیوں کو قتل کرنے کا موقع مجھے دیا جائے۔"

"ضرور!" فریڈ نے جواب دیا۔ درحقیقت دو مورچوں پر قبضہ کرنے کے بعد وہ بے حد خوش تھے، اس طرح کرنل ورشیل کی کامیابی کے امکانات روشن ہو گئے تھے۔

"اب کیا پروگرام ہے مسٹر فریڈ؟" گرین نے پوچھا۔

"آؤ بنکر کی گنوں کا معائنہ کریں۔" فریڈ نے کہا، اور وہ ایک سرپانچ ملی میٹر کی گنوں کا معائنہ کرنے لگے، تھوڑی دیر کے بعد فریڈ نے ایک گن کی طرف اشارہ کیا۔

"کیا تم تنہا اس گن کو سنبھال سکتے ہو گرین؟"

"یقیناً" گرین نے مستعدی سے کہا۔

"ہوں۔ اگر ہم کے دوران ہماری غلطی کھل جائے تو تم اس گن کے ذریعہ زیادہ سے زیادہ بنکرز تباہ کرنے کی کوشش کرنا۔ تاکہ ہم نازیوں کو زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچا کر جان دیں۔"

"بہت خوب، میں ایسا ہی کروں گا۔"

"تو میں اور مارگریٹ آخری بنکر میں جا رہے ہیں۔"

"کیا میں بھی ساتھ چلوں؟" بروجر نے پوچھا۔

"نہیں میری جان، تم ٹیلیفون کے جواب دو گے، اگر نازیوں کو ان کی کال کا جواب نہ ملا تو، وہ شبے میں بھی مبتلا ہو سکتے ہیں۔" فریڈ نے جواب دیا اور بروجر شانے ملا کر اپنی ڈیوٹی پر پہنچ گیا۔

"آؤ مارگریٹ۔" فریڈ نے کہا اور مارگریٹ اس کے ساتھ چل پڑی گویا کرنل وان رٹر اور ہیملر کی بیٹی اور اس کی محبوبہ اب تنہائیوں کا سفر کر رہے تھے۔

تیسرے اور آخری مورچے کا طریقہ کار مختلف نہیں تھا۔ بنکرز کا دروازہ کھل گیا اور تنی ہوئی مونچھوں والے لیفٹیننٹ نے مارگریٹ پر نگاہ ڈالنے کے بعد کچھ اور دیکھنا ضروری نہیں سمجھا۔ مارگریٹ کے پرشباب جسم پر سے اس کی نگاہیں ہٹ ہی نہیں رہی تھیں۔

"لیفٹیننٹ" فریڈ غرایا اور وہ شباب کی دنیا سے لوٹ آیا۔

"یس۔ یس سر!"

"اپنے آدمیوں کو قطار میں کھڑا کر کے ان کی گنتی کرو۔"

"بہت خوب جناب" لیفٹیننٹ نے بحالت مجبوری کہا۔ اور پھر اس نے اپنے آدمیوں کو قطار میں کھڑے ہونے کا حکم دیا اور پھر خود مارگریٹ کے عین سامنے پہلی قطار میں کھڑا ہو گیا۔ کچھ نہیں تو تھوڑا سا قرب ہی سہی۔

لیکن پھر مارگریٹ نے آہستہ سے گن سیدھی کر لی۔ اور لیفٹیننٹ کی آنکھیں تعجب سے پھیل گئیں۔

"میڈم۔ میڈم... یہ کیا..." اس نے مارگریٹ کی طرف بڑھنے کی کوشش کی۔ لیکن مارگریٹ نے دیر نہ کی۔ اور گن سے نکلی ہوئی گولیوں نے اس کی آواز ہمیشہ کے لئے بند کر دی۔ اس کے ساتھ ہی اس نے گن کا رخ سپاہیوں کی طرف کر دیا اور دوسرے لمحے وہاں تڑپتی لاشوں کے سوا اور کچھ نہیں تھا۔

"مارگریٹ!" فریڈ نے اسے پکارا۔

"ہوں!"

"تم ان سے شدید نفرت کرتی ہو نا؟"

"ہاں۔ بے پناہ۔ یقین کرو نازیوں کے بہتے ہوئے خون کی سرور انگیز سرسراہٹ میں اپنے رگ و پے میں محسوس کر رہی ہوں، کیا تم مجھے ایک سگریٹ پینے کی اجازت دو گے؟"

"یقیناً" فریڈ نے اسے سگریٹ کا پیکٹ پیش کر دیا اور ماچس سے اس کا سگریٹ سلگا بھی دیا۔

مارگریٹ نے سگریٹ کے دو تین گہرے گہرے کش لئے، اور پھر دھواں اڑاتی ہوئی بولی۔

"درحقیقت میں ان سے بے پناہ نفرت کرتی ہوں، جتنے سنگدل یہ لوگ ہوتے ہیں، میں تمہیں کیا بتاؤں، میری آنکھوں نے ان کے مظالم کو اچھی طرح دیکھا ہے، میں تمہیں نہیں بتا سکتی فریڈ کہ انہوں نے میرے والد کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے؟"

"مجھے احساس ہے۔"

"تو پھر میری نفرت تو ان سے بجا ہے۔"

"ہاں مارگریٹ۔"

"میرا دل چاہتا ہے کہ ان کا ایک اتنا بڑا اجتماع ہو، جو تاحد نگاہ پھیلا ہوا ہو، میرے پاس ایک چھوٹا سا طیارہ ہو جس میں ایسی زہریلی گیس ہو جس گیس کو میں ان پر چھوڑوں تو وہ ان کے جسموں کو گلائے اور پھر میں وہ طیارہ ان کے سروں پر گذاروں اور گیس ان کے سروں پر چھوڑتی چلی جاؤں، میرے سامنے نازیوں کے بہتے ہوئے ...... بدن پھیلے ہوں۔ فریڈ یہ میری دلی آرزو ہے، میری خواہش ہے فریڈ۔" مارگریٹ کافی حد تک جذباتی ہو گئی۔

"بے شک، ان کے ساتھ سلوک تو یہی ہونا چاہئے، بہرحال ہم جو کچھ کر رہے ہیں مارگریٹ، وہ ان کی شکست کے لئے ہے اور یہ کام ہم اس لئے انجام نہیں دے رہے کہ نازی ختم ہو جائیں۔ ہم ان کی بدترین شکست کا بندوبست کر رہے ہیں۔"

"بے شک، میرا خیال ہے اب ہم کام شروع کر دیں۔"

"ہم تقریباً اس حصے کو ناکارہ کر چکے ہیں۔"

"میں بھی یہی کہنے والی تھی۔"

"اور اس کے بعد اگر ہم کامیاب ہو گئے تو..." فریڈ نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"ہاں فریڈ، میں تم سے وعدہ کر چکی ہوں، تم — تم میری زندگی کے پہلے انسان ہو اور شاید آخری بھی۔" مارگریٹ نے جواب دیا۔

فریڈ تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا۔ اور پھر وہ پلٹ کر مورچے کے فیلڈ لاکر

اس نے فلیشر لاکر کے راستے سے ایک اسٹار شیل آسمان کی طرف پھینک دیا۔

تیز روشنی ہوئی اور وہ چند ساعت انتظار کرتا رہا، اس کے بعد اس نے دوسرا اسٹار شیل لیا اور اس کے چند منٹ کے بعد تیسرا اسٹار شیل بھی آسمان کی طرف پھینک دیا۔

یہ اس بات کا سگنل تھا کہ وہ منصوبے کے مطابق مورچے پر قبضہ کر چکے ہیں اور اب اتحادی فوجوں کے لیے راستہ صاف ہے، لیکن وہ جانتا تھا کہ یہ شیل جرمن فوجوں نے ضرور دیکھ لیے ہوں گے اور اس کا یہ اندازہ درست ہی نکلا۔

تھوڑی دیر کے بعد ٹیلی فون کی..... گھنٹی بجی، فریڈ اس کے لیے تیار تھا۔ اس نے ٹیلی فون کا ریسیور اٹھالیا۔ دوسری جانب سے بولنے والا ڈویژن سیکورٹی آفیسر تھا۔

"کیا بات ہے، اسٹار شیل پھینکنے کی ضرورت کیوں پیش آئی؟" اس آفیسر نے پوچھا۔

"غلط فہمی ہوگئی جناب، ہم سمجھے امریکیوں کے سپاہی آ گئے ہیں؟" فریڈ نے دلجمعی سے جواب دیا۔

"پر تمہیں یہ شبہ کیسے ہوا؟"

"عرض کیا نا جناب! بس غلط فہمی ہوگئی تھی اور ہم نے فائر ہی اس لیے کیا تھا۔ بعد میں پتہ چلا کہ وہ کتوں کا ایک جوڑا تھا؟"

"ہوشیار رہا کرو؟" سیکورٹی آفیسر نے کرخت لہجے میں کہا۔

"یس سر؟" فریڈ نے فوراً جواب دیا اور دوسری طرف سے ریسیور رکھ دیا گیا۔

فریڈ نے ریسیور رکھ کر گہری سانس لی تھی اور پھر وہ مارگریٹ کی طرف دیکھنے لگا۔ مارگریٹ نے مسکرا کر گردن ہلائی تھی، پھر اس نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

"امریکی فوجیں کس وقت تک یہاں پہنچ جائیں گی؟"

"تقریباً ایک گھنٹے کے اندر اندر؟" فریڈ نے جواب دیا۔

اور پھر وہ عجیب سی نگاہوں سے مارگریٹ کی طرف دیکھنے لگا۔

"گویا ہمارا کام ختم؟" مارگریٹ نے کہا۔

"ہاں۔ ہمارا ایک کام ختم؟" اس نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"کیا مطلب، میں سمجھی نہیں؟"

"ہمیں دنیا میں صرف ایک کام ہی تو نہیں ہے؟" فریڈ آہستہ سے اس کی طرف بڑھتا ہوا بولا، اور مارگریٹ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"ہاں، ہمیں دنیا میں ایک ہی کام نہیں ہے؟"

"تو پھر کیا ہم اتنے ہی احمق ہیں کہ فرصت کی یہ گھڑیاں بالکل ضائع کر دیں؟" فریڈ اس کے بالکل نزدیک پہنچ کر بولا اور مارگریٹ شرمائی ہوئی نگاہوں سے اسے دیکھنے لگی۔

"اتنے احمق تو نہیں ہیں؟" مارگریٹ نے آہستہ سے کہا اور فریڈ اس پر جھک گیا۔ اس نے مارگریٹ کے دونوں شانے پکڑے اور اس کے ہونٹوں پر ہونٹ رکھ دیئے۔

مارگریٹ نے اس کے گلے میں بانہیں ڈال دی تھیں، فولادی دروازہ اندر سے بند تھا۔ اس وقت وہ تنہائی سے پورے طور سے لطف اندوز ہونا چاہتے تھے، چنانچہ مارگریٹ اس کی پوری پوری مدد کر رہی تھی۔ اور فریڈ نے اسے ایک اسپرنگ دار بیڈ پر لٹا دیا۔

کافی دیر تک وہ ایک دوسرے کے ہونٹوں میں الجھے رہے، اور اس کے بعد فریڈ اس کے ہونٹوں سے علیحدہ ہوگیا۔ مارگریٹ کی آنکھوں میں نشے کے آثار نظر آ رہے تھے۔

"مارگریٹ؟" فریڈ نے اسے آہستہ سے پکارا۔

"ہوں؟"

"کیا ہم پچھلی رات کو بھول جائیں؟"

"نہیں فریڈ، لیکن؟..."

"مجھے سب کچھ یاد آ رہا ہے مارگریٹ؟"

"ابھی اسے یاد نہ کرو؟"

"کیوں نہ یاد کروں؟" فریڈ کے ہاتھ اس کے بلاؤز کے بٹن کی طرف بڑھ گئے۔

"مناسب وقت نہیں ہے؟"

"ہر وقت مناسب ہوتا ہے مارگریٹ، جب موت کی گھڑیاں ہمارے بس میں نہیں ہیں تو وقت کے بس میں آنے کی کوشش کیوں کریں؟" فریڈ نے کہا اور مارگریٹ خاموش ہوگئی۔

تب فریڈ کے ہاتھ آہستہ آہستہ اس کے بلاؤز اتارنے لگے اور پھر چند لمحوں کے بعد مارگریٹ کا خوبصورت جسم اس کے سامنے تھا۔ رات کی تاریکی میں کھلیانوں کے ڈھیر میں وہ اس حسین بدن کے حسین خد و خال نہ دیکھ سکا تھا لیکن اس وقت یہاں زیادہ روشنی تھی اور تیز روشنی میں وہ مارگریٹ کے حسین خطوط میں کھو گیا۔

ٹھیک چھ ہفتے کے بعد آٹھ مئی کو ایک اسکول میں جو فیلڈ مارشل کورل کا ہیڈ کوارٹر تھا۔ نازیوں نے غیر مشروط طور پر ہتھیار ڈالنے کے معاہدے پر دستخط کر دیئے۔ اس موقع پر فریڈ اور مارگریٹ یہاں موجود نہیں تھے حالانکہ انہوں نے اس سلسلے میں جو کارنامہ انجام دیا تھا، اس کی حیثیت قبول کر لی گئی تھی اور اس کا پورا پورا صلہ دیا گیا تھا۔ لیکن شاید فریڈ صلے کے طور پر ملنے والی مارگریٹ کو زیادہ اہمیت دیتا تھا، کیونکہ اس وقت وہ پیرس میں اپنے فلیٹ کے بیڈ پر مارگریٹ کے عریاں سینے پر سر رکھے لیٹا تھا۔ پورے ساٹھ دن کی چھٹی ملی تھی اسے، اور یہ ساٹھ دن مارگریٹ کی معیت میں گزارے جاتے تو بہتر تھا۔

فریڈ اس بات سے بخوبی واقف تھا اور وہ اس حسین موقع کو ہاتھ سے نہیں جانے دینا چاہتا تھا۔




ٹینک کا فرار

"Actually better than Alistair MacLean's suspenseful novels"

TRAMP IN ARMOR

A Heart-Pounding Adventure Novel by

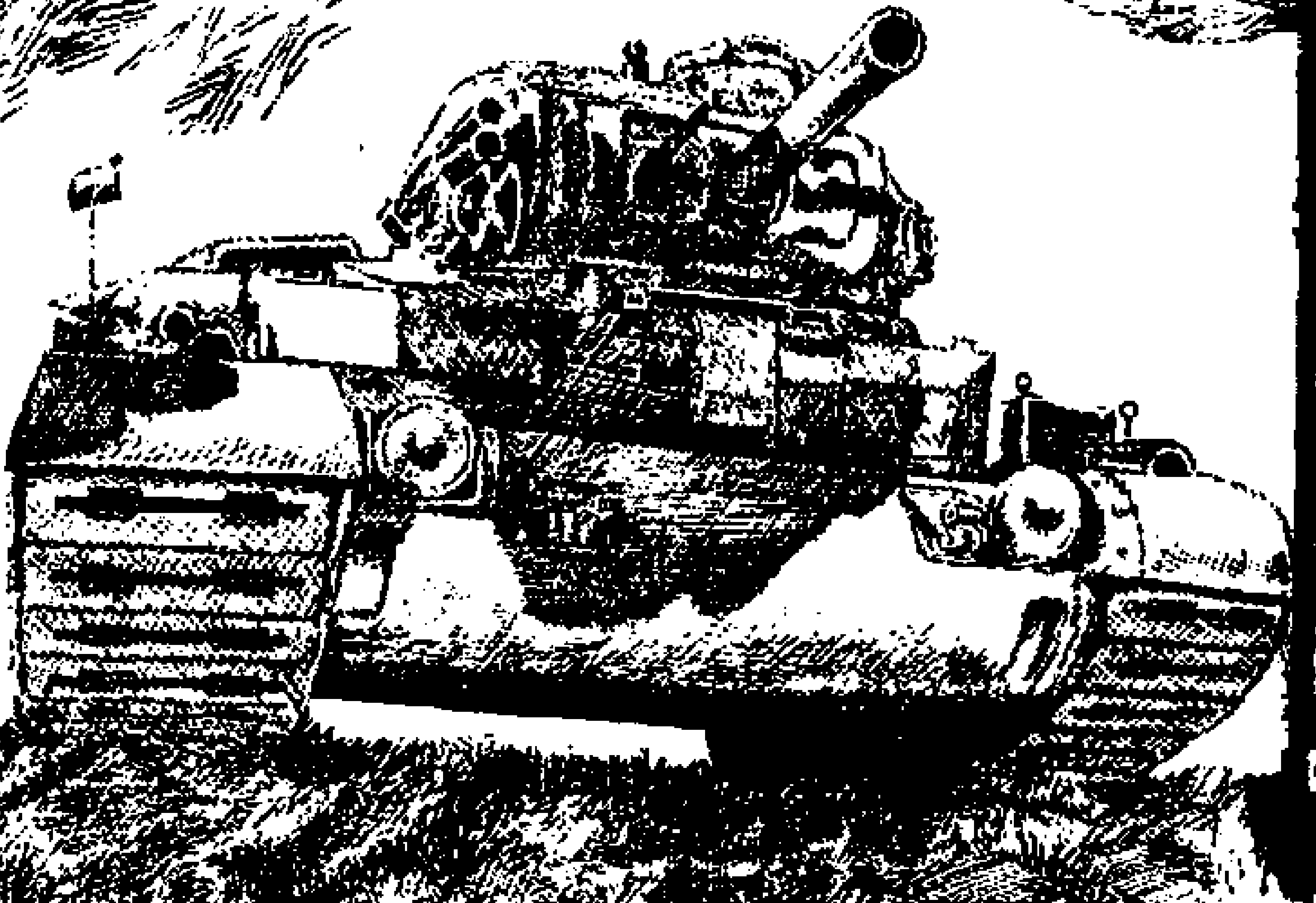
COLIN FORBES



ٹینک کا فرار

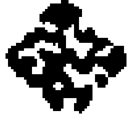
کولن فوربس

اسد اللہ غالب



جرمنی کا پینزر ڈویژن شمالی فرانس کو تاراج کرتا بڑھا چلا آرہا تھا۔ اتحادیوں کی قوت اسے روکنے میں ناکام ثابت ہو رہی تھی۔ قیامت کے اس عالم میں ایک برطانوی ٹینک اور اس کا عملہ جرمن لائنوں کے عقب میں محصور ہو گیا۔ انہیں ڈنکرک پہنچنے کے لیے جن پے در پے مصائب و آلام کا سامنا کرنا پڑا، ان کی تفصیل انسان کے رونگٹے کھڑے کر دیتی ہے۔

یہ جرأت و عزیمت کا رزم نامہ بھی ہے اور رفرار کی ایک عظیم داستان بھی۔



یہ ۱۹۴۰ء کے ختم ہونے والے موسم گرما کا آغاز تھا۔

جنگ شروع ہو چکی تھی۔

صاف نیلے آسمان پر سورج، ٹینک کے اوپر گرم گرم شعاعیں ڈال رہا تھا۔

"ڈرائیور، دائیں طرف پیش قدمی کرو، دائیں طرف۔ دو پاؤنڈر توپ بائیں طرف گھماؤ، بائیں طرف بسلسل ادھر رکھو۔ . . ."

جب ٹینک آڑ سے نکل کر ریلوے لائن کے اوپر چڑھا، تو ٹینک کمانڈر سارجنٹ برنیز کا خیال تھا اس طرح وہ دشمن سے بخوبی نمٹ سکے گا۔ وہ اس وقت جنرل وان باک کی فوج کے بی گروپ کے عین سامنے تھا۔

"توپ مزید بائیں طرف گھماؤ۔ . . ."

وہ سوچ رہا تھا تیزے دھیجے سے توپ، دشمن کی اگلی گاڑیوں کا صفایا کرے گی اور مشین گن، رینگ رینگ کر بڑھنے والے نازی فوجیوں کو بھون کر رکھ دے گی۔ ٹینک کی رفتار پانچ میل فی گھنٹہ تھی اور وہ پوری طرح ریلوے لائن کے اوپر ابھی نہ چڑھا تھا۔ پشتے کے دوسری طرف کھیتوں میں سے جرمنوں کی لہر بڑھتی چلی آرہی تھی اور ادھر برطانوی کو سیبی فورس اس سے دو دو ہاتھ کرنے کی منتظر۔

برنیز کا اسکواڈرن، برطانوی فورس کے انتہائی داہنی جانب متعین تھا اور خود برنیز کا ٹروپ اپنے یونٹ کے داہنے پہلو پر تھا۔ اس سے آگے کچھ فاصلے پر پہلی فرانسیسی فوج جرمنوں کے مقابلے میں مورچہ زن تھی، مگر اس کا برطانوی فوج سے کوئی رابطہ نہ تھا، اسی لیے برنیز کے ٹروپ کمانڈر لیفٹیننٹ پارکر نے لارڈ ٹیس پہاسے ہدایت دیتے ہوئے کہا تھا:

"برنیز، خدا کے لیے دیکھو یہ فرانسیسی کہاں ہیں؟ مجھے فوراً مطلع کرنا۔"

فرانسیسیوں کی طرف جانے والا قدرتی راستہ ریلوے لائن کے ساتھ ساتھ ایک سڑک تھی، مگر اس وقت مہاجروں اور ریفیوجیوں نے جگہ جگہ سے اڑا کر رکھ دیا تھا، چنانچہ برنیز نے فیصلہ کیا، صرف ایک راستہ باقی ہے ـــــ اور وہ ہے ریلوے لائن جو بدقسمتی سے دشمن کے بالکل سامنے تھی۔ اسے یہ راستہ اختیار کرتے ہوئے ذرا بھر تشویش نہ ہوئی۔ ٹینک، بلی میٹر موٹے فولا بنا ہوا تھا اور کوئی بھی ہلکا ہتھیار اس پر خراش ڈالنے کے سوا کچھ نقصان پہنچا سکتا تھا اور پیش قدمی کرنے والے جرمن دستوں کے پاس بھاری نہ تھا۔ ان کی توپیں پہلے ہی برطانوی فورس کے عقب میں گولہ باری کر اور اگر اسے ہدف بنانے کی کوشش کی گئی تو وہ فوراً ریلوے لائن کی سکتا تھا۔

ٹینک کا عملہ ان افراد پر مشتمل تھا: ٹینک ڈرائیور ٹروپر رینالڈ، ٹروپر ڈیوس گولے بھرنے والا کارپورل پان اور ٹینک کمانڈر برنیز۔ ٹینک کا بایاں پہیہ ایک جھٹکے کے ساتھ ریلوے کی پٹڑی کے چڑھا اور پھر رینالڈ نے اسے مزید دائیں طرف گھمایا، مگر اس کا دایاں پہیہ کے باہر رہے۔ سارجنٹ برنیز نے دوربین کے شیشوں میں سے دیکھا ہیلمٹ پہنے ہوئے جرمن ایک طوفان کی طرح لہر در لہر بڑھتے آرہے کسی کے ہاتھ میں رائفل تھی، کسی کے پاس مشینی پستول اور کوئی مشین گن تھا۔ اس نے مائیکروفون پر گنر ڈیوس کو حکم دیا: "دو پاؤنڈر، چھ سو۔"

ڈیوس نے رینج درست کی۔ "بائیں طرف گھماؤ۔" اسے مزید موصول ہوئی۔

"ٹینک شکن توپ۔" برنیز چلایا اور ساتھ ہی ٹینک پر چاروں طرف گولیوں کی بوچھاڑ شروع ہو گئی۔

"فائر کرو!"

ڈیوس نے فائر کر دیا۔ جھٹکا لگنے سے سارا ٹینک لرز کر رہ گیا۔ آنکھیں دھماکے پر لگی تھیں۔ سفید سا دھواں اٹھا اور پھر دور ٹینک شکن کے پرخچے فضا میں بکھر گئے۔ برنیز نے تازہ احکام جاری کیے:

"بیبا۔ . . ."

مشین گن سے تڑ تڑ گولیوں کی بارش ہونے لگی۔ دوسری بر لیے ڈیوس نے بیبا کو تھوڑا سا اور اونچا کر دیا۔ یہ ایک بار پھر چنگھاڑی کی دوسری لائن بھی کٹ گئی۔

ٹروپ کمانڈر پارکر نے وائرلیس پر پوچھا: "کیا صورتِ حال ہے؟" برنیز نے "جرمن بمبار آ رہی ہے۔ ۔ ۔ وہ چند سیکنڈ میں تمہارے سر پر ہوں گے۔ جہاں تک نظر جاتی ہے، یہ پھیلے ہوئے ہیں۔ اوور۔"

پارکر نے دوبارہ پوچھا: "لیکن فرانسیسی کہاں ہیں؟ برنیز! انہیں بھی کہیں دیکھا ہے یا نہیں؟"

"ابھی تک نہیں۔ میں جلد ہی مطلع کروں گا۔"

ٹینک کا ڈھکن بند تھا اور برنیز کو باہر کا منظر دیکھنے کے لیے دوربین پر انحصار کرنا پڑا تھا۔ اب اُسے گولی چلنے کی آواز سنائی نہ دے رہی تھی، اس لیے وہ ڈھکن کھول کر کھڑا ہو گیا۔ ریلوے لائن کے دُور و نزدیک کوئی جرمن فوجی نہ تھا۔ اِکّا دُکّا اُلٹے پاؤں بھاگ رہے تھے، کیونکہ وہ اپنے ساتھیوں کا حشر دیکھ چکے تھے۔ انہیں مزید خوفزدہ کرنے کے لیے جیسا مشین گن نے قاتل گولیاں اُگلیں۔

سارجنٹ برنیز نے ڈرائیور کو حکم دیا: "ٹینک پوری رفتار پر چلاؤ۔"

رینالڈ نے آہستہ آہستہ رفتار بڑھا دی اور اب وہ سوچ رہا تھا، برنیز کا نیا حکم کیا ہو گا؟

ٹینک کے بائیں طرف بجیم کے کھیت دُور تک پھیلے ہوئے تھے اور آگے سیاہ دھوئیں کے غلاف نے انہیں ڈھانپ لیا تھا جو رائل ایئر فورس اور برطانوی توپ خانے کی گولہ باری کا نتیجہ تھا۔ اس پردے کے آگے چھوٹے چھوٹے اُپلے یوں لگ رہے تھے جیسے چیونٹیوں کا لشکر پریشان پھر رہا ہو۔

وائرلیس پر کسی شخص کی بے تاب آواز سنائی دے رہی تھی: "ہیلو، ہیلو! میں ٹروپ کمانڈر پارکر ہوں۔ برنیز! کیا رپورٹ ہے؟"

"میں برنیز ہوں۔ ابھی ہمارے دوستوں کا کوئی نشان نہیں ملا۔ میں چوتھائی میل آگے بڑھ آیا ہوں۔ اوور۔"

"برنیز! کیا تمہیں اس کا یقین ہے۔ مجھے بریگیڈ کو رپورٹ کرنی ہے۔ مجھے حتمی جواب ملنا چاہیے۔"

"میں یقین سے کہہ رہا ہوں۔ اس وقت ٹینک عام سطح سے پچیس فٹ بلند ہے۔ سارا منظر واضح ہے۔ فرانسیسیوں کا کچھ پتہ نہیں چلتا۔ میں چوتھائی میل آگے بڑھ آیا ہوں۔ کیا مزید آگے بڑھوں یا واپس آ جاؤں؟"

"چوتھائی میل اور آگے جاؤ۔ پھر مجھے رپورٹ کرو۔"

"ٹھیک ہے جناب۔" برنیز نے جواب دیا اور وائرلیس خاموش ہو گئی۔ چوتھائی میل کوئی زیادہ فاصلہ نہ تھا۔ ٹینک مسلسل آگے بڑھ رہا تھا۔

تیر کی طرح سیدھی ریلوے لائن کچھ دُور جا کر پہاڑیوں میں غائب ہو جاتی تھی۔ سُرنگ کا محراب نما دہانہ برنیز کو نظر آ رہا تھا۔ اگرچہ فاصلہ کم تھا، لیکن وقت کا عامل انتہائی اہم تھا۔ اس نے گھڑی پر نگاہ ڈالی۔ دو تین منٹ میں جرمن اپنے توپ خانے کا نشانہ اس پر گرا سکتے تھے۔ ممکن ہے اب تک وہ وائرلیس پر فائر کی مدد مانگ چکے ہوں۔ بالکل سیدھی ریلوے لائن جرمنوں کا کام مزید آسان بنا سکتی تھی۔

اس کی نظروں کے سامنے اراکس کے کھنڈرات اپنی تباہ حالی پر نوحہ کناں تھے ——— لیکن فرانسیسی مورچوں کا کوئی نشان نہ مل رہا تھا۔

ریلوے سُرنگ بہت نزدیک تھی۔ صرف دو سو گز کا فاصلہ ہو گا۔ ٹینک کی حرکت سے سیاہ محراب نزدیک تر ہوتی جا رہی تھی۔ میدانِ جنگ سے ہٹ کر یہاں بھی خاصا شور تھا۔ بھاری توپ خانے کے دھماکے، سروں سے اوپر سائیں سائیں کر کے گزرنے والے گولے اور پس منظر میں مشین گنوں کی چنگھاڑ۔ اس کے ساتھ ساتھ برنیز، اراکس کے کھنڈرات میں اس قدر محو ہو چکا تھا کہ وہ آسمان کی طرف نہ دیکھ سکا ——— اور پھر اچانک ایک طیارہ ٹینک کے اُوپر غوطہ لگا رہا تھا۔ اس کی توپیں تڑ تڑ گولیاں برسا رہی تھیں۔ برنیز نے ڈھکنا بند کر دیا۔ جلدی میں اپنی انگلیاں بھی زخمی کر بیٹھا ——— لیکن وہ پھر بھی دیر کر چکا تھا ——— ایک گولی اس کے ساتھ ہی ٹینک میں گھس آئی اور چند ملی میٹر کے فاصلے پر اس کے قریب سے گزر گئی۔

ڈھکنا بند ہونے کی صورت میں ایم کے ٹو (الف) ٹینک کے سوار اپنے آپ کو ہر شے سے محفوظ تصور کر سکتے تھے، سوائے براہِ راست نشانے کے لیکن بدقسمتی سے کوئی گولی اندر داخل ہو جاتی، تو وہ ٹینک جو چند لمحے قبل ایک آرام دہ جنت تھا، پلک جھپکنے میں دہکتا ہوا جہنم ثابت ہوتا۔

چند لمحوں تک خاموشی طاری رہی۔ اس دوران میں رینالڈ ٹینک کو پوری رفتار سے دوڑاتا رہا۔ پان نے سب سے پہلے مہرِ سکوت توڑتے ہوئے کہا، "میرا خیال ہے گولی وائرلیس سیٹ میں دھنس گئی ہے۔"

برنیز نے مواصلات کے آلات چیک کیے اور پھر پان کی طرف دیکھا جو سیٹ کا تفصیلی معائنہ کر رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں شکوک و شبہات کے سائے تیر رہے تھے۔ پھر اُس نے ڈھکن کھولا اور صاف آسمان پر نظر دوڑائی۔ مشرق کی طرف سے تیر کی فارمیشن میں سٹوکا غوطہ خور بمبار ٹینک کی طرف محو پرواز تھے۔ وہ فوراً انٹرکام پر چلایا:

"رینالڈ، ہم پر دوبارہ حملہ ہونے والا ہے۔ خیریت چاہتے ہو تو جلد از جلد ٹینک سرنگ کے اندر پہنچاؤ۔"

ایک ایک لمحہ صدیوں پر بھاری تھا۔ نبض کی حرکت سست پڑ گئی تھی اور اعصاب تن گئے تھے۔ . . . .

برنیز جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے ٹینک کے سوراخ میں سے سر باہر نکالے کھڑا رہا۔ وہ سٹوکا بمباروں کی حرکت پر نظر رکھنا چاہتا تھا۔ اسے اچھی طرح یاد تھا یہی طیارے پولینڈ میں اتحادیوں کے لیے مہیب جن ثابت ہوئے تھے۔ اسے یہ بھی احساس تھا کہ وہ اس جنگ میں مر سکتا ہے، لیکن فی الحال نہیں، ابھی اسے زندہ رہنے کی امید تھی۔ وہ پہلے جرمنی کو تباہ و برباد ہوتے دیکھ لینا چاہتا تھا۔

سُرنگ قریب آ چکی تھی اور طیارے بھی کوئی ہزار گز دور رہ گئے تھے۔ سب سے اگلے بمبار نے اس کے سر پر پہنچ کر غوطہ لگایا اور ساتھ ہی اس کے پیٹ سے سیاہ انڈے باہر نکلے۔ برنیز نے برق رفتاری سے ٹینک کا ڈھکن بند کر دیا اور دور بین گھمائی تاکہ سُرنگ دکھائی دیتی رہے۔

"پوری بتیاں جلا دو۔" اس نے سرنگ کے دہانے سے چند فٹ دور پہنچتے ہوئے حکم دیا۔

کئی انچ موٹے فولاد کے اندر بھی بمبار کی چیخ صاف سُنائی دے رہی تھی۔ ٹینک کے انجن کا شور جہازوں کی گڑگڑاہٹ میں ڈوب گیا تھا۔ پان نے سوچا، اب کے نشانہ براہِ راست لگے گا۔ اس نے ڈریوس کی طرف دیکھا، مگر وہ توپ کی گردش میں محو تھا۔ اس کی مٹھیاں بھنچی ہوئی تھیں اور پیشانی نمدے پسینے سے تر بتر ——— پان نے برنیز کا جائزہ لیا، وہ دُوربین میں سے سُرنگ پر نظریں جمائے ہوئے تھا۔ میرے خدا! یہ کس قدر مضبوط اعصاب کا مالک ہے۔ پان نے سوچا۔ ٹینک کی ڈرائیونگ سیٹ پر رینالڈ بھی دو مختلف خطرات میں گھرا ہوا تھا۔ جُوں جُوں سرنگ نزدیک آ رہی تھی، اس کے خوف میں اضافہ ہوتا جاتا تھا۔ اسے یاد آ رہا تھا، اسپین کی خانہ جنگی میں بمباری سے بچنے کے لیے ایک اسکاؤٹ کار جونہی اس قسم کی ریلوے سُرنگ میں داخل ہوئی، آگے سے پُوری رفتار پر ایکسپریس ٹرین آ رہی تھی . . . لیکن پھر یہ سوچ کر وہ دل کو تسلی دے لیتا کہ یہاں میدانِ جنگ میں کون گاڑی چلانے کی جرأت کرے گا؟ فاصلہ کا دہانہ اس کی طرف بڑھا اور ساتھ ہی بم پھٹ گیا۔

دھماکے نے ٹینک کو لرزا کر رکھ دیا۔ اس قدر شور اُٹھا کہ ان کے کان بہرے سے ہو گئے۔ پھر انہیں دوسرے غوطہ خور بمبار کی آواز سُنائی دی ——— پہلے سیٹی، پھر چیخ۔ برنیز نے سوچا، اب کے بم عین ڈھکن کے اُوپر لگے گا۔ پان کا رنگ کاغذ کی طرح سفید ہو چکا تھا۔ ڈریوس کی نظریں توپ پر جمی تھیں جیسے اس کی زندگی کا انحصار اسی پر ہو۔



دوسرا بم بھی ٹینک سے چند گز پیچھے پھٹا۔ ٹینک ایک کھلونے کی طرح ڈگمگایا۔

ڈرائیور نے ٹینک کو آخری رفتار پر چھوڑا ہوا تھا۔ اب وہ مخالف سمت سے آنے والی گاڑیوں کو بالکل فراموش کر چکا تھا اور ہر قیمت پر ٹینک کو بخیر و عافیت اندر داخل کر دینا چاہتا تھا۔ اس کی کشادہ پیشانی سے پسینے کے قطرے پھوٹ پھوٹ کر آنکھوں میں داخل ہو رہے تھے مگر وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر سرنگ کی طرف دیکھ رہا تھا جو چند گز دور رہ گئی تھی، مگر کئی میل دور نظر آ رہی تھی۔ شاید اس کا اپنا دماغ چکرا گیا تھا۔

اب ٹینک کی ہیڈلائٹوں کی روشنی سرنگ کے اندر پڑ رہی تھی اور سروں کے اوپر تیسرا بمبار غوطہ لگا چکا تھا۔ جہاز کے پیٹ سے پہلے کی طرح سیاہ بم نکلا اور چند ثانیوں کے فرق سے ٹینک سرنگ کے اندر تھا۔ ایک قیامت خیز دھماکہ ہوا۔ ٹینک کے اندر ہر شخص بری طرح لرزا۔ ٹینک کے نیچے سے زمین سرکتی محسوس ہوئی۔ برنیز نے ایک سو اسی ڈگری پر گردن گھمائی۔

اُف خدایا! ٹینک کے پیچھے جہاں دن کی روشنی کا محرابی ہالہ دکھائی دینا چاہیے تھا، اب وہاں مکمل تاریکی کا راج تھا۔ آخری بم دہانے کی چوٹی پر گرا تھا۔ اس نے پہاڑی ڈھلوان کو ریلوے کی پٹڑی پر دھکیل دیا اور یوں وہ بیرونی دنیا سے کٹ گئے۔ سرنگ کا دہانہ مکمل طور پر بند ہو چکا تھا۔

❖ ❖ ❖

"ٹینک روک دو۔" برنیز نے انٹرکام پر ڈرائیور کو حکم دیا۔ "لیکن انجن اسٹارٹ رکھو۔"

وہ سرنگ کے اندر جس آخری سانحے سے ڈر رہا تھا وہ یہ تھا کہیں انجن بند نہ ہو جائے۔ اس نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھا۔ سب ایک دوسرے کو متوحش نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ انجن کی آواز کے سوا گمبھیر سناٹا طاری تھا۔ نہ کسی گرنے کی سیٹی سنائی دے رہی تھی اور نہ سروں پہ کسی غوطہ خور بمبار کی گڑگڑاہٹ۔

وہ بڑی احتیاط سے باہر نکلا۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے ازمنۂ وسطیٰ کی کسی زیرِ زمین تاریک کھوہ میں داخل ہو چکا ہو، جس میں ٹینک کی طلسماتی روشنی سحر انگیز منظر پیش کر رہی تھی۔ اس نے ٹینک کے سوراخ کی طرف آنکھیں پھاڑ کر دیکھا، مگر دن کی روشنی کا کہیں سے گزر نہ ہو رہا تھا۔ غار کا منہ مکمل طور پر بند ہو چکا تھا اور اب یہاں سے نکلنے کا واحد راستہ سرنگ کا دوسرا دہانہ ہی تھا۔

وہ پھر ٹینک میں داخل ہوا۔ پال ابھی تک وائرلیس کا معائنہ کر رہا تھا۔

مجھے مایوسی کا سامنا کرنا پڑا ہے۔ گرل مگنے سے دو دانت خراب ہو گئے ہیں اور ہمارے پاس فالتو پرزے نہیں۔ اسکواڈرن ہیڈ کوارٹر واپس پہنچنے تک انتظار کرنا پڑے گا۔" اس نے برنیز کو دیکھتے ہوئے کہا۔

برنیز نے انٹرکام کو دوبارہ چیک کیا کم از کم یہ صحیح کام کر رہا تھا۔ شکن ٹروپ کمانڈر لیفٹیننٹ پارکر سے کٹ جانا ایک سنجیدہ صورت حال تھی۔ شکر ہے وہ فرانسیسیوں اور اپنے درمیان خلا کے بارے میں اہم ترین پیغام بھیج چکا تھا۔ پھر اس نے بلجیم اور شمالی فرانس کا بڑا نقشہ سامنے پھیلا دیا۔ اس کی ٹارچ اڑکس کے گرد و نواح پر روشنی بکھیر رہی تھی۔

"یہ منحوس سرنگ بہت لمبی ہے" پان۔ "پہلے ہمیں اس سے نکلنا ہو گا اور پھر پہاڑوں کے اوپر سے گھوم کر واپس جانا پڑے گا۔ خیر اس علاقے کے بارے میں ہماری رپورٹ بڑی مستند ہو گی۔"

"جونہی ہم سرنگ سے باہر نکلیں گے، یہ نہر ہمارے راستے میں حائل ہو گی۔" پان نے اپنی انگلی نقشے کے اوپر گھماتے ہوئے کہا۔ "اور ہمیں اس پل پہ سے گزر کر ادھر مڑنا ہو گا۔" اس کی انگلی نیم دائرہ بناتی ہوئی اڑکس کے عقب میں جا کر رُک گئی۔ سارجنٹ برنیز نے اس کی تائید کی۔ وہ اندر ہی اندر وائرلیس کی خرابی پر کُڑھ رہا تھا۔

ڈرائیور کو دوبارہ حرکت میں آنے کا حکم دیتے ہوئے اس نے کہا:

"یہ سرنگ ہرگز سیدھی نہیں۔ رفتار پانچ میل فی گھنٹہ رکھو اور موڑ سے احتیاط برتو۔" یہ کہہ کر اس نے گنر ڈیوس کی طرف دیکھا۔ گول چہرے اور سُرخ بالوں والا یہ لڑکا انتہائی خوفزدہ دکھائی دیتا تھا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے خوف کے بھتنے ناچ رہے تھے۔

"کیا بات ہے ڈیوس؟"

"تم کہو گے یہ کواس ہے سارجنٹ مگر مجھے سرنگوں سے ہمیشہ خوف آتا ہے۔ ۱۹۲۴ء کے سانحے کا میں چشم دید گواہ ہوں۔ ہم پانچ دن تک ایک کان میں زندہ دفن رہے۔ . . ."

"ڈیوس، یہ ریلوے سرنگ ہے، معدنی کان نہیں۔ ہم دس منٹ میں باہر ہوں گے۔ اپنی توپ کی طرف دھیان دو۔ ممکن ہے دوسری طرف پینزر ڈویژن کا سامنا ہو جائے۔"

ٹینک حرکت میں آیا اور انجن کا شور اور اس کی صدائے بازگشت بل کھا کر کانوں کے پردے پھاڑنے لگے۔ برنیز نے اپنی گھڑی کی طرف دیکھا اور پھر سامنے نظر دوڑائی۔ اگر نقشہ صحیح تھا تو انہیں سرنگ کے آخری سرے پر دو چار منٹوں میں پہنچ جانا چاہیے تھا۔ . . .

اچانک اس نے ٹینک روکنے کا حکم دیا۔ وہ حیران تھا کہ دوسرے لمحے حقیقت کیسے منکشف ہو گئی۔ ہیڈ لائٹس تاریکی کا پردہ چیرتی ہوئی ایک سخت پتھریلی دیوار پر جا کر رُک گئی تھیں۔

سرنگ کا یہ سرا بھی بند تھا۔

چار آدمی دنیا کے سب سے بڑے ٹینک کے ساتھ زندہ درگور تھے۔

کیا یہ تاریکی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ان کا مقدر بن کر رہ جانے گی۔

☆ ☆ ☆

۱۰ مئی کو برطانوی توسیعی فورس فرانس سے بلجیم میں داخل ہوئی۔ برنیز کا یونٹ بھی اس کے ساتھ ہی حرکت میں آیا تھا۔ اسی دن چار بج کر تین منٹ پر صبح جنرل وان بارخ کی فوج کے بی گروپ نے ہالینڈ اور بلجیم کی سرحدوں پر پیش قدمی صرف ایک مقصد کے تحت کی تھی اور وہ یہ تھا کہ برطانوی اور فرانسیسی فوج کو اپنی قلعہ بندیاں چھوڑ کر آگے آنے کی ترغیب دی جائے۔ اس دن کے اختتام تک لندن اور پیرس کو اس پیش قدمی کا پتہ چل چکا تھا مگر ان کی نظروں سے ایک اور حرکت بالکل پوشیدہ رہی۔ وہ مقام جہاں بلجیم، فرانس اور لکسمبرگ کی سرحدیں آپس میں ملتی ہیں، مغربی یورپ میں سب سے زیادہ غیر معروف ہے۔ یہاں آرڈینز کا سلسلہ واقع ہے۔ فرانسیسی ہائی کمان اسے "ناقابلِ عبور" قرار دے چکی تھی، لیے وہاں سب سے کمزور فوج متعین کی گئی۔

۱۰ مئی کو صبح سویرے جنرل وان رنڈسٹیٹ کی فوج کا لشکر گراں آرڈینیز کے اسی "دشوار گزار" علاقے میں داخل ہو چکا تھا۔ یہ دنیا کی سب سے طاقت ور فوج تھی۔ اس میں ۴۴ ڈویژن شامل تھے اور دو ہزار سے زائد گاڑیوں کا مضبوط پینزر ڈویژن بھی۔ وہ ساری رات بل کھاتے ہوئے راستوں اور دروں سے گزرتے رہے۔ ہر گاڑی اگلی گاڑی کی ڈھکی ہوئی روشنی سے رہنمائی حاصل کر رہی تھی۔ یہ مشق وہ بار بار کر چکے تھے۔ دور سے پرندوں کو لگتا تھا جیسے نیم تاریکی میں سانپ رینگ رہے ہوں — جن کا رُخ سیڈان کے نزدیک میوز کی جانب تھا۔

سب سے اگلے پینزر ڈویژن کی کمان ایک ۴۲ سالہ جرنیل کے ہاتھ میں تھی۔ اسے پولینڈ ہی میں ترقی ملی تھی۔ اس نے اپنا یونٹ شعلوں میں لپٹے ہوئے کے شہر میں داخل کیا تھا اور اب اس کی نظریں جلتے ہوئے پیرس پر تھیں۔ جرمنوں کا اگلا سرا ۱۲ مئی کو میوز پہنچ چکا تھا۔ ۱۳ مئی تک اسے عبور کر لیا اور ۱۶ مئی کو فرانس کے قلب میں — لیان شہر کے اندر ——

دندنا رہے تھے۔ کمانڈنگ جنرل ابھی تک سب سے اگلے ٹینک میں سینہ تانے کھڑا تھا۔

❖ ❖ ❖

سرنگ کے اندر ٹینک کے عملے کو مقید ہوئے چوبیس سے زائد گھنٹے ہو رہے تھے تھکن اور دباؤ اپنا کام دکھا رہا تھا۔ وہ خالی ہاتھوں سے بڑے بڑے پتھروں کو ہٹانے کی ناکام کوشش میں مصروف تھے اور ایک معمولی گینتی کے ساتھ (جو ٹینک میں موجود تھی) مہیب چٹانوں کو کاٹنا چاہتے تھے۔ شدید جسمانی تھکن نے انہیں کچھ سوچنے کا موقع نہ دیا اور جُوں جُوں ان کی قید کا عرصہ طویل ہوتا جاتا وہ تعجب کرنے لگتے کہ کبھی یہاں سے زندہ نکل بھی سکیں گے۔ برنیز نے گینتی چلاتے ہوئے ذرا سا توقف کیا تاکہ پیشانی پر سے پسینہ پونچھ سکے۔ اس کی کلائی کی گھڑی جمعہ، امئی کی صبح کے سات بجا رہی تھی۔

وہ گزشتہ روز گیارہ بجے صبح سرنگ میں داخل ہوئے تھے اور اس وقت سے مسلسل سرنگ کا بند دہانہ کھولنے کی سرتوڑ کوشش کر رہے تھے مگر ابھی تک اس پر معمولی سی خراش بھی نہ ڈال سکے تھے۔ برنیز نے کام کا ایسا پروگرام بنایا تھا کہ ہر شخص باری باری پندرہ منٹ آرام کر سکتا تھا۔

ڈیوس سخت جھنجھلایا ہوا تھا۔ اس نے گینتی پرے پھینکتے ہوئے کہا:

"ہم اس خونیں دیوار میں کبھی سوراخ نہ کر سکیں گے۔"

"اگر اسی طرح کام چھوڑ کر کھڑے رہے تو واقعی کبھی باہر نہ نکل سکیں گے۔" برنیز نے نرمی سے کہا: "کام کرو، کام۔"

"ہم وقت ضائع کر رہے ہیں۔"

"نہیں، ڈیوس۔ اس لمحے تم وقت ضائع کر رہے ہو۔ چنانچہ کام میں جُت جاؤ۔" برنیز کا لہجہ اب بھی نرم تھا۔ وہ اپنے گنر کے قریب کھڑا تھا اور اس کی نظریں ڈیوس پر مسلسل جمی تھیں۔

"ہم یہاں مر جائیں گے ۔۔۔ مر جائیں گے ۔۔۔ کیا تم سُن رہے ہو؟ اور ایک دن لوگ اس خونیں سرنگ کو کھولیں گے تو انہیں چار لاشیں ملیں گی ۔۔۔ چار ڈھانچے۔" اس کی آواز پر ہسٹیریا طاری تھا۔ اس کے ہاتھ پاؤں یوں کانپ رہے تھے جیسے ابھی جواب دے جائیں گے ۔۔۔ "میں کان کُن رہ چکا ہُوں ۔۔۔ اور جانتا ہوں اس کا مطلب کیا ہے؟"

"ڈیوس!" برنیز کے لہجے میں تیکھے پن کی جھلک تھی: "کیا تم نے اس ٹینک کو کان تصوّر کر لیا ہے؟"

"تو اس کا مطلب یہ ہے ہم ہزاروں فٹ نیچے ہونے کی بجائے سطح زمین کے برابر ہیں۔ تمہارا کان کن ہونا اسی طرح ہے جیسے پان کبھی ڈانسنگ مین ہوا کرتا تھا۔ اب یہ بتاؤ کیا سرنگ کا منہ کھولنے کے لیے پان کا ہاتھ بٹاؤ گے یا نہیں؟"

"یہ بھاری چٹان ہٹانے میں کئی ہفتے لگیں گے۔۔۔" ڈیوس نے ڈھٹائی پن سے کہا۔

"ڈیوس، میرے صبر کا پیمانہ چھلک سکتا ہے۔ باہر نکلنے کے لیے ہم چاروں کو برابر کا کام کرنا پڑے گا۔ میں تمہیں تیسری بار حکم دے رہا ہوں کام کرو۔"

"ہمیں دوسرے سرے پر دیکھنا چاہیئے۔ ممکن ہے وہاں چٹان کی موٹائی کم ہو۔"

برنیز تلملا اٹھا۔ اس نے اپنی انگلی ڈیوس کے سینے میں گھونپتے ہوئے کہا "تمہیں تین بار کام کرنے کا حکم دیا ہے اور تم نے تینوں بار ہی انکار کیا۔ جونہی ہم ہیڈ کوارٹر پہنچیں گے تم پھانسی لٹکا دیئے جاؤ گے۔ مقدمہ چلے گا۔ بہر دست تم ہمارے ساتھ کام کرو گے اور جو پانچ منٹ فضول بحث میں صرف کئے اس کی پاداش میں تمہارا آرام کا وقفہ پندرہ منٹ سے گھٹا کر دس منٹ کر دیا جاتا ہے۔"

ڈیوس کو کام کرتے ہی بنی۔

پچیس گھنٹے بعد ہفتہ ۱۸ مئی کی شام تک وہ سرنگ کے منہ سے خاصا ملبہ ہٹا چکے تھے مگر دیوار ابھی تک اسی طرح سخت تھی۔ اب وہ تیل کے دیئے کی روشنی میں کام کرتے تھے۔ بیٹری کی بتیاں اس لیے بجھا دی گئیں تاکہ بعد میں اس سے بھی اہم ضرورت کے وقت استعمال میں لائی جا سکیں۔

برنیز اس دوران میں حقیقی مسائل پر بھی غور کرتا رہا۔ بالفرض وہ سرنگ کا منہ کھولنے میں کامیاب نہ ہو سکے تو کتنے دن تک خوراک اور پانی کے ذخیرے پر گزارا کر سکیں گے؟ کیا ایسی نوبت تو نہ آجائے گی کہ وہ ایک دوسرے کو چیر پھاڑ کر کھانے لگیں؟ تھوڑی ہی دیر میں وحشیانہ پن میں انسان دوسرے کی جان کا کب احترام کرتا ہے!

اگلے روز دوپہر کو ایک خطرناک حادثہ پیش آیا۔ رینالڈ اور ڈیوس کام کر رہے تھے۔ ڈیوس نے ایک پتھر ہٹانے کے لیے گینتی چلائی گینتی اٹک کر رہ گئی۔ ڈیوس نے پورا زور لگایا تو اگلے ہی لمحے بہت بھاری چٹان ایک قیامت خیز شور کے ساتھ نیچے آ رہی۔ رینالڈ نے برق رفتاری سے ڈیوس کو ایک طرف کھینچ لیا، ورنہ اس کی ہڈی پسلی ایک ہو جاتی۔

"شاید اب باہر نکلنا ممکن ہو۔" برنیز نے قدرے توقف سے کہا۔ "لیکن باہر سے جنگ کے دھماکے کی سنائی نہیں دے رہے۔ یا ابھی خاصی سردی ہے یا پھر ہم دشمن کو پیچھے دھکیل چکے ہوں گے۔" رینالڈ رائے دی۔

برنیز پتھروں کے ڈھیر پر چڑھا اور ایک جگہ پہنچ کر رک گیا۔ اس چہرے پر طمانیت کی پہلی جھلک نمودار ہوئی۔ رینالڈ اور ڈیوس اس قریب کھڑے تھے اور برنیز کی اس حالت پر متعجب تھے۔

"کیا معاملہ ہے؟" پان نے پوچھا۔

برنیز نے جواب میں سر ہلایا اور دوبارہ پتھریلی دیوار کی طرف د لگا۔ اس کی آواز بڑی پرسکون تھی۔

"میرا خیال ہے ہم منزل پانے والے ہیں۔"

"وہ کیسے؟" رینالڈ نے استفسار کیا۔

"میں تازہ ہوا محسوس کر رہا ہوں۔ آؤ اور دیکھ لو۔"

سب نے اس جگہ کا معائنہ کیا جہاں سے ہوا کا جھونکا دیا تھا کی تھکی ماندی رگوں میں نئی زندگی دوڑ گئی اور وہ آخری کوشش میں معروف ہو گئے۔

"میں نے کبھی سوچا بھی نہ تھا یہاں سے نجات حاصل کر سکیں۔" پان نے کھکھلا کر کہا۔

"جنگ ختم ہونے سے پہلے اس سے بھی دشوار مراحل سے گزر" برنیز نے کہا۔

اتنی دیر میں ڈیوس ایک بار پھر گینتی اٹھا بیٹھا تھا۔ اس نے مڑ نگاہوں سے دیکھا۔ باہر نکلنے کی خوشی میں چاروں آدمی ایک جان ہو لگانے لگے۔ پہلے ایک چھوٹا سا کنکر نیچے گرا اور دن کی مدھم سی روشنی غار اور تباہ شدہ خندقوں کو زندگی افزا پیغام دے گئی۔

ابھی وہ اس خوشی سے سنبھل بھی نہ پائے تھے کہ مہیب گڑگڑاہ سنائی دی۔ برنیز نے پوری آواز سے خبردار کیا "بچ جاؤ!"

اس کی تنبیہ قیامت خیز شور میں دب کر رہ گئی۔ چٹان کی کشش کا مرکز خراب ہو چکا تھا۔ ایک بڑا سا تودہ لڑھک کر ان کے سر پر آن برنیز نے دوڑ کر ڈیوس کو کھینچنے کی کوشش کی، مگر رینالڈ نے اسے بروقت کر سرنگ کی دیوار کی طرف کھینچ لیا۔ دھماکے کے ساتھ اس قدر د اڑی کہ ان کی آنکھیں اور چہرے اس سے اٹ گئے۔

جب گرد بیٹھ گئی، تو برنیز کچھ سمجھ سکا کہ کیا واقعہ پذیر ہوا ہے

کی دُوسری دیوار کے ساتھ پان بھی محفوظ کھڑا تھا۔ سرنگ کا دہانہ کھل چکا تھا اور یہ منظر انتہائی رُوح پرور تھا۔ اڑتالیس گھنٹوں کی جاں گسل جدوجہد کے بعد اُنہیں پہلی بار صاف نیلا آسمان دکھائی دیا تھا۔ سوراخ اِس قدر بڑا تھا کہ اس میں سے ٹینک بآسانی گزر سکتا تھا۔

ڈیوس کو تلاش کرنے میں اُنہیں کئی منٹ صرف کرنے پڑے۔ وہ اس جگہ سے چند قدم دُور کھڑا تھا جہاں سے رینالڈ نے برنیز کو پکڑ کر کھینچ لیا تھا۔ ماٹلڈا ٹینک کے گنر، ڈیوس کا صرف سر نظر آ رہا تھا۔ اس کا پُورا جسم پتھروں کے ڈھیر تلے دبا ہُوا تھا۔ دُوسری نظر میں پتہ چل گیا کہ وہ مر چکا ہے۔

٭ ٭ ٭

جیم کی دُنیا میں ایک تعجب خیز تبدیلی رُونما ہو چکی تھی۔ جنگ کہیں دُور چلی گئی تھی۔

ٹینک کو سُرنگ سے نکالنے سے پہلے برنیز نے خود پُورے علاقے کی ریکی کر لی تھی۔ وہ صبح کی پہلی خوشگوار کرنوں میں دُور تک چلا گیا۔ سب سے پہلے اُس نے جس چیز کو شدت سے محسوس کیا وہ ناقابلِ یقین خاموشی تھی۔ ایسا سکوت جیسے کسی نظر نہ آنے والے پرندے کی پُرسکون چہچہاہٹ توڑ رہی تھی۔ سُرنگ سے آگے ریلوے لائن کھلے میدانوں میں پھیلی ہوئی تھی۔ دونوں طرف کے سرسبز کھیت اُجڑ گئے تھے۔ زندگی کا کہیں نام و نشاں نہ تھا۔ ایک چوڑی نہر افق کی طرف ان کا راستہ روکے ہُوئے تھی۔

اس مکمل سکوت پر وہ گھبرا سا گیا اور مزید کھوج لگانے کے لیے سرنگ کے قریب پہاڑ پر چڑھنے لگا۔ اُسے اب بھی کچھ سنائی نہ دیا۔ جنگ کہیں دُور چلی گئی تھی، لیکن کس طرف؟ اور کہاں؟ وہ ایک لمحے کے لیے گھاس کے قطعے پر بیٹھ گیا۔ اُسے یُوں لگا جیسے اس کی تر و تازگی معنی خیز ہو۔ وہ کچھ دیر چمکیلی دھوپ میں بیٹھا رہا۔ تر و تازہ ہوا پھیپھڑوں میں پہنچائی اور پھر پہاڑ سے نیچے اتر آیا۔

ڈیوس کو دفن کرنے کا کوئی مسئلہ نہ تھا۔ وہ پہلے ہی کئی ٹن وزنی چٹان کے اندر دفن تھا۔ اُنہوں نے ایک کاغذ پر اس کا نام، پتہ اور نمبر لکھا اور اس کے سر کے قریب پتھر کے نیچے رکھ دیا۔ پھر وہ آگے بڑھے۔ اُن کے اعصاب تو شکستہ تھے ہی، ایک ساتھی کی اچانک موت نے اُن کے جذبات بھی سرد کر کے رکھ دیے۔ برنیز کو سب سے بڑی تشویش یہ لاحق تھی کہ وہ چار کے بجائے تین افراد رہ گئے ہیں، لیکن ایمرجنسی کی صورت میں اب بھی وہ مل کر ٹینک کی سب گنوں سے فائر کر سکتے تھے۔ اسی لیے اُس نے پان کو کہہ دیا تھا کہ وہ ضرورت پڑنے پر فائر کرنے کے لیے تیار رہے۔ ریلوے کی پٹڑی

پر آگے بڑھتے ہوئے ٹینک کے سوراخ میں سارجنٹ برنیز سینہ تانے کھڑا تھا۔ نقشہ اُس کے ہاتھ میں تھا اور ذہن صورتِ حال پر غور کر رہا تھا۔ ابھی تک تیل کی ٹینکیاں بھری ہوئی تھیں جس کا مطلب یہ تھا کہ وہ مزید ایک سو پچاس میل سفر کر سکتے ہیں۔ مسئلے کا ایک تو یہ کہ وائرلیس بے کار ہو چکی تھی، پارکر کا اتا پتا معلوم نہ تھا — اس طرح اُن کی مثال اُس جنگی جہاز کی سی تھی جو نامعلوم پانیوں میں سفر کرتے ہوئے اپنے اڈّے سے کٹ چکا ہو۔

سرنگ سے ایک میل دُور ریلوے پھاٹک تھا جہاں سے وہ پٹڑی چھوڑ کر کچی سڑک پر ہولیے۔ کچھ میل اور آگے جا کر انہیں دائیں طرف کُھلنے والی سڑک اختیار کرنا تھی جو ارکس کے عقب میں انہیں پہنچا دیتی — لیکن ایک سوال وہ وہ کہ برنیز کو پاگل کئے جا رہا تھا، فوجیں کہاں گئیں؟

برنیز نے توپوں کی آواز پر کان لگائے، آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دھوئیں یا طیاروں کو تلاش کرنے کی کوشش کی۔ دُور دُور تک پھیلے ہوئے کھیت خالی تھے، زردی مائل نیلگوں آسمان پر کوئی پرندہ تک نظر نہ آتا تھا۔ ٹینک پوری رفتار پر آگے بڑھ رہا تھا۔ خاصی دُور آگے جا کر برنیز کو جنگ کے آثار دکھائی دینے لگے۔ ٹینکوں کے پہیوں کے نشان اور کہیں کہیں گولے پھٹنے سے گڑھے بن گئے تھے۔ ایک جگہ اُس نے ریسالدار کو ٹینک روکنے کا حکم دیا اور خود اُتر کر سڑک کے کنارے تباہ شدہ گاڑیوں کا معائنہ کرنے لگا۔ پانچ جلے ہوئے ٹینک فرانسیسی رینالٹ تھے۔ یوں لگتا تھا جیسے اُنہوں نے تن تنہا پوری جرمن یلغار کا مقابلہ کیا ہو۔ کچھ اور آگے فرانسیسی ساز و سامان بکھرا پڑا تھا۔ ایک خندق میں رائفلیں یوں پڑی تھیں جیسے کوئی انہیں پھینک کر بھاگ نکلا ہو۔ برنیز نے ایک رائفل اٹھائی۔ یہ ابھی لوڈ تھی۔ اس کے چلانے کی نوبت تک نہ آئی تھی۔ "ٹینکوں کے خلاف انسان!" برنیز بڑبڑایا۔ "فولادی ٹرپ اسلحے کی ہڈیاں لاشیں۔ کیا فرانسیسی فوج پسپا ہو گئی!"

جُوں جُوں وہ آگے بڑھتے گئے، فرانسیسی ہزیمت اور پسپائی کی نشانیاں واضح ہوتی چلی گئیں۔ برنیز نے بہتیری کوشش کی کہیں جرمن فوجی کی لاش دکھائی دے جائے مگر بے سُود۔ ناقابلِ تسخیر جرمن ٹڈی دل نجانے کدھر بڑھ گیا تھا؟

بالآخر برنیز نے جنگ کی ایک زندہ نشانی دیکھ لی۔ فضا میں دھوئیں کی اُفقی لکیر پھیلی ہوئی تھی۔ وہ سمجھ گیا یہ ریل گاڑی کے انجن کا دھواں ہے۔ پس منظر میں بمباروں کی ایک فارمیشن دھوئیں کا تعاقب کر رہی تھی۔ یہ برطانوی بلنہم طیاروں کا ایک اسکواڈرن تھا۔ اُس نے فوراً انٹرکام پر سب کو مطلع کیا۔ "میرا خیال ہے تھوڑی دیر بعد ہمارے آس پاس کچھ بم گرنے والے ہیں۔ ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ ہمارے اپنے طیارے ہیں۔"

ٹینک روک دیا گیا تھا۔ برنیز نے ڈھکنا بند کرنا چاہا مگر پھر طیاروں کی کارکردگی کا مظاہرہ دیکھنے کے لیے رُک گیا۔

"کیا بات ہے؟" پالن نے آواز لگائی۔

"سامنے ریلوے لائن پر ایک گاڑی آ رہی ہے۔" برنیز نے جواب دیا۔ بلند پشتے کے عقب سے گاڑی نمودار ہو چکی تھی اور اب اُن کے سامنے یہ مال گاڑی تھی۔ اسے دو انجن کھینچ رہے تھے۔ ایک ڈبے پر طیارہ شکن توپ نصب تھی۔ جونہی بلنہم طیاروں نے بم گرانے کے لیے غوطہ لگایا، یہ طیارہ شکن نیلے پیلے راکٹ پھینکنے لگی۔ ٹینک اور گاڑی کا کچھ زیادہ فاصلہ نہ تھا، تاہم برنیز کو اُمید تھی کہ ہوا باز جرمن مال بردار گاڑی اور برطانوی ٹینک میں تمیز کر سکیں گے۔ طیاروں نے فائر کی پروا کیے بغیر یکے بعد دیگرے یُوں غوطہ لگایا کہ انہوں نے دو دو ڈبوں پر تاک کر نشانے لگائے... اور پھر دھماکوں کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا۔ بارود اور آگ ٹینک کے ڈھانچے سے ٹکرائی اور برنیز نے نیچے بیٹھنے کی کوشش کی۔ الفاظ اُس کے حلق میں اٹک کر رہ گئے۔ "... کی گاڑی" — دوسرا دھماکہ اور بھی تباہ کُن تھا۔ برنیز ابھی تک اپنا صرف ایک ہاتھ اندر لے جا سکا تھا۔ ڈھکنا ابھی تک کُھلا پڑا تھا۔ ناقابلِ برداشت دھماکے نے اس کے پاؤں کا توازن خراب کر دیا اور اس کا ماتھا ٹینک کی فولادی چادر سے جا ٹکرایا۔

آگ اور لوہے کی بارش مسلسل جاری تھی لیکن برنیز ہوش و حواس کھو چکا تھا۔

* * *

برنیز نے محسوس کیا کچھ گڑبڑ ہے۔ معمول کے مطابق بیداری کی حالت نہ تھی۔ چنانچہ اُس نے فوراً آنکھیں نہ کھولیں۔ اُس نے اپنے کان کسی ٹھوس چیز پر لگا دیے لیکن کچھ سنائی نہ دیا۔ کیا وہ خواب دیکھتا رہا ہے؟ کوئی ناخوشگوار خواب؟ ہاں یہ جنگ کے بارے میں تھا۔ بلنہم طیارے اور دھوئیں کی لکیر والی گاڑی، خوفناک دھماکے۔ داہنے کندھے میں کسی کا ٹھڈا یا گھٹنا۔ اس کے بعد اندھیرا ہی اندھیرا۔ کمبل کے نیچے لیٹے لیٹے اُس نے کندھے کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ وہاں پٹی بندھی تھی اور سخت پلاسٹر لگا تھا۔ جانے وہ کس جہنم میں آ پھنسا ہے!

اُس نے اُوپر اٹھنے کی کوشش کی مگر غنودگی کی لہر نے اُسے پھر لیٹ جانے پر مجبور کر دیا۔ اس کے سر میں شدت سے درد تھا اور وہ انتہائی نقاہت محسوس کر رہا تھا۔ لیٹے لیٹے اُس نے ٹخنوں کو چھوا، پھر گھٹنوں کو

اس کے بعد اپنی سب انگلیوں کو بہ بڑے قدرتی حالت میں تھی باآخر وہ اس نتیجے پر پہنچا کر اصل خرابی عمومی کمزوری میں پوشیدہ ہے۔ گردن ایک طرف موڑتے ہوئے اس نے اپنے بوٹ دیوار کے قریب دیکھے۔ وہ ابھی ابھی پالش کیے گئے تھے اور شیشے کی طرح چمک رہے تھے۔ اس کا مطلب یہ تھا رینالڈ بھی وہیں کہیں موجود تھا کیونکہ یہ اسی کا کام تھا۔ دیوار کے ساتھ ایک اور شے دیکھ کر وہ ٹھٹھک گیا۔ یہ ایک جرمن مشینی پستول تھا۔

اُس نے ہتھیار پکڑنے کے لیے اُٹھنا چاہا مگر ٹانگیں اس کا بوجھ نہ سہار سکیں۔ ناچار اُسے رینگ کر دیوار کی طرف بڑھنا پڑا۔ وہ دیوار تک پہنچتے پہنچتے بے بس ہو کر گر پڑا۔ ایک بار پھر اُس نے ہمت کی اور دیوار کے سہارے کھڑا ہونا چاہا۔ پھر ہتھیار پکڑا اور واپس کمبل میں لیٹ گیا۔ اب اسے یاد آرہا تھا کہ کوئی شخص اس کا علاج معالجہ کرتا رہا ہے اور وہ یقیناً اس کے ساتھیوں میں سے نہیں تھا۔ اُس نے اُسے ٹیکے بھی لگائے تھے۔

ہتھیار کے تفصیلی معائنے کے بعد اُس نے اُسے کمبل میں ایک طرف رکھ لیا۔ اور پھر سوچنے لگا وہ کب سے اس عمارت میں موجود ہے۔ کچھ گھنٹے؟ دو گھنٹے؟ اُس نے اپنی گھڑی پر نگاہ ڈالی جس کا شیشہ ٹوٹ چکا تھا۔ گھڑی کی سوئیاں ۵-۴، پر رکی ہوئی تھیں۔ یہ وہ وقت تھا جب اسلحے کی گاڑی تباہ کی گئی تھی۔ کھڑکی میں سے وہ دیکھ سکتا تھا کہ باہر روشنی پھیلی ہے۔ یہ ایک اور خوشگوار دن تھا ممکن ہے یہ اتوار کی صبح یا سہ پہر ہو — اتوار ۱۱ مئی کی — پھر اُسے قدموں کی چاپ سنائی دی۔ اُس نے اپنی پوزیشن مضبوط کرلی۔ دایاں ہاتھ ٹریگر پر اور بایاں نال کے نیچے رکھ لیا تاکہ فوری طور پر نشانہ لیا جاسکے۔

بڑے دروازے میں دو آدمی اندر داخل ہوئے۔ ایک تو پان تھا اور دوسرا ایک اجنبی لڑکا جس کی عمر بمشکل اٹھارہ سال ہوگی۔ پان اس کے بستر کے قریب پہنچا تو حیران ہو کر پوچھنے لگا "تم بیدار ہوگئے سارجنٹ؟"

"تمہیں کیا توقع تھی — یہاں تو شش ہونی چاہیئے؟" برنیز نے طنزیہ جواب دیا "یہ کون ہے؟"

"یہ پیری ہے اور انگریزی بول سکتا ہے۔ پیری، سارجنٹ برنیز سے ملو۔"

"سارجنٹ، تم سے مل کر از حد خوشی ہوئی۔" لڑکے نے جھک کر بڑے ادب سے ہاتھ ملائے۔

"رینالڈ کہاں ہے؟" برنیز نے پوچھا۔

"وہ باہر پہرہ دے رہا ہے۔"

"ٹینک پر پہرہ؟"

"نہیں، وہ دروازے سے ٹکرایا ہے، ٹینک کچھ دُور کھڑا رکا ہوا ہے۔ پریشانی کی کوئی بات نہیں۔"

"پریشانی کاہے کی؟"

"تمہاری طبیعت کیسی ہے؟" پال نے پوچھا۔ "میرا مطلب ہے تمہیں۔"

"یہ شیطانی رازداری ختم بھی ہو گی یا نہیں۔ ہم کتنی دیر سے اس عمارت میں ہیں؟"

"جب گاڑی پر حملہ ہوا تھا تو تمہیں کندھے میں گہرا زخم آیا تھا، تمہارا ماتھا بھی ٹینک سے ٹکرانے کی وجہ سے زخمی ہوا۔"

"ہاں، یہ تو مجھے یاد ہے۔" برنیز نے تیزی سے کہا۔ "میرے سوال کا جواب دو۔ ہم یہاں کب سے ہیں؟"

"چار دن سے۔"

یہ جواب برنیز پر بجلی بن کر گرا۔ زندگی میں پہلی بار الفاظ نے اس کی زبان کا ساتھ چھوڑ دیا تھا۔

اس سوال نے اُس کے ذہن میں سینکڑوں سوالوں کو جنم دیا۔ "اس گروپ کہاں ہے؟ برطانوی فرانسیسی فورس کہاں چلی گئی ہے؟" اُس نے نظریں اُٹھا کر پیری کی طرف دیکھا۔ "بیٹے! بُرا نہ مانو تو تھوڑی دیر باہر برآمدے کے پاس بیٹھو۔"

پیری کا چہرہ لٹک کر رہ گیا۔ پال نے بھی ناک چڑھایا۔ "کاش ہم ایسا طرزِ عمل اختیار نہ کرتے۔ ہمیں اس کی ضرورت پڑے گی۔ تمہیں یہاں کی پوزیشن کا علم نہیں۔" لڑکا باہر چلا گیا تو پال نے ناراضی سے کہا۔

"جب تک تم مجھے صحیح صورتِ حال بتا نہ دو، میں کچھ سننے کے لیے تیار نہیں۔" برنیز نے کمبل ایک طرف پھینکتے ہوئے جواب دیا۔

"جناب! ہم اس وقت جرمن فوجوں سے کوئی بیس یا اس سے بھی زائد میل پیچھے ہیں۔" پال نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"نہیں، ایسا نہیں ہو سکتا۔۔۔"

"جرمن پورے محاذ پر پیش قدمی کر چکے ہیں۔ انہوں نے ہماری فوجوں کے درمیان خلا سے پورا پورا فائدہ اٹھایا ہے۔ چونکہ مختلف قسم کی افواہیں پھیلی ہوئی ہیں اس لیے قطعی طور پر نہیں بتایا جا سکتا انہوں نے کتنا بڑا شگاف ڈال دیا ہے۔"

"تو پھر ان کی پیش قدمی بھی افواہ سازی کا کرشمہ ہو گی؟"

"یہ درست نہیں۔ آج صبح میں نے سُنا جرمنوں کے پینزر ڈویژن ایبے ول پہنچ چکے ہیں۔ لفٹ وائف فضاؤں پر چھائے ہوئے ہیں۔ فرانسیسی اور برطانوی ایئر فورس ابتدائی دنوں میں کٹ کے رہ گئی۔ جرمنوں کے پاس ٹینک اور ہزاروں طیارے ہیں، جنہیں ان کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ہم فوجوں سے میلوں پیچھے ہیں۔"

"تو کیا آج جمعرات ہے؟"

"جی ہاں، جمعرات۔ مئی کی ۲۳ تاریخ۔"

"اور ہم اس وقت کہاں ہیں؟"

"ورٹین نامی ایک قصبے سے باہر۔ ہم فرانسیسی سرحد کے بہت قریب آ چکے ہیں۔"

اور دوسری بار سارجنٹ برنیز لفظوں کی تلاش میں بکلانے لگا۔ وہ کی طرف سادگی سے گھورتے ہوئے سیدھا کھڑا ہو گیا۔ اُسے یوں لگا جیسے ٹانگیں جواب دے جائیں گی لیکن اس کی قوتِ ارادی اسے سہارا دے رہی۔ اس نے قریبی دیوار سے ٹیک لگا لی۔ پیشانی پر پسینے کے چند قطرے نمودار ہوئے اور اس نے غیر متوقع مسکراہٹ سے پوچھا۔ "بیٹے! مجھے یاد پڑتا ہے جب ٹرین کو نشانہ بنایا گیا تو ہم فرانسیسی سرحد سے چالیس میل دُور تھے۔"

پال نے مونچھوں کو تاؤ دیا۔ اس کی رگِ ظرافت پھڑک اٹھی تھی۔

"سارجنٹ! تم چار دن تک اس دُنیا سے دُور رہے ہو۔ دوسرے لفظوں میں تم ریت کی طرح سرد پڑ چکے تھے اور یہ میری ذمہ داری تھی کہ کسی محفوظ جگہ تک پہنچا آ۔ میرا خیال ہے اگر تمہیں تمام تفصیلات بتاؤں تو یقیناً لطف اندوز ہو گے۔"

"تو پھر بتاؤ نا پوری تفصیل!" برنیز نے اشتیاق اور حیرت سے پوچھا۔

"جب گاڑی پر حملہ ہوا تو فوراً بعد تم گرنے کا ایک نکالنے گئے ہو گئے۔ لیکن خوش قسمتی سے گرنے سے پہلے تم ڈھکنا بند کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ یہی وجہ ہے اب میں تم سے مخاطب ہوں۔ کیونکہ فضا اس وقت کا منظر پیش کر رہی تھی۔ برطانوی طیاروں کے مقابلے میں جرمن طیارے نمودار ہو چکے تھے۔ گولیاں چلنا شروع ہو گئیں اور موت اپنے وحشیانہ رقص میں مصروف ہو گئی۔ ٹینک کی فولادی چادر پر مشین گنوں کی گولیاں اولوں کی طرح برس رہی تھیں اور ٹینک کے اندر تمہارے کندھے سے خون کے فوارے پھوٹ رہے تھے۔ قیامت کے اس عالم میں انسان اپنے اعصاب پر قابو رکھ سکتا ہے لیکن اس میں یوں موت کا تماشا دیکھ سکتا تھا کہ کسی سے مرہم پٹی کی اور آسمانی جہازوں سے خالی ہوا تو ہم رات بھر سفر جاری رکھا۔ کئی گھنٹے بعد یہاں پہنچے اور اُس وقت سے

موجود ہیں:

"میں تمہارا ازحد مشکور ہوں" پان۔ اس جگہ کیسے ٹھہرنا ہوا؟"

ایک جینین ڈاکٹر مل گیا۔ اس نے وعدہ کیا تمہارا علاج کرے گا اور ہمارے
سے میں کسی کو نہ بتائے گا۔ یہ عمارت فرنٹین گاؤں سے باہر ہے اور کوئی
یہاں ہمیں نہیں جانتا، ڈاکٹر بہت نفیس آدمی ہے اس کا نام لیپن ہے۔
بار تمہارے کندھے سے گولی نکال کر مرہم پٹی کر کے چلا گیا۔ مجھے شک
دوبارہ نہیں آئے گا۔ جرمنوں کو پتہ چل جائے' تو اسے گولی سے اڑا دیں۔
کا کہنا تھا تمہیں دس روز مکمل آرام کی ضرورت ہے۔"

"اور اس — تمہیں آدا س کی خبریں کہاں سے ملیں؟"

"یہ خبر ریڈیو کے ایک اسٹیشن میں نشر ہوئی۔ میں روزانہ ریڈیو سنتے فرنٹین
ہوں۔ لیپن کا گھر کھیتوں کے قریب ہے اور وہ ڈیوٹی پر جاتے وقت
ریڈیو میرے لیے چھوڑ جاتا ہے۔"

"فرانسیسی ریڈیو پر یقین نہیں کیا جا سکتا۔"

"میں بی بی سی کی بات کر رہا ہوں۔" پان نے کہا۔

برنیز کی ہڈیوں میں سردی کی ایک لہر دوڑ گئی۔ آدا س سمندر کے
واقع ہے۔ وہ ابھی تک تمام نتائج و عواقب سمجھنے سے قاصر تھا اور
خوش فہمی میں مبتلا تھا کہ یہ رپورٹیں غلط ہوں گی۔

"تمہارا اندازہ ہے فرنٹ لائن کہاں ہے؟" برنیز نے بڑی سوچ بچار
کے بعد سوال پوچھا۔

"سارجنٹ، تم صورتِ حال اچھی طرح نہیں سمجھ سکے۔ فرنٹ لائن کا
وجود نہیں۔ جرمن آگے ہی آگے بڑھ رہے ہیں۔"

"کیا فرنٹین میں کوئی جرمن موجود ہے۔۔؟"

"بالکل نہیں" پان نے جواب دیا۔ "چند دن قبل جرمن فوجی یونٹ
سے گزرے تھے' مگر وہ پیچھے کسی کو نہیں چھوڑتے۔"

"مجھے ایک تشویش لاحق ہے' یہ پیری کہاں سے آ دھمکا؟"

"اس نے ہماری خاصی مدد کی ہے۔ اس نے سب سے پہلے ہمیں پیدل
دیکھا تھا اور اس وقت سے یہاں ہے۔ میں نے اس سے دوستی کر لی۔
اس کی زبان فرانسیسی کے علاوہ انگریزی بھی بول لیتا ہے۔"

"کیا وہ بیلجیئن ہے؟"

"ہاں۔ اُس کے والدین شمال سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس کا رابطہ اُن
سے کٹ گیا ہے۔ فرنٹین میں اپنے چچا سے ملنے آیا ہوا تھا کہ جنگ شروع ہو گئی۔
پھر خواہ مخواہ شک نہ کرو۔ وہ انتہائی سُود مند ثابت ہو سکتا ہے خصوصاً

حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت ابنِ عمرؓ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد منقول ہے کہ
حسد یعنی (رشک) دو شخصوں کے علاوہ کسی پر جائز نہیں (مناسب
نہیں) ایک وہ جس کو حق تعالیٰ شانہٗ نے قرآن شریف کی تلاوت
عطا فرمائی اور وہ اس کی تلاوت میں دن رات مشغول رہتا ہے۔
دوسرے وہ جس کو حق تعالیٰ شانہٗ نے دولت کی کثرت عطا
فرمائی اور وہ اُسے (اللہ کی راہ میں) خرچ کرتے ہوئے دن رات
ہے۔"

● کیا آپ نے آج قرآن کریم کی تلاوت کی؟

● آپ نے اللہ کے دین کے لیے کتنا وقت اور کتنا مال خرچ کیا!؟

مقامی لوگوں سے گفتگو کرنے اور راستہ بتلانے میں"۔

"اُسے اندر بلاؤ"۔

پان لڑکے کو بلانے گیا تو برینیر پھر جرمن مشینی پستول سے کھیلنے لگا جب پیری اندر آیا تو اس نے پوچھا "یہ ہتھیار تم نے کہاں سے لیا؟"

"مجھے یہ نوئیلین کے باہر ایک سڑک سے ملا۔ ایک کار میرے قریب آکر رکی۔ کسی نے اسے قریبی خندق میں پھینکا۔ پھر کار اپنے سفر پر روانہ ہوگئی میں نے ہتھیار اٹھا لیا اور اس کا معائنہ کیا"۔

"میں حیران ہوں تمہارے جیسا بچہ ایسے کیسے سمجھ سکتا ہے؟"

"میرا والد بیلجیم میں ایک چھوٹے اسلحہ کی فیکٹری میں ملازم ہے وہ تمام پستولوں اور مشین گنوں سے فائر کر سکتا ہے۔ تمہاری برین گن بھی وہ چلا سکتا ہے اور میں نے بھی سب کچھ اُس سے سیکھ لیا"۔

"کیا نوئیلین میں تمہارا گھر رہتا ہے؟"

پیری کی آنکھیں خلا میں گھورنے لگیں۔ "ہاں، رہتا تھا۔ تین دن قبل وہ جرمنوں کے ڈر سے بھاگ نکلا"۔

"اور تم کیوں نہ گئے؟"

"میں کوئی بزدل تھوڑا ہوں ـــ بھائی میں اٹھارہ برس کا ہو جاؤں گا۔ اس نوجوانی میں راہِ فرار اختیار کرنے کے کیا معنی؟ میں جرمنوں سے لڑوں گا۔ پان کہہ رہا تھا میں تمہارے ساتھ سفر کر سکتا ہوں؟"

برینیر نے انکار کرنے کے لیے لب کھولے۔ پھر کچھ سوچ کر خاموش ہو رہا۔

"اچھا، تم رینالڈ کے پاس ٹھہرو"۔ برینیر نے پان سے کہا۔ "میں پیری کے ساتھ نوئیلین پر نظر ڈالنے جا رہا ہوں۔ مجھے اُمید ہے اب میں آرام سے چل پھر سکتا ہوں"۔

+ + +

سہ پہر کا سورج فرانس کے کھیتوں پر مگھی روشنی بکھیر رہا تھا۔ سارجنٹ برینیر اپنے اوپر جبر کر کے لمبے لمبے قدم اٹھا رہا تھا۔ اس کے سر میں شدید درد تھا اور کندھے سے بھی گولے لگے ٹیسیں اٹھتیں۔ اس کے ہولسٹر میں اعشاریہ ۵۵ بور کا ویبلے ریوالور موجود تھا تاکہ ہنگامی طور پر اپنا دفاع کر سکے۔

"وہ رہا گاؤں!" پیری نے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"اور وہ سڑک پر کیسا منظر ہے؟"

"یہ پناہ گزینوں کے قافلے ہیں۔ دن رات نوئیلین میں سے گزرتے رہتے ہیں۔ اس لیے مرکزی چوک عبور کرنا از حد مشکل ہے"۔

بڑی شاہراہ پر انسانوں کا جمِ غفیر نامعلوم سمت میں رواں دواں تھا۔ برینیر ہجوم سے بچنے کے لیے کھیتوں میں سے گزرنے والی پگڈنڈی۔۔۔

"کیا ہم گاؤں میں داخل نہیں ہوں گے؟" پیری نے پوچھا۔

"پہلے میں اس قافلے پر نظر ڈالنا چاہتا ہوں۔ پھر گاؤں سے کھانے پینے کی چیزیں خریدیں گے"۔

"گاؤں سے کچھ نہ ملے گا ـــ دکانیں خالی پڑی ہیں اور دکاندار بیشتر کہیں بھاگ نکلے"۔

"کیا وہ جرمنوں سے خوفزدہ تھے؟"

"نہیں۔ انہیں دیہاتیوں سے ڈر آتا تھا۔ لٹیرے، ...لوگ انہیں جان سے مار کے چیزیں لوٹ لیں گے۔ بس وہ بھاگ..."

برینیر چونک سا گیا۔ اس علاقے سے جلد نکل جانا ہی دانشمندی... وہ پہلے سڑکوں کا جائزہ لینا چاہتا تھا۔ ہر جگہ ٹریفک جام ہو چکی... کھیتوں میں سے گزرنا پڑے گا؟ اس طرح ان کی رفتار سست پڑ... طرح کے وسوسے اُبھر رہے تھے۔ وہ اب پناہ گزینوں کے مرکزی... قریب پہنچ چکے تھے۔ جہاں تک نظر کام کرتی تھی انسان ہی انسان... رہے تھے۔ کاریں، تانگے، بیل گاڑیاں، ٹرک، مویشی، بچے، بوڑھے... گزرتیں۔

دکھی انسانیت کراہ رہی تھی۔

سواستیکا کے خنجر نے دلوں کو چھید کر رکھ دیا تھا۔

جنگ کا مکروہ چہرہ عیاں ہو چکا تھا۔

ہنستی بستی آبادیوں میں موت کے بھیانک قہقہے رقصاں... زندگی کی سادہ خوشیاں پامال ہو کر رہ گئیں۔

سڑک سے کچھ دور یہ ہولناک منظر ـــ برینیر کی آنکھوں... تھا۔ ایک چھکڑے پر سامان بس کسی لمحے گرنا چاہتا تھا۔ ہر ایک... دھکیل کر آگے بڑھ جانا چاہتا تھا۔ برینیر نے اس سے زیادہ مُرده... حال چہرے کبھی نہ دیکھے تھے۔

گھوڑے سے کھوا چھل رہا تھا۔

اور سروں کے اوپر مئی کا بے رحم سورج آگ برسا رہا تھا۔

"ہم اس ہجوم میں سے راستہ نہیں بنا سکتے"۔ بالآخر وہ... چیختے ہوئے بولا۔

"وہاں ایک سڑک مُڑ جاتی ہے"۔ پیری نے کھیتوں میں... اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "تم اُس پر آسانی سے ٹینک چلا سکتے ہو۔ ادھر... پناہ گزین نہیں آتا"۔

"کیا تم جانتے ہو سڑک کدھر جاتی ہے؟"

"بے شک۔ یہ آراس کی طرف جاتی ہے۔ میں خود تو وہاں کبھی نہیں گیا
مجھے بتانے بھی بتایا ہے۔"

پیری جو کچھ کہہ رہا تھا، برنیز کا نقشہ اس کی تصدیق کرتا تھا۔ اس کے
وقت آراس پر متحرکہ ہو رہے تھے۔ پال نے اُسے یہ بھی بتایا کہ وہاں اتحادی
فوجی ٹینکوں کی مدد سے جوابی حملہ کر رہے تھے۔ کار کے ہارن نے اسے خیالوں
دنیا سے نکال لیا۔ ہارن مسلسل بج رہا تھا۔ یہ کھلی ٹورسٹ رینالٹ تھی۔ اس
چار نشستیں تھیں اور دُور سے دیکھنے پر ملٹری اسٹاف کار لگتی تھی۔ ایک لمحے
لیے اس نے سوچا کہ وہ اتحادیوں کے ساتھ رابطہ قائم کرنے والا ہے،
اس میں واحد سواری ایک خاتون تھی۔ ہارن بار بار چیخ رہا تھا۔ خاتون قدم
دم پر بریک لگاتی۔ چند گز بڑھتی، پھر ہارن بجانے لگتی۔ برنیز نے بُرا سا محسوس کیا۔
عورت نے بدتمیزی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کسی اور کو لفٹ کی پیشکش نہ کی تھی
حالانکہ تنہا اُس کار میں بڑی جگہ تھی جو اس قیامت کے وقت میں دس بارہ سواریاں
اٹھا سکتی تھی۔

"تم کس قدر بداخلاق ہو؟" برنیز غرایا۔

"معافی چاہتی ہوں!"

اور پھر جرمن فضائیہ کا حملہ کسی وارننگ کے بغیر شروع ہو گیا۔ کوئی
اس کا سُراغ لگانے والا نہ تھا اور نہ کوئی سائرن بچارے لوگوں کو خبردار
کر سکتا تھا۔ صاف نیلے آسمان پر برنیز نے جرمن طیارے منڈلاتے دیکھے، تو
ایک دم چلایا: "نیچے لیٹ جاؤ۔"

اس نے چیخ چیخ کر یہ الفاظ دہرائے، مگر کون سنتا۔ وہ اور پیری گھاس
پر لیٹ گئے۔ ہجوم دہشت زدہ تھا۔ طیارے غوطے پر غوطہ لگا رہے تھے۔
کوئی جائے پناہ نہ تھی۔ سامنے سڑک پر ایک بڑھا شخص حملہ آور طیاروں کو دیکھ
کر سراسیمہ بھاگا پھرتا تھا، مگر اگلے ہی لمحے ایک دلدوز چیخ کے ساتھ گر پڑا۔ اسے
جیتا و رجن بھر گولیاں سینے میں لگی ہوں گی۔ پھر ایک گھوڑا بدک کھڑا ہوا۔ لوگوں
پر آفت نازل ہو گئی۔ فضا سسکیوں سے بھر گئی۔ لیکن جرمنوں کی بمباری ہوئی
کے مقابلے میں دلوں سے اٹھنے والا دھواں کم لوگ ہی دیکھ سکے۔

حملہ ختم ہو چکا تھا۔ برنیز پاؤں پر کھڑے ہو کر ساکت و جامد رینالٹ کار
کی طرف لپکا۔ ڈرائیونگ سیٹ پر اس نے جو منظر دیکھا، اس سے وہ سہم سا
گیا، اس کی مٹھیاں بھنچ گئیں۔ خاتون کو مشین گن کی پوری برچھاڑ لگی تھی اور
اب اسے پہچاننا مشکل ہو گیا تھا۔ وہ خون سے تربتر لاش سے زیادہ کچھ اہمیت
نہ رکھتی تھی۔ کار کا انجن ابھی تک اسٹارٹ تھا۔ قسمت کی اس سے بڑی ستم ظریفی

اور کیا ہو سکتی تھی؟

◆ ◆ ◆

ٹینک جنوب کی طرف پوری رفتار پر دوڑ رہا تھا۔ سڑک بالکل صاف تھی۔ یہاں تک کہ ہوائی حملے کی صورت میں کسی درخت کی آڑ بھی میسر نہ تھی۔ سوراخ میں کھڑا ہوا برینیر چاروں جانب نگاہ رکھے ہوئے تھا۔ ڈرائیور کی نشست پان نے سنبھال لی تھی اور رینالڈ بدستور ڈرائیوری کر رہا تھا۔ اس کا خیال تھا جب تک برینیر زندہ ہے سب خیریت ہے۔ سوراخ کے نیچے پیری بیٹھا تھا۔ اُسے ساتھ لانے کے لیے برینیر ہرگز آمادہ نہ تھا مگر پان نے مجبور کیا کہ وہ صحیح راستہ دریافت کرنے اور کھانے پینے کی اشیا کے حصول میں مدد دے سکتا ہے تب کہیں برینیر رضامند ہوا اور جب ٹینک نرمنڈی کو پیچھے چھوڑ رہا تھا تو اس کے ذہن میں طرح طرح کے خیالات جنم لے رہے تھے۔

انہیں جلد ہی مصیبت کا سامنا کرنا پڑے گا۔ برینیر کی نظروں میں خطرے کی گھنٹیاں بجنے لگیں۔ پہلے تو اسے کھیتوں میں جھولی جھال کا ڈھیر پڑا دکھائی دیا، مگر کوئی بڑی سڑک جلد ہی نظر آ گئی۔ اب بڑی رفتار کیشی کی ضرورت تھی۔

اس وقت ٹینک کی رفتار کم ہو چکی تھی کیونکہ سامنے کچھ فاصلے پر ایک پل آ گیا تھا۔ زمینی حالت بھی بدل گئی تھی۔ ہموار کھیتوں کی بجائے اونچی نیچی پہاڑیوں کا سلسلہ چل نکلا تھا۔ ٹینک کے سوراخ میں کھڑے ہونے کے باوجود پل سے آگے سڑک کا پھیلاؤ نظر نہ آ رہا تھا چنانچہ اس نے پل پر نگاہ مرکوز کر دی۔ جنگی طور پر اسے پل کا ڈھانچہ پسند نہ آیا تھا اسی لیے بطور احتیاط اس نے حکم جاری کیا: "دو پاؤنڈر تیار رکھو۔ فاصلہ ایک سو فٹ۔ پل سامنے ہے۔"

پان نے ابھی توپ کا رخ درست کیا ہی تھا کہ سامنے سے ایک بھاری ٹرک پوری رفتار پر آتا دکھائی دیا۔ برینیر کو اس کی شناخت میں زیادہ وقت نہ لگا۔

"جرمن ٹرک، فائر!" اُس نے آرڈر دیا۔

توپ کی نالی قدرے نیچے کو جھکی کیونکہ ٹرک بلندی سے اُتر رہا تھا۔ اگلے ہی لمحے ٹینک تھرتھرایا، گولہ چیخ کر توپ میں سے نکلا سیدھا ٹرک کے انجن پر لگا۔ لکڑی اور لوہے کے ٹکڑے ہوا میں بکھرے، شعلوں نے آگ پکڑی۔ جرمن سپاہی اپنے مشینی پستول تھامے نیچے کودے اور گھاس پر لیٹ گئے۔ وہ حیران تھے معاملہ کیا ہے؟ آہستہ آہستہ انہیں صورت حال کا صحیح طور پر احساس ہوا تو وہ اٹھنے لگے۔ مگر وہ اچھے تربیت یافتہ سپاہی تھے، آن کی آن میں ٹینک کے گرد گھیرا ڈالنا شروع کر دیا۔ برینیر نے متوقع خطرے سے نپٹنے کے لیے نئے احکام جاری کیے:

"ڈرائیور، دائیں طرف ٹینک سڑک سے اُتار دو۔ پان، بیسا فائر کرو، دائیں طرف۔"

پان کا ہاتھ بیسا کے ٹریگر پر پہنچا۔ مشین گن چنگھاڑی۔ پہلی بوچھاڑ ا[...] کر گئی جو بھاگنے کی سوچ رہا تھا۔ وہ دھڑام سے زمین پر گرا، پستول ا[...] دُور جا گرا۔

"بیسا! بائیں طرف گھماؤ۔ فائر!"

کسی گھبراہٹ کے بغیر پان سمجھ گیا برینیر کیا چاہتا ہے۔ انتہائی [...] طرف سے شروع کر کے بائیں طرف تمام جھاڑیوں کا صفایا کر دیا جائے [...] نے زمینی سطح پر ایک اور بوچھاڑ ماری۔ آدھے منٹ میں میدان صاف ہو گیا اور ٹینک واپس سڑک پر آ گیا۔

ٹرک ابھی تک جل رہا تھا۔ برینیر نے ٹینک سے اُتر کر جائزہ لینا شروع کیا۔ آسمان کسی بھی خطرے سے خالی تھا۔ صرف زمین پر موت نے خوشگوار دن کا حلیہ بگاڑ دیا تھا۔ اِدھر اُدھر جرمنوں کی لاشیں بکھری پڑی تھیں۔ [...] سپاہی نہر کے پاس اوندھے منہ گرا ہوا تھا۔ اس میں زندگی کے آثار باقی تھے۔ [...] نے اپنا پستول نکالا اور ڈز ڈز فائر کر کے اسے موت کے کرب سے [...] دلائی۔ پھر کچھ سوچ کر اس کی جیبیں ٹٹولیں۔ صرف کاغذی پرچے ہی ملے۔ گستاف ملر نزلر۔ ۵۰ لیڈر رجمنٹ۔ اُس نے پرچے بھی اپنی جیب میں لے لیے اور واپس ہیڈ کوارٹر پہنچ کر ریڈیو کے ذریعے کرنل ڈکسن کو اس کی اطلاع بھیج دے۔

پان اور رینالڈ بھی ٹینک سے نکل کر پل پر کھڑے اُسے دیکھ رہے [تھے]۔ برینیر نے اشارے سے انہیں قریب بلا کر کہا: "یہ ہیں وہ حرامی جو فلیکر[...] اور ہوائی جہازوں کی مشین گنوں سے نہتے لوگوں پر موت کی بارش کر[تے ہیں]۔ خدا کی قسم! ہم نے انہیں ہلاک کرنے میں پہل نہ کی ہوتی تو اس وقت [...] ہماری بے جان لاشیں دیکھ رہے ہوتے۔"

ٹرک اب تک جل کر بھسم ہو چکا تھا۔ تقریباً بیس جرمن اس کے [...] بن گئے تھے۔ انہیں دیکھ کر پیری کا دل مسوسنے لگا۔ انہوں نے ج[...] کے ہتھیار اٹھا لیے تھے تاکہ بوقتِ ضرورت استعمال میں لائے جا سکیں۔ [...] نے بھی ساتھیوں کو ان کا استعمال سکھایا۔ پیری اس دوران میں ٹینک [...] اوپر ساکت و صامت بیٹھا خلاؤں میں گھور رہا تھا۔ اُس نے برینیر کی طرف کر[...] دی۔ سارجنٹ کی آنکھوں سے اس کی کیفیت بھانپ رہا۔ وہ اس [...] کر سمجھنا چاہتا تھا۔

بالآخر ٹینک کمانڈر سارجنٹ برینیر نے حرکت میں آنے کا حکم دیا [...] کے پہیے انجانی منزل کی طرف پھر سے گردش کرنے لگے۔ وہ خود کو کر[...]

میں کھڑا ہو گیا۔ مستقبل کے خطرات اس کے قلب و ذہن پر چھائے ہوئے تھے اس نے ڈھلتی سہ پہر کے آسمان پر نظریں دوڑائیں۔ اگرچہ فضا کسی بھی خطرے سے صاف تھی، مگر اُسے یقین نہ تھا کہ آنے والی رات انہیں کسی بڑی مصیبت میں پھنسائے بغیر گزر سکتی ہے۔ اُس نے قوتِ ارادی کو پکارا جو ہر سپاہی کا خاصہ ہوتی ہے۔

* * *

اُس کے فیصلے میں کئی خطرات مضمر تھے، مگر اس نے رات، دریا کے پُل کے نیچے بسر کرنے کا حکم دیا۔ جب سے انہوں نے نہر پر چلتے ہوئے ٹرک کو چھوڑا تھا، وہ مسلسل اعصابی دباؤ کا شکار رہے۔ پان اور رینالڈ تو پہلے ہی تھک کر چور ہو گئے تھے۔ فونٹین میں برنیز کی بے ہوشی کے دوران میں وہ باری باری راتوں کو پہرہ دیتے رہے تھے۔ اس وقت ان کا ایک ایک انگ ٹوٹ رہا تھا۔ لگاتار سفر نے ان کے قویٰ مضمحل کر دیئے تھے اور برنیز نے صحیح فیصلہ کیا تھا کہ رات آرام سے بسر کر لی جائے۔

اس حالت میں وہ سفر سے یُوں بھی گھبرا رہا تھا کہ کہیں اتنی بڑی جرمن فوج سے سامنا نہ ہو جائے، جو انہیں چند منٹوں میں ملیامیٹ کر کے رکھ دے۔ بدشگونیاں پہلے ہی ظاہر ہو رہی تھیں۔ نہر عبور کرنے کے بعد کچھ فاصلے پر ٹرک کا انجن رُک گیا اور اُسے ٹھیک کرنے میں دو گھنٹے لگ گئے۔ جب تک رینالڈ، انجن کی مرمت میں مصروف رہا، پان اور برنیز قریبی کھیتوں میں گھومنے نکل گئے۔

"مجھے شک ہے ہم جس سڑک پر سفر کر رہے ہیں یہ وہ نہیں جو نقشے پر ظاہر کی گئی ہے۔ ہمیں جنوب مغرب کی طرف جانا چاہیے تھا، مگر ہم جنوب کی طرف بڑھ رہے ہیں"۔ برنیز نے اپنی تشویش ظاہر کرتے ہُوئے کہا۔

"ممکن ہے قطب نما ٹھیک کام نہ کر رہا ہو؟" پان نے خفت سے کہا۔

"میں سُورج کی مدد سے سفر کر رہا ہُوں، یہ تو دھوکا نہیں دے سکتا"۔ برنیز نے جھنجلاہٹ سے کہا۔

"وہ سامنے ایک قصبہ نظر آ رہا ہے، اُس کی طرف چلتے ہیں اور پیری کی مدد سے کسی سے صحیح راستہ دریافت کر لیں گے"۔

"بھاڑ میں جائے پیری اور تم بھی"۔ برنیز نے غراتے ہُوئے کہا "میں قصبوں میں گھسنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا۔ ہم اس کے باہر کھیتوں میں سے گزریں گے"۔

پان کوئی جواب نہ دے سکا، اتنی دیر میں ٹرک ٹھیک ہو چکا تھا اور سفر پھر شروع ہو گیا۔ شام کے سائے تیزی سے پھیل رہے تھے۔ جب

برنیز کو سامنے ایک پُل نظر آیا۔ اُس وقت وہ کھُلے علاقے میں سفر کر رہے تھے اور کوئی نزدیک کوئی ایسی جگہ نہ تھی جہاں وہ آرام کر سکتے تھے۔ پُل سے اِدھر درختوں کے جھنڈ میں ٹینک کھڑا کر دیا گیا۔ برنیز اور پان صورتِ حال کا جائزہ لینے کے لیے آگے بڑھے۔

"پُل ہمارے لیے سُودمند ثابت ہوئے ہیں۔" پان نے بات چھیڑی۔ "اِس جھنڈ میں ٹینک چھپا دیں گے اور خود کہیں اور لیٹ رہیں گے۔"

برنیز نے جھنڈ پر نگاہ ڈالتے ہوئے کہا، "نہیں یہاں ٹینک اچھی طرح نہیں چھپایا جا سکتا۔ پُل کی طرف سے آنے والی ہر گاڑی کی ہیڈ لائٹیں سیدھی اس جگہ پڑتی ہیں۔ اب تک قسمت نے ہمارا ساتھ دیا ہے، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس سڑک پر سے مزید جرمن فوج نہیں گزرے گی۔ ..... ہم پُل کے نیچے ٹینک کھڑا کریں گے۔" اس نے فیصلہ کُن لہجے میں کہا۔

"پُل کے نیچے.....!" پان کی آنکھیں مارے حیرت کے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

برنیز اس دوران میں پُل کے نیچے اُتر چکا تھا۔ دریا کا پیندا تقریباً خشک تھا۔ صرف ایک فٹ اُونچا پانی بہہ رہا تھا۔ پُل کے نیچے دلدل کے بجائے ریت اور پتھروں نے سطح مرتفع سی بنا دی تھی۔

پُل کی بلندی اور چوڑائی اس قدر تھی کہ ٹینک بآسانی نیچے کھڑا کیا جا سکتا تھا؛ چنانچہ ہر طرح سے اطمینان کر لینے کے بعد ٹینک کو اُدھر سے گھما کر وہ پُل کے نیچے لے آئے اور قریب ہی اپنے لیے بیٹھنے کی جگہ منتخب کر لی۔ فیصلہ یہ ہُوا کہ ہر ایک باری باری پہرہ دے گا۔ اس وقت گیارہ بج رہے تھے۔ سب سے پہلے پان ڈیوٹی دے گا، پھر برنیز اور اُس کے بعد رینالڈ۔ سفر کی تھکاوٹ کی وجہ سے جلد ہی وہ نیند کی آغوش میں جا چکے تھے۔ برنیز کی آنکھیں بڑی بے چینی سے بند ہوئیں۔ اُس کے دماغ کا ایک چھوٹا سا حصہ اُسے بیدار رہنے پر مجبور کر رہا تھا۔

* * *

"سارجنٹ! اُٹھو! اُٹھو! ....."

برنیز نے فوراً آنکھیں کھول دیں۔ اُس کا ہاتھ خودبخود ریوالور کی جانب بڑھا جو اُس نے کمبل کے نیچے چھپا رکھا تھا۔

"کیا بات ہے پان؟"

"پُل کے اُوپر چلو..... ایک لمبا چوڑا قافلہ بڑھا چلا آ رہا ہے۔" پان پر گھبراہٹ طاری تھی۔

اس وقت ڈیڑھ بجے کا عمل تھا۔ مزید اڑھائی گھنٹوں بعد صبح کے آثار نمودار ہونے والے تھے۔ وہ دبے پاؤں پان کے ہمراہ پُل پر چڑھا۔ ٹھنڈا خوف اُس کے سریر میں سرایت کر گیا۔ چاند سرد تھا اور دھندلی چاندنی رات میں اُس نے دیکھا کہ جنوب کی طرف سے روشنیوں کا ایک قافلہ چلا آ رہا ہے۔ صبح کاذب کے سناٹے میں بیشمار گاڑیوں کی آواز صاف سُنائی دے رہی تھی۔ اُس نے جلدی جلدی گاڑیاں گننا شروع کیں۔ ابھی بیس تک پہنچا تھا کہ پان کو مخاطب کرتے ہوئے بولا "جاؤ" رینالڈ کو بیدار کر دو۔

"پیری کے بارے میں کیا حکم ہے؟"

"اسے کسی قیمت پر مت جگانا!"

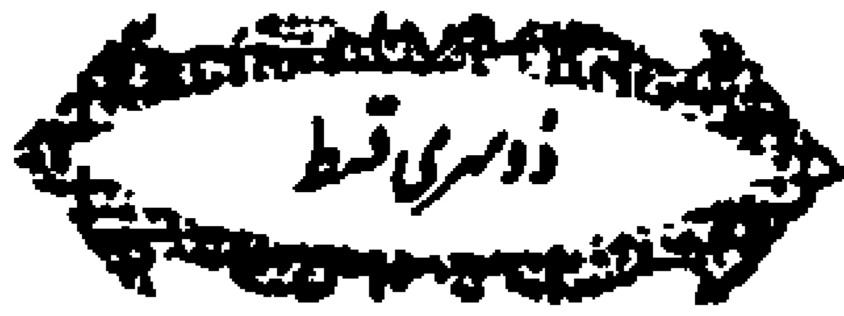
برنیز اُوپر کھڑا انتظار کرتا رہا۔ سردی کی وجہ سے وہ کپکپا بھی رہا تھا۔ سب سے اگلی روشنی قریب تر ہو گئی تھی۔ یہ بیشمار گاڑیوں کا قافلہ ہرگز نہیں ہو سکتا تھا۔ گاڑیاں ایک خاص ترتیب سے ایڈوانس کر رہی تھیں۔ اس لیے یہ فیصلہ کرنے میں کوئی دیر نہ لگی کہ یہ فوجی گاڑیاں ہیں۔ تھوڑی دیر بعد اس کا اندازہ یقین میں بدل گیا۔ اب ٹینکوں کے چلنے کی آواز صاف پہچانی جا رہی تھی۔

وہ ایک آرمرڈ کالم کے راستے میں کھڑے تھے۔

برنیز جلدی سے پُل کے نیچے گیا اور پان اور رینالڈ کو حکم دیتے ہوئے بولا، "چند منٹوں میں وہ پُل پر پہنچنے والے ہیں۔ میں جب تک مزید حکم نہ دوں اسی جگہ تیار کھڑے رہو۔" اُس نے دریا کے دونوں جانب پانی پر سرسری نظر ڈالی، پھر وہ جست لگا کر پُل کے اوپر پہنچ گیا۔

اگلے ہی لمحے ایک موٹر سائیکل کی بتیاں پُل کے اُوپر پڑیں۔ پھر موٹر سائیکل کی روشنی سے پہلی صف دکھائی دے رہی تھی۔ "اُف خدا!" برنیز نے دل ہی دل میں کہا، "یہ تو پینزر ڈویژن سر پر آن پہنچا!"

دوسری موٹر سائیکل بجائے ٹینکوں کی طرف بڑھنے کے اچانک رُک گئی۔ اُس کی روشنی اُن جھاڑیوں پر پڑ رہی تھی جن میں برنیز لیٹا ہوا تھا۔ موٹر سائیکل سے اُتر کر ایک فوجی پُل کی طرف چلا آیا اور موٹر سائیکل آگے بڑھ گئی۔ جونہی جرمن سپاہی نے اپنی طاقتور ٹارچ کی روشنی دریا کے بہاؤ پر ڈالی تو برنیز نے سانس روک لیا۔ پھر ٹارچ بجھ گئی اور جرمن سنتری مزید دو چار قدم پُل کی طرف بڑھا۔ ٹارچ دوبارہ جلی۔ اب اس کا رُخ نیچے دریا کے کنارے کی جانب تھا۔ روشنی آگے بڑھنے لگی اور اس کے پیچھے قدم اُٹھ رہے تھے۔ برنیز نے دانتوں تلے زبان دبا لی۔ جرمن سنتری پُل کے نیچے معائنہ کرنے والا تھا۔ (باقی آئندہ)



جرمن سنتری پُل کے کنارے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ سارجنٹ برینیز قریبی جھاڑیوں میں سانس روکے لیٹا تھا۔ اور پُل کے نیچے برطانوی فورس کا مہیب مالڈا ٹینک کیموفلاج کیا ہوا تھا۔ جرمن سنتری کے چند مزید قدم ٹینک اور اس کے ساتھ چار افراد کی قسمت کا فیصلہ کر سکتے تھے۔

کوئی آواز پیدا کیے بغیر برینیز اپنا داہنا ہاتھ پُشت کی جانب لے گیا اور پچھلی جیب سے لمبی دھار والا چاقو ایک جھٹکے سے کھینچ لیا۔

انجنوں کی آواز قریب سے قریب تر ہو رہی تھی۔ برینیز کو بھی صرف چند سیکنڈ میں کوئی برق رفتار فیصلہ کرنا تھا۔ وہ خاموش لیٹا رہا اور اپنے کان جرمن سنتری کے قدموں کی چاپ پر لگائے رکھے۔ وہ دل ہی دل میں دعا کر رہا تھا کہ پان فائر نہ کھول دے۔ جرمن برینیز سے چند فٹ کے فاصلے پر گزرا۔ اس کے بھاری بوٹوں تلے پتے اور خود رو پودے چُرمرا رہے تھے۔ برینیز آہستہ آہستہ اُوپر اٹھا اور پُل کی دیوار کی طرف بڑھا اور پھر سنتری کا تعاقب کرنے لگا۔ اس کا بایاں ہاتھ دیوار کو تھامے ہوئے تھا اور دائیں ہاتھ سے چاقو کے دستے پر گرفت مضبوط کر رکھی تھی۔ اسے ایک ہی وار میں جرمن کا کام تمام کرنا تھا۔ ٹارچ کی روشنی کے پس منظر میں وہ اس کا ہیولیٰ صاف طور پر دیکھ سکتا تھا۔ کسی بھی لمحے ٹارچ بائیں طرف گھوم جائے گی اور ٹینک اُسے نظر آجائے گا۔ ایک برطانوی ٹینک دیکھ کر جرمن کا ردِ عمل کیا ہوگا!

برینیز چوروں کی طرح کنارے سے نیچے اترا۔ اُف! کتنا خوفناک لمحہ تھا۔ اُس کا پاؤں پھسلتے پھسلتے بچا۔ وہ دیوار سے تقریباً لٹک کر رہ گیا، لیکن پھر توازن برقرار رکھنے میں کامیاب ہو گیا۔

جرمن سنتری اُس سے صرف چار قدم آگے تھا اور پُل سے ذرا دُور انجنوں کا شور متواتر بڑھ رہا تھا۔ اُسے اور نزدیک ہونے کی ضرورت تھی۔ اُس نے سُرعت سے قدم آگے بڑھائے۔ اسی لمحے جرمن نے اپنی ٹارچ ایک طرف گھمائی۔ روشنی کا ہالہ ٹینک پر پڑنا تھا پورا منظر واضح ہو گیا۔ ٹینک کی دو پاؤنڈر دریا کے پانی کی جانب جھکی ہوئی تھی۔

برینیز نے چیتے کی طرح جست لگائی۔ چاقو والا ہاتھ بلند کر لیا۔ اس کا پورا بدن ایک ہی بار اُوپر اُٹھا اور پھر نیچے آرہا۔ سنتری کی پُشت میں چاقو لگا اور اوور کوٹ کو چیرتا ہوا جسم کے اندر دھنستا چلا گیا۔ وہ دونوں آگے کنارے پر جا گرے۔ سنتری نیچے تھا اور برینیز اُوپر۔ ٹارچ اُس کے ہاتھ سے چھوٹ کر دریا میں جا گری۔ برینیز کا سر بڑے زور سے جرمن کے فولادی ہلمٹ سے ٹکرایا جس سے وہ چکرا کر رہ گیا، مگر جلد ہی اس نے اپنے آپ کو سنبھال لیا پھر ہلمٹ اس کے سر سے اُتار کر سامنے کھڑے ہوئے پان کی طرف پھینکا۔ "یہ لو... اور سر پر رکھو... کسی نہ کسی کو اب سنتری کی جگہ کردار ادا کرنا ہوگا... میرا قد چھوٹا ہے، اس کا مشینی پستول بھی لے لو۔" وہ سنتری کا اوورکوٹ اُتارنے کی کوشش میں مصروف تھا۔ پان نے آگے بڑھ کر اُس کی مدد کی اور لاش پانی میں دھکیل دی گئی۔

پیش قدمی کرتے ہوئے انجنوں کی گڑگڑاہٹ اس کے کانوں کے پردے سے ٹکرائی۔ "رینالڈ، پیری کے ساتھ پُل کے نیچے ٹھہرے رہو گے۔" پھر پان کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: "اوورکوٹ کی پچھلی طرف خون کے داغ ہیں۔ اس مسئلے پر قابو پانے کے لیے تم اپنی پُشت پُل کی دیوار کی طرف کر کے کھڑے رہنا۔ اس طرح گزرتے ہوئے جرمنوں کی نظر اس پر نہ پڑ سکے گی... اب میرے پیچھے آؤ۔" اور وہ دونوں آگے پیچھے اُوپر چڑھنے لگے۔

سب سے اگلی گاڑی بہت قریب آچکی تھی، لیکن اس کی روشنی سے ابھی تک پُل منوّر نہ ہُوا تھا۔ برینیز نے آواز پر کان لگاتے ہوئے صاف محسوس کر لیا کہ اس قافلے میں ٹینک بھی شامل ہیں۔

"پان، ہم وقت پر پہنچے۔ اپنا اُوپر کا بٹن ٹھیک کر لو۔ اس طرف سڑک پار، چلے جاؤ اور دیوار کی طرف پیٹھ کر کے کھڑے ہو جاؤ۔" برینیز نے آخری فقرے پر زور دیتے ہوئے کہا: "سینے کے سامنے مشینی پستول تانے رکھو۔ تمہارا کام صرف یہ ہے کہ جرمن تمہیں دیکھتے رہیں... بس اب جاؤ۔"

پان دوڑ کر پُل کے پار جا کھڑا ہوا۔ ہیڈ لائٹوں پر آخری نظر ڈالتے ہوئے برینیز واپس کنارے کے نیچے چلا گیا۔ اس نے سنتری کی ٹارچ پانی میں سے اٹھا کر بجھا دی۔ پھر وہ دوبارہ اُوپر چڑھ گیا۔

اب دشوار ترین مرحلے کا آغاز ہو رہا تھا۔ وہ دیوار سے لگ کر کھڑا ہو گیا۔ ایک بھاری گاڑی پُل کے اُوپر سے گزری۔ اس کی روشنیاں دریا کے پانی میں لہرائیں اور پھر جونہی ٹرک آگے بڑھ گیا، وہاں مکمل اندھیرا تھا۔

کئی اور گاڑیاں آئیں اور گزرتی چلی گئیں۔ پھر برنیز کو ٹینک کے چین کی گڑگڑاہٹ سی سُنائی دی۔ اس نے اپنا سَر دیوار سے اوپر کر کے نظر ڈالی ۔۔ تیز روشنی کی محراب میں اُس کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ پینزر ڈویژن کا ایک ٹینک درمیانی رفتار سے بڑھتا چلا آ رہا تھا۔ جُوں جُوں وہ پُل کے قریب پہنچ رہا تھا، رفتار کم ہو رہی تھی۔ برنیز نے دیوار کے پیچھے دیکھتے ہوئے سوچا، اس وقت پان کے احساسات کیا ہوں گے !!

٭ ٭ ٭

پان، خوف کے شکنجے میں اس بُری طرح گرفتار تھا کہ اُسے اپنے جذبات کا احساس تک نہ رہا۔ اس نے ابھی پوزیشن لی ہی تھی کہ پہلی گاڑی پُل پر پہنچ گئی۔ ہیڈ لائٹیں جزوی طور پر اس کے چہرے پر پڑ رہی تھیں، یہ ایک آرمرڈ کار تھی۔ پان نے اپنے لیے وہ جگہ منتخب کی تھی جہاں سے پُل کی دیوار سڑک چھوڑ کر ایک طرف کو مُڑ جاتی تھی۔ اُس نے اپنا ہتھیار ایک خاص زاویے پر رکھا، اس کی نالی سڑک کے جانب تھی تاکہ جرمن صاف طور پر اُسے دیکھ سکیں۔ پھر ایک اور آرمرڈ کار آئی۔ پان نے گاڑیاں گننی شروع کر دیں۔ اُس نے سوچا، برنیسز ان کی تعداد ضرور دریافت کرے گا۔ اس لیے کہ وہ بعد میں کچھ نہ کچھ ضرور پُوچھا کرتا تھا۔

پان کو خوفناک حد تک اس بات کا احساس تھا کہ صرف ایک گاڑی رُکنے کی دیر ہے جس میں کوئی افسر بھی بیٹھا ہو اور پھر کام تمام سمجھو۔ چار گاڑیاں مزید گزریں، پھر پان کے کانوں میں جانی پہچانی آواز آئی۔ اب ٹینک آ رہے تھے۔ ان میں کمانڈر سینہ تانے کھڑے ہوں گے۔ وہ اپنی جگہ پر منجمد ہو کر رہ گیا، اس کے ہاتھوں کی گرفت نالی پر اس قدر سخت تھی کہ وہ تقریباً کانپنے لگی۔ جلد ہی اُس نے گرفت ڈھیلی کی۔ اس وقت تک پہلا ٹینک اس کے قریب پہنچ چکا تھا۔ اس نے اپنی نظریں سامنے دیوار پر گاڑے رکھیں اور ٹینک کے سُوراخ میں ایستادہ کمانڈر کی طرف دیکھنے کی جرأت نہ کی۔ ٹینک نے پُل پار کیا اور پان نے اپنا سانس باہر نکالا جسے غیر شعوری طور پر روکے ہوئے تھا۔ وہ متعجب تھا کتنی دیر اس صورتِ حال کا مقابلہ کر سکتا ہے۔ کیا وہ شدید ترین اعصابی دباؤ کے سامنے بے دم ہو کر نہ رہ جائے گا؟ اس نے اپنے آپ سے سوال کیا۔ اتنی دیر میں دوسرا ٹینک اُس کی طرف بڑھ رہا تھا۔

مشکلوں اور خطروں کے مقابلے میں پان نے ایک ذہنی مشق کر رکھی تھی۔ اِسے وہ دماغ کو کولڈ اسٹور میں رکھنے کا نام دیتا تھا ــــ مقصد یہ تھا کہ جب کبھی وہ حقیقی بحران سے دوچار ہو جائے، تو عارضی طور پر اپنے تمام احساسات اور ہر قسم کے عمومی ردِ عمل پر قابو پا لے اور ایک اور صرف ایک نکتے پر تمام تر توجہ مرکوز کر لے۔ اس وقت وہ گاڑیوں کی گنتی میں مصروف تھا۔ وہ پچاس کے قریب بھاری ٹینک شمار کر چکا تھا کہ اُسے کسی شے کا احساس ہوا ــــ کسی بھی ٹینک کمانڈر نے اس پر نظر ڈالنے کی تکلیف نہ کی تھی، اسی لیے وہ گاڑیوں اور ٹرکوں کے مقابلے میں ٹینکوں کو پسند کرتا تھا۔ جب اُسے پہلا ٹرک اپنی طرف آتا دکھائی دیا، تو وہ خوفناک گھبراہٹ کا شکار ہو گیا۔ یہ ویسا ہی ٹرک تھا جیسا وہ اپنی توپ سے نہر کے پُل پر شعلوں کی نذر کر چکا تھا۔ ٹرک آگے بڑھا اور پان نے لمبٹ کے نیچے سے دیکھا، ڈرائیور کے پہلو میں ایک افسر براجمان تھا جس نے ایک نگاہِ غلط انداز پان پر ڈالی اور اتنی دیر میں ٹرک آگے نکل گیا۔ اس کے پچھلے حصے میں فولادی ہیلمٹ پہنے ہوئے جرمن پیادہ سپاہی اپنا اپنا اسلحہ تھامے بیٹھے تھے۔ خالی خولی چہروں کے ایک سمندر نے اُسے گھورا۔ "خدا کے لیے چلتے رہو، چلتے رہو۔" پان نے دل ہی دل میں کہا۔ پسینے کی وجہ سے اُس کے ہاتھ اس قدر گیلے ہو چکے تھے کہ ہتھیار پکڑے رکھنا مشکل ہو گیا۔ "گنو، گنتے رہو۔ اس کے سوا کوئی اہم کام نہیں۔" اس کے لاشعور نے کہا ــــ اس نے جلدی سے اوورکوٹ سے اپنے ہاتھ پُونچھے اور پھر تن کر کھڑا ہو گیا۔ اب ایک اور ٹرک آ رہا تھا۔ پہلے کی طرح ایک افسر نے اُس پر نگاہ ڈالی، پھر گھورتی ہوئی آنکھوں کا سمندر ٹرک کی پچھلی طرف سے اُبل پڑا۔ جونہی ٹرک غائب ہوا، اُسے عقب سے برنیز کی آواز سُنائی دی "ثابت قدم رہو، تم نے تو شاندار مظاہرہ کیا۔"

برنیز کی آواز سُن کر اس کے حوصلے جوان ہو گئے۔ دشمن کے سامنے بڑی بے رحمی سے تن تنہا کھڑے ہونے کا احساس دب گیا۔ وہ

پھر گنتی کرنے لگا ـــــ اور پھر کسی وارننگ کے بغیر ایک کڑی آزمائش سے دوچار تھا۔

دوسرے ٹرکوں کی طرح ایک اور ٹرک پل کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اس کی ہیڈ لائٹوں نے جزوی طور پر پان کا چہرہ منور کر دیا۔ یہ ڈھلان سے اوپر چڑھا اور اس کے قریب سے گزرا۔ ڈرائیور کے ساتھ معمول کے مطابق جرمن افسر نے نشست سنبھالی ہوئی تھی اور پھر پچھلے حصے میں گھورتے ہوئے چہروں کا سمندر۔ جونہی وہ پل سے آگے موڑ مڑنے لگا، اس کے انجن نے دھواں چھوڑا اور پھر کھانسنے لگا۔ ایک لمحے کو اس کی رفتار کم ہوگئی اور وہ رک سا گیا ـــــ پان صاف محسوس کر رہا تھا کہ ڈرائیور اسے چلانے کی سرتوڑ کوشش میں ہے۔ ٹرک پھر حرکت میں آیا اور سڑک سے اتر کر کھیتوں میں داخل ہوگیا۔ اب انجن کے کھانسنے کی آواز پہلے سے بڑھ گئی تھی۔

خوف کے مہیب سایوں تلے پان نے دیکھا کہ ٹرک کے پچھلے حصے سے فوجی نیچے اترے اور کھیتوں میں ادھر ادھر پھیل گئے۔ ڈرائیور اور افسر نے بونٹ اوپر اٹھایا اور انجن کے اندر جھک گئے۔ "مقتول جرمن سنتری ان میں سے کسی نہ کسی کا دوست ضرور ہوگا۔" پان نے سوچا اور خوف کی لہریں اس کے انگ انگ سے گزرنے لگیں: "اگر ان میں سے کوئی ایک بھی ادھر آنکلا، تو بس معاملہ ختم سمجھو۔" اور پھر مزید گاڑیاں گزر رہی تھیں۔ خراب ہونے والی گاڑیوں کے ڈرائیوروں کو شاید حکم تھا کہ وہ سڑک پر رکاوٹ ہرگز نہ بنیں تاکہ نقل و حرکت پروگرام کے مطابق جاری رہے۔ "شاید یہ لوگ صبح تک یہیں رہیں گے۔" پان انجانے خوف سے لرز گیا۔

"پان!" برینیز نے دیوار کی اوٹ سے سرگوشی کی: "جو کچھ وقوع پذیر ہو رہا ہے، میں اسے جانتا ہوں اور اس کے نتائج و عواقب میرے سامنے ہیں۔ بس تم خاموش کھڑے رہو۔ وہ چند منٹوں میں انجن ٹھیک کرکے روانہ ہو جائیں گے۔ . . ." اس کی آواز ٹریفک کی گڑگڑاہٹ میں ڈوب گئی اور وہ خود دیوار کی اوٹ میں ہوگیا۔

"پان، خطرے کی صورت میں میں تمہارے پیچھے موجود ہوں اور میرے ہاتھ میں خود جرمنوں کا پستول ہے۔ . . تم کوئی حرکت نہ کرو اور۔ . . . ."

اسے ایک بار پھر دیوار کی اوٹ میں ہونا پڑا۔ پان کو جب یہ محسوس ہوا کہ اس کا کمانڈر اس کی حفاظت کے لیے پیچھے موجود ہے تو اس کا حوصلہ بلند ہوگیا۔ اس نے مشینی پستول پر گرفت مستحکم کرلی، کیونکہ اس کا کام یہی تھا۔ اس وقت کچھ جرمن سپاہی سڑک کے قریب آچکے تھے۔ ڈرائیور اور افسر ابھی تک انجن پر جھکے ہوئے تھے۔ اگر ٹرک جلدی نہ چلا، تو کوئی جرمن سپاہی سڑک عبور کرکے سنتری کے ساتھ گپیں ہانکنے آسکتا تھا۔ پان نے دیکھا ایک سپاہی واقعی سڑک پار کر رہا ہے۔ 'موت کے ننھے ننھے قدم اسے اپنی طرف بڑھتے دکھائی دیے۔ ایک . . . . دو . . . . تین . . . . لمحے رینگ رہے تھے اور انجام قریب آرہا تھا۔ اچانک ایک اور ٹینک کی ہیڈ لائٹوں نے پل پر روشنی بکھیر دی اور سڑک پار کرنے والا جرمن سپاہی پیچھے ہٹنے پر مجبور ہوگیا۔ وہ سڑک کے کنارے گھاس پر کھڑا تھا اور اندرونی تذبذب میں مبتلا۔ پھر وہ مزید پیچھے ہٹ گیا۔ اس نے سوچا ہوگا کوئی افسر اسے یوں چہل قدمی کرتے دیکھ کر جھاڑ پلا سکتا ہے یا ممکن ہے اس کی پلے ہی چھین لی جائے۔

برینیز نے اس دوران میں پان کی عقبی دیوار چھوڑ دی تھی اور وہ پل کا کنارا دونوں ہاتھوں سے پکڑے آہستہ آہستہ دریا کی دوسری جانب رینگ رہا تھا، اس کی ہتھیلیاں پہلے ہی لہولہان تھیں۔ ایک ایک انچ کا فاصلہ صدیوں کی مسافت بن گیا، لیکن اس کی بے پناہ قوتِ ارادی اسے آگے دھکیلے جارہی تھی۔ وہ دوسرے کنارے پر پہنچ گیا اور ایک اوٹ میں لیٹ کر جرمن فوجی قافلے کو دیکھنے لگا۔ وہ اندازہ لگانا چاہتا تھا ابھی کتنی اور گاڑیاں گزرنے والی ہیں، پھر اس نے اطمینان کا سانس لیا اور دوبارہ پہلے کی طرح پل سے ٹیک لگا کر پان کی طرف جانے لگا۔

"پان!" اس نے دیوار کے اوپر سر نکالتے ہوئے کہا: "صرف چھ گاڑیاں اور آئی ہیں۔ اور آخری دو شاید موٹر سائیکل ہوں گے۔"

"میرا خیال ہے وہ ٹرک بھی حرکت کر رہا ہے . . ."

"ہاں، میں نے انجن چلنے کی آواز سن لی ہے . . . دیکھو!" برینیز نے زور دیتے ہوئے کہا: "جب وہ گاڑیاں اور گزر جائیں، تو تم چوہا کی طرح اپنے آپ کو اس دیوار سے نیچے گرا دو گے۔"

"لیکن وہ ٹرک . . . ."

"بس چپ ہو جاؤ اور جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اس پر عمل کرو۔"

برینیز پھر دیوار کی اوٹ میں ہوگیا۔ اس کی نظریں کھیتوں میں کھڑے ہوئے ٹرک پر جمی تھیں۔ سپاہی اس کے پچھلے حصے میں بستا لگا کر بیٹھا

اور ڈرائیور اور افسر اپنے کیبن میں بیٹھ چکے تھے۔ اُس کا دماغ طرح طرح کے خیالات کی آماجگاہ بنا ہُوا تھا... ممکن ہے آخری موٹر سائیکل یہاں ٹرک کر سنتری کو اُوپر بٹھا لے۔ اس طرح اس موٹر سائیکل کے ڈرائیور کے ساتھ انہیں نپٹنا ہوگا، لیکن اس سے پہلے ٹرک کی روانگی ضروری تھی تاکہ یہ لوگ بھی بیچ میں نہ کُود پڑیں۔

ٹرک نیم دائرے میں حرکت کرنے لگا۔ ایک گاڑی اس وقت پُل پر پہنچ گئی اور اب صرف ایک باقی تھی۔ ٹرک اب غیر ہموار زمین کی وجہ سے ہچکولے کھاتا سڑک کی طرف بڑھ رہا تھا۔ کیا یہ دُوسری گاڑی کے آنے سے قبل سڑک پر چڑھ جائے گا یا اسے راستہ دینے کے لیے تھوڑا انتظار کرے گا؟ برنیز نے مشینی پستول پر گرفت مضبوط کرلی۔ اُسے اگلے ساٹھ سیکنڈ میں انتہائی سُرعت سے کوئی فیصلہ کرنا تھا۔ ٹرک سڑک کے کنارے پر رُک گیا تاکہ اطمینان کر سکے: راستہ صاف ہے۔ برنیز اسے بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔ ٹرک ان کا حقیقی دُشمن تھا، جو اُن کی زندگی اور موت کا فیصلہ کر سکتا تھا۔ وہ ابھی تک سڑک پر چڑھنے سے ہچکچا رہا تھا جیسے ڈرائیور کو کچھ ضروری کام یاد آرہا ہو۔ شاید اُس کا افسر اُسے پیچھے مُڑنے کو کہہ رہا تھا تاکہ سنتری کو بھی ساتھ بٹھایا جا سکے۔ برنیز نے دُعا کی: ہم سوئے اتفاق سے موت کے مُنہ میں نہ پہنچ جائیں! پھر اچانک ٹرک سڑک پر چڑھا اور نوئیٹن کی طرف جانے والی سڑک پر آہستہ آہستہ اس کی رفتار بڑھتی گئی۔ اتنے میں آخری گاڑی پُل پر پہنچ چکی تھی۔ برنیز نے جذبات سے مغلوب ہو کر کہا،

"پال، اب کُود پڑو۔"

اُس نے پال کا بازو تھاما اور اسے نیچے کھینچ لیا۔ "ان جھاڑیوں میں لیٹ جاؤ، خواہ کچھ بھی ہو جائے، حرکت کرنا۔ ممکن ہے پہلی موٹر سائیکل بغیر رُکے گزر جائے لیکن آخری ضرور رُکے گی تاکہ اپنے سنتری کو جمع کرے جائے۔ بس ہمارا مقابلہ اسی سے ہوگا۔"

"لیکن اگر انہیں سنتری نظر نہ آیا اور تلاش لینے گئیں......"

"ضروری نہیں۔ وہ یہ سوچ سکتے ہیں کہ سنتری آخری ٹرک میں سوار ہو کر چلا گیا.... دیکھو... میں دُوسری پوزیشن لیتا ہوں۔"

برنیز پوری رفتار سے دوڑا اور سڑک پار کر کے بیس گز دور جھاڑیوں میں گر گیا۔ ان دونوں نے ایسی پوزیشنیں لے لی تھیں کہ آخری موٹر سائیکل ان کے کراس فائر کی زد میں آجاتی۔ پھر اس نے پہلی موٹر سائیکل کو پُل کی طرف بڑھتے دیکھا۔

یہ پوری رفتار پر بڑھی چلی آرہی تھی اور کوئی سنسنی پیدا کیے بغیر گزر گئی۔ یہ سب کچھ اتنی تیزی سے ہُوا کہ برنیز کو اپنی آنکھوں پر یقین نہ آرہا تھا۔ اب انہیں آخری موٹر سائیکل کا خطرہ درپیش تھا۔ وہ زمین کے ساتھ اور بھی چپک گیا، مشینی پستول سامنے پھیلا لیا۔ پھٹ پھٹ کی سی آواز سُنائی دینے لگی۔ جھاڑیوں میں سے وہ اس کی روشنی دیکھ رہا تھا جو پُل کی طرف دوڑتی جا رہی تھی۔ برنیز کے پٹھوں کے اعصاب تن گئے اور ہاتھ اور مضبوطی سے ہتھیار پر جم گئے۔

اور پھر موٹر سائیکل اس کے سامنے تھی۔ یہ اسی رفتار پر پُل سے گزر گئی۔

برنیز خاموشی سے اپنے آپ پر ہنسا۔ وہ ہنسنا چاہتا تھا، اُسے فوجی الف بے کی بھی شُدبُد نہ تھی۔ "مجھے ریفریشر کورس کی ضرورت ہے۔" اس نے ایک بار پھر مُسکراتے ہُوئے اپنے آپ سے کہا۔

موٹر سائیکلوں پر وائرلیس نظام نہیں ہوتا اور انہیں کسی طرح جا مطلع نہیں دی جا سکتی کہ آگے ان کے لیے کوئی کام ہے۔ سنتری کو خود بخود آخری ٹرک روک کر سوار ہو جانا چاہیے ـــــ اعصاب شکن تناؤ، قیامت کی سی گھبراہٹ اور سر پر شکتی موت کا کرب ختم ہو چکا تھا، وہ سڑک پار کر کے پال کی طرف گیا۔

"بالآخر اب ہم آرام کر سکتے ہیں۔" پال صرف یہی الفاظ ادا کر سکا۔

"مجھے ڈر ہے ایسا نہیں.... صبح سے پہلے ہمیں ایک خوفناک سوال کا جواب دینا ہوگا۔"

❖ ❖ ❖

صبح ہونے میں آدھ گھنٹہ باقی تھا اور پُل کے نیچے ابھی تک گھپ اندھیرے کی کیفیت تھی۔ برنیز نے ٹارچ کی روشنی کی اور پیری کو جھنجھوڑ کر بیدار کیا۔ لڑکے نے روشنی میں آنکھیں کھولیں اور بند کیں اور پھر بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے پوچھا: "سارجنٹ کون اور مصیبت آپڑی؟"

"نہیں، اب تم اپنی باری بھگتو گے۔ ہم سب تھک چکے ہیں۔ اُٹھو اور رینالڈ سے ڈیوٹی لے لو۔ تمہیں تین گھنٹے تک پُل پر پہرہ دینا ہوگا کیونکہ سات بجے سے پہلے یہاں سے روانہ نہیں ہو سکتے۔"

"ٹھیک ہے۔" پیری نے بُوٹوں کے تسمے باندھتے ہوئے کہا، "میں بڑی خوشی سے اپنی ڈیوٹی دُوں گا۔"

"ہم دیکھیں گے تم وہ کیسے سرانجام دیتے ہو۔ تمہیں صرف پُل پر

کھڑے ہو کر کان کھولے رکھنے ہوں گے۔ یہ مت فرض کر لینا کہ جو بھی گاڑی پل کی طرف آئے گی اس کی بتیاں ضرور روشن ہوں اور یہ بھی ضروری نہیں یہ پہلی گاڑیوں کی طرح جنوب ہی سے آئے بلکہ مجھے یقین ہے یہ شمال ہی سے آئے گی کیونکہ جب انہیں پتہ چلے گا سنتری غائب ہے تو وہ ضرور کسی کو دیکھنے بھیجیں گے۔"

"میں بڑی احتیاط سے پہرہ دوں گا۔"

"کوئی بھی ہلچل نہ دیکھے ورنہ اس کی آواز سنتے ہی تم دوڑ کر نیچے آؤ گے اور ہمیں خبردار کر دو گے۔ سمجھ گئے نا؟"

"بہت اچھی طرح سمجھ گیا۔" اس نے اپنے ہاتھ مشینی پستول کی طرف بڑھائے جسے برنیز نے ادھر ہی مضبوطی سے پکڑ لیا تھا: "مجھے کسی ہتھیار کی ضرورت نہیں پڑے گی؟" پیری نے پوچھا۔

"بس اپنی آنکھوں اور کانوں سے کام لو۔ میں یہ خطرہ ہرگز مول نہیں لے سکتا کہ تم جھاڑی پر رینگتے ہوئے آدمی کے شبہے میں فائر کر دو۔ جاؤ اب۔"

برنیز نے پیری کے اوپر چڑھنے تک انتظار کیا۔ پھر وہ پل کے نیچے دوڑ کر دوسرے کنارے پہنچ گیا اور جھاڑیوں میں اپنے آپ کو چھپا لیا۔

یہ پل ایک پہاڑی دریا پر بنا ہوا تھا اور اس کی لمبائی کچھ زیادہ نہ تھی۔ اس لیے برنیز جہاں لیٹا ہوا تھا وہاں سے پیری اور رینالڈ کو باتیں کرتے سن رہا تھا۔ پھر رینالڈ اسے ڈیوٹی دے کر نیچے اترا تو اس کے قدموں کی چاپ بھی صاف سنائی دی۔ اس کے بعد صرف پیری کی نقل و حرکت کی آواز باقی رہ گئی۔ نیم تاریکی کی وجہ سے برنیز کو اس کا دھندلا سا ہیولا دکھائی دے رہا تھا اور پیری کو اس حقیقت کا علم نہ تھا کہ اس کی نگرانی ہو رہی ہے۔

صبح کاذب کی سیاہی چھٹنے تک برنیز کو اطمینان ہو گیا کہ لڑکے پر بھروسہ کیا جا سکتا ہے۔ وہ پل کے گرد گشت کرتا کبھی کبھی دونوں طرف رک کر چپ چاپ کسی بھی آواز پر کان لگا کر خاصی دیر تک کھڑا رہتا۔ ایک دو بار اس نے دریا پر بھی نگاہ ڈالی جیسے اسے خدشہ ہو کہ دشمن اس طرف سے بھی اچانک حملہ کر سکتا ہے۔ برنیز نے سوچا۔ لڑکا تربیت یافتہ ہے اور یہیں سے اس کے وہ شبہات تقویت پکڑ گئے جو پہلے دبے ہوئے تھے۔

صبح صادق کے آثار ہویدا تھے۔ زردی مائل خنک روشنی کی لکیریں افق پر جلوہ گر ہو رہی تھیں۔ برنیز اس وقت تک بعض مشکلات میں گھر چکا تھا۔ وہ بے حس و حرکت لیٹا ہوا تھا اس طرح اس کے جسم کے مختلف اعضا سُن ہونا شروع ہو گئے تھے خصوصاً بائیں ٹانگ تو اس قدر اکڑ گئی تھی کہ وہ اسے ذرا سی حرکت دیتا تو پورے جسم میں سنسنی سی دوڑ جاتی اور یوں لگتا جیسے اسے برقی جھٹکے لگ رہے ہوں۔ وہ یہ سب کچھ برداشت کر رہا تھا کیونکہ وہ ایک سوال کا حتمی جواب چاہتا تھا۔ پیری کی حقیقت کیا ہے اور وہ ان کا کس حد تک وفادار ہے؟

وہ پختہ عزم کے ساتھ لیٹا رہا۔ اس وقت پیری اس کی طرف پل کے سرے پر کھڑا انہی جھاڑیوں کی طرف دیکھ رہا تھا جن میں برنیز چھپا تھا۔ ذرا سی بھی آواز پیری کو چوکنا کر دیتی اور اسے علم ہو جاتا کہ اس کی نگرانی کی جا رہی ہے۔ وہ اس وقت مشرقی افق پر نظریں جمائے کھڑا تھا جہاں صبح کے آثار لمحہ بہ لمحہ اور بھی نمایاں ہو رہے تھے۔ اس یخ بستہ ماحول میں برنیز کے چہرے سے پسینہ پھوٹ بہا کیونکہ وہ اپنی قوتِ ارادی سے کام لے کر بڑا ضبط کیے ہوئے تھا۔ وہ بڑی دیر تک ٹانگ پھیلائے لیٹا رہا۔ یہاں تک کہ درد کافور ہو گیا۔ شاید پیری آتی ہوئی روشنی کے لئے کھڑا تھا کہ برنیز کو زیادہ سے زیادہ کرب میں مبتلا کئے۔ پھر وہ آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا پل کے دوسری جانب چل دیا۔

جھاڑیوں میں سے برنیز نے آگے کھیتوں پر نظر ڈالی جن کے ساتھ دریا کا ایک کنارا بلند ہوتا چلا گیا تھا۔ اگر دشمن اس مقام کو حملے کے لیے منتخب کرے تو بڑی خاموشی سے ان کے سروں تک پہنچ سکتا تھا۔ اسی جگہ پر اب اس کی نظریں مرکوز تھیں۔ کنارا روشن ہوتا چلا گیا۔ بھورے سفید سنہری رنگ کا امتزاج افق پر پھیل رہا تھا اور ایک آند چمکدار دن کی ابتدا ہو رہی تھی۔ پیری اب دوسرے سرے پر رک گیا تھا۔ ابتدائے صبح کی مطلق خاموشی اسے غیر حقیقی سی لگی۔ ایسا سکوت جسے برنیز محسوس بھی کر رہا تھا۔

فضا میں اس قدر خنکی تھی کہ وہ کئی بار کانپ کر رہ گیا۔ سردی کی لہر یونیفارم کو چھید کر اس کا جسم منجمد کیے دیتی تھی۔ دریا کے ابھرے کنارے سے پار اٹھنے والے بخارات نے صبح کو دھندلا سا دیا تھا۔ برنیز کو نہ جانے کیسے یقین آ گیا کہ دھند اور کہر کے اس کثیف پردے کے پیچھے کوئی پُر اسرار نقل و حرکت جاری ہے۔ چند منٹ بعد اس نے کنارے کے اوپر کسی انسانی وجود کا واضح احساس کر لیا۔

آہستہ آہستہ یہ مبہم ہیولا اوپر ہی اوپر چڑھتا گیا اور پھر ساکت ہو

کلا ہو گیا۔ برنیز کا چہرہ ایک دم تن گیا۔ انگلیاں ریوالور کی طرف بڑھنے لگیں
بس کی آنکھیں خاموش کھڑے ہوئے سپاہی پر جمی تھیں۔ جس کے
چہرے سے اُس کی وحشت چھپائے نہ چھپ رہی تھی لیکن ایک بات واضح
ہو گئی۔ اُس کے ہاتھ میں بھی مشینی پستول تھا اور سر پر فولادی ہیلمٹ۔
برنیز کے ذہن میں زبردست سرگرمی شروع ہو گئی اور وہ صورتِ حال
سے نپٹنے کے لیے ضروری کارروائی پر غور کرنے لگا۔

پیری اب پل پار کر کے اِدھر آ رہا تھا۔ پھر قدموں کی چاپ
چانک بند ہو گئی۔ برنیز نے گردن موڑ کر پل کی طرف دیکھا۔ تو پیری
ئب ہو چکا تھا۔

فولادی ہیلمٹ پہنے ہوئے سپاہی بے حس و حرکت کھڑا ... پل
کی جانب یوں دیکھ رہا تھا جیسے خطرے کی بُو سونگھ چکا ہو۔ ماحول پر ایک
سنسنی خیز سکوت طاری تھا۔ ایسا سکوت جو کسی طوفان کا پیش خیمہ
ثابت ہوتا ہے۔

برنیز انتظار کرتا رہا....

پیری انتظار کرتا رہا....

اور فولادی ہیلمٹ پہنے ہوئے جرمن سپاہی بھی منتظر رہا.... وہ
طرح ساکت و صامت کھڑا تھا جیسے پتھر کا بے جان بت ہو۔

اب برنیز کی توجہ دو طرف بٹ گئی تھی۔ سامنے کنارے پر اور پیچھے
ہا پل کے کنارے کی طرف جہاں پیری چھپ گیا تھا۔

پھر کسی وارننگ کے بغیر جرمن سپاہی کنارے سے اُترا اور پل
کی طرف بڑھنے لگا۔ یوں محسوس ہو رہا تھا اُس نے ابھی تک کسی کو نہ دیکھا
مگر اُس کی حرکات و سکنات سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ پورے پل
سے خوفزدہ ہے۔ وہ کسی دستے کا ہراول سپاہی تھا جو دریا عبور کرنے سے
پہلے جگہ دیکھ بھال کرنے بھیجا گیا تھا۔

جرمن سپاہی پستول تانے آگے بڑھا۔ اس کا چہرہ ابھی تک لٹکا ہوا
تھا۔ برنیز کو پل کی اُس دیوار کے قریب سے سرسراہٹ سی سنائی
دی جہاں پیری دبک گیا تھا اور جب یہ سرسراہٹ ختم ہو گئی تو ہیبت
ناک بڑھنے والے جرمن سپاہی کے قدموں کی مبہم چاپ باقی رہ گئی۔
پل کی طرف دبے پاؤں آگے بڑھ رہا تھا۔ کنارے اور پل کے درمیان
سینہ تان کر کھڑا ہو گیا۔ اُس نے کچھ سننے کے لیے ایک طرف سر
جھکایا اور پھر قدم بقدم آگے بڑھا۔ اسی لمحے برنیز نے لپک کر تنے
پر اُٹھایا۔ اس نے پل کی جانب جست لگانے کی آواز سنی۔ پیری

کے ہاتھ ہوا میں اُوپر اُٹھے ہوئے تھے۔ وہ کھلے علاقے میں آتے
ہوئے بار بار پکار رہا تھا اور جرمن سپاہی نے ابھی تک فائر نہ کیا تھا
برنیز بھی سیدھا کھڑا ہو گیا۔ اُس کی پیشانی سے شبنم کے قطرے ٹپ ٹپ
گرے۔ پیری اِس دوران میں پل اور جرمن کے سپاہی کے درمیان
پہنچ گیا جس نے اپنا پستول برنیز کی طرف گھما لیا تھا۔ پیری نے مڑ کر
برنیز کو دیکھا اور وہ بار بار چلّانے لگا۔ وہ ہاتھ سے برنیز کی طرف
اشارہ کر رہا تھا۔ پھر جرمن سپاہی کی طرف پوری رفتار سے بھاگا۔ ہیلمٹ
پہنے ہوئے سپاہی سے کچھ فاصلے پر اچانک رک گیا۔ اُس کی آواز
تقریباً مر رہی تھی۔ برنیز احتیاط سے دونوں آدمیوں کی طرف بڑھا۔
پیری اُس وقت تک جرمن زبان میں چیخ پکار کرتا رہا جب تک اُس
نے فولادی ہیلمٹ اور اوور کوٹ کے پردے میں پان کا چہرہ صاف
طور پر نہ پہچان لیا۔

"تمہارا اندازہ اُس جزائی کے بارے میں صحیح تھا۔" پان نے اپنا
پستول پیری کے پیٹ پر رکھا اور برنیز کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔
"ایک مجہول محب الوطن کا یہ عجیب طرزِ عمل ہے کہ اُس نے جرمن
سپاہی کو دیکھ کر بجائے خبردار کرنے کے اُسی کی طرف پناہ کے لیے دوڑنا
شروع کر دیا۔" پھر برنیز نے پان کی اداکاری کو تحسین کی نظروں سے دیکھتے
ہوئے کہا۔ "تم نے تو مجھے بھی خوفزدہ کر دیا۔ میں سمجھا اب آخری وقت
آ چکا!"

"ہم نے غلطی سے ایک ننھے جاسوس کو اپنے اندر گھس آنے کی
اجازت دے دی۔" پان نے اپنی انگلی ٹرگر پر مضبوطی سے جماتے
ہوئے کہا۔

"آہ! یہ مناسب وقت کے انتظار میں تھا۔ اس نے سوچا ہو گا
پیچھے پوری پلاٹون آ رہی ہے، وہ ہمیں اس کے ہاتھوں میں دے کر
تمغے جیت سکے گا۔ پیری! تم نے سخت حماقت کی!"

"کیسی حماقت! مجھ سے کبھی حماقت سرزد نہیں ہو سکتی۔" پیری نے
چہرے پر رعب طاری کرتے ہوئے کہا۔ اس نے یہ ظاہر کرنے
کے لیے کہ اُسے ان کا قطعی خوف نہیں، اپنی انگلیاں بالوں میں پھیریں۔
پھر اُس نے ان کے زخموں پر نمک چھڑکتے ہوئے کہا۔ "جرمن
فوجی کی یہ عادت نہیں کہ دشمن کے ڈر سے پلوں کے نیچے چھپتا پھرے۔"
پان نے اشتعال میں آ کر ایک قدم آگے بڑھایا اور قریب تھا کہ
اُس کے دل پر پستول داغ دیتا۔ برنیز نے اُسے روک لیا۔ "ٹھہرو،"

اگر ہمیں یہ ضروری معلومات بہم پہنچا دے گا تو ٹھیک ہے ورنہ اسے اگلے ہی لمحے گولی کا نشانہ بنا دیا جائے گا۔"

پہلی بار پیری کی نیلی آنکھوں میں خوف کے سائے تیرنے لگے۔ اُس نے تیزی سے پہلے تو پان کے کندھوں کے اُوپر سے دیکھا اور پھر برنیز پر نگاہیں جما دیں۔ "برنیز، یہ قتل ہوگا۔۔۔ وحشیانہ قتل!"

"یاد رکھو، تم مجھے سارجنٹ کہہ کر پکارو گے اور چونکہ تم وردی میں ملبوس نہیں ہو، اس لیے تمہیں جاسوسوں کی صف میں شمار کیا جائے گا اور تمہارے ساتھ انہی جیسا سلوک ہوگا۔ تمہاری یونٹ کون سی ہے، پیری؟"

"میں تمہارے سوال کا جواب دینے کا پابند نہیں۔"

"ٹھیک ہے تم پابند نہیں، تو گولی سے اُڑا دیا جائے۔"

"میں بعض سوالوں کا جواب دینے کو تیار ہوں۔"

"ٹھیک ہے۔ تمہاری عمر کیا ہے؟"

"بیس!"

"تمہارا اصل نام کیا ہے؟"

"سارجنٹ گرہارڈ سافٹ!"

"اور تمہاری یونٹ؟"

خاموشی، سکوت ۔۔۔۔ سافٹ کا منہ ایک اکڑے ہوئے دھاگے کی مانند تھا۔ اُس نے دوبارہ تیزی سے پان کے کندھوں کے اُوپر دیکھا۔

"معلوم ہوتا ہے تمہیں ابھی تک کسی جنگ کا تجربہ نہیں۔" برنیز نے اُسے اُکسایا۔ سافٹ کی آواز بدل گئی۔ اُس نے کندھے سکیڑ لیے اور تقریباً بھونکتے ہوئے کہا،

"میں پولینڈ کی جنگ میں حصہ لے چکا ہوں۔ میں وارسا میں داخل ہوا تھا، ہم نے پولش باشندوں کو دو نیم کر کے رکھ دیا اور انہیں تباہ کر دیا۔"

"تو پھر تم یقیناً جانتے ہو گے کہ ایک سپاہی سادہ کپڑوں میں پکڑا جائے، تو اُس کی کیا حیثیت ہوتی ہے؟"

جرمن کی آنکھیں شعلے اگلنے لگیں، پھر اُس نے موضوع بدلتے ہوئے پوچھا: "کارپورل پان میری نظر سے بچ کر پُل کے نیچے سے نکلنے میں کیسے کامیاب ہوا؟"

"میں اُس وقت دریا کے اندر اندر اس کنارے پر آ گیا، جب تم ریتا لڈ سے ڈیوٹی لے رہے تھے۔" یہ کہہ کر پان، اُس کے ردِعمل کا انتظار کرنے لگا۔

جرمن نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ خالی خولی نظروں سے تکتا رہا اور کچھ اور سُننے کا منتظر رہا۔ "سافٹ! آخر دشمن کی قوموں کے پیچھے تمہیں سادہ کپڑوں میں کیوں بھیجا گیا۔ میں جاننا چاہتا ہوں کیوں؟"

"اس لیے کہ میں انگریزی اور فرانسیسی مہارت سے بولتا ہوں۔ میری ماں فرانسیسی تھی۔"

کیا اُس نے آخری فقرہ جذبۂ ہمدردی اُبھارنے کے لیے کہا تھا؟ برنیز کو بھی یہی شک گزرا، لیکن اُس کے دل میں نفرت اُور بھی بڑھ گئی۔ اُس نے پہلے سے تیکھی آواز میں پوچھا: "یہ سڑک کس طرف جاتی ہے؟"

"آراس کی طرف ۔۔۔ میں بتا چکا ہوں۔"

"تم بہت واہی تباہی بک چکے ہو میرے بچے، اب یہ بتاؤ ہم کہاں سے آ رہے ہیں؟"

"یقیناً ڈونٹین سے۔"

سافٹ کا لہجہ بھی پُراعتماد تھا۔ اُسے کچھ احساس ہوگیا کہ فوراً گولی کا نشانہ نہیں بن رہا۔

"ڈونٹین سے؟" برنیز نے دانت پیستے ہوئے کہا۔ "ایک بار پھر کہو"

"لیکن یہ ٹھیک تو کہہ رہا ہے!" پان نے حیرت سے ۔۔۔ احتجاج کیا۔

"اوہو! وہ ٹھیک کہتا ہے! ۔ کیا پُورے گاؤں میں اس کے علاوہ بھی تمہیں کسی نے بتایا؟ میرا خیال ہے کسی نے نہیں۔ ہم ڈونٹین سے جو سڑک اختیار کی، وہ نقشے کے مطابق جنوب مغرب کو جانا چاہیے، لیکن یہ سڑک خاصی دُور تک جنوب کی سمت گئی اور پھر جنوب مغرب کو مُڑی ۔۔۔۔ اور ہمیں کئی دیہاتوں کے قریب سے گزرنا چاہیے تھا اگر تم جانتے ہو ہمارے راستے میں صرف چار قصبے آئے کوئی گاؤں دکھائی نہ دیا۔ سافٹ کا کھیل یہ تھا کہ ہمیں جرمن مقبوضہ علاقے میں اندر تک لے جائے اور ہمیں بالکل چالو حالت میں اپنے آقاؤں کی خدمت میں پیش کر کے تمغے جیتے، اب بتاؤ اُس گاؤں کا صحیح نام کیا ہے جسے تم ڈونٹین کہتے ہو؟"

وہ خاموشی سے جرمن کو دیکھتا رہا۔ ایک پاگل نوجوان نازی سے اُس کی پہلی مُلاقات تھی۔ نیم وا آنکھوں سے اُس نے دیکھا کہ اُن کے قیدی پر حالات کا کوئی اثر نہیں۔

بالآخر سافٹ نے ہونٹ کھولے اور وہ بلند آواز میں بولا: "مجھے ایسے رازوں سے پردہ اُٹھانے کی اجازت نہیں جو دشمن کے لیے ۔۔۔

ثابت ہوں..... تم میرے دشمن ہو..... ہیل ہٹلر (ہٹلر زندہ باد)۔"

پان نے ہتھیلی کی پُشت سے اُس کے گال پر زناٹے کا تھپڑ رسید کیا۔ جرمن کا رخسار سُرخ ہو گیا۔ "سافٹ تمہیں ایک بار بتایا جا چکا ہے اور پھر نہیں بتایا جائے گا کہ بات کرتے وقت سارجنٹ کے لفظ سے مخاطب کرو۔ اب تم بھول گئے تو منہ کے اندر چند دانت کم کروا بیٹھو گے۔"

سافٹ نے پان کو بڑے غور سے دیکھا اور پھر نفرت بھرے انداز میں زمین پر تھوک دیا۔

سارجنٹ برنیز نے کہا، "پان، اس بچّے پر طاقت ضائع نہ کرو، وہ تو ابھی ابھی پنگھوڑے سے نکلا ہے۔"

اس جھڑک پر سافٹ اور بھی چڑ گیا۔ اُس کی ٹھوڑی آگے کو اُٹھی اور اُس کی آواز کسی ڈرل سارجنٹ کی طرح لرز رہی تھی۔

"جرمن فوج تھوڑی دیر بعد یہاں پہنچنے والی ہے۔ تم جرمن مقبوضہ علاقے میں کھڑے ہو اور اس وقت میرے جنگی قیدی ہو۔ سارجنٹ برنیز ہتھیار ڈال دو۔"

اُس کا چہرہ تمتما رہا تھا۔ دو قدم اور اٹھا کر وہ برنیز کے ہاتھ پر جھپٹا تاکہ پستول چھین لے۔ پان اس اچانک وار پر ششدر رہ گیا، لیکن برنیز نے اس طرح پینترا بدلا کر اُسے ایسے ردعمل کی پہلے سے توقع تھی۔ قدم پیچھے ہٹاتے ہُوئے اُس نے پستول کو شیطانی محراب کی شکل میں گھمایا۔ گولی بائیں کنپٹی پر لگی اور کھوپڑی چیرتی ہُوئی دُوسری جانب نکل گئی۔ اگلے ہی لمحے سافٹ زمین پر آ رہا۔ اس کے سنہری بال خون سے تر بتر تھے۔ برنیز نے آگے جھک کر اُسے چھُوا اور پھر پان کو مخاطب کرتے ہُوئے کہا، "بیوقوف مر گیا..... ہم اسے قیدی بنا کر کہاں لیے پھرتے؟"

..... لیکن پان، جنوب کی سمت سڑک پر نظریں جمائے ہوئے تھا جو آغازِ صبح کی روشنی میں نمایاں ہو چکی تھی۔ کھلونوں جیسی گاڑیوں کا ایک اور قافلہ ان کی طرف بڑھا چلا آ رہا تھا۔ قافلے کا پچھلا حصّہ زمین کے ڈھلوان کی وجہ سے ابھی تک اوجھل تھا، لیکن اس سے آگے گاڑیاں ہی گاڑیاں نظر آ رہی تھیں۔

برنیز بھی پھٹی پھٹی نگاہوں سے اُدھر دیکھتے ہُوئے بولا، "یہ راستہ بھی بند ہو گیا۔ اگر ہم واپس نام نہاد ٹونیٹن کی طرف جائیں، تو وہاں بھی جرمن فوج موجود ہو گی۔"

"خدا کے لیے بتاؤ، ہم کیا کریں؟" پان نے مضطرب لہجے میں پُوچھا۔

"صرف ایک راستہ باقی ہے اور جتنی تیزی سے ہو سکے، مانڈزینگ کے ساتھ ادھر نکل جانا چاہیے۔"

۞ ۞ ۞

ساڑھے چار بجے وہ اپنی جانیں بچانے کے لیے ایک بار پھر راہِ فرار اختیار کرنے پر مجبور ہو گئے۔ پانچ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے ٹینک پُل کے نیچے سے یُوں نکلا جیسے کوئی مہیب عفریت پانی کے رُخ پر تیر رہا ہو۔ برنیز نے دریا کے اندر سفر کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ پُل سے آگے کچھ فاصلے پر دریا کے کنارے اُونچے ہو گئے اور چھوٹی بڑی پہاڑیوں کی وجہ سے دریا کی چوڑائی اور بھی کم ہو گئی۔ یہ اب پہاڑی نالے سے زیادہ حیثیت نہ رکھتا تھا۔ ایک سو گز تک یہ بالکل سیدھا تھا، پھر ایک موڑ سا دکھائی دے رہا تھا اور برنیز قافلے کے پُل پر پہنچنے سے پہلے برنیز اپنے ٹینک کو اس موڑ پر لے جانا چاہتا تھا۔ اسی طرح اُن کی زندگیاں محفوظ رہ سکتی تھیں۔

موڑ تک نصف فاصلہ طے کرنے کے بعد دونوں کناروں پر درختوں کی جھکی ہُوئی شاخوں نے سُرنگ سی بنا لی تھی، لیکن یہ جگہ پُل سے صاف طور پر نظر آ سکتی تھی۔ اس سُرنگ کے اندر برنیز کو پانی کی سطح کا اندازہ لگانے میں دُشواری پیش آ رہی تھی۔ اگر دریا کی گہرائی میں اچانک اضافہ ہو جائے تو وہ پانی کے تیز ریلے میں آناً فاناً بہہ جائیں گے۔ مانڈزینگ اگرچہ اس مقصد کے لیے تیار نہیں کیا گیا تھا، لیکن اب وہ آبی ٹینک کی طرح کام کر رہا تھا۔ وہ تین ساڑھے تین فٹ پانی میں چل سکتا تھا، اس سے زیادہ گہرائی میں چلنا اس کے بس کی بات نہ تھی، مگر خطرات میں بس سے باہر کام بھی سرانجام دینے پڑتے ہیں اور یہ بات برنیز کو اچھی طرح معلوم تھی۔

پُل سے اُن کی روانگی میں قدرے تاخیر ہو گئی تھی کیونکہ وہ سنتری اور سافٹ کی لاشوں کو ٹھکانے لگانے میں مصروف ہو گئے تھے۔ انہوں نے ان دونوں کو رسّے سے باندھ کر ٹینک کے اُوپر رکھ لیا تاکہ کوئی سراغ بھی جرمنوں کے ہاتھ نہ لگ سکے۔

سب سے بڑا خطرہ موٹر سائیکلوں کی طرف سے درپیش تھا جنہیں برنیز اپنی دُوربین میں سے فوجی قافلے کے آگے آگے دیکھ چکا تھا۔ وہ کسی بھی لمحے پُل پر پہنچ کر کسی سنتری کو آواز سکتی تھیں اور سنتری گشت کرتے ہُوئے پُل کے درمیان کھڑے ہو کر دریا کی طرف نگاہ اُٹھاتا تو اُسے

برجہ ووی ٹینک بآسانی نظر آجاتا۔

برنیز ٹینک کے سوراخ میں سے کبھی دریا کی سطح پر غور کرتا اور کبھی پُل کی طرف دیکھتا۔ پان نے خاموشی سے سوال پوچھا ”کیا اس طرح ہم بچ نکلیں گے؟“

”اس موڑ تک بروقت پہنچ جائیں تو.....“ برنیز نے جواب دیا۔

”کیا رفتار اس سے زیادہ نہیں کی جا سکتی؟“ پان نے جھنجلا کر کہا، ”ہم کچھوے کی طرح رینگ رہے ہیں۔“

”یہ جرنیلی سڑک نہیں۔ دریا کے اندر ٹینک چلانا آسان کام نہیں اور مجھے تشویش ہے اس کی گہرائی میں مزید اضافہ ہو رہا ہے۔“

اسی لمحے انہیں سر پر کسی طیارے کی آواز سنائی دی۔

وہ ایک اور آزمائش سے دوچار ہو چکے تھے۔

برنیز نے اندازہ لگایا یہ جرمن قافلے کا اوپی طیارہ ہے جس کا مطلب یہ تھا کہ وہ ایک ایک انچ زمین کا بغور جائزہ لے رہا ہوگا۔ اگر وہ دریا کے اوپر سفر کرتا ہوا انہیں دیکھ لے، تو چند منٹوں میں اس کی وائرلیس رپورٹ، کمانڈ ہیڈ کوارٹر پہنچ جائے گی۔ تھوڑی دیر بعد دونوں کناروں پر جرمن ٹینک ان کا محاصرہ کر لیں گے اور ڈائریکٹ نشانے لگا کر ان کا بھرکس نکال دیں گے۔

برنیز کے جسم میں سنسنی سی دوڑ گئی، خطرات کی یلغار ہو رہی تھی، وہ ایک آزمائش سے ابھی نکل نہ پائے تھے کہ دوسری بلا سے بے درماں کی طرح انہیں نرغے میں لے چکی تھی۔

درختوں کی شاخوں سے بننے والی سُرنگ ختم ہو چکی تھی اور وہ ایک بار پھر جرمن طیارے کی دُور بینوں کی زد میں آ گئے۔ اوپی کسی لمحے بھی انہیں دیکھ سکتا تھا..... اور پھر اچانک فضا میں منڈلانے والے طیارے کی بلندی کم ہونے لگی۔ برنیز ٹینک کے سوراخ میں سانس روکے کھڑا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا اس صورتِ حال میں اُسے کیا کارروائی کرنی چاہیے! اور پھر بجلی کی تیزی سے وہ ایک فیصلے پر پہنچ گیا۔ اُس نے انٹرکام پر رینالڈ کو ٹھہرا رہنے کا حکم دیا اور پھر پان کو مشین گن سے طیارے کو زد میں لینے کی ہدایت کی۔

طیارے کی بلندی خوفناک حد تک کم ہوتی چلی گئی۔ شاید اس کا پائلٹ ٹینک کو قریب سے دیکھ کر شناخت کرنا چاہتا تھا۔ ایک ایک لمحہ بڑا قیمتی تھا۔ برنیز کسی قیمت پر بھی پائلٹ کو وائرلیس پیغام بھیجنے کی مہلت نہ دینا چاہتا تھا، چنانچہ اُس نے چلّا کر حکم دیا،

”فائر.....“

وہ اپنی اس حرکت کے نتائج و عواقب سے خوب آگاہ تھا۔ خواہ گر کر تباہ ہو جاتا یا بچ نکلتا، دونوں صورتوں میں خود اُن کا جو حشر ہو سکتا تھا، وہ اُس کی نظروں کے سامنے تھا۔

پان نے جب مشین گن کا رینج درست کیا۔ اگرچہ یہ اس مقصد کے لیے نہ بنائی گئی تھی، لیکن جان بچانے کے لیے وہ بےدریغ استعمال کرنے کو تیار تھے۔ طیارہ سو فٹ کی بلندی سے اوپر نہ تھا اور ان کے اوپر چکر لگا رہا تھا، مشین گن کی پہلی بوچھاڑ اس کے پہلو سے نکل گئی۔ پان دُوسرے چکر کا انتظار کرنے لگا۔ طیارہ پھر سر پر آیا تو اُس نے ٹریگر دبا دیا۔ گولیاں پیٹرول کی ٹینکی میں لگیں اور طیارے سے شعلے اُٹھنے لگے۔ چند منٹ میں یہ آگ کا گولا سا بن گیا، لیکن ساتھ ہی ایک غیر متوقع واقعہ رُونما ہو گیا۔ طیارے کے پائلٹ نے چھاتے کی مدد سے چھلانگ لگا دی۔ برنیز جس مصیبت سے چھٹکارا حاصل کر رہا تھا، وہ پہلے سے بڑھ کر دردِ سر ثابت ہو رہی تھی۔

”ڈرائیور ٹینک روک دو، انجن چلتا رہنے دو۔“ اُس نے انٹرکام پر رینالڈ کو حکم دیا۔ ٹینک رُک گیا اور وہ مشینی پستول ہاتھ میں پکڑ کر نیچے اُترا اور پھر کنارے پر چڑھنے لگا۔

اُس نے پائلٹ کو اپنی آنکھوں کے سامنے نیچے گرتے دیکھا تھا، پُورے پانچ منٹ تک تلاش کرنے کے باوجود اُس کا کوئی سراغ نہ ملا۔ اب وہ پُورے احتیاط سے قدم اٹھا رہا تھا کیونکہ خدشہ تھا کہ پائلٹ زمین پر اُتر کر کوئی پوزیشن لے چکا ہوگی تاکہ ٹینک کے عملے سے مقابلہ کر سکے، یا پھر کم از کم اپنے آپ ہی کو محفوظ رکھ سکے۔

برنیز اس وقت کسے کتے چپے پہاڑی کنارے کی اوٹ میں تھا۔ اس کے سامنے دس پندرہ فٹ بلند چٹان تھی۔ اُس نے پستول تانا اور انگلیاں ٹریگر پر رکھ کر ایک ایک انچ اُوپر کی طرف رینگنا شروع کیا۔ اُسے ڈر تھا اوٹ میں سے جرمن پائلٹ کسی بھی لمحے سیدھا اُس کے سینے کو نشانہ بنا سکتا تھا۔ اس خیال سے وہ کانپ کر رہ گیا۔

چند گز اُوپر چڑھ کر اُسے پتھروں پر تازہ تازہ خون دکھائی دیا۔ اُس نے اور اُوپر دیکھا، خون کی لمبی لکیر ترچھی ہوکر جا رہی تھی۔ اس کی سمجھ میں آ گیا معاملہ کیا ہے؟ وہ ٹیلے کی طرف آہستہ آہستہ آگے بڑھا۔ بہت بڑے نوکیلے پتھر پر جرمن پائلٹ اوندھے منہ گرا پڑا تھا۔ اُس کی پیشانی تیز نوک میں دھنس چکی تھی اور خون بہہ بہہ کر جمنا شروع ہو گیا تھا۔

ا۔ پائلٹ کے جسم میں زندگی کے کوئی آثار نہ تھے۔

وش کو اسی حالت میں چھوڑ کر برنیز واپس ٹینک کی طرف آیا۔ اس
ران میں طیارے کے جلتے ہوئے ٹکڑے دُور دُور تک زمین پر بکھر
ے تھے۔ اس نے اپنے ساتھیوں کے سامنے مکمل صورتِ حال رکھی۔
ن ہیڈکوارٹر کو طیارے کی تباہی کا جلد یا بدیر پتہ چل جائے گا اور پھر
ں کو پٹرول اور دیگر بچے طیاروں کا پورا بیڑہ اس علاقے میں پھیل
نے گا۔ وہ پہلے ہی دو نازی سپاہیوں کے قتل کا ارتکاب کر چکے
تھے لیکن یہ تیسرا جرم انتہائی سنگین تھا۔ انہیں اپنی گرفتاری کا یقین
یا اور پھر مشقتی کیمپوں کی صعوبتوں اور گستاپو کے انسانیت سوز مظالم
تصور نے اُن کے سوچنے کی تمام قوتیں قریباً مفلوج کر کے رکھ دیں۔
روشن دن کے باوجود اُنہیں چاروں طرف اندھیرا ہی اندھیرا
آ رہا تھا۔

ٹینک ایک بار پھر دریا کے بہاؤ کے ساتھ ساتھ حرکت کرنے لگا۔
ختوں کی شاخیں جا بجا ایک دوسرے میں پھنس کر سرنگ بنا رہی
یں۔ ان کی وجہ سے برنیز کو دریا کا جائزہ لینے میں دشواری پیش آ رہی
۔ پھر اچانک اُس نے اپنا سانس روک لیا۔ اُن کا راستہ آگے سے
ند تھا۔

دریا کے عین درمیان دس گز آگے ایک سیاہ چٹان اُبھری ہوئی
ہ یہاں دریا دو شاخوں میں بٹ گیا تھا لیکن ہر ایک کی چوڑائی اتنی
تھی کہ کسی میں سے بھی ٹینک کا گزرنا محال تھا۔ ایمفی ٹینک دو فٹ
جنگ کسی مشکل کے بغیر عبور کر سکتا ہے لیکن اس کی بلندی کم از کم چھ
تھی۔ سب سوائے اس کے کوئی متبادل حل نہ تھا کہ ٹینک کو کنارے
پڑھا دیا جائے۔ مگر اس طرح وہ پُل پر پہنچنے والے جرمن قافلے کی نظر
آ سکتے تھے۔ بہرحال اُنہیں کوئی نہ کوئی چیلنج قبول کرنا ہی تھا۔ یہاں
رے کی ڈھلوان بہت کم تھی اور اس پر ٹینک کو چڑھانا موت
لنزیں میں موٹر سائیکل چلانے کے مترادف تھا۔ ڈرائیور کی ذرا سی
ہی اُنہیں واپس دریا میں گرا دیتی اور وہ چھتیس ٹن وزنی فولاد کی
ب زندہ دفن ہو کر رہ جاتے۔

کچھوے کی طرح ایک ایک انچ کر کے ایمفی ٹینک اوپر کی طرف
ے لگا۔ برنیز کو سوراخ میں کھڑے ہوئے اپنا توازن برقرار رکھنا مشکل
یا تھا۔ ٹینک کے پچھلے حصے سے بندھی ہوئی لاشیں نیچے لٹک
ی تھیں۔ اس عالم میں ذرا سا توازن خراب ہونے کا مطلب یہ تھا
کہ ٹینک اُلٹ کر نیچے گر جاتا؛ چنانچہ اُس نے پال سے کہا کہ وہ کوشش
کر کے رسّہ کاٹ دے۔ پال پچھلے حصے پر آ کر لیٹ گیا اور جیب
سے چاقو نکال کر رسّہ کاٹنے لگا۔ اس وقت وہ تینوں ایک ایسے
تجربے سے گزر رہے تھے جس کے لیے اُنہیں کبھی تربیت نہ دی گئی
تھی۔

خاصی تگ و دو کے بعد رسّہ کٹ گیا اور دونوں لاشیں دھڑام
سے پانی میں جا گریں۔ برنیز کی جان میں جان آئی۔ ڈرائیونگ سیٹ پر
رینالڈ کے اعصاب تنے ہوئے تھے اور پسینے کی وجہ سے اُس کے لیے
مختلف آلات پر کنٹرول رکھنا مشکل ہو رہا تھا۔ وہ بار بار گیلے ہاتھ اپنی
میلی کچیلی پتلون سے صاف کرتا اور پھر تھکا دینے والی جد و جہد میں لگ
جاتا۔ بالآخر وہ کنارے پر اس حد تک چڑھنے میں کامیاب ہو گیا کہ پہلی
رکاوٹ پیچھے رہ گئی۔ اب اُس نے آہستہ آہستہ ٹینک واپس پانی میں
اُتار دیا۔ وہ ہر ممکن احتیاط سے کام لے رہا تھا پھر بھی ایک فٹ کی
بلندی سے پھسل کر پانی میں گر پڑا۔

"رینالڈ! بڑی ہمت کا مظاہرہ کیا تم نے۔ اب سیدھے چلے جاؤ۔"
برنیز نے انٹرکام پر کہا۔

رینالڈ نے رفتار بڑھا دی۔ ٹینک کے چین دریا کے پانی میں
عجیب سا ہنگامہ برپا کر رہے تھے۔ اب پل بہت نزدیک آ رہا تھا۔
ڈرائیور نے اپنے آپ کو کسی عظیم مہم کا کلیدی فرد سمجھتے ہوئے قطب
جنوبی تک پہنچنے کے لیے رفتار میں اور بھی اضافہ کر دیا۔ ٹینک کے
سوراخ میں دو آدمیوں کی آنکھیں پیچھے کی جانب پل کو گھور رہی تھیں
جو کسی پوسٹ کارڈ پر چھپی سی تصویر کی مانند نظر آ رہا تھا۔ پل ابھی
تک اندھے کی آنکھ کی مانند خالی تھا لیکن کسی لمحے جرمن قافلے کا اگلا
سرا اس میں داخل ہو سکتا تھا۔

ٹینک نے وقت کے ساتھ دوڑ شروع کر دی تھی۔ ڈرائیور کی
بے پناہ مہارت اور اپنے کمانڈر کی ناقابلِ شکست قوتِ ارادی کی وجہ
سے وہ دوڑ جیتنے میں کامیاب ہو گیا۔ برنیز کی آنکھیں ابھی تک پل پر
مرکوز تھیں۔ کھلونے کی مانند ایک موٹر سائیکل پل پر چڑھی اور ساتھ
ہی ٹینک موڑ مڑ گیا۔ برنیز نے اطمینان کا سانس لیا اور گردن گھما کر موڑ
سے آگے نظر ڈالی تو وہ چکرا کر رہ گیا۔ سو گز دور ایک اور پل تھا
اور اس پر جرمن ٹینکوں کا ایک اور قافلہ گزر رہا تھا۔ اُن کا راستہ
اِدھر سے بھی بند تھا۔

٭ ٭ ٭

بالمڈا ٹینک ایک بار پھر رک گیا تھا۔

دریا کے عین درمیان یہ ایک عجیب و غریب فولادی قلعے کی مانند نظر آرہا تھا۔

پہلی موٹر سائیکل اس طرف کے پل پر بھی پہنچ چکی تھی۔ دریا میں آگے بھی ذرا سا خم تھا۔ اس لیے برنیز اور ہان نے کھیتوں میں سے موٹر سائیکل کو پل پر رکتے دیکھا۔ ایک سپاہی نیچے اُترا اور پل کے درمیان کھڑے ہو کر ان کی طرف دیکھنے لگا

برنیز نے دُوربین آنکھوں سے لگائی اور ہموار کھیتوں کے اُوپر سے جرمن فوجی قافلے کی طرف موڑ دی۔ آرمرڈ کاریں خود کار توپیں بھاری ٹینک اسلحے اور فوجیوں سے لدے ہوئے ٹرک۔ اس نے اپنی نوٹ بک میں کچھ اندراج کیا جسے وہ خود ہی پڑھ سکتا تھا۔

رینالڈ اپنی سیٹ پر خاموش بیٹھا رہا۔ وہ کنارہ وں سے بارہ فٹ نیچے تھا، اس لیے پنیزر قافلے کا شور نہ سُن سکا۔ ٹینک کے پہیوں کے ساتھ پانی کی بلندی تین فٹ سے زیادہ تھی۔ کنارہ دل پر خود رُو جھاڑیوں نے کچھ ایسی شکل اختیار کر لی تھی کہ دُور سے یا فضا میں سے ٹینک کو دیکھنا ممکن نہ تھا۔

درختوں کی آڑ میں برنیز ابھی تک نوٹس لینے میں مصروف تھا۔

"میرا خیال ہے یہ فوجی قافلہ رات والے قافلے سے چھوٹا ہے اور ہیلو سے اس کی حفاظت کر رہا ہے"

اُس نے پنسل فرار رکھتے ہوئے کہا "ہم سینڈ وچ میں گوشت کی مانند قابو آگئے ہیں"

"شکر ہے ہم فوراً رک گئے۔ اگر اس پل سے آگے بڑھ گئے ہوتے تو بڑی آسانی سے پکڑے جا سکتے تھے کیونکہ آگے میدانی علاقہ شروع ہو جاتا ہے" ہان نے نقشے پر دیکھتے ہوئے کہا۔

"تم گاڑیاں گنتے رہو میں ٹینک میں سے پانی کی بوتل لاتا ہوں" حلق خشک ہو رہا ہے" یہ کہہ کر برنیز درختوں کی آڑ سے نکلا اور کنارے سے اُترنے لگا۔ اچانک اُس کے قدم جم کر رہ گئے۔

دریا میں کوئی شے تیرتی جا رہی تھی۔

"یہ سنتری کی لاش ہے" اُس کے تحت الشعور نے خبردار کرتے ہوئے کہا۔

برنیز نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، دریا میں کود پڑا۔ اگر یہ لاش پُل تک

پہنچ گئی اور جرمنوں کی نظر میں آ گئی تو ہماری خیر نہیں۔ اُس کے دل سے آواز اُٹھی۔

یخ بستہ پانی نے اُس کے بدن کو سُن کر کے رکھ دیا لیکن وہ تیرتا رہا۔ لاش پانی کے تیز دھارے کی زد میں آچکی تھی اور اُسی رفتار سے برنیز سے دُور ہوتی جا رہی تھی۔ دریا کے اگلے موڑ تک اُسے ہر حال میں پکڑنا ضروری تھا ورنہ جس موت کے ڈر سے وہ بھاگے پھر رہے تھے، ان کا گلا دبا ڈالتی۔

موڑ قریب آرہا تھا۔ لاش اور اس کے درمیان فاصلہ بھی کم ہو چکا تھا۔ اچانک اس کا گھٹنا ایک بھاری پتھر سے ٹکرایا اور درد کی شدت سے وہ بلبلا اُٹھا۔ اُس نے ہمت نہ ہاری اور ایک جست میں لاش کو پکڑ لینا چاہا لیکن ایک لہر نے لاش کو موڑ سے آگے پہنچا دیا۔ اب وہ پل کے بالکل سامنے تھا۔ برنیز نے غوطہ لگایا۔ اس کے ہاتھ اور پاؤں بڑی سُرعت سے دریا کی مٹی کو پیچھے دھکیل رہے تھے۔ دُور جا کر اُس نے اپنے اُوپر تاریکی سی محسوس کی۔ وہ بالکل پُل کے نیچے تھا۔ اُس نے پانی سے سر باہر نکالا۔ جرمن سنتری پل پر اس کی طرف پُشت کیے کھڑا تھا۔

اب نہ وہ لاش کو پیچھے لے جا سکتا تھا نہ آس پاس کوئی آڑ میسر تھی جہاں اُسے چھپا دیتا۔ صرف ایک راستہ باقی تھا اور وہ یہ کہ لاش کو زیرِ آب دھکیل کر پل کے نیچے لے جائے جو صرف چند گز دُور رہ گیا تھا۔

ایک اور صبر آزما جدوجہد کا آغاز ہو گیا۔ اس کا سانس بار بار پھولتا اور دم گھٹتا محسوس ہوتا مگر وہ پانی کے نیچے رہنے پر مجبور تھا۔ اُسے اُوپر ٹینک کی آواز سنائی دی۔ وہ احتیاط سے اُوپر اُٹھا۔ اس وقت وہ پل کے نیچے کھڑا تھا اور جرمن فوج اس کے سر پر سے گزر رہی تھی۔ وہ اس قسم کی صورتِ حال سے دوسری بار دوچار ہوا تھا۔ اس نے لاش کو پل کے نیچے آبی پودوں میں پھنسا دی اور پھر اسی طرح غوطہ لگا کر واپسی کا سفر شروع کیا۔ اُس کے گھٹنے کی تکلیف بڑھ گئی تھی۔ بہاؤ کے خلاف تیرنا آسان نہیں ہوتا۔ ایسی مشکلات کا تصوّر وہی لوگ کر سکتے ہیں جو کبھی خود پانی میں اُترے ہوں۔ ایک بار تو اس کا سانس اس قدر اکھڑ گیا کہ اسے اپنی موت کا یقین ہو چلا تھا لیکن اُس نے یہ کہہ کر اپنے آپ کو سہارا دیا کہ لوگ چار فٹ گہرے پانی میں نہیں ڈوبا کرتے، ہمت کرو اور آ...

بڑھو۔ پینزر ڈویژن نے فرانس پر ذلت مسلط کر دی ہے اور یہ آگے بڑھ کر اُس کے مادرِ وطن برطانیہ کا حسن بھی خاک میں ملا سکتا ہے :

وہ سوچ رہا تھا ایک بار یہاں سے نکل جائیں تو پھر مغرب، جنوب مغرب کا رُخ اختیار کریں گے۔ سانٹ کے فریب کے باوجود اُسے یقین تھا کہ یہ رُخ انہیں آر اس تک پہنچا سکتا ہے۔

نئے منصوبوں نے اُس کی ہمت بڑھائی، قریب تھا کہ وہ بے دَم ہو کر رہ جائے اُس نے محسوس کیا کہ موڑ تک پہنچ گیا ہے۔ اُس نے ذرا گردن اُوپر اُٹھائی۔ اس کی خوشی کا ٹھکانہ نہ رہا۔ موڑ سے آگے اُسے غوطہ لگانے کی قطعاً ضرورت نہ تھی۔ وہ کنارے کے ساتھ ساتھ چلتے ہُوئے ٹینک تک پہنچ گیا۔ پان اُس کی طویل غیر حاضری کی وجہ سے خاص پریشان تھا۔ وہ کچھ دیر تو گالیاں گننا بھی بھول گیا۔ برنیز کو زندہ سلامت دیکھ کر اُسے خوشی تو ہُوئی، لیکن ساتھ ہی خوف بھی محسوس ہُوا کہ وہ اس کی کوتاہی پر ضرور جھاڑ پلائے گا۔

٭ ٭ ٭

آٹھ گھنٹے بعد، تین بجے سہ پہر اور پل سے تیس میل دُور، ماٹلڈا ٹینک اُس جانور کی سی کیفیت سے دوچار تھا جسے چاروں طرف سے شکاری کتوں نے گھیر رکھا ہو، لیکن یہ اپنے کمانڈر کی تیز نظروں کی وجہ سے ابھی تک نہ صرف زندہ تھا، بلکہ چار مختلف موقعوں پر اپنے شکاریوں کے مُنہ سے بچ نکلا تھا۔ اس میں اسلحے کی وافر تعداد موجود تھی۔ سٹر گولے توپ کے، دس بکس بیسا مشین گن کے اور جرمنوں سے چھینے ہُوئے مشینی پستول اس کے علاوہ۔

پونے ۸ بجے صبح پینزر ٹینکوں کا قافلہ پل پر سے گزر چکا تھا۔ اس کے بعد ٹینک کے عملے نے حجامت بنائی اور سیر ہو کر کھانا کھایا۔ اس طرح وہ ایک طویل اور شاید نہ ختم ہونے والے سفر کے لیے تیار ہو چکے تھے، انہوں نے ٹینک، دریا سے نکالا اور کھیتوں کے درمیان سفر شروع کر دیا۔ ٹینک کے اندر صرف ایک چیز کی کمی تھی اور وہ تھا پانی۔ ایک بجے تک پان، شدید پیاس کے ہاتھوں بلبلانے لگا۔ اُسے ایک قصبہ نظر آیا، تو اُس نے برنیز سے درخواست کی کہ ٹینک اس کے اندر سے گزارا جائے، تاکہ پانی وغیرہ پی سکیں، لیکن برنیز نے اس کی درخواست رَد کر دی۔

"پان، یہ قصبہ بھی اُجڑا اُجڑا سا نظر آتا ہے، کھیتوں میں کوئی شخص کام کرتا دکھائی نہیں دیتا اور مجھے ڈر ہے کہیں ناگہانی آفت کا شکار نہ ہو جائیں ..... پھر قدرے توقف سے بولا "میرا اندازہ ہے جرمنوں نے اتحادی صفوں میں بیس میل لمبا شگاف ڈال دیا ہے۔ (برنیز کا اندازہ بہت کم تھا۔ فی الواقع شگاف پچاس سے ساٹھ میل تک چوڑا تھا) اور اس وقت ہم شگاف کے اندر سفر کر رہے ہیں۔ جب تک صحیح صورتِ حال معلوم نہ ہو جائے، میں کسی قصبے یا گاؤں میں داخل ہونے کو تیار نہیں۔"

پان اپنی بات پر اڑا رہا اور رفتہ رفتہ نوبت تکرار تک پہنچ گئی۔ برنیز سوچ رہا تھا پان کو کیا ہو گیا؟ اس نے آج تک ایسے ضدی پن کا مظاہرہ نہیں کیا۔ اُس کے سامنے ڈیوس کا چہرہ پھر گیا، جو اپنی موت سے پہلے اسی طرح ہسٹیریا کا شکار ہُوا تھا۔ کیا پان پر بھی نزع کا عالم تو طاری نہیں ہو گیا؟ ... برنیز اس وقت ٹینک کمانڈر تھا اور جو چاہے فیصلہ کر سکتا تھا، لیکن اُس نے زندگی میں پہلی بار اپنے ایک ماتحت کی آواز پر اپنی اَنا کو قربان کر دیا۔

"ٹھیک ہے پان، ہم اس قصبے میں رات گزاریں گے۔" برنیز نے کہا۔ "لیکن میرا دل انجانے خدشات سے گھبرا رہا ہے۔"

دو گھنٹے مسلسل سفر کے باوجود وہ اس قصبے تک نہ پہنچ سکے، جو انہیں بہت قریب نظر آ رہا تھا۔ جب شام کے پھیلتے سایوں میں وہ قصبے کے نواح میں پہنچے، تو انہیں ایک مکان میں دیئے کی ننھی سی لو دکھائی دی ..... کیا انہیں پانی اور خوراک کی تلاش میں اس مکان تک جانا چاہیے؟ یہ سوال بڑا اہم تھا..... اور خاصی سوچ بچار کے بعد برنیز نے خطرات سے کھیلنے کو ترجیح دی۔ انہوں نے ٹینک ذرا دُور کھیتوں میں کھڑا کیا اور برنیز اور پان دبے پاؤں مکان تک جا پہنچے۔ ہولے سے دستک دی، دروازہ کھلا اور اُن کے سامنے ایک تنومند بُوڑھا شخص کھڑا تھا۔

"تم برطانوی سپاہی!" بُوڑھے نے انہیں غور سے دیکھتے ہُوئے کہا۔ "جلدی سے اندر چلے آؤ۔ میرے گھر کے دُوسری طرف سڑک ہے اور دن رات اِدھر سے جرمن فوجی قافلے گزرتے رہتے ہیں۔"

برنیز نے اُسے ساری صورتِ حال بتائی۔ باتوں باتوں میں پتہ چلا کہ وہ بلجیم عبور کر کے فرانسیسی سرحد میں داخل ہو چکے ہیں اور یہ بُوڑھا شخص پہلی جنگِ عظیم میں شجاعت و مردانگی کے جوہر دکھا کر کئی تمغے جیت چکا ہے، اسی لیے پُورا قصبہ خالی ہونے کے باوجود وہ اور اُس کا پُورا خاندان اپنے گھر میں آباد ہے۔

برنیز کو احساس ہُوا فرانس ابھی زندہ ہے، فرانس مر نہیں سکتا۔

بوڑھے کے کہنے پر وہ ٹینک اُس کی وسیع و عریض حویلی میں لے آئے۔ انواع و اقسام کے کھانوں سے اُن کی تواضع ہُوئی اور آرام دہ بستر بھی سونے کے لیے نصیب ہُوا۔ چاند کی زردی مائل روشنی سے معمور اندھیری رات ان کے لیے امن و سکون کا گہوارہ ثابت ہُوئی، لیکن یہ کیفیت کب تک برقرار رہ سکے گی؟ برنیز نے اسی سوال پر غور کرتے ہُوئے آنکھیں بند کیں۔۔۔۔۔

آغازِ صبح کے آثار ہویدا تھے۔ برنیز کو جھنجوڑ کر جگایا گیا۔ بوڑھا فرانسیسی اس کے سرہانے کھڑا تھا۔

"ایک جرمن فوجی قافلہ قصبے کے نواح میں پہنچ چکا ہے۔" اس نے پریشان کُن خبر سنائی۔ "ہمیں حفاظتی تدابیر اختیار کرنی چاہئیں۔"

فوجی قافلے کی روشنیاں مکان کی چھت سے صاف نظر آ رہی تھیں۔ اس صورتِ حال میں ٹینک کو کہیں لے جانا خودکشی کے مترادف تھا؛ چنانچہ فیصلہ یہ ہُوا کہ ٹینک پر بھوسہ ڈال دیا جائے۔

جرمن گاڑیاں قریب سے قریب تر آ رہی تھیں اور اِدھر یہ لوگ ایک صبر آزما جد و جہد میں مصروف تھے۔ ٹینک کے اُوپر بھوسے کا ڈھیر لگ گیا اور نزدیک سے بھی شبہ نہ ہو سکتا تھا کہ اس کے نیچے برطانوی فوج کا سب سے بڑا ٹینک "ماٹلڈا" کیموفلاج کیا ہوا ہے۔ مزید تسلی کے لیے انہوں نے جلدی جلدی تھوڑے سے بھوسے کو علیحدہ جلا کر راکھ اُوپر بکھیر دی۔ اس کام سے فارغ ہو کر برنیز، پائن اور رینالڈ تو کھیتوں میں چلے گئے، لیکن بوڑھے فرانسیسی نے گھر ہی میں رہنے کو ترجیح دی۔

جرمن قافلے کی اگلی گاڑیاں قصبے میں داخل ہو چکی تھیں۔ بوڑھا فرانسیسی سڑک پر کھڑے تالیاں بجا بجا کر جرمنوں کا استقبال کر رہا تھا۔ قافلے کے آخر میں ایک اسٹاف کار تھی۔ یہ اُس کے دروازے کے سامنے آ کر رُک گئی۔ میجر رینک کا ایک افسر باہر نکلا۔

"بوڑھے کیا نام ہے تمہارا؟" میجر نے رعونت سے پُوچھا۔

"ماٹل۔" بوڑھا فرانسیسی نام بتا کر مزید گفتگو کا منتظر کھڑا رہا۔

"تمہارے پاس کھانے پینے کو کچھ ہے؟"

"سرِ دست تو کسی شے کی کمی نہیں، لیکن جنگ طول پکڑ گئی تو خدا حافظ ہے۔"

"خوب! ذرا اندر چلو، میں تمہیں ایک سرٹیفکیٹ دیتا ہوں۔ بعد میں آنے والے قافلے تم جیسے اچھے شہریوں کی مدد کریں گے۔"

وہ دروازہ کھول کر حویلی میں داخل ہو گئے۔ میجر کی نظر حویلی کے کونے میں جلتے ہُوئے بھوسے پر پڑی۔

"یُوں لگتا ہے، اس میں آگ لگ گئی؟" جرمن افسر نے کہا۔

"جی ہاں۔ لیکن تمہارے آدمیوں نے اسے بجھانے میں ہماری مدد کی۔ ہم بہت ممنون ہیں۔"

"اچھا، تم کہہ رہے تھے، کھانے پینے کا وافر ذخیرہ ہے۔ تو کیا میرے ان آدمیوں کے لیے تھوڑی سی شراب دینا پسند کرو گے؟"

"بڑی خوشی سے، تم کونسی پیتے ہو؟"

"مجھے کاگنیک چاہیے۔"

"معاف فرمائیے میجر، میرے پاس یہ نہیں، سادہ شراب ہے۔"

"بکتے ہو حرامی!" میجر نے اچانک غراتے ہُوئے کہا۔ "تم نے ہمارا قافلہ دیکھ کر کہیں چھپا لی ہے۔ اچھا جو کچھ ہے وہ تو کار میں رکھو۔"

ماٹل اور کار کا ڈرائیور بوتلیں اُٹھا اُٹھا کر کار میں رکھنے لگے، یہاں تک کہ الماری خالی ہو گئی۔ میجر کمرے سے نکل کر بھوسے کے ڈھیر کے قریب ٹہل رہا تھا۔ اُس نے ایک اور سگریٹ سلگاتے ہُوئے اسے دلچسپی سے دیکھا۔ ماٹل نے سوچا، ابھی ان کی آزمائش ختم نہیں ہُوئی۔

مکان کے باہر ایک موٹر سائیکل کی آواز سنائی دی۔ یہ اسٹاف کار کے قریب رُکی۔ ڈرائیور نے جلدی سے کار اسٹارٹ کر دی، لیکن میجر کو شاید چلنے کی جلدی نہ تھی۔ دھوئیں کے مرغولے چھوڑتے ہُوئے وہ بھوسے کے ڈھیر کو بار بار دیکھ رہا تھا۔

"جب شک کرنے کے لیے خاص وجہ موجود نہیں تو گھبراؤں کیوں؟" ماٹل نے اپنے آپ سے کہا۔ اُس نے کوشش کر کے ایسا رویہ اختیار کیا جیسے پُورے ماحول سے لاتعلق ہو۔

میجر بھوسے کے ڈھیر کے گرد ایک اور چکر کاٹ چکا تھا۔ اُس نے ماٹل کی طرف دیکھے بغیر یہ فقرہ چُست کیا "تم نے یقیناً کاگنیک شراب چھپا رکھی ہے، لیکن یہ تمہیں بھی پینا نصیب نہ ہوگی۔" یہ کہہ کر اُس نے جلتا ہُوا سگریٹ بھوسے کے ڈھیر پر پھینک دیا۔ بھوسہ سلگنے لگا۔ ہوا کا ایک جھونکا آیا اور آگ بھڑک اُٹھی۔ ماٹل نے منہ دوسری طرف پھیر لیا۔ میجر آہستہ آہستہ قدم اُٹھاتا باہر نکل گیا۔۔۔۔ الاؤ روشن ہو چکا تھا اور اس کے نیچے ماٹلڈا ٹینک۔۔۔۔

(باقی آئندہ)

عظیم ولولے اور بے پناہ قوتِ ارادی بخشنے والی مہم جوئی اور فرار کی ناقابلِ فراموش داستان تین قسطوں میں مکمل ہوگی

ٹینک کا فرار

کولن فوربس / اسد اللہ غالب

بھوسے کا ڈھیر بتدریج آگ پکڑ رہا تھا۔ سیاہ، نیلا اور سفید دُھواں کسی مہیب ناگ کے پھن کی طرح حویلی کے اُوپر لہرا رہا تھا۔

برنیر نے انسانی بس سے باہر قوتِ ارادی سے کام لے کر اپنے آپ کو بمشکل فصلوں میں چھپا رکھا تھا۔ سارا منظر اُس کے سامنے تھا۔ اس کی خواہشات کی چتا روشن تھی اور حسرتوں کا جنازہ اُٹھنے والا تھا۔ اُس کا وہ ٹینک اپنی تمام تر حشر سامانیوں کے ساتھ کسی بھی لمحے پھٹنے والا تھا جسے وہ بڑی صعوبتوں سے گزرنے کے بعد یہاں تک لانے میں کامیاب ہُوا تھا۔ سیاہی مائل بھُورے دھوئیں کے بادل فضا میں پھیلتے جا رہے تھے اور برنیر محسوس کر رہا تھا کہ بھڑکتے ہُوئے شعلوں کی سُرخ سُرخ زبانیں اُس کے سرمایۂ حیات کو ڈس لیں گی۔

پان نے اُس کے قریب ہوتے ہُوئے سرگوشی کی: "سارجنٹ! ہمیں فوراً وہاں جانا چاہیے۔ آگ ٹینک تک پہنچ گئی، تو ہم کبھی وطن کی سرزمین نہ چھُو سکیں گے۔ اگر اس جرمن افسر نے مدافعت کی، تو اسے گولی سے اُڑا دیں گے۔"

"بیوقوف نہ بنو پان۔" برنیر نے تلخ لہجے میں جواب دیا۔ "جب تک وہ اسٹاف کار دُور نہیں چلی جاتی، ہمیں حرکت نہیں کرنی چاہیے۔"



"تمہارے پاس مشینی پستول ہے۔" پان نے احتجاج کیا۔ "اور ہمارے [پا]س ریوالور موجود ہیں۔"

"اور ان کے پاس کار ہے احمق بچے۔ جونہی ہمیں دیکھیں گے کار [کی ر]فتار بڑھا دیں گے اور چند منٹ بعد نصف فوجی قافلے کے ساتھ ہم [پر ٹو]ٹ دوڑیں گے!"

"تم چاہتے ہو ہمارا مائلڈ ڈائیننگ بھسم ہو جائے؟" پان نے غم و غصے [سے] ملے جلے لہجے میں کہا۔

"وہ دیکھو کار حرکت کر رہی ہے۔ کوئی شخص میرے حکم کے بغیر یہاں سے نہ اُٹھے گا۔"

اُس نے اپنے آپ کو بڑی احتیاط سے اُوپر اُٹھایا۔ اُس کا آدھے سے زیادہ دھڑ ابھی تک فصل میں چھپا ہُوا تھا۔ کار حویلی سے دُور جا چکی تھی اور جب یہ اگلے پہاڑی موڑ پر پہنچی، تو وہ جست لگا کر اس تیز رفتاری سے دَوڑا کہ پُوری زندگی میں اس طرح نہ دَوڑا تھا۔ باقی لوگ بھی اُس کے پیچھے تھے۔ وہ حویلی میں پہنچے، تو مانڈل، انٹیمی، میرین اور دیگر اہلِ خانہ پہلے ہی پانی کی بالٹیاں بھر بھر کر آگ پر ڈال رہے تھے۔ سب لوگ مل کر جنونی بھُوتوں کی طرح آگ پر قابو پانے کی

سر توڑ جدوجہد میں مصروف ہو گئے۔ برنیئر صحیح معنوں میں آگ کے بھڑکتے ہوئے شعلوں میں کود چکا تھا۔ اُسے اپنی زندگی سے زیادہ ٹینک کی سلامتی عزیز تھی کیونکہ اس کے ساتھ سب لوگوں کا مفاد وابستہ تھا۔ وہ شدید حدت کی پروا کیے بغیر جلنے والے بھوسے کو باقی ڈھیر سے دور پھینک رہا تھا۔ دس منٹ موت وحیات کی یہ کشمکش جاری رہی۔ بالآخر ٹینک کی نالی نظر آنے لگی۔ وہ یوں لگ رہی تھی جیسے جلتے ہوئے تیل کے سمندر میں کوئی آبدوز پھنس چکی ہو۔

برنیئر نے لمحہ بھر کے لیے صورتِ حال پر غور کیا۔ حسرت و یاس کے سرد پنجے اُسے اپنی مضبوط گرفت میں لینے کو آگے بڑھے، مگر وہ جس مٹی کا بنا ہوا تھا اس پر انتہائی مایوس کن حالات بھی ذرا بھر اثر انداز نہ ہو سکتے تھے۔ وہ ایک بار پھر آنکھیں بند کر کے دھوئیں کے بادل میں کود پڑا اور پھر آن پھیلتے ہوئے الاؤ سے نبرد آزما ہونے لگا۔ پان اور مانڈل بھی اسی جذبے سے کام میں جُتے ہوئے تھے۔ سب لوگ زخم پر زخم کھا رہے تھے، لیکن اس امتحانِ شوق میں کسی کے قدم پیچھے ہٹنے نہ پائے۔

ستم ظریفی ملاحظہ ہو، وہ ٹینک جو اپنے گولہ بارود، اسلحہ اور پیٹرول کے ساتھ صرف آدھ گھنٹہ قبل تک ان کی مسرت کا باعث تھا، اس وقت سب سے زیادہ تباہی کا سبب بن چکا تھا۔ وہ دُوسروں کی بقا اور آزادی کی ضمانت تھا، لیکن اب اپنے ہی وجود کو برقرار رکھنے کے لیے انہی کی توجہ کا محتاج بن گیا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ برنیئر، پان اور رینالڈ اور ان کے میزبان سبھی مل کر اسے محفوظ رکھنے کے لیے کوشاں تھے جیسے یہی ان کی متاعِ عزیز ہو۔

اس جہنم میں کُودنے کے بعد انہیں وقت کا کوئی احساس نہ رہا تھا۔ وہ انسان تھے یا جن، یہ تمیز بھی باقی نہ رہی تھی۔ بالآخر آگ سرد ہو گئی اور ہر طرف گیلی راکھ بکھر گئی۔

"میرا خیال ہے اب ہم محفوظ ہیں۔" مانڈل نے کہا۔

"ہاں، اگر پیٹرول یا بارود نے آگ پکڑ لی ہوتی تو اب تک دھماکہ ہو چکا ہوتا۔"

برنیئر نے تھکا ماندہ سی دی۔ "میرا خیال ہے آگ کی حدت ٹینک کی فولادی چادر کے اندر نہیں پہنچ سکی۔"

"یہ ایک معجزہ تھا۔" رینالڈ نے اپنے جلتے ہوئے بازو دیکھتے ہوئے کہا۔ "ٹینک جس طرح بچ نکلا ہے، اس سے یوں لگتا ہے کہ یہ کوئی اہم کارنامہ سرانجام دے گا۔" شاید یہ الفاظ کہتے ہوئے رینالڈ سوچ کر وہ گھر پہنچنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔

پان اور رینالڈ کے زخموں پر مانڈل کی بیوی اور بہن نے باندھ دیں۔ ان کے بدن پر گوشت جابجا چرمرا گیا تھا اور ان کے سُرخ چہرے رُوئی کی طرح سفید ہو گئے تھے۔

"کیا تم ٹینک چلا لو گے؟" برنیئر نے تشویش انگیز لہجے میں پو

"مجھے صرف آدھ گھنٹہ آرام کر لینے دو، پھر تمہیں ساحل کی طرف چلوں گا۔"

"وہ ناقابلِ تسخیر ہے۔" برنیئر نے سوچا۔ "اس کی قوتِ ارادی کی طرح مستحکم ہے۔ وہ کل تک نان سٹاپ ڈرائیونگ کرتا رہا ہے نے رات صرف اڑھائی گھنٹے نیند لی تھی، اس کے دونوں ہاتھ جل ہیں، پھر بھی اس کی آواز میں بے پناہ جوش و جذبہ موجود ہے۔"

اس اطمینان کے بعد کہ اس کے پاس اب بھی عمدہ ڈرائیو ہے، برنیئر نے پان کی طرف توجہ دی۔ اس کا چہرہ بھی موت ک سفید تھا۔ اگرچہ اس کا جسم بھی رینالڈ کی طرح جل گیا تھا، مگر اس قوتِ دہشت مفقود تھی جو رینالڈ کے چہرے سے ٹپک رہی نے سوچا کہ پان اس طرح خیالات میں کھویا ہوا اور سر لٹکائے بیٹھا کبھی اٹھنے کا نام نہ لے گا۔

"میری حالت اس قدر خراب نہیں جتنی نظر آ رہی ہے

"بے شک، تم بھی ایک باہمت نوجوان ہو۔"

مانڈل کے خاندان کو کچھ زیادہ زخم نہ آئے تھے۔ انہیں اس رہی تھی کہ وہ گھر سے پانی کی بالٹیاں لانے کا فریضہ انجام دیتی آگ کے نزدیک نہ گئی تھی، صرف مانڈل اپنی خوبصورت بھنو محروم ہوا تھا۔

اب انہوں نے چلنے کی تیاری کی۔ برنیئر نے مانڈل کا شکر مگر اس نے جواب میں کہا "شکریہ کس بات کا؟ برطانوی فوج ا فرانس دونوں کے لیے جنگ لڑ رہی ہے۔ ہم نے تمہاری مدد کر دراصل اپنی مدد کی ہے۔"

چونکہ مزید کہنے کو کچھ نہ تھا، اس لیے برنیئر نے ٹینک کا معائنہ کیا۔ کہیں کوئی خرابی نہ پائی گئی۔ وہ ڈھکنا کھول کر اندر داخل ہوا کو حویلی کے باہر لا کھڑا کیا۔ پھر رینالڈ اور پان نے اپنی اپنی سیٹیں اور انہوں نے مانڈل سے رخصت چاہی۔

مغرب اور پھر شمال .... یہ اُن کی سمت ہوگی۔ ٹینک پُوری رفتار سے پہاڑی پر چڑھ رہا تھا۔ آگے ایک موڑ تھا' جس کے بعد ماڈل کا فارم ان کی نظروں سے اوجھل ہوگیا۔ برنیز نے آخری بار مُڑ کر دیکھا' فارم کے باہر چند ہیولے ابھی تک ہاتھ ہلا ہلا کر ان کو رخصت کر رہے تھے۔ برنیز کو محسوس ہوا' جیسے یہ لوگ اُس کی ذات ہی کا ایک حصّہ ہوں۔

پہاڑی موڑ مڑنے کے بعد کیمبری کی طرف جانے والی سڑک ویران تھی۔ اکا دُکا لوگ سڑک سے کئی کلومیٹر دُور کھیتوں میں کام کرتے دکھائی دے جاتے۔ اس کے علاوہ جنگ کے کوئی آثار نہ ملے۔

برنیز نے گذشتہ دو روز کی سوچ بچار کے بعد اپنا رُخ تبدیل کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ پہلے وہ شمال مغرب کے رُخ پر آماس پہنچنا چاہتا تھا اب اس نے مغرب اور پھر شمال کے رُخ پر کلیس جانے کا فیصلہ کیا۔ اُس نے جنگ کی جو صورتِ حال دیکھی تھی، اُس سے پُرانے جنگی نظریے یکسر باطل ہو گئے تھے؛ جرمنوں نے کہیں بھی ساکن محاذ نہ رہنے دیا۔ ان کا پینزر ڈویژن طوفان کی طرح فرانس کو روندتا چلا جا رہا تھا۔ پیش قدمی کرنے والے دستے یہ انتظار نہ کرتے کہ پیچھے سے فوج آ جائے' تو آگے بڑھیں۔ ٹینک کا کھیل کھیل رہے تھے اور دشمن واقعی بوکھلا گیا تھا۔ اتحادی فوجیں تنکے کی مانند بکھر کر رہ گئیں اور انہیں کسی جگہ بھی منظم ہونے کا موقع نہ ملا۔ اس صورتِ حال کے پیشِ نظر برنیز نے سوچا کہ جب اتنا بڑا ٹینک ڈویژن بےفکر ہو کر پیش قدمی کر سکتا ہے' تو پھر ایک تن تنہا ٹینک بھی اس کے پیچھے اپنی منزل پر پہنچ جائے گا' بشرطیکہ وہ دشمن کی نظر میں نہ آئے۔

اس نے ماڈل کے ہاں قیام کے دوران میں اُس کے ایک نوجوان بیٹے جیکوئس سے یہ معلوم کر لیا تھا کہ جرمن اپنے پیچھے پیٹرول اور اسلحے کے ذخیرے چھوڑ رہے ہیں' ان پر حفاظت کے لیے مناسب جرمن فوج موجود نہیں ہوتی۔ اگر انسان ذرا پھرتی سے کام لے' تو انہی ذخیروں سے یہ دونوں چیزیں حاصل کی جا سکتی ہیں۔ اس طرح برنیز کو پیٹرول یا اسلحے کی کمی کے بارے میں کوئی تشویش نہ ہوگی۔

☘ ☘ ☘

دُوربین کے دونوں شیشے دُھوپ میں چمکتی ہُوئی سفید سفید کھڑی چٹانوں کی چوٹیوں پر مرکوز تھے۔ یہ ڈوور کی سفید پہاڑیاں تھیں۔ جنرل شاسچ نے دُوربین نیچے کرتے ہُوئے کہا' "وہ رہا دشمن کا مستحکم حصار .... دشمن کی اصل قلعہ بندیاں۔ آئیے ہم اُمید رکھیں کہ چوتھا پینزر ڈویژن سب سے پہلے برطانوی ساحل پر اُترے گا۔"

"پہلے انہیں یہاں شکست دینا ہوگی۔" فرانس کو روندنے والے جرمن پینزر ڈویژن کے کمانڈر جنرل شاسچ کے اے ڈی سی لیفٹیننٹ میئر نے نکتہ اُٹھایا۔

"یہ تو اگلے چوبیس گھنٹے میں ہو جائے گا۔ ہم اس وقت کلیس کے مغرب میں ساحل پر کھڑے ہیں۔ یہ شہر محصور ہو چکا ہے اور اب صرف ڈنکرک پر قبضہ باقی ہے۔" جنرل نے سر فخر سے بلند کرتے ہُوئے کہا۔

میئر نے محسوس کیا کہ وہ فتح و کامرانی کے اس عظیم لمحے میں تھکا تھکا سا ہے۔ انھوں نے ۱۴ مئی کو سیڈان کی ناقابلِ گزر پہاڑیوں کا سلسلہ عبور کیا تھا۔ آج ہفتے کا دن تھا اور مئی کی ۲۵ تاریخ۔ اتنے کم عرصے میں شاندار فتوحات نے ان کے قدم چُومے تھے اور اب آخری اقدام باقی تھا۔

"میں چاہتا ہُوں اس فرانسیسی مخبر کی اچھی طرح تفتیش کی جائے۔ اُس کا کہنا ہے ڈنکرک جانے کے لیے ایک سڑک اور موجود ہے اور وہاں دشمن کا دفاعی نظام بھی نہ ہونے کے برابر ہے۔"

"فرانسیسی جرنیل بہت ہشیار ہیں .... وہ جانتے ہیں سمندری سیلاب اس سڑک کو آج کل اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے' اس لیے اِدھر سے کسی کا گزرنا ممکن نہیں، خصوصاً پینزر ٹینکوں سے حملہ محال دکھائی دیتا ہے۔" میئر نے رائے دی۔

"میں کہتا ہُوں یہ سڑک فیصلہ کُن ثابت ہوگی۔ ہم دشمن کو بےخبری میں جالیں گے، ڈنکرک ہمارے پاؤں تلے ہوگا اور لاکھوں کی تعداد میں اتحادی فوج ہتھیار ڈال دے گی۔" جنرل شاسچ نے گرجدار آواز میں کہا۔ "جاؤ اور اس فرانسیسی بُوڑھے سے مزید پوچھ گچھ کرو۔"

لیکن میئر فوری طور پر تفتیش کے لیے روانہ نہ ہو سکا' کیونکہ فضا میں اچانک سینکڑوں طیارے ایک دوسرے سے ٹکرا رہے تھے اور انہیں ایک مورچے میں گھسنا پڑا۔

☘ ☘ ☘

"ذرا ٹھہرو' ٹینک روک دو' ایک پیراشوٹ نیچے اُتر رہا ہے۔" برنیز نے خبردار کیا۔

نجانے کتنی دیر سے فضائی جنگ اُن کے سروں پر جاری تھی، طیارے بلندی پر تھے اور صبح کی تیز کرنوں کی وجہ سے نظروں سے اوجھل بھی' اچانک اُس کے کان میں دھماکوں کی آوازیں آئیں۔ یُوں لگتا تھا سینکڑوں مشینوں کے دہانے کھلے ہُوئے ہیں' گولیاں تڑتڑ برس رہی تھیں؛

پھر ایک زبردست دھماکہ ہوا اور کسی جہاز کے پرخچے اُڑ گئے۔ یہ سب کچھ اتنی تیزی سے ہوا کہ برنیئر یہ نہ دیکھ سکا تباہ ہونے والا جہاز کس ملک کا تھا۔ فضا میں بکھرا ہوا جہاز کا ملبہ زمین کی طرف آرہا تھا۔ رینالڈ نے ٹینک روک دیا۔ برنیئر نے جہاز کے ٹکڑوں کے درمیان ایک پیراشوٹ بھی اترتا دیکھا۔ پیراشوٹ میں کون ہے؟ یہ جاننے کے لیے وہ سانس روکے انتظار کرنے لگا۔

پیراشوٹ ابھی بلندی پر تھا، اس لیے برنیئر کا ذہن گزرے ہوئے واقعات کو یاد کرنے لگا۔ اسے سب سے زیادہ پان کی فکر تھی جو بُری طرح آگ میں جھلس گیا تھا۔ اُس نے ابھی تک ایک قطرہ حلق سے نہ اُتارا تھا۔ وہ راستے میں تین دیہات سے گزرے۔ یہ بالکل خالی پڑے تھے۔ برنیئر نے خاصا دیکھا بھالا، مگر کسی ڈاکٹر کو تلاش نہ کر سکا جو اس کی مرہم پٹی کر سکتا۔ پان کا جسم بخار میں پھنک رہا تھا۔ اس پر ستزاد ٹینک کے اندر کا حبس تھا۔ برنیئر نے اُسے راستے میں یہ پیش کش کی تھی کہ وہ سوراخ میں کھڑا ہو جائے، لیکن اُس میں اتنی سکت کہاں تھی؟

"گرنے والا جہاز ہمارا ہے یا دشمن کا؟" رینالڈ کے اس سوال نے برنیئر کو پھر حال کی تلخ حقیقتوں کے سامنے لا کھڑا کیا۔ اگر پیراشوٹ کے ذریعے اُترنے والا پائلٹ جرمن ہوا اور وہ ان سے بچ کر نکل گیا، تو چند گھنٹوں کے اندر اندر کیمبری میں جرمن ہیڈ کوارٹر کو علم ہو جائے گا کہ اس نواح میں ایک برطانوی ٹینک موجود ہے۔ پیراشوٹ مزید نیچے آچکا تھا۔ رینالڈ نے اپنا سوال دُہرایا۔ "اگر وہ جرمن نکلا، تو؟"

"میں اسے شوٹ کر دوں گا، یہ حرامی فرانسیسی پناہ گزینوں کے قافلے پر وحشیانہ بمباری کرتا آیا ہوگا۔"

برنیئر حیران تھا جب سے انھوں نے ٹینک کو حرکت دی تھی وہ یکے بعد دیگرے مصائب کا شکار ہوتے چلے آئے ہیں۔ اس بھیانک دنیا میں انہیں ماڈل کے فارم پر کچھ سکون میسر آیا تھا، مگر وہ بھی عارضی نکلا۔ پے در پے مشکلات نے ان کے اعصاب بُری طرح متاثر کیے تھے۔

پیراشوٹ زمین کو چھونے ہی والا تھا کہ برنیئر نے مشینی پستول سنبھالا اور ٹینک سے نیچے کود پڑا۔ "تم بھی ایک مشینی پستول کے ساتھ یہاں ہشیار ہو کر بیٹھ جاؤ اور ضرورت پڑے، تو میری مدد کرنا۔" اس نے کچی گرد آلود سڑک پر دوڑتے ہوئے کہا۔ وہ دل ہی دل میں فیصلہ کر چکا تھا کہ پائلٹ کی باتوں سے ذرا بھی شبہ گزرا، تو وہ پستول کا ٹریگر دبانے میں بالکل نہ ہچکچائے گا۔

"تم رائل ایئر فورس کے پائلٹ ہو؟" برنیئر نے گھٹنوں کے بل جھکے ہوئے ہیولے سے دُور کھڑے کھڑے پوچھا۔

فلائنگ سوٹ میں ملبوس شخص ۲۵ سے ۳۵ کے پیٹے میں تھا۔ جلد بھورے رنگ کی، ناک بھاری اور مضبوط ہونٹ، اُس کی بلند کرداری کی دلالت کر رہے تھے۔

"اگر میں آر اے ایف پائلٹ نہیں تو کیا جرمن ایئر فورس بھی ہنگ بھرتی کرتی ہے؟" پیراشوٹ میں سے امریکی لہجے میں پھبتی سنائی دی۔

برنیئر نے اُس کی چھاتی کی طرف پستول تان کر کہا۔ "سیدھے کھڑے ہو جاؤ۔"

"مجھے یوں لگتا ہے جیسے دونوں ٹانگیں تڑوا بیٹھا ہوں۔"

خدایا! ایک اور لنگڑا ٹینک پر سوار ہونا چاہتا ہے، جبکہ وہاں ایک مریض پہلے سے موجود ہے۔ برنیئر نے سوچا۔ ساتھ ہی چند قدم پیچھے ہٹ گیا، کیونکہ پائلٹ اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"سارجنٹ، میں اپنے بیان کی تصحیح کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے ایسا محسوس ہوا تھا جیسے ٹانگیں ٹوٹ گئی ہوں۔ خدا کا شکر ہے میں بچ گیا"

"میرے علم میں نہیں کہ آر اے ایف امریکیوں کو بھی بھرتی کرتی ہے"

برنیئر نے تشکیک کا اظہار کیا۔

"میں کینیڈین ہوں۔" پائلٹ قدرے خوفزدہ سا تھا۔ "میری ماں کینیڈین ہے اور باپ امریکی، لیکن میں کینیڈا ہی میں پیدا ہوا۔"

"کیا تم اپنی شناخت کے بارے میں کوئی ثبوت مہیا کر سکتے ہو؟"

"یقیناً، لیکن شرط یہ ہے اگر میں اپنے بٹن کھول کر اندرونی جیب سے شناختی کارڈ نکالنے کے لیے ہاتھ ڈالوں، تو تم اطمینان دلاؤ کہ فائر نہ کرو گے۔"

برنیئر نے کوئی جواب نہ دیا اور پائلٹ نے استغفار کیے بغیر اپنا شناختی کارڈ نکال کر اس کے سامنے کر دیا۔

"اب اگر میں تمہیں یہ پکڑانا چاہوں، تو تم سمجھو گے تمہارے اُوپر جھپٹ رہا ہوں۔ اس کا حل یہ ہے میں اسے زمین پر پھینک دیتا ہوں، تم اسے اُٹھا لو۔" پائلٹ نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

"اسے زمین پر پھینک دو اور پھر چند قدم پیچھے ہٹ جاؤ۔"

پائلٹ ابھی پیچھے ہٹ ہی رہا تھا کہ برنیئر نے قدرے جھک کر بائیں ہاتھ سے شناختی کارڈ اٹھا لیا اور دائیں ہاتھ میں وہ مشینی پستول

تھامے رہا۔

پائلٹ افسر جیمز کالبورن — کارڈ پر یہ نام درج تھا۔

"میرا خیال ہے تم میرے بارے میں مطمئن ہو گئے ہو۔" پائلٹ نے وہی غیر سنجیدہ لہجہ اختیار کرتے ہوئے کہا: "اب کیا میں تمہاری پے بک دیکھ سکتا ہوں ؟"

برینر نے چھ فٹ بلند پائلٹ پر تشکیں نگاہیں ڈالیں۔ "میں سارجنٹ برینر ہوں اور تم اگر چاہتے ہو کہ میں تمہیں اپنی پے بک دکھا دوں، تو تمہارا چھوٹا سا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ تمہارا خیال ہے میرے پیچھے کھڑا ہوا ٹینک — پیلرز ڈویژن کا حصہ ہے اور کیا تم نے کبھی برطانوی یونیفارم نہیں دیکھی ؟"

"تو کیا مجھے پوچھنے کی اجازت ہے کہ میں نے جو آر اے ایف کی فلائنگ کٹ پہن رکھی ہے اور ابھی جو طیارہ تباہ ہوا ہے، یہ چند گھنٹے قبل غسلنی کے ہوائی اڈے سے اڑا تھا۔ "ٹرسٹ اچھا بری کین" طیارہ تھا۔"

"یہ اتنی سرعت سے تباہ ہوا کہ میں اس کی شناخت نہ کر سکا۔" برینر نے کہا۔

"سارجنٹ، کیا تم میرے بارے میں مطمئن ہو گئے ؟"

"معاف فرمانا، ہم پہلے ہی ایک جرمن جاسوس کے ہاتھوں مصیبت میں پھنستے پھنستے بچے ہیں۔ وہ اپنے آپ کو بلجیم کا باشندہ ظاہر کرتا تھا لیکن نکلا مارِ آستین۔" برینر نے سرد لہجے میں کہا۔ وہ برابر گہری نظروں سے پائلٹ کا معائنہ کر رہا تھا تاکہ اس بار جانچ پرکھ میں کوئی کسر نہ رہ جائے۔

"تم ایک وسیع و عریض 'نو مین لینڈ' میں گرے ہو۔ جرمن فوجوں نے تقریباً پندرہ بیس میل چوڑا شگاف ہماری صفوں میں ڈال دیا ہے اور ہمارا انحصار اس وقت صرف ایک ٹینک پر ہے۔"

"اگر تم مجھے ساتھ لے لو تو تمہاری قوت میں اضافہ ہو جائے گا۔"

پائلٹ نے آخر وہ درخواست کر ہی دی جس سے برینز بچنا چاہتا تھا۔

"تمہاری بات درست ہے لیکن ٹینک پرواز نہیں کر سکتا اور تم ایک پائلٹ ہو نا! جانے کس کام آؤ گے ؟"

"تو پھر متبادل راستہ کیا ہے ؟" پائلٹ نے مایوس ہو کر پوچھا۔

"متبادل راستہ یہ ہے کہ گھر پہنچنے کے لیے خود ہی کوئی انتظام کرو۔"

برینر نے کہا: "اگر زیادہ آرام پسند ہو تو کیمبری جانے والی سڑک پر چلے جاؤ۔ وہاں جرمن موجود ہیں۔ وہ تمہیں کسی عمدہ جنگی کیمپ میں بھیج دیں گے۔"

برینر نے کالبورن کے ردِ عمل کا انتظار کیا۔

"میرا خیال ہے اگر میں تمہارے ایک چپت رسید کر دوں تو ٹینک پر پوزیشن سنبھالے ہوئے تمہارے باقی ساتھی مجھے گولی سے اڑا دیں گے۔ تم نے میرے جذبات کو مجروح کیا ہے اور میں عام حالات میں اس کا بدلہ لے سکتا تھا۔"

"میرا خیال ہے تم اس وقت ایسی حماقت نہ کرو گے، اس کا سخت خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔"

"مطلب یہی نکلا کہ تمہیں یقین نہیں آیا میں کون ہوں ؟"

"تم کینیڈین ہو اور پھر بھی اپنے آپ کو آر اے ایف کا پائلٹ ظاہر کر رہے ہو — یہ تضاد کیسا ؟"

"آہ! میں کیا بتاؤں ڈاکٹر بننے کے بعد مجھے جہاں متعین کیا گیا وہاں کا موسم کس قدر گرم تھا: چنانچہ میں رضاکارانہ طور پر آر اے ایف میں بھرتی ہونے کے لیے چلا آیا۔"

"تو تم ایک ڈاکٹر بھی ہو — !" برینر کے لہجے میں اگرچہ غیر معمولی جوش نہ تھا، لیکن پھر بھی ہوشیار پائلٹ نے اس کے دل کی تیز حرکت بھانپ لی۔ "سارجنٹ، تمہیں میرے ڈاکٹر ہونے پر اچنبھا کیوں ہے ؟"

"بات یہ ہے، میرا کارپورل شدید زخمی ہے اور بخار میں پھنک رہا ہے۔ میں کسی ڈاکٹر ہی کی تلاش میں تھا۔ کیا تم اُسے ایک نظر دیکھو گے ؟"

"بڑی خوشی سے۔" کالبورن نے جواب دیا اور جلدی جلدی اپنا پیراشوٹ سمیٹا۔

برینر ٹینک کے باہر انتظار کرتا رہا۔ کالبورن اندر داخل ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے اپنا سر سوراخ میں سے باہر نکالتے ہوئے پوچھا۔ "وہ بیمار شخص تمہارا قریبی دوست ہے ؟"

"وہ میرا کارپورل ہے۔" برینر نے پُر سکون لہجے میں جواب دیا۔

"معاف کرنا، مجھے ڈر ہے خبر اچھی نہیں۔"

"کیا وہ بچ نہ سکے گا ؟"

"وہ بچ نہیں سکا — وہ مر چکا ہے۔"

⁂ ⁂ ⁂

فرانس کے دہکتے ہوئے سورج کی حدت سے جلی ہوئی سخت مٹی میں انہیں قبر کھودنے میں ایک گھنٹہ لگ گیا۔ وہ باری باری کام کر رہے تھے۔ کالبورن نے ان کی خاصی مدد کی۔ برینر کے ذہن میں کارپورل ان کی پرانی یادیں فلم کی طرح سامنے آتی چلی گئیں۔ وہ تین سال سے اکٹھے زندگی بسر

کر رہے تھے، لیکن ان کے درمیان ایسے تعلقات فروغ پا گئے جیسے وہ عمر بھر اکٹھے رہے ہوں۔ ہان ایسا آدمی تھا جس پر کسی بھی صورت حال میں اعتماد کیا جا سکتا تھا اور وہ اسی اعتماد کے ساتھ چند راتیں قبل پل پر جرمن سنتری کی حیثیت سے ڈیوٹی دے چکا تھا۔ سینکڑوں پینزر ٹینک اس کے سامنے سے گزرے، مگر وہ لمحے بھر کے لیے بھی نہ ڈگمگایا۔

قبر تیار ہو گئی اور میت قبر میں اتارنے کا مرحلہ آیا۔ ہان کا آدھا دھڑ نیچے اُتر گیا، پھر لاش پھنس گئی۔ رینالڈ اپنے زخمی بازوؤں کی وجہ سے توازن قائم نہ رکھ سکا تھا۔ ایک بار پھر انہوں نے کوشش کی۔ لاش دوبارہ پھنس گئی۔ برنیز نے سوچا ہان یہاں دفن نہیں ہونا چاہتا۔ اسی لیے وہ مزاحمت کر رہا ہے۔ وہ گوڈلین پہنچ کر طرح طرح کے پروگرام بنایا کرتا تھا۔ مگر اب کا دُور دُور تک نشان نہ ملتا تھا اور ہان کی رُوح اس کے قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔ اس کے سب پروگرام اُدھورے رہ گئے۔

انہوں نے لاش کو نیچے اُتارنے کے لیے تیسری بار جدوجہد کی۔ اب کے وہ اتنی جلدی سے اُتر گئی کہ برنیز کا اپنا توازن خراب ہو گیا۔ اُس کے کندھوں پر بندھی ہوئی پٹی کے نیچے زخم کھل گئے۔ جب وہ قبر پر مٹی ڈال کر اُٹھا تو پسینے سے تر بتر تھا۔ ایک ساتھی ـــ اور ایک دوست کی ناگہانی موت نے نجانے اس کے قلب و ذہن میں کیا ہلچل مچا دی تھی۔ شاید اس کا اپنا انجام بھی اُس کی نظروں کے سامنے پھر گیا ہو۔

قبر پر کتبہ نصب کرنے کے لیے انہیں کچھ اور نہ ملا تو وہی پھاوڑا جس سے قبر تیار کی گئی تھی، اس مقصد کے لیے استعمال کرنے کا فیصلہ ہوا۔ برنیز نے اپنے چاقو سے اس کے دستے پر یہ الفاظ کندہ کر دیے:

"نمبر ۱۸۹۷۲۲۴۵۱، کارپورل ایم ہان۔ جنگ میں مارا گیا۔ ۵ مئی ۱۹۴۰ء۔"

✿ ✿ ✿

ہان کی موت کے بعد برنیز کے پاس سوائے ڈرائیور رینالڈ کے اور کوئی شخص نہ تھا۔ ناچار انہوں نے کالبورن کو ساتھ لینے کا فیصلہ کر لیا۔ روانگی سے پیشتر برنیز نے اُسے وریاؤنڈ اور ریڈیا مشین گن چلانے کی تربیت دی تاکہ ضرورت پڑنے پر ٹینک کو مؤثر طور پر استعمال کیا جا سکے۔ کالبورن اندازے سے زیادہ ذہین نکلا اور اس نے بڑی پھرتی سے پورا نظام سمجھ لیا۔

بالآخر ٹینک حرکت میں آیا۔ برنیز اس کے سوراخ میں کھڑا یہ سوچ رہا تھا کہ وہ اپنی مہم کے نقطۂ عروج کی طرف بڑھ رہے ہیں اور اگلے چوبیس گھنٹوں میں یا تو وہ مر چکے ہوں گے یا قیدی بنا لیے جائیں گے ـــــ! یقیناً تیسری شکل بھی موجود تھی اور وہ یہ کہ اگر کوئی ہدف مل گیا تو ٹینک کی توپ کے ستر گولے قیامت بھی برپا کر سکتے ہیں۔

سورج آہستہ آہستہ آغوشِ مغرب میں چلا گیا۔ اس وقت وہ گنجان آباد علاقے میں سے گزر رہے تھے۔ لوگ کھیتوں میں کام کر رہے تھے اور کہیں ٹریکٹر بھی چل رہے تھے۔ برنیز کو یقین نہ آ رہا تھا کہ وہ کس سے چن کر وہ کلیس کے دروازے تک پہنچ گئے ہیں۔ اس کا دل زور زور سے حرکت کر رہا تھا۔ اس نے فیصلہ کیا کہ رات بھر سفر جاری رکھا جائے گا اور ٹینک کی اگلی پچھلی سب بتیاں روشن رہیں گی۔ وہ اب دشمن کی صفوں میں گھسنے والے تھے۔ ٹینک کی روشن بتیاں، جرمنوں کو حیرت میں ڈال دیں گی اور اس سے پہلے کہ وہ شبہ کریں، ٹینک آگے گزر جائے گا۔

آغازِ شب کی تاریکی پھیل چکی تھی۔ اچانک برنیز کو سامنے سے ایک لمبے قافلے کی روشنیاں دکھائی دیں ـــ پینزر ڈویژن ـــ اس کے دماغ پر ہتھوڑا سا برسا۔ اس نے انٹرکام پر رینالڈ کو ہدایت کی کہ وہ ٹینک کو سڑک سے اُتار کر دائیں طرف کے وسیع میدان میں لے جائے۔ رینالڈ نے دائیں طرف اسٹیئرنگ گھمایا۔ سڑک سے کچھ دور تک سرسبز گھاس زمین پر لہلہا رہی تھی۔ جوں جوں ٹینک آگے بڑھتا گیا گھاس کم ہوتی گئی اور اس کی رنگت بھی بدلی ہوئی تھی ـــ زردی مائل پتے، زمین کی تیزابیت کی غمازی کر رہے تھے اور پھر برنیز کو یوں محسوس ہوا جیسے اس پر غنودگی طاری ہو۔ ٹینک کے پہیے مسلسل گھوم رہے تھے مگر یہ ایک انچ بھی آگے نہ بڑھ رہا تھا۔ اُس نے سر کو زور سے جھٹکا دیا اور اس پر ایک ساتھ اور حیران کن حقیقت منکشف ہوئی۔ ۔ ۔ ۔ ۔
ٹینک نیچے ہی نیچے دھنس رہا تھا۔ ۔ ۔ پچپن ٹن سے زیادہ وزن دلدل میں ڈوبتا چلا گیا۔

اُس نے فوراً ٹینک کو روکنے کا حکم دیا۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہ آیا تھا کہ کیا کرنا چاہیے۔ اگر وہ ٹینک کو پیچھے لے جانے کی کوشش کرتے ہیں تو مزید پھنس جائیں گے۔ آگے حرکت کرنے کا تو سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ دوسری طرف سڑک پر کسی قافلے کی روشنیاں قریب سے قریب تر آ چکی تھیں۔ برنیز اُس وقت صحیح معنوں میں چکرا کر رہ گیا۔ دشمن کو ان پر فائر کرنے کی بھی ضرورت نہیں، بلکہ وہ آرام سے سڑک پر انہیں

مزید پیچھے دھنستے دیکھتے رہیں گے، یہاں تک کہ وہ زندہ درگور ہو جائیں۔ خوف کی شدت میں اُسے سڑک کی طرف دیکھنے کی جرأت نہ ہوئی۔ وہ آنکھیں بند کر کے موت کو گلے لگانا چاہتا تھا۔

گاڑیوں کی آوازاُن کے برابر آ چکی تھی۔ پھر اُسے یُوں لگا جیسے سب گاڑیاں رُک گئی ہوں۔ برنیز کو اپنی موت کا یقین ہو گیا۔ اُس نے اپنے سب خواب چکنا چور ہوتے محسوس کیے۔ تمام خواہشیں حسرتوں میں بدل رہی تھیں۔ اس عالم میں اُسے یہ احساس بھی نہ ہو سکا کہ کالبورن بھی ٹینک سے باہر آ چکا ہے اور اُس کے قریب کھڑا ہے۔

سڑک کی طرف سے کسی نے فرانسیسی میں اُنہیں آواز دی۔ برنیز کو کانوں پر اعتبار نہ آیا۔ وہ جرمن زبان میں دھمکیاں سُننے کا منتظر تھا۔ لیکن وہ فرانسیسی سے نابلد تھا۔ سڑک پر کوئی شخص مسلسل چیخ رہا تھا۔ کالبورن نے دیکھا کہ برنیز ساکت و جامد ہو کر رہ گیا ہے، اُس نے اُسے زور سے جھنجھوڑا اور سڑک کی جانب متوجہ کیا۔ وہاں پانچ ٹریکٹر کھڑے تھے اور اُن کی روشنی میں کئی لوگ چیخ چیخ کر انہیں متنبہ کر رہے تھے۔ کالبورن ٹوٹی پھوٹی فرانسیسی بول سکتا تھا۔ اُس نے بتایا کہ وہ دلدل میں پھنس گئے ہیں۔ تھوڑی دیر بعد متعدد فرانسیسی لکڑی کے بڑے بڑے تختے لے آئے اور سڑک سے لے کر پھنسے ہوئے ٹینک تک بچھا دیئے۔ پھر ایک مضبوط رسّا ٹینک کے پیچھے باندھا گیا اور دُوسری طرف ایک ٹریکٹر اس رسّے کی مدد سے ٹینک کو کھینچنے لگا۔ خاصی جدّوجہد کے بعد ٹینک لکڑی کے تختوں پر چڑھ آیا اور پھر سڑک پر پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔

برنیز نے ان فرانسیسی نجات دہندوں کا شکریہ ادا کیا، "میں تو سمجھا تھا، یہ ٹریکٹر نہیں پینزر ٹینک ہیں۔ تم نے تو ہمیں خوفزدہ کر دیا۔"

"پینزر قافلہ کئی دن پہلے یہاں سے گزرا تھا۔ شاید اُن لوگوں کو آگے جانے کی بہت جلدی تھی، اس علاقے میں زیادہ تباہی نہ پھیلائی۔" ایک معمّر سے فرانسیسی نے جواب دیا۔ کالبورن دونوں کے درمیان ترجمانی کا فریضہ ادا کر رہا تھا۔

ٹریکٹروں کا قافلہ اپنی منزل کی جانب روانہ ہو گیا۔ برنیز نے تھوڑے سستانے کا فیصلہ کیا تاکہ ٹینک کی اچھی طرح جانچ پڑتال کر لی جائے۔ تھکن کی وجہ سے بھی اُن کا بُرا حال تھا۔ کوئی آدھ گھنٹہ گزرا ہو گا کہ کسی بھاری مشینری کی گڑگڑاہٹ اُنہیں سنائی دی۔ جلد ہی ایک ٹینک کیریئر اُن سے کچھ فاصلے پر سامنے آ کر رُک گیا۔ اُن کے ٹینک کی بتیاں پُوری طرح روشن تھیں اور سامنے آ کر رُکنے والی گاڑی کی بھی۔ برنیز نے فوراً ٹینک میں سے اپنا مشینی پستول نکالا اور سڑک کے دوسری جانب کھیتوں میں یہ کہہ کر گھُس گیا، "تم دونوں اِدھر ہی رکو۔ میں ذرا ان سے نمٹتا ہوں۔"

فصلوں کا فائدہ اٹھاتے ہوئے وہ ٹینک کیریئر کے پہلو پر پہنچ گیا۔ اُس نے دیکھا کہ اس پر ایک خراب جرمن ٹینک لدا ہے اور شاید یہ لوگ پیچھے کسی ورکشاپ میں جا رہے ہیں۔ اس کا اندازہ تھا اس پر دو یا تین یا زیادہ سے زیادہ چار سپاہی ہوں گے اور ان سے نمٹنا کوئی مشکل نہیں، بشرطیکہ وہ سیدھے نشانے میں آ جائیں۔ ایک جرمن سپاہی ریوالور تانے گاڑی سے اُترا اور سڑک پر فصلوں کی طرف مُنہ کر کے کھڑا ہو گیا۔ ممکن ہے اُس کی موجودگی کا راز فاش ہو چکا ہو، یہ سوچ کر برنیز نے اپنے آپ کو زمین سے چپکا لیا۔ پھر ایک سپاہی اور اُترا اور اس کے پیچھے تیسرا سپاہی بھی نیچے آ گیا۔ تھوڑی دیر تک وہ برنیز کی طرف گھورتے رہے، پھر احتیاط سے گاڑی کی ہیڈ لائٹوں کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ معلوم نہیں اُن کا ارادہ کیا تھا؟ برنیز نے موقع غنیمت جانا اور دوڑ کر سڑک عبور کر لی اور گاڑی کے دُوسری سمت پہنچ گیا۔ اُس نے قدرے کھٹکا سا کیا۔ تینوں جرمن سپاہی چوکنے ہو گئے اور آپس میں کھسر پھسر کرنے لگے۔

ان میں سے ایک سپاہی نے ریوالور تان لیا اور سڑک سے اتر کر برنیز کی تلاش شروع کر دی۔ برنیز اپنی جگہ سے کھسک گیا اور تاثر یوں دیا جیسے وہ کھلے میدان میں مزید پیچھے ہٹ گیا ہو۔ اُسے ایک ٹیلا دکھائی دیا اور اس کی اوٹ میں لیٹ کر تماشا دیکھنے لگا۔ جرمن سپاہی دبے پاؤں دلدل کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اچانک وہ نیچے دھنسنے لگا۔ پہلے ہی ہلّے میں وہ گھٹنوں تک دھنس گیا۔ جُوں جُوں اپنے آپ کو نکالنے کی کوشش کرتا، مزید دھنس جاتا... آہستہ آہستہ اس کی کمر بھی چھپ گئی، سینہ اور گردن... وہ چیخنے لگا۔ اُس کا ایک ساتھی مدد کے لیے دوڑا، لیکن اس کا حشر دیکھ کر پیچھے ہی کھڑا رہا۔ اگلے چند لمحوں میں اس کا سر بھی غائب ہو گیا۔ دلدل کے عفریت نے ایک جرمن سپاہی کو نگل لیا تھا۔ دوسرا سپاہی خوفزدہ ہو کر سڑک کی طرف بھاگا اور تیسرے ساتھی کو جا کر اس سانحے سے آگاہ کرنے لگا۔ باتیں کرتے کرتے وہ اِدھر اُدھر پوزیشن بدل رہے تھے۔ جب وہ برنیز کے مشینی پستول کی زد میں آئے، تو اُس نے ٹریگر دبا دیا۔ ابھی وہ زمین پر گرنے نہ پائے تھے کہ گاڑی کا انجن اسٹارٹ ہو گیا۔ اس کا مطلب یہ تھا وہاں کوئی چوتھا آدمی

بھی تھا جسے سختی سے ہدایت کی گئی تھی کہ وہ کسی بھی حالت میں گاڑی سے نہ اُترے اور حالات خراب ہوتے دیکھے تو گاڑی کو لے بھاگے۔

برنیز نے فوراً ہی ال کا رُخ ڈرائیور کے کیبن کی طرف کر دیا اور قریباً آدھا میگزین خالی کر دیا۔ پھر وہ انتظار کرنے لگا۔ گاڑی کا انجن اُسی طرح اسٹارٹ تھا۔ لیکن اس نے کوئی حرکت نہ کی۔ وہ بڑی احتیاط سے آگے بڑھا۔ کیبن کا دروازہ کھولا تو ایک لاش ساتھ ہی لڑھک کر زمین پر گر پڑی۔ برنیز نے انجن بند کر دیا اور دوسرے دونوں جرمنوں کو دیکھا۔ وہ بھی آخری سانس لے چکے تھے۔ سارجنٹ برنیز کے پاس اس وقت ماؤنٹڈ ٹینک کے علاوہ ایک صحیح سالم جرمن ٹینک کیریئر بھی موجود تھا۔

برنیز نے واپس آکر پوری صورتِ حال رینالڈ اور کالبورن کو سمجھائی۔ فیصلہ یہ ہوا کہ کیریئر سے خراب جرمن ٹینک اُتار کر دلدل میں دھکیل دیا جائے اور ماؤنٹڈ ٹینک اس پر چڑھا کر آگے سفر جاری رکھا جائے۔ اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ جرمن فوجی اس کیریئر کو دیکھ کر دھوکے میں آجائیں گے۔ چنانچہ تھوڑی سی تگ و دو کے بعد وہ یہ سب کچھ سرانجام دینے میں کامیاب ہو گئے۔ روانگی سے پہلے اُنہوں نے جرمن فوجیوں کے فولادی ہیلمٹ سر پر رکھ لیے۔ اب تو قریب سے دیکھنے پر بھی پتہ نہ چل سکتا تھا کہ یہ لوگ برطانوی ہیں۔ ٹینک کے اُوپر ترپال ڈال دی گئی۔ برنیز اور رینالڈ اگلے حصے میں بیٹھ گئے اور کالبورن کو ٹینک کی گن پوزیشن سنبھالنے کا حکم ملا تاکہ وقت پڑنے پر فائر کھولا جا سکے۔

ابھی اُنہوں نے ایک میل سفر طے کیا ہوگا کہ پیچھے سے ایک کار آتی دکھائی دی۔ "کیا یہ جرمن افسران کی کار ہے؟" برنیز کے ذہن میں یہ سوال کلبلایا۔ کار قریب آئی اور اس میں سوار شخص نے گردن موڑ کر ان کی طرف دیکھا۔ پھر اُس کی رفتار کم ہونے لگی۔ یہ لوگ انجانے خوف سے لرز اُٹھے۔

کار رُک چکی تھی۔ دروازہ کھول کر سول کپڑوں میں ملبوس ایک نوجوان فرانسیسی باہر نکلا۔ یہ ماڈل کا بھتیجا جیکوئس تھا جو تھوڑی دیر کے لیے اُنہیں اُس کے فارم پر ملا تھا۔ ماڈل نے بتایا تھا وہ مہم جو شخص ہے اور جنگ غیر ملکی کی ٹوہ لگانے کے لیے دن رات دشمن کی فوجوں کے تعاقب میں پھرتا رہتا ہے۔ کبھی شگاف میں سے برطانوی صفوں میں سے بھی ہو آتا ہے۔

برنیز اُسے دیکھ کر متعجب سا ہوا۔ "تم اور ادھر کہاں؟ تم تو ابوائل گئے تھے:"

"ہاں، ایک اندوہناک سانحہ رُونما ہو گیا ہے۔ جرمنوں نے میری بہن کو گولی سے اُڑا دیا ہے۔" یہ کہتے ہوئے اُس کی آواز کانپ رہی تھی اور برنیز کو اس پر یقین کرنا پڑا۔

"یہ کیسے ہوا؟"

"جرمن اسے محض اتفاقی حادثہ کہتے ہیں۔ اُن کے ترجمان نے مجھے یہی بتایا تھا۔ لیکن وہ اُنہی کے ہاتھوں ہلاک ہوئی۔ وہ ابوائل کے چوک میں کھڑی تھی کہ جرمن ٹینک آن پہنچے۔ کسی نے کھڑکی میں سے ان پر فائر کیا۔ جرمنوں نے جواب میں بے تحاشا گولیاں چلائیں۔ میری بہن اسی وقت دم توڑ گئی۔"

"مجھے بہت افسوس ہے جیکوئس!" برنیز نے کہا۔ "لیکن یہ تو بتاؤ اِدھر کیا کرنے آئے ہو؟"

"شاید میں نے تمہیں بتایا تھا کہ میرا والد لیمانٹ میں رہتا ہے۔ میں اس حادثے کی اطلاع کرنے جا رہا ہوں..." قدرے توقف سے وہ کہنے لگا: "پھر میں جرمنوں کو ہلاک کروں گا۔"

"اس کے لیے تجربہ اور فن چاہیے۔"

"مجھے اپنے ساتھ لے چلو۔ اکٹھے کوئی آپریشن کریں گے۔"

"ہم مزید خطرات مول نہیں لے سکتے۔ پہلے ہی ایک کینیڈین پلٹن کو لفٹ دے رکھی ہے۔"

"میری ایک پیشکش اور ہے،" جیکوئس نے کہا۔ "تم لوگ ان راستوں سے واقف نہیں۔ اس لیے میں اپنی کار میں آگے آگے چلتا ہوں اور کہیں خطرے والی بات ہوئی تو تمہیں خبردار کر دوں گا۔"

"اس کا کوئی فائدہ نہیں۔ تم ہمارے اور دشمن کے کراس فائر کی زد میں آجاؤ گے۔"

"میں اس سے نہیں ڈرتا۔" جیکوئس نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "تم کلیس کی سڑک پر جا رہے ہو اور یہ بڑا خطرناک راستہ ہے۔ میں ایک اور سڑک سے واقف ہوں جس پر جرمن نقل و حرکت برائے نام ہوتی ہے۔ وہ بھی کلیس پہنچا دے گی۔ بلکہ یہ بھی مختصر راستہ ہے۔"

بڑی ہچکچاہٹ کے بعد برنیز مان گیا۔ جیکوئس کی کار ان کے آگے آگے تھی۔ آہستہ آہستہ ان کا درمیانی فاصلہ ایک میل سے بھی زیادہ ہو گیا۔ وہ بلا خوف و خطر آگے بڑھتے رہے۔ لیکن ایک موڑ پر رینالڈ نے بڑی مشکل سے بریکیں لگائیں۔ کچھ فاصلے پر جیکوئس کی کار سڑک

کے درمیان الٹی پڑی تھی اور وہ خود بھاگم بھاگ ان کی طرف دوڑا چلا آ رہا تھا۔

برنیز نے رینالڈ کو رُکنے کا اشارہ کیا۔ اتنی دیر میں جیکوئس بھی وہاں پہنچ گیا۔ "میں بخیریت ہوں۔ آگے ایک روڈ بلاک ہے۔ میں نے اُسے دیکھ کر کار واپس موڑنا چاہی تو انہوں نے فائر کھول دیا۔ جلدی میں کار الٹ گئی اور میں جان بچا کر بھاگ آیا۔" اس کا سانس پھولا ہُوا تھا۔

"جلدی سے پیچھے ٹینک پر چڑھ کر لیٹ جاؤ۔ ٹینک کی نالی تمہیں کور مہیا کرے گی۔" برنیز نے کہا۔ "ہم یہاں سے ضرور گزریں گے۔ رینالڈ گاڑی کی رفتار چالیس میل فی گھنٹہ کر دو۔ قسمت ہمارے ساتھ ہے۔ وہ جرمن ٹینک کیریئر کو اچھی طرح پہچان لیں گے اور خود بخود راستہ دے دیں گے۔ اگر انہوں نے بیریئر اُوپر نہ اٹھایا تو پھر اُسے روند کر آگے نکلنا ہوگا۔"

رینالڈ نے کوئی جواب دیے بغیر اپنے آپ کو اسٹیئرنگ کے اُوپر جھکا لیا اور گاڑی کی رفتار آہستہ آہستہ تیز کر دی۔ جرمنوں نے ابھی تک ان پر فائر نہ کھولا تھا۔ یہ اُن کی اپنی گاڑی تھی اور اسی وجہ سے وہ قریب میں آ چکے تھے۔ صرف پچاس گز کے فاصلے پر روڈ بلاک تھا۔ سڑک کے کنارے ایک ٹینک شکن توپ نصب تھی۔ ایک آدمی سائیکل لیے کھڑا تھا۔ دو فوجی توپ پر ڈیوٹی دے رہے تھے۔ رینالڈ عین سڑک کے درمیان میں جا رہا تھا۔ فاصلہ کم ہوتا چلا گیا۔ چالیس، تیس، بیس اور دس فٹ۔ اچانک اُس نے اسٹیئرنگ قدرے بائیں طرف گھمایا۔ جرمن ٹینک کیریئر چھبیس ٹن وزنی مالٹڈا ٹینک کے ساتھ سائیکل سوار، سنتری اور ٹینک شکن توپ کو روندتا ہُوا آگے بڑھ گیا۔ اُس نے گاڑی پھر سڑک کے درمیان کر دی۔ برنیز اپنے ڈرائیور کی چابکدستی اور حاضر دماغی پر عش عش کر اُٹھا۔ وہ اتنی دیر تک دم سادھے بیٹھا رہا۔ جب اُس نے محسوس کیا کہ وہ روڈ بلاک پار کر آئے ہیں تو اس نے ایک سادہ حکم دیا۔ "رفتار تیز تر کر دو۔"

٭ ٭ ٭

جنرل شارچ لیمانٹ کے فارم ہاؤس میں تیزی سے داخل ہُوا۔ یہاں اس کا عارضی ہیڈکوارٹر قائم تھا۔

"میئر تم کہاں ہو؟" اس نے اپنے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔ "دو رہے تم! یہ کیا عجیب معاملہ ہے! میں نے سُنا ہے تم نے میرے احکام کے برعکس ہدایات جاری کی ہیں۔"

"صرف عبوری طور پر جناب!" میئر نے پھرتی سے جواب دیا۔

"ہمیں فیصلہ کیے ابھی گھنٹہ ڈیڑھ ہُوا ہے — یہ فیصلہ کہ صبح چار بجے حملہ کیا جائے گا۔ ڈنکرک جانے والی دوسری سڑک پر صرف تین فٹ پانی کھڑا ہے اور ہمارے پینزر ٹینک اس میں سے بآسانی گزر جائیں گے۔"

میئر نے ایک پیغام شارچ کی طرف بڑھا دیا۔ اُس نے پڑھے بغیر پوچھا۔ "تم اسے دیکھ چکے ہو، بتاؤ اس میں کیا لکھا ہے؟"

"تمہارے جانے کے بعد جی ایچ کیو سے یہ پیغام وصول ہُوا تھا اور اسی بنا پر میں نے عبوری احکام مشروط طور پر جاری کیے کہ تمہارے واپس آنے پر ان کی توثیق ہوگی۔"

"آخر اس میں لکھا کیا ہے؟"

"اس میں کہا گیا ہے ہم شہر پر رُک جائیں۔ جنرل وان بلوخ بیلجیم میں سے برطانوی توسیعی فورس پر حملہ آور ہوگا۔ میرا خیال ہے جنرل رنڈسٹیٹ ٹینکوں کی طرف سے مطمئن نہیں، اسی لیے اُس نے ہمیں رُکنے کا حکم دیا ہے۔"

جنرل شارچ نے پیغام اُس کے ہاتھوں سے چھین لیا اور اُس پر ایک نظر ڈالتے ہوئے کہنے لگا۔ "اس میں تو ایسی کوئی بات درج نہیں۔"

میئر نے ٹھنڈا سانس کھینچا۔

شارچ ذرا توقف سے بولا۔ "مجھے ابھی پتہ چلا ہے زیرِ آب سڑک دشمن کی زد سے باہر ہے۔ میں نے ایک گشتی دستہ بھیجا تھا اُسے کہیں مزاحمت کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔"

"ظاہری طور پر تو حالات موافق دکھائی دیتے ہیں۔" بالآخر میئر کو بادلِ نخواستہ سر جھکانا ہی پڑا۔

جنرل کے چہرے پر ایک پُراعتماد مسکراہٹ پھیلنے لگی۔ "ڈنکرک کا راستہ ابھی کھلا ہے۔ طلوعِ آفتاب سے دو گھنٹے بعد ہمارے ٹینک شہر کے اندر ہوں گے۔۔۔ ذرا تصور کرو پوری برطانوی توسیعی فورس ڈھائی لاکھ فوجی ہمارے رحم و کرم پر ہوگی۔"

"لیکن یہ جی ایچ کیو کا پیغام۔۔۔ جناب؟"

"ہم اس کے ساتھ بھی کوئی چکر چلا لیں گے۔ کہہ دیں گے اس سے پہلے موصول شدہ تازہ ترین حکم میں پیش قدمی کی ہدایت واضح طور پر درج تھی۔ ہم یہی کریں گے اور آگے بڑھ کر آخری بندرگاہ ـــــ

ڈنکرک پر قبضہ جما لیں گے۔" جنرل شاڈنج نے کہا۔

"میں نے وائرلیس آپریٹر سے کہا ہے اس کی وضاحت طلب کرے۔"

"وضاحت کے احکام منسوخ کر دو۔"

میٹر نے فوراً فون اٹھایا اور اپنا حکم منسوخ کر دیا۔

"آخر تمہیں ایسی تشویش کیا لاحق ہے؟" شاڈنج نے میٹر کے جذبات پڑھتے ہوئے کہا۔ "ہوائی اڈے پر اسلحے کا بھاری ذخیرہ ہے نا؟"

"ہمارے پاس کافی اسلحہ ہے کمی کی شکایت نہ ہوگی۔" شاڈنج نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ "تم ایڈوانس ہیڈکوارٹر کو فوری طور پر حملے کی اطلاع کر دو۔ بہتر یہ ہے کوئی تیز رفتار جیپ بھیج دو۔ جب تک جیپ وہاں پہنچے گی ہمارے ٹینک زیر آب سڑک پر حرکت میں آ چکے ہوں گے۔"

میٹر کے ڈیسک پر رکھی ٹائم پیس ۱۰۔۲۰ بجے رات کا وقت ظاہر کر رہا تھا۔

❖ ❖ ❖

برنیز خاصی دیر سے کسی اندرونی کشمکش میں مبتلا تھا۔ اس کی چھٹی حس کسی آنے والے خطرے سے خبردار کر رہی تھی۔ اس نے اپنی دوربین سامنے سڑک پر مرکوز کی۔ پھر اسے ذرا دائیں طرف گھمایا۔ ایک گڑھے میں اُلٹی ہوئی جیپ دکھائی دی۔ وہ حیران تھا کیا معاملہ ہے؟ اس کے پہیے ابھی تک گھوم رہے تھے۔ اس نے رینالڈ کو حکم دیا گاڑی سڑک کے ایک جانب کھڑی کر دے۔ وہ خود نیچے اترا اور محتاط قدموں سے اُلٹی ہوئی جیپ کی طرف بڑھا۔ وہ جب واپس آیا تو اس کے چہرے پر اضطراب کی کیفیت اور نمایاں ہو گئی تھی۔

"کیا معاملہ ہے؟" رینالڈ نے پوچھا۔

"بڑی دلچسپ شے ہاتھ لگی ہے۔ یہ جرمن ایڈوانس ہیڈکوارٹر کے نام جنگی حکم نامے کی نقل ہے۔ شاید جیپ اُدھر جا رہی تھی۔ نائی ڈرائیور نے سے یہ لڑھک کر گڑھے میں گر پڑی۔ حکم نامے میں لکھا ہے چودھواں پینزر ڈویژن صبح چار بجے ڈنکرک پر حملہ کرے گا اور حملے کی بات یہ ہے کہ حملے کا آغاز جیکوئس کے آبائی قصبے لیمانٹ سے ہوگا۔"

جیکوئس اُچھل پڑا۔ "لیمانٹ!"

"ہاں۔" برنیز نے جواب دیا۔ "اب ہم کلیس نہیں لیمانٹ جائیں گے۔ لگتا ہے بروقت ہمیں ایک ہدف میسر آ گیا ہے۔ یہاں ہماری صلاحیتوں کا امتحان ہونے والا ہے۔ ہم ہر ممکن کوشش کریں گے کہ حملے کا آغاز ہی نہ ہو سکے۔"

برنیز نے گھڑی کی طرف دیکھا جو اس نے کالبورن سے مستعار لی تھی۔ اس وقت بارہ بج کر پچیس منٹ ہوئے تھے۔

❖ ❖ ❖

وہ لیمانٹ کے نواح میں پہنچ چکے تھے۔ انہوں نے اپنا ٹینک اُکھر لیا اور جرمن کیریا شارٹ کر کے ایک گڑھے میں دھکیل دیا۔ برنیز نے گھڑی دیکھی۔ ۱۲۔۴۵ کا وقت تھا۔ کالبورن نے توپ اور جیاشین گن سنبھال رکھی تھی۔ شروع میں برنیز اور جیکوئس کھڑے تھے۔ جیکوئس نے بتایا وہ قصبے کے جنوبی حصے کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ "اس لیے انتہائی محتاط ہونے کی ضرورت ہے۔" برنیز نے پوچھا ٹینک کو پارک کرنے کی بہترین جگہ کون سی ہے تاکہ قصبے میں داخل ہونے سے پہلے اچھی طرح ریکی کر لی جائے۔

جلد ہی وہ ایک شکستہ سی حویلی کے قریب پہنچے۔ اس کے سامنے دو تین برباد شدہ ٹرک پڑے تھے۔ یہ فرانسیسی فوج سے تعلق رکھتے تھے۔ کالبورن نے خاص طور پر اُن کی جانچ پڑتال کی۔ ایک ٹرک میں دھماکہ خیز بارود وافر مقدار میں موجود تھا۔ "اس سے اونٹا وا جیسا بڑا شہر اُڑایا جا سکتا ہے۔" اس نے کہا۔ "میں بچپن سے دھماکوں میں دلچسپی لے رہا ہوں۔ یہی جنون مجھے برطانوی فضائیہ میں لے آیا۔"

برنیز اس دوران میں جیکوئس کے ساتھ مل کر قصبے کی ریکی کرنے کا پروگرام بنا رہا تھا۔ جیکوئس کا کہنا تھا انہیں اس کے باپ کے گھر چلنا چاہیے جو لیمانٹ کے وسط میں ایک بلند پہاڑی پر واقع ہے۔ وہاں سے ایک ہوائی اڈا بھی صاف نظر آتا ہے۔ ممکن ہے جرمنوں نے اڈے پر ٹینک ڈویژن یا گولہ بارود جمع کر رکھا ہو۔

❖ ❖ ❖

برنیز نے ایک بار پھر گھڑی دیکھی۔ رات کے دو بج کر پچیس منٹ ہو رہے تھے۔ انہوں نے ریکی مکمل کر لی تھی۔ پورا قصبہ تقریباً اُجاڑ پڑا تھا۔ لوگوں نے جرمنوں کے خوف سے گھر بار چھوڑ دیے تھے۔ جیکوئس کو وہ ماحول وحشت خیز سا لگا جہاں اس نے بچپن میں پرورش پائی تھی۔ وہ اپنے ہمجولیوں کے ساتھ اس کی گلیوں میں کھیلتا رہا تھا مگر آج اس کالی رات کو اُسے کوئی ساتھی نظر نہ آ رہا تھا۔ اس نے کئی گھروں میں دستک دی مگر ویرانوں میں صدائے بازگشت کے سوا کوئی جواب نہ ملا۔ مزید جانچ پڑتال سے پہلے وہ ایک بار واپس چلے آئے۔ برنیز نے کالبورن اور رینالڈ کو بتایا کہ وہ جیکوئس کے گھر جا رہے ہیں۔ اشارے سے اس کا مقصد واضح کر دیا۔ پھر اُنہیں ہدایت کی

کہ وہ خاموش بیٹھے رہیں اور کوئی نئی مصیبت نہ کھڑی کریں کیونکہ وہ اپنے سفر کے آخری مرحلے میں داخل ہو گئے ہیں اور اس مرحلے پر وہ کسی مصیبت کے متحمل نہیں ہو سکتے۔

وہ احتیاط سے قصبے میں داخل ہو گئے۔ پہلے وہ ایک دو منزلہ مکان کے سامنے کسی جرمن سنتری کو دیکھ چکے تھے۔ وہ اب وہاں موجود نہ تھا، بلکہ ایک خالی موٹر سائیکل کھڑی تھی۔ برنیز کے ذہن میں تجسس نے سر ابھارا اور وہ اس مکان کی طرف بڑھنے لگا۔ جیکوئس چند قدم پیچھے پیچھے آ رہا تھا۔ برنیز کو مکان کے عقبی روشندان میں سے روشنی دکھائی دی۔ اس نے اپنے آپ کو زمین پر گرا لیا اور رینگ کر عقبی دیوار کی طرف بڑھا۔ سوائے ہلکی سی سرسراہٹ کے کوئی آواز پیدا نہ ہو رہی تھی۔ اچانک اُسے اپنے سامنے خندق دکھائی دی۔ اُس نے آخری لمحے زمین سے بالکل چمٹ جانا چاہا، لیکن اُس کا سر پھر بھی قدرے بلند رہا۔ دفعتاً اُسے زمین و آسمان گردش کرتے محسوس ہوئے۔ کسی نے رائفل کا بٹ اس زور سے اُس کے سر پر دے مارا کہ وہ ہوش و حواس کھو بیٹھا۔

جب وہ جاگا، تو اُسے جسم میں بیماری کا احساس ہوا۔ اُس کے دماغ میں ہتھوڑے سے برس رہے تھے۔ اُس نے بڑی مشکل سے آنکھوں کی پلکیں اوپر اٹھائیں، شاید وہ سکنے کی بنی ہوئی تھیں۔ چندھیا دینے والی روشنی اس کی آنکھوں میں داخل ہوئی۔ وہ دوبارہ آنکھیں بند کرنے پر مجبور ہو گیا۔ انگریزی میں کوئی بولا: "سارجنٹ برنیز، بڑی خوشی ہے کہ تم ٹھیک ہو رہے ہو۔"

برنیز نے ایک جھٹکے سے قدرے آنکھیں کھولیں۔ لیمپ کے پیچھے ایک کرسی پر تیس سال کا جرمن افسر براجمان تھا۔ اُس نے چاروں طرف گھمائے، لیکن جیکوئس کہیں دکھائی نہ دیا۔ "فرانسیسی بچہ ان کے ہاتھ نہیں آ سکا۔" اس نے سوچا، "وہ گاؤں میں چھپ گیا ہوگا۔"

"مجھے ٹھیک ٹھیک بتاؤ کب بولنے کے لیے تیار ہو گے؟"

برنیز دل ہی دل میں جرمن کو ملعون کرنے لگا، کیونکہ اُسے ایک کرسی پر بٹھا کر اس کے ہاتھ پیچھے اس کے ساتھ باندھ دیے گئے۔ وہ ذرا بھی حرکت کرنے کے قابل نہ تھا۔ ایک اور باوردی افسر اُس کے عقب سے نمودار ہوا۔ اُس نے بہت سی نوکیلی سوئیاں میز پر پھیلا دیں۔ اور انہیں ایک اسلے میں اس طرح کسنے لگا کہ وہ مضبوطی سے جڑی گئیں۔ تشدد کے اس ہتھیار کا مظاہرہ کرتے ہوئے اُس نے جان بوجھ کر برنیز کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ برنیز سوچ رہا تھا یہ سب اُسے حواس باختہ کرنے کے انتظامات ہو رہے ہیں۔ کرسی پر براجمان افسر بولا: "میں میجر برگ ہوں اور تم یقیناً سارجنٹ برنیز ہو۔" اُس نے ایک برطانوی پے بک میز پر سے اٹھا کر ہوا میں لہرائی۔ "تم حیران ہو رہے ہو گے میں صاف ستھری انگریزی کیسے بول لیتا ہوں۔ تو یہ اس وجہ سے ہے کہ میں لندن میں فوجی اتاشی رہ چکا ہوں۔" پھر اس کا لہجہ بدل گیا۔ اس نے کرخت آواز میں پوچھا: "تمہاری یونٹ کونسی ہے اور برطانوی فوج ہمارے عقب میں کہاں حملہ آور ہو گی؟"

برنیز نے اپنا نام، رینک اور نمبر بتایا اور پھر وہ خاموش ہو گیا۔ تھوڑی دیر بعد اس کا منہ زبردستی کھلوایا گیا۔ دوسرے افسر نے ایک موٹا اور لا دی ڈنڈا اُس کے منہ میں ٹھونس دیا۔ برنیز نے اسے حلق سے نیچے اترتا محسوس کیا۔ افسر نے ڈنڈا باہر نکال لیا۔ برنیز نے خون تھوکا، تو ایک ٹوٹا ہوا دانت بھی باہر گر پڑا۔

"مجھے اس کا تعارف کرا دینا چاہیے،" برگ نے کہا، "یہ کیپٹن ولہم ہے۔ ہم عموماً ہم نرمی سے پوچھ گچھ کرتے ہیں۔ تشدد کا مرحلہ بعد میں آتا ہے اس وقت ہمارے پاس وقت کم ہے اس لیے مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے، پہلے مرحلے ہی میں گسٹاپو کے اس کیپٹن سے تمہارا واسطہ پڑنے والا ہے۔"

برنیز نے دوبارا اپنا نام، رینک اور نمبر بتا دیا۔ "جنیوا کنونشن کے تحت میں یہی معلومات تمہیں بہم پہنچانے کا مکلف ہوں۔" اس کے ہونٹ ایک بار پھر سل گئے۔ کیپٹن ولہم سوئیوں کو ترتیب دینے میں کھو رہا۔

"لیکن تم جاسوس ہو،" برگ نے کہا۔ "اسے وہ کپڑے دکھاؤ جو اس نے گرفتاری کے وقت پہن رکھے تھے۔"

ولہم نے کرسی کے نیچے سے ایک بنڈل نکالا۔ برنیز خوف سے لرز گیا، شاید یہ جیکوئس کے ہوں گے، لیکن بنڈل میں سے اُسے ایک جیکٹ اور نیلی پتلون دکھائی دی۔ یہ لباس کھیتوں میں کام کرنے والا عام فرانسیسی مزدور پہنتا ہے۔ جیکوئس کے کپڑے ان سے مختلف تھے۔

"میں نے زندگی بھر ایسے کپڑے نہیں پہنے۔"

"کیپٹن ولہم تصدیق کر سکتا ہے کہ جب تم بے ہوش تھے تو اگر

وقت تمہارے جسم سے اُتارے گئے۔ ہم کہہ سکتے ہیں تم نے اپنی وردی چھپانے کے لیے انہیں پہن رکھا تھا۔ تمہارے پاس ثبوت کا کوئی ذریعہ نہیں۔" پھر برگ نے اس کی پے بک میز کی دراز میں محفوظ کرتے ہوئے کہا: "یہ تمہارا آخری ثبوت تھا تم اس سے بھی محروم ہو گئے۔۔۔ اب تم ایک جاسوس ہو اور تمہارے ساتھ کوئی بھی سلوک کیا جا سکتا ہے۔"

کیا برگ اس کا مذاق اڑا رہا تھا؟ وہ مالڈا ڈینک اور اپنے ساتھیوں سے صرف پانچ منٹ کے فاصلے پر تھا۔ اس نے اپنا ہدف چن لیا تھا وہ برطانوی توسیعی فورس پر تباہی نازل کرنے کے لیے پر تولنے والے "پورو مریب پینزر ڈویژن" کو ناقابل تلافی نقصان پہنچانا چاہتا تھا۔۔۔ لیکن قسمت کی ستم ظریفی ملاحظہ ہو وہ مقصد کو پانے سے چند لمحے قبل دشمن کی قید میں چلا گیا۔ برگ واقعی اس کی ہنسی اڑا رہا تھا۔

"ہمارے پاس زیادہ وقت نہیں، سارجنٹ برنیز!"

"ہاں، ہم میں سے کسی کے پاس بھی نہیں۔"

"میرے سوالوں کا جواب جلدی دو۔ تمہاری یونٹ کہاں ہے؟ برطانوی فوج کا پلان کیا ہے؟" برگ نے قدرے توقف سے کہا۔

"ولہیم، برنیز جواب نہیں دیتا۔"

ولہیم سیدھا کھڑا ہو گیا۔ اس نے سوئیاں اُوپر اٹھا لیں۔ اُن کے نوکیلے سرے برنیز کے کڑے جسم میں چبھنے کے لیے بے تاب تھے۔ برنیز نے کمرے کا بغور جائزہ لیا۔ اُس نے اپنے آپ کو ہلا جلا کر دیکھا، اُس کا آزاد ہونا مشکل تھا۔ برگ کی کرسی کے پیچھے کھڑکی تھی جس کے پردے گرے ہوئے تھے، لیکن اُن میں سے پتہ چل رہا تھا کہ باہر چاند طلوع ہو چکا ہے۔ ولہیم نے اس کی طرف نپے تلے قدم اُٹھائے۔ برنیز نے نئی صورت کا مقابلہ کرنے کے لیے اپنی تمام تر قوتِ ارادی کو مجتمع کر لیا۔

* * *

رینالڈ کی نظر سنتری اور خالی موٹر سائیکل پر پڑی۔ قصبے میں داخل ہونے کے بعد اُسے پہلی بار زندگی کے آثار دکھائی دیے تھے۔ اُس نے سنتری کی نظروں سے بچنے کے لیے سڑک چھوڑ دی اور ایک بغلی راستہ اختیار کیا جو اُسے کشادہ باغ میں لے گیا۔ اُسے بہترین آڑ میسر آ گئی تھی۔

فوج میں آنے کے بعد پہلی بار اُس نے دو حرکتیں ایسی کی تھیں جو اُسے پریشان کر رہی تھیں۔ اُس نے ایک تو حکم کی سرتابی کی تھی اور دوسرے کیپٹن کی منظوری کے بغیر حرکت میں آ گیا تھا۔ برنیز نے اسے سختی سے ہدایت کی تھی وہ کسی حالت میں بھی ٹینک نہ چھوڑے۔ لیکن برنیز کے واپس نہ آنے کی بنا پر اس پر یہ خیال بُری طرح حاوی ہو گیا کہ اُسے کچھ نہ کچھ ہو گیا ہے۔ یہی سراغ لگانے کے لیے اُس نے خطرہ مول لیا تھا۔ پھر حکم کی سرتابی کا احساس اس کے ضمیر کو جھنجوڑنے لگا۔ وہ سوچتا 'واپس چلے جانا چاہیے' برنیز ناراض ہو جائے گا' پھر خیال آتا 'نہیں نہیں اس کا پتہ کر کے واپس جاؤں گا۔' خاصی دیر تک 'تذبذب میں پڑا رہا' آخر واپس جانے ہی کا فیصلہ ہُوا۔ 'میں پہلے راستے سے نہیں جاؤں گا' سنتری کی نظر پڑ سکتی ہے۔ ممکن ہے یہ راستہ زیادہ محفوظ ہو۔'

درختوں کی شاخوں اور پتوں سے چاند کی روشنی چھن چھن کر نیچے پڑ رہی تھی اور اسی نیم اجالے میں وہ محتاط قدم اُٹھا رہا تھا' اچانک اس کی نظر ایک دو منزلہ مکان پر پڑی جس کے عقبی روشندان اور کھڑکی میں لیمپ کی روشنی جھلملا رہی تھی۔ 'برنیز ہوتا' تو ضرور اس عمارت کا کھوج لگا کے جاتا۔' اُس کے دل سے آواز آئی۔

وہ کھڑکی کی طرف بڑھا۔ پنجوں کے بل اُوپر اُٹھتے ہُوئے اُس نے اندر جھانکا۔ اس وقت کیپٹن ولہیم سوئیاں لے کر برنیز کی کرسی کے پیچھے آ چکا تھا۔ رینالڈ نے اپنے سارجنٹ کو بے یار و مددگار دیکھا' تو وہ انتہائی طیش میں آ گیا۔ وہ اسے رہا کرانے کے لیے سب کچھ کر گزرنے کو تیار تھا۔

وہ باغ میں اُلٹے پاؤں واپس ہُوا' اُس کا ہاتھ مضبوطی سے چاقو کے دستے پر تھا' پھر وہ اس دیوار سے چپک کر دو منزلہ مکان کے صدر دروازے کی طرف بڑھنے لگا' جہاں سنتری پہرہ دے رہا تھا۔ دروازے کے قریب پہنچ کر وہ رُک گیا۔ سنتری کے قدموں کی چاپ سُنائی دے رہی تھی۔ رینالڈ نے زندگی کا خوفناک ترین فیصلہ کیا۔ سنتری ٹہلتا ٹہلتا اس کی طرف آیا تو وہ چیتے کی طرح اُچھل کر اُس کی طرف بڑھا اور پُوری قوت سے چاقو اُس کے سینے میں گھونپ دیا۔ ایک اندوہناک چیخ اُس کے حلق سے نکلی اور پھر وہ زمین پر لوٹ پوٹ رہا تھا۔

رینالڈ نے سنتری کی رائفل پکڑ لی اور اُس کمرے کی طرف دوڑ لگائی جہاں برنیز کسی بھی لمحے موت کے منہ میں پہنچنے والا تھا۔ رینالڈ جانتا تھا یہ سوئیاں زہر میں بجھی ہُوئی تھیں اور جونہی برنیز کے جسم میں داخل ہوں گی' موت اُسے نگل لے گی۔ ایک ایک لمحہ بڑا قیمتی تھا۔

ولہیم اور برگ نے اپنے سنتری کی چیخ سُنی تو کسی انجانے خطرے کا احساس کر کے اُنھوں نے اپنے پستول' ہولسٹر سے نکال لیے۔ ولہیم باہر

دروازے کی طرف بھاگا۔ رینالڈ پہل کر چکا تھا۔ گولیوں کی بوچھاڑ نے اُسے بے بس کر کے رکھ دیا۔ رینالڈ اُس کی موت کی تصدیق کیے بغیر کمرے میں داخل ہو گیا اور آؤ دیکھا نہ تاؤ، برگ پر تڑتڑ گولیاں برسائیں۔ وہ پھرتی سے میز کے پیچھے ہو گیا۔ رینالڈ ایسے زاویے سے فائر کر رہا تھا کہ اگر نال کو ذرا سا بھی نیچے کرتا تو برینیز زد میں آ سکتا تھا۔ برینیز نے صورتِ حال بھانپ لی اور ایک زبردست جھٹکے سے کرسی سمیت اپنے آپ کو زمین پر گرا لیا۔ رینالڈ کا کام آسان ہو گیا۔ اس دوران میں برگ بھی فائر کر چکا تھا جو رینالڈ کی ٹانگوں کے درمیان سے نکل گئے۔ زاویہ بدل کر رینالڈ نے برگ کی کھوپڑی کا نشانہ لیا اور ٹریگر دبا دیا۔ خون کا فوارہ اس کے سر سے اُبل پڑا۔

وقت ضائع کیے بغیر رینالڈ نے برینیز کی رسیاں کاٹ دیں۔ دونوں جلدی سے باہر بھاگے۔ برینیز آگے تھا اور رینالڈ پیچھے۔ کیپٹن ولہم ابھی ہوش میں تھا لیکن اس کا پستول ہاتھ سے چھوٹ کر دور جا گرا تھا۔ اپنا شکار دیکھ کر اُس نے پستول کی طرف ہاتھ بڑھایا اور پھر اندھا دھند رینالڈ پر فائر داغنے ــــ گولیاں اُس کے پیٹ میں لگیں اور وہ چکرا کر گر پڑا۔ برینیز ہوشیار ہو گیا اور پینترا بدل کر ولہم پر جھپٹا۔ اُس نے فوجی بُوٹ سے برگ کے سر پر شدید ضرب لگائی اور پھر اس کا پستول چھین کر پُورا اسی پر خالی کر دیا۔ ولہم کا بھیجا باہر اُبل پڑا۔

برینیز نے رینالڈ کی طرف توجہ دی۔ اُس کی حالت غیر ہُوئی جاتی تھی اس وقت اُسے اُٹھا کر لے جانا بھی مشکل تھا۔ وہ زخموں سے پہلے ہی ادھ موا تھا۔ "خدا کو منظور ہُوا، تو تم بھی منزل کو پا لو گے۔" اُس نے رینالڈ کو مخاطب کرتے ہُوئے کہا، "مجھے اب ایک ایسا آپریشن کرنا ہے جو جنگی تاریخ میں انقلاب لا سکتا ہے، اس لیے تمہیں ساتھ لے جانے سے قاصر ہُوں۔ تم یہاں ایک کمرے میں لیٹ رہو۔ زندہ وطن پہنچ گئے تو پھر ملیں گے۔ خدا حافظ۔"

❖ ❖ ❖ ❖

مالڈا ٹینک کا عملہ گھٹ کر صرف دو آدمیوں تک رہ گیا۔ تین بجکر بیس منٹ پر وہ حرکت میں آنے کے لیے تیار ہو گئے۔ کالبورن نے گن پوزیشن سنبھال لی اور برینیز مالڈا ٹینک کے آخری سفر پر خود اسے چلا رہا تھا۔

"کیا خیال ہے تمہارا، یہ منصوبہ کام دے گا؟" برینیز نے انجن اسٹارٹ کرنے سے پہلے پوچھا۔

"اگر یہ چاہتے ہو کہ چند فائر کر کے گولے بارود کا ذخیرہ اُڑا دو، تو یہ کوشش ناکام ثابت ہو گی۔ بہتر یہ ہے کہ ٹینک وہاں گھسیڑ دیا جائے اور پھر دُور بیٹھ کر آتش گیر مادے کا دھماکہ کر دیا جائے۔"

"لیکن دھماکہ وقت سے پہلے ہو گیا تو؟" برینیز نے تشویش کا اظہار کیا۔

"کرنٹ دینے سے پہلے اگر یہ سوئچ آن نہ کیا، تو دھماکہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔ یہ بات اچھی طرح نوٹ کرو۔ میں دوبارہ بتائے دیتا ہُوں، سوئچ آن کیے بغیر دھماکہ نہیں ہو گا۔"

برینیز کی گمشدگی کے دوران میں کالبورن نے تباہ شدہ ٹرکوں کے قریب پڑا ہُوا تمام دھماکہ خیز مادہ، ٹینک کے اندر رکھ دیا اور پھر دھماکہ کرنے کے لیے دیگر انتظامات بھی پُورے کر لیے تھے۔ اب ان کا پروگرام یہ تھا کہ لیبانٹ کے اڈے پر کھڑے ہُوئے پینزر ٹینکوں اور گولہ بارود کے ذخیرے کو اُڑا دیا جائے تاکہ جنرل سمرنج طے شدہ منصوبے کے مطابق ٹوبرک پر چڑھائی نہ کر سکے۔

"تو اب ہمیں چلنا چاہیے۔" برینیز نے کہا۔

تین منٹ بعد ٹینک، قصبے کی گلیوں اور سڑکوں پر پُوری رفتار سے دوڑ رہا تھا۔ اس کی بتیاں روشن تھیں۔ کالبورن سوراخ میں کھڑا ہو کر انٹرکام پر برینیز کو ہدایات دے رہا تھا، "سارجنٹ، ہم ایک چوک کی طرف بڑھ رہے ہیں، وہاں بعض عمارتوں میں روشنی کی جھلک دکھائی دیتی ہے، ممکن ہے جرمن فوجی ہوں اور ہمیں کسی مصیبت کا سامنا کرنا پڑے۔"

برینیز نے رفتار اور تیز کر دی۔ چوک میں کوئی شخص نہ تھا، لیکن جونہی وہ دائیں طرف مُڑے، کالبورن نے پھر خطرے سے خبردار کیا، "سامنے دو موٹر سائیکل موجود ہیں، ان کی بتیاں روشن ہیں، لیکن قریب کوئی آدمی دکھائی نہیں دیتا۔" برینیز نے رفتار مزید بڑھا دی۔ کالبورن کے اعصاب تن گئے۔ ٹینک، موٹر سائیکلوں کے قریب گزر گیا۔

کالبورن کی آواز انٹرکام پر لرزی، "ایک موٹر سائیکل ہمارے تعاقب میں ہے۔"

برینیز نے سوچا، کاش! انٹرکام دو طرفہ ہوتا اور وہ کالبورن کو ضروری احتیاطی تدابیر سے آگاہ کر سکتا۔

کالبورن اتنی دیر میں کوئی فیصلہ کر چکا تھا۔ موٹر سائیکل قریب آئی تو اُس نے ایک گرنیڈ اس پر پھینکا، دھماکہ ہُوا، پھر اس نے ایک اور گرنیڈ اُچھالا۔ دوسرے دھماکے کی روشنی میں اس نے موٹر سائیکل کا تباہ شدہ ملبہ دیکھا۔

"خطرہ ٹل چکا ہے۔" انٹرکام پر اُس نے برینیز کو اطمینان دلایا۔

مانڈرا ٹینک، جرمن مقبوضہ قصبے کی گلیوں اور سڑکوں پر اِدھر اُدھر چکر کاٹتا ہوائی اڈے کے قریب نہر کے کنارے پہنچ چکا تھا۔ نہر کے دوسری طرف پہاڑ تھا اور اس سے پرے ہوائی اڈہ جو ان کا ہدف بننے والا تھا۔

نہر کے کنارے سڑک کے ساتھ ساتھ عمارتوں کا سلسلہ دُور تک چلا گیا تھا۔ سب عمارتیں ویران پڑی تھیں۔ اچانک ایک مکان کی تیسری منزل کی کھڑکی کھلی اور لالٹین کی مدھم روشنی میں کسی جرمن فوجی کا چہرا انہیں گھورنے لگا۔ قبل اس کے وہ مانڈرا ٹینک کو شناخت کر سکتا، کالبورن نے مشین گن کا ایک برسٹ مارا۔ جرمن کی لاش تیسری منزل سے مُردہ کبوتر کی طرح نیچے لڑھک آئی۔ "حرامی!" کالبورن بڑبڑایا۔ "کسی فرانسیسی عورت کے ساتھ لیٹا ہوگا!"

انہیں نہر کا پہلا پُل عبور کر کے سڑک چھوڑ کر پہاڑ کے ساتھ ساتھ جانا تھا۔ سیدھے راستے سے ہوائی اڈے پر خفیہ آپریشن کرنا ممکن نہ تھا۔ تحیّر (SURPRISE) کا فائدہ اُٹھانے کے لیے انہیں ایک تنگ سے درے کے ذریعے ہوائی اڈے میں داخل ہونا تھا۔ گولہ بارود کا بہت بڑا ذخیرہ بھی اُدھر سے قریب تھا۔

پُل پار کرنے کے بعد برنیئر نے گھڑی پر نگاہ ڈالی۔ ۲۔۴۰ ہو رہے تھے۔ جیرین زیرو آور میں بیس منٹ باقی تھے۔

۞ ۞ ۞

پہاڑ کے گرد چکر کاٹ کر مانڈرا ٹینک ایک تنگ سے درے کے سامنے کھڑا تھا۔ یہ بیس تیس گز سے زیادہ لمبا نہ تھا لیکن چوڑائی بہت ہی کم تھی۔ برنیئر نے سامنے شیشوں میں دیکھتے ہوئے ٹینک اس میں داخل کرنے کی کوشش کی، مگر وہ بغل چٹان سے جا ٹکرایا۔ ٹینک درے میں داخل نہ ہو سکا۔ اس نے پھر کوشش کی، یہ بھی ناکام ثابت ہوئی۔ اب وہ ٹینک کو قدرے پیچھے لے گیا اور درے کے بالکل سیدھ میں کر دیا۔ پھر اسٹیئرنگ کو مضبوطی سے تھام لیا تاکہ پہیے ایک انچ بھی اِدھر اُدھر نہ ہوں۔ ایک دم رفتار تیز کر دی۔ زبردست رگڑ کے بعد ٹینک درے میں داخل ہو گیا اور آنکھ جھپکنے میں پار پہنچ گیا۔ آغازِ صبح کی دھند میں ہوائی اڈہ دکھائی دے رہا تھا۔ بیسیوں ٹینک کھڑے تھے کچھ حرکت کر رہے تھے اور کچھ حرکت کے لیے تیار ہو رہے تھے۔ ان کے بالکل سامنے اسلحے کا ڈمپ تھا اور اس سے قریب ٹینک مرمت کرنے کی ورکشاپ تھی۔ یہاں ایک ٹینک کے گرد کچھ لوگ جمع تھے۔

برنیئر نے سانس روک لیا۔ اس کی گھڑی صبح کے ۲۔۴۸ بجا رہی تھی۔ جرمن حملے میں صرف بارہ منٹ باقی تھے۔ اُس نے ٹینک کو پوری رفتار دے دی۔ خاردار تاریں پہیوں کے نیچے دب گئیں اور ٹینک ڈمپ کے دہانے کے سامنے رُک گیا۔ جرمن ٹینک مرمت کرنے والے فوجی اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ وہ اسلحے سے لیس نہ تھے، اس لیے کچھ نہ کر سکے۔ کالبورن نے مشین گن کی ایک بوچھاڑ سے انہیں بھون کر رکھ دیا۔ برنیئر نے ٹینک گھما کر ڈمپ کے اندر داخل کر دیا۔ اندر ہر قسم کا سیکڑوں ٹن اسلحہ ڈھیر کیا ہوا تھا۔ پھر وہ جلدی جلدی باہر کی طرف دوڑے۔ کالبورن نے بیٹری اُٹھا رکھی تھی اور برنیئر پیچھے پیچھے تار پھیلا رہا تھا۔ وہ پہاڑ کے دہانے کے پار پہنچ کر تار کو بیٹری سے جوڑنا چاہتے تھے۔

تین بج کر پچیس منٹ پر دھماکے کے لیے انہوں نے ضروری انتظامات کر لیے۔ برنیئر نے سانس روک کر تار بیٹری سے جوڑا۔ لیکن آخری موقع پر قسمت اس کا ساتھ چھوڑ گئی۔ کوئی دھماکا نہ ہوا۔

"میں سوئچ آن کرنا بھول گیا۔" اُس نے کالبورن کو ٹوٹتی ہوئی آواز میں بتایا۔

"میں خود یہ کام کرنے جاؤں گا۔" کالبورن نے پیش کش کی۔ وہ جانتا تھا دوبارہ وہاں جانا موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالنے کے مترادف ہے۔ محافظ چوکنا ہو چکے ہوں گے۔

زیادہ سوچنے کا وقت نہ تھا۔ برنیئر نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اُسے خدا حافظ کہہ کر رخصت کیا۔ کالبورن کے پاس مشینی پستول تھا۔ وہ درے سے گزر کر اسلحے کے ڈمپ کی طرف بڑھا، تو اس نے دیکھا نامعلوم سمت سے کئی جرمن فوجی اُسے گھیر رہے تھے۔ اس نے نیم دائرہ بناتے ہوئے مشینی پستول گھمایا اور ٹریگر دبا دیا۔ چار جرمن مر کر ڈھیر ہو گئے۔ ایک جرمن لڑکھڑاتا ہوا اس کی طرف بڑھا۔ دوسرے برسٹ نے اس کا کام تمام کر دیا۔ کالبورن دوڑ کر ڈمپ میں داخل ہو گیا۔ ٹینک کے سوراخ کا ڈھکن کھولا اور اندر اُتر کر سوئچ آن کر دیا۔ پھر اُس نے ڈھکن مضبوطی سے بند کیا اور ڈمپ سے باہر نکل آیا۔ چار جرمنوں سے اُس کا آمنا سامنا ہو گیا۔ نشانہ لینے کا سوال پیدا نہ ہوتا تھا۔ اس نے اندھا دھند گولیاں برسائیں۔ لیکن خود پر بھی چاروں طرف سے گولیوں کی بارش ہو رہی تھی۔

فضا میں تباہ ہونے والے طیارے سے بچ نکلنے والا آرسے کا یہ کینیڈین پائلٹ زخموں سے لہولہان لیمانٹ کے اڈے پر آخر



سانس لے رہا تھا۔

برنیز نے تھوڑی دیر تک اُس کا انتظار کیا۔ وہ بار بار گھڑی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ تین بج کر اٹھاون منٹ پر اُس کا پیمانۂ صبر لبریز ہو گیا۔ جرمن حملے کا آغاز ہونے میں صرف دو منٹ باقی تھے۔ اُس نے اپنی زندگی کا سب سے اہم مشن پایۂ تکمیل کو پہنچانے کے لیے تار سل کو بیٹری سے جوڑ دیا۔ . . . . .

⁂ ⁂ ⁂

اگلے ہی لمحے دنیا لرز اُٹھی۔

پہلے دھماکے کی دو لہریں بلند ہوئیں۔ ایک لہر ٹینک کے پھٹنے کی وجہ سے پیدا ہوئی اور دوسری ڈمپ کے گولہ بارود کو آگ لگنے سے ـــــ اور پھر دھماکوں کا لامتناہی سلسلہ شروع ہو گیا۔ فضا میں سینکڑوں فٹ کی بلندی تک دُھواں ہی دُھواں تھا اور لوہے کے لال انگارہ ٹکڑے دُور دُور تک بکھر گئے۔ جو دھواں پینزر ڈویژن حرکت میں آنے سے دو منٹ قبل مہیب تباہی کی لپیٹ میں آ گیا۔

ہوائی اڈے سے ملحق وہ فارم تھا جہاں جنرل شارٹ کا ہیڈ کوارٹر قائم تھا۔ میئر حواس باختہ ہو کر اپنے کمرے سے نکلا۔ اُس کی پیشانی سے خون بہہ رہا تھا۔ وہ جنرل شارٹ کے کمرے میں داخل ہوا۔ فرش پر جنرل کی خون میں لت پت لاش پڑی تھی۔ گولے کا کوئی ٹکڑا چھتی دیوار چیر کر اُس کے سینے میں جا گھسا تھا۔ میئر نے جلدی سے ٹیلی فون اُٹھایا۔ یہ ابھی کام کر رہا تھا۔ اُس نے ایڈوانس ہیڈ کوارٹر سے رابطہ قائم کیا۔ لائن کے دوسرے سرے پر کرنل کیلر بول رہا تھا۔

"کیلر! میں میئر ہوں۔ جنرل شارٹ مر چکا ہے۔ برطانوی فوج نے ہم پر جنوب سے حملہ کر دیا ہے۔ ڈنکرک پر حملے کے احکام فوری طور پر منسوخ کر دو۔ کیا تم سمجھ گئے ہو۔ . . . . ؟" گفتگو ادھوری رہ گئی۔ ٹیلی فون لائن کہیں سے کٹ چکی تھی، لیکن میئر مطمئن تھا کہ اس کا پیغام کیلر تک پہنچ گیا ہے۔

دھماکوں کا ایک نیا سلسلہ شروع ہو گیا۔ گولے بارود کے ایک اور ذخیرے نے آگ پکڑ لی تھی۔ میئر پاگلوں کی طرح پناہ کی تلاش میں دوڑا۔ بم کا ایک اور ٹکڑا اُس کی زخم خوردہ پیشانی پر لگا اور وہ چکرا کر گر پڑا۔ . . . .

⁂ ⁂ ⁂

لیفٹیننٹ جین فریزر بنڈ، چودھویں فرانسیسی ڈویژن سے متعلق تھا۔ اُس کی یونٹ ڈنکرک پیری میٹر کے دفاع کے لیے ایڈوانس پوزیشن میں متعین تھی۔ ٹیلی فون کرتے کرتے اُس نے اچانک اپنے برطانوی رابطہ افسر کو بلایا۔ اُس کی نظر ایک دیوے پر جمی تھی۔

ایک شخص زیرِ آب سڑک پر سائیکل پر سوار اُن کی طرف آ رہا تھا۔ پانی کی گہرائی میں اضافہ ہو رہا تھا۔ سائیکل آہستہ آہستہ ڈوبتی جا رہی تھی، دفعتہً یہ بالکل غائب ہو گئی اور اس پر سوار شخص غوطے کھانے لگا۔

برطانوی رابطہ افسر، لیفٹیننٹ طرسنے دُوربین کے ذریعے سائیکل سوار شخص کی وردی شناخت کر لی تھی۔ وہ فوراً اُس کی مدد کو دوڑے اور اُسے نیم بے ہوشی کی حالت میں خشکی پر کھینچ لائے۔ سارجنٹ برنیز بالآخر اتحادی فوج سے رابطہ قائم کر چکا تھا۔ اُس نے دو روز ڈنکرک فیلڈ ہسپتال میں گزارے۔ پھر اُس نے صاف ستھرے کپڑے پہن کر اچانک ٹہلنا شروع کر دیا۔ "میں بیمار ہرگز نہیں، صرف تھکا ماندہ ہوں۔" یہ فقرہ اُس نے اس بنا پر کہا تھا کہ صرف صحت مند افراد ہی کو ڈنکرک سے نکالا جا رہا تھا۔

جرمنوں کی شدید بمباری کے سائے میں اُس نے رودبارِ انگلستان پار کی اور ڈوور میں وطن کی سرزمین کو چوم لیا۔

بندرگاہ میں وہ چہروں کی طرف گھورتا رہا۔ دو آدمی ایک معذور فوجی کو گاڑی میں سوار کرا رہے تھے۔ برنیز نے چلا کر کہا "رینالڈ۔"

رینالڈ نے آنکھیں کھول کر اُس کی طرف دیکھا۔ "یہ دونوں مجھے یسانٹ سے بچا کر لائے ہیں۔"

گاڑی کھچا کھچ بھری ہوئی تھی۔ ملٹری پولیس کے ممبر نے تیسری بار برنیز سے سوال کیا "تم کہاں جانا چاہتے ہو؟"

اور برنیز نے تین بار یہی جواب دیا "کولچیسٹر۔"

کولچیسٹر میں اس کی آرمرڈ یونٹ کا مرکز تھا اور وہ وہاں پہنچ کر ایک نیا ٹینک حاصل کرنا چاہتا تھا۔

■ ■


کتب میلہ
ہمت مرداں



ہمتِ مرداں

دوسری جنگِ عظیم کا ایک ہیبت ناک واقعہ
ایک برطانوی نژاد باشندے کو پیش آنے والے عذاب کا نوحہ
اُس خدا کے بندے نے بھی ہمت نہ ہارنے کا تہیہ کر لیا تھا

"انگریز جاسوس" روسی فوجی افسر کرخت لہجے میں چلایا اور دوسرے سپاہیوں نے اپنی ٹامی گنیں میری جانب تان لیں۔

میرا کلیجہ اچھل کر حلق میں آ گیا اور میں نے کوئی مزاحمت کیے بغیر ہاتھ اوپر اٹھا دیے۔ روسی افسر نے اپنی رائفل سے جھاڑیوں کی طرف اشارہ کیا۔ ایک سپاہی نے آگے بڑھ کر مجھے زور سے دھکا دے کر اُدھر جانے کا حکم دیا اور دوسرے نے میرے ہاتھ سے سُوٹ کیس چھین لیا۔ انھوں نے مجھے ایک درخت کے ساتھ کھڑا کر دیا اور رائفل کی نال میرے سر سے لگا کر اپنے افسر کے حکم کا انتظار کرنے لگے۔

"اس کی اچھی طرح تلاشی لو۔" حکم ملا۔ سپاہیوں نے فوراً مجھے برہنہ کر دیا اور میرے کپڑوں کی اچھی طرح چھان بین کی۔ خدا کا شکر ہے کہ میرے پاس سوائے ایک شکاری چاقو کے اور کچھ نہ تھا جو ایک سپاہی نے اپنے افسرِ اعلیٰ کو دے دیا۔ اس کے بعد انھوں نے مجھے دوبارہ کپڑے پہننے کی اجازت دے دی، تاہم ان کی رائفلیں اب بھی میری جانب اٹھی ہوئی تھیں۔

"سچ بتاؤ تم غیر قانونی طور پر جرمنی میں کیوں آئے؟"

"میں اپنی منگیتر سے ملنے آیا ہوں۔"

"تم نے رُوس کا ویزا کیوں نہیں لیا؟"

"مجھے اس کا موقع نہیں ملا، کیونکہ میں مغربی جرمنی میں بلا پرمٹ آیا تھا۔"

"تم جھوٹ بولتے ہو۔" افسر نے غصے سے سرخ ہو کر کہا۔ "تم انگریز جاسوس ہو۔ ہم اچھی طرح جانتے ہیں۔"

مَیں خاموش رہا، کیوں کہ جانتا تھا کہ اگر ان سرپھرے فوجیوں سے بحث کی تو یہ مجھے کتے کی موت مار ڈالیں گے۔

واقعہ یہ تھا کہ مَیں نے دوسری جنگِ عظیم کے دوران میں برطانوی سپاہی کی حیثیت سے شرکت کی تھی اور ترقی کرتے کرتے میجر کے عہدے تک پہنچا تھا۔ مَیں بارہا امریکی جاسوسوں کے ساتھ مل کر نازی جرمنی گیا تھا اور اپنی حکومت کے لیے جاسوسی کے خطرناک ترین فرائض سرانجام دیے تھے اور ایک مرتبہ بھی پکڑا نہیں گیا۔ جنگ ختم ہونے کے بعد مَیں جرمنی سے واپس انگلستان گیا اور موٹر کار بنانے والی ایک کمپنی میں ملازمت



یاسمین ساجد

حاصل کرلی۔ جنگ کے دوران، جب کہ میں جرمنی میں قیام پذیر تھا، مجھے ایک لڑکی سے محبت ہو گئی اور میں نے اس سے شادی کرنے کا عہد کیا تھا اور میں اس عہد کو نبھانے کے لیے ناجائز طور دوبارہ مشرقی جرمنی میں داخل ہوا تھا جو روس کے قبضے میں آچکا تھا، لیکن اس مرتبہ قسمت نے دھوکا دیا اور نہ جانے ان لوگوں کو کیسے شک ہو گیا کہ میں جاسوس ہوں، حالاں کہ میرے پاس کوئی ایسی شے نہ تھی۔ جرمنی بالکل اہلِ زبان کی طرح بولتا تھا اور مجھے اس پر فخر تھا کہ میں جرمن زبان پر عبور حاصل کر چکا ہوں۔ انھوں نے میرا برطانوی پاسپورٹ بھی چھین لیا جس پر میرا نام اور پتا درج تھا۔

روسی سپاہی مجھے قریب ہی ایک چوکی پر لے گئے جہاں مجھے اعلیٰ افسروں کی ایک جماعت کے سامنے پیش کیا گیا۔ ان کم بختوں نے رات گیارہ بجے تک مختلف قسم کے سوالات کر کر کے میرا ناطقہ بند کر دیا، لیکن میں نے جو بیان پہلے دیا تھا، وہی دُہراتا رہا اور اس سے سرِمُو انحراف نہ کیا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ ان افسروں اور سپاہیوں میں سے کوئی بھی انگریزی اور جرمن زبان سے پوری طرح واقف نہ تھا۔ وہ صرف چند ٹوٹے پھوٹے الفاظ بولنے پر قادر تھے۔ تنگ آکر انھوں نے مجھے ایک کوٹھری کے اندر بند کر دیا جہاں صرف ایک چارپائی پڑی تھی۔ صبح نو بجے مجھے ایک سپاہی نے آکر جگایا اور اپنے ساتھ چوکی کے بڑے کمرے میں لے گیا جہاں ایک روسی میجر اور ایک کپتان میرا بیان لینے آئے تھے۔ ان کے ساتھ ایک عورت بھی تھی جو ترجمانی کے فرائض ادا کرتی تھی۔

میجر نے مجھے خونخوار نظروں سے دیکھا اور میز کی دراز میں سے میرا پاسپورٹ نکال کر اس پر لگی ہوئی تصویر سے مجھے شناخت کیا پھر اس نے ترجمان خاتون کی معرفت مجھ سے پوچھا۔

"تم اپنی حکومت کی اجازت کے بغیر ہمارے علاقے میں ناجائز طور پر کیوں داخل ہوئے؟"

"جناب، یہ میرا پاسپورٹ اس بات کی ضمانت ہے کہ میری حکومت نے مجھے یہاں آنے کی اجازت دی ہے۔" میں نے مؤدبانہ انداز میں جواب دیا۔ "اس پاسپورٹ کے ذریعے میں دنیا کے ہر ملک میں اپنی مرضی سے جا سکتا ہوں۔"

میرے اس احمقانہ جواب پر وہ مسکرایا اور بولا۔

"تم ہمیں بے وقوف بنانے کی کوشش مت کرو ہم جانتے ہیں کہ تم اپنی حکومت کے ایجنٹ ہو۔ یہ پاسپورٹ جس کے ساتھ تمھاری وزارتِ خارجہ کا مخصوص اجازت نامہ بھی منسلک ہے، عام شہریوں کو کبھی جاری نہیں کیا جاتا۔ بتاؤ تمھارے پاس اس کا کیا جواب ہے؟"

میں لاجواب ہو کر چپ رہا۔ میجر نے اب ایک نقشہ نکال کر میرے سامنے پھیلا دیا۔ یہ نقشہ انھوں نے میرے سوٹ کیس میں سے برآمد کیا تھا۔ یہ یورپ کا ایک ایسا نقشہ تھا جو دنیا بھر میں اسٹیشنری کی ہر دکان پر مل جاتا تھا۔ اس میں کوئی خاص بات نہ تھی۔ میجر نے مجھ سے پوچھا۔

"تم نے یہ نقشہ اپنے سوٹ کیس میں کس لیے چھپایا؟"

"جناب، میں نے اسے ہرگز نہیں چھپایا اور اس میں چھپانے والی بات ہی کون سی ہے۔ میں ایک سیاح کی حیثیت سے یہاں آیا ہوں اور جرمنی چوں کہ یورپ میں ہے، اس لیے میں نے اپنی سہولت کے لیے یہ نقشہ اپنے پاس رکھ لیا تھا۔"

"بکواس بند کرو۔" میجر طیش میں آکر دھاڑا۔ "ہم اتنے نادان نہیں کہ تمھاری اس چالبازی کو سمجھ نہ سکیں۔ ارے بے وقوف، کوئی جاسوس غیر ملک میں سرکاری نقشہ لے کر نہیں آیا کرتا، سبھی جاسوس ایسے معمولی نقشے لیے پھرتے ہیں تاکہ کوئی شک نہ کرے۔ تم اپنے آپ کو برطانوی شہری کہتے ہو اور آٹو موبائل ایسوسی ایشن میں کام کرتے ہو جیسا کہ تمھارے کاغذات ظاہر کر رہے ہیں، لیکن یہ سب کچھ فراڈ ہے۔ تم برطانیہ کی سیکرٹ سروس سے تعلق رکھتے ہو۔ ابھی تم سب کچھ بکو گے۔ بہرحال پہلے یہ بتاؤ کہ مغربی جرمنی میں برطانیہ کے جو فوجی اڈے قائم ہیں، ان کی پوزیشن کیا ہے؟"

میں نے سوچا کہ خاموش رہنا ٹھیک نہیں، مزید جھوٹ بول کر انھیں بے وقوف بنانا بہتر ہے۔ پس میں نے کہا۔

"برطانیہ کا سب سے بڑا فوجی اڈا ہینوور میں ہے جہاں دس ٹینک ڈویژن موجود ہیں۔"

"ناممکن... قطعی ناممکن... تم جھوٹ بول رہے ہو۔" میجر کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔ "بہرحال بولے جاؤ۔"

اب میں نے اُسے ہینوور کے اڈے کے بارے میں تفصیل سے ساری معلومات بتائیں جو سراسر جھوٹ تھیں۔ خاتون ترجمان نے میرے الفاظ کا رُوسی زبان میں ترجمہ کیا۔ میجر غور سے سُنتا رہا۔ کئی بار اس نے گردن ہلائی۔ پھر بولا۔

”بہت خوب... اب تم مجھے اپنی ملٹری سروس کے بارے میں کچھ بتاؤ۔ میں ایک ذمے دار روسی افسر کی حیثیت سے وعدہ کرتا ہوں کہ اگر تمھاری بیان کردہ اطلاعات درست پائی گئیں، تو تمھیں فوراً رہا کر دیا جائے گا۔ ہاں اب شروع ہو جاؤ۔“

میں نے اس پر مزید اعتماد بٹھانے کے لیے کہا۔

”جناب، یقین کیجیے کہ میں نے اب تک جو معلومات آپ کو دی ہیں، انھی کی بنیاد پر مجھے انگلینڈ پہنچتے ہی شوٹ کر دیا جائے گا، اس لیے میری جاں بخشی کر دیں، تو اچھا ہے۔“

”گھبراؤ مت۔“ میجر نے نرم لہجے میں کہا۔ ”ہم تمھارا بیان خفیہ رکھیں گے اور تمھاری حکومت تک اس کے بارے میں کوئی خبر پہنچنے نہ پائے گی، اس لیے تم پورے اطمینان سے ساری بات بتا دو۔ تم برطانوی فوج میں کیا کام کرتے ہو؟“

”میرا کام دہشت پسند گروہ کے ساتھ مل کر تخریبی کارروائیاں کرنا ہے، مثلاً جرمن فوجی ٹرینوں کو بم سے اڑانا... ہوائی جہاز تباہ کرنا... اور آہنی سیف وغیرہ توڑنا۔“

میجر نے میز پر گھونسا مارا۔ ”آہ... مجھے پہلے ہی شبہ تھا کہ تم اس گروہ کے رکن ہو جس نے فرانس میں ملٹری سیف توڑ کر خفیہ دستاویزیں نکالی تھیں۔ تمھارا کیس معمولی نوعیت کا نہیں۔ تمھیں اب اعلیٰ حکام کے سامنے بیان دینا ہوگا۔“

اس نے قلم اٹھایا اور کاغذ پر تیزی سے کچھ لکھنے لگا۔ اس کے بعد اس نے مجھے ایک گارڈ کے حوالے کیا جو مجھے اسی کوٹھری میں لے گیا اور اندر بند کر کے باہر سے تالا ڈال دیا گیا۔ دوسرے روز سوائے ایک اردلی کے جو میرے لیے کھانا لایا، میں نے کسی اور شخص کو نہیں دیکھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ نہ جانے اب مجھ سے کیا سلوک کیا جائے گا اور وہ کون سے اعلیٰ حکام ہوں گے جو میرا بیان لیں گے۔

جب رات بھیگ گئی اور میں سونے کے لیے اس کھری چارپائی پر دراز ہونے والا تھا کہ کوٹھری کا دروازہ کھلا اور ایک روسی لیفٹیننٹ اندر آیا اور مجھے باہر چلنے کا اشارہ کیا۔ رات کے اس سناٹے میں اس سرحدی چوکی کے باہر ایک جیپ کھڑی تھی جس میں ڈرائیور کے علاوہ دو مسلح سپاہی بھی تھے۔ لیفٹیننٹ نے مجھے جیپ میں بٹھایا اور خود بھی میرے قریب بیٹھ گیا اور ہم ایک نامعلوم منزل کی طرف روانہ ہوگئے۔

میں نے فوجی افسر سے پوچھا کہ مجھے کہاں لے جایا جا رہا ہے، تو اس نے کرخت لہجے میں کہا۔ ”چپ بیٹھے رہو، بولنے کی اجازت نہیں۔“ میں سہم کر خاموش ہوگیا۔ دو گھنٹے تک جیپ ایک سنسان اور تنگ سڑک پر دوڑتی رہی جس کے دونوں جانب تاریک جنگل تھا۔ ٹھیک دو بجے ہم ایک مقام پر پہنچے جہاں ایک بڑی سی عمارت کے صدر دروازے پر جیپ روک دی گئی۔ معلوم ہوا کہ یہ مقام ”ریڈاوکس“ کا جیل خانہ ہے۔ جیلر نے خونخوار نگاہوں سے میرا استقبال کیا اور مجھے اپنے ساتھ عمارت کے اندر لے گیا جہاں بہت سی کوٹھریاں دو رویہ بنی ہوئی تھیں۔ کوٹھری نمبر ۸ کے آگے وہ رُکا۔ اس نے آہنی دروازہ کھولا اور اس سے پیشتر کہ وہ مجھے دھکا دے، میں خود ہی کوٹھری میں چلا گیا۔ اندھیرا اتنا تھا کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دیتا تھا۔ جیلر جب دروازہ بند کر کے جا چکا، تو میں نے ٹٹول کر دیکھا، وہاں کوئی چارپائی نہ تھی۔ فرش پر صرف ایک چٹائی بچھی تھی، ایک کونے میں چھوٹی سی ٹیبل پڑی تھی اور دوسرے گوشے میں حوائجِ ضروری سے فارغ ہونے کے لیے لوہے کا ایک گندہ کموڈ پڑا تھا۔ گندہ میں نے اس لیے کہا کہ جب میں اس کے قریب گیا، تو اس میں سے بدبو کے بھبکے اٹھ رہے تھے۔ دروازے کے علاوہ اس کوٹھری میں دو فٹ اونچی اور دو فٹ چوڑی ایک کھڑکی تھی جس میں لوہے کی موٹی سلاخیں لگی تھیں۔ میں نے چٹائی کو کموڈ سے دور گھسیٹ کر اس پر اپنا اوور کوٹ بچھا دیا اور ٹانگیں سکیڑ کر سونے کی کوشش کرنے لگا۔

جیل خانے کے اندر میرے علاوہ اور بھی بہت سے بدنصیب قیدی جمع تھے جن کی کوٹھریوں سے مختلف آوازیں میرے کانوں میں پہنچ رہی تھیں۔ جرمن، روسی، فرنچ اور انگریزی کی ملی جلی آوازیں اس طرح بلند ہو رہی تھیں

کہ کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا۔

جب آنکھ کھلی، دن کا اُجالا پھیل چکا تھا۔ اگرچہ میری نیند پوری نہیں ہوئی تھی اور میں کچھ دیر اور سونا چاہتا تھا کہ کسی نے میری کوٹھری کے دروازے میں منہ ڈال کر جرمن زبان میں زور سے کہا۔

"چھ بج گئے ہیں، سات بجے تک ناشتے کے لیے تیار ہو جاؤ۔"

"میں نے حکم کی تعمیل کی معلوم ہوا قیدیوں کو بیدار کرنے اور ناشتے کا اہتمام ایک سارجنٹ کے سپرد ہے جو نہایت لمبا تڑنگا اور قوی ہیکل آدمی تھا۔ چند منٹ بعد جب وہ گشت مکمل کر کے دوبارہ میری کوٹھری کے آگے سے گزرا، تو میں نے اس سے رُکنے کو کہا۔

"کیا چاہتے ہو؟" اس نے بے صبری سے پوچھا۔

"میں نہانا اور شیو کرنا چاہتا ہوں۔"

"اونہہ..." اس نے نہایت بیزاری سے کہا۔ "میں تمھاری یہ خواہش افسرانِ بالا تک پہنچا دوں گا۔ اس کے بعد وہاں سے جو ہدایات ملیں گی، ان پر تمھیں عمل کرنا ہو گا۔" مزید بات کیے بغیر وہ جا چکا تھا۔

ٹھیک سات بجے "ناشتا" میرے پاس پہنچا دیا گیا۔ ایک بھدے سے چینی کے پیالے میں گرم گرم قہوہ اور پلیٹ میں اُبلے ہوئے نمکین چاول دروازے میں سے ایک سپاہی نے مجھے تھما دیے۔ ناشتے کے بعد میں پھر چٹائی پر لیٹ گیا اور اُونگھنے لگا۔ ٹھیک دو بجے میرا دروازہ کسی نے کھٹکھٹایا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ وہی سارجنٹ باہر کھڑا تالا کھول رہا ہے۔ اس نے مجھے باہر آنے کا اشارہ کیا۔ وہ مجھے عمارت کے ایک وسیع و عریض کمرے میں لے گیا جہاں تین نوجوان لڑکیاں پانی کے ٹب میں قیدیوں کے کپڑے دھو رہی تھیں۔ میں نے دیکھا کہ یہ کمرہ بیک وقت غسل خانے اور باورچی خانے کا کام دے رہا ہے۔ سارجنٹ نے ایک الماری سے ریزر اور آئینہ نکال کر میرے حوالے کیا اور لڑکیوں سے کہا۔

"اس شخص کے لیے غسل کا انتظام کر دیا جائے۔"

یہ کہہ کر اس نے دروازہ بند کیا اور چلا گیا۔ لڑکیاں چند لمحے تک مجھے حیرت سے دیکھتی رہیں۔ پھر ان میں سے ایک نے جرمن زبان میں کہا "کیا تم سیاسی قیدی ہو؟ تم نے کیا جرم کیا ہے؟"

میں نے خیال کیا کہ لڑکیاں مجھے جرمن سمجھ رہی ہیں، اس لیے میں نے کہا۔

"میں برطانیہ کا باشندہ ہوں اور یہ لوگ مجھے جاسوسی کے الزام میں پکڑ لائے ہیں۔"

لڑکیوں کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں اور وہ اتنی خوف زدہ ہوئیں کہ میری سرتوڑ کوشش کے باوجود کسی نے ایک حرف زبان سے نہ نکالا۔ میں دراصل ان سے اس جیل خانے کے بارے میں پوچھنا چاہتا تھا، لیکن بُرا ہو اس حماقت کا کہ میں نے پہلے ہی اپنے انگریز ہونے کا اعلان کر دیا۔ اب وہ منہ کیسے کھولتیں؟ انھوں نے میرے لیے ایک اور ٹب بھرا اور صابن دے کر اپنے اپنے کام میں مصروف ہو گئیں۔ میں نے جب اپنے کپڑے اتارے اور برہنہ ہو گیا، تب بھی وہ اس کمرے میں موجود رہیں۔ شاید انھیں باہر جانے کا حکم نہ تھا۔

میں نے جلدی جلدی شیو بنایا اور غسل سے فارغ ہو کر کپڑے پہن رہا تھا کہ وہی کم بخت سارجنٹ ہاتھ میں تالا لیے نمودار ہوا اور مجھے کوٹھری میں لے جا کر بند کر دیا۔ میرا خیال تھا کہ جلد ہی مجھے پوچھ گچھ کے لیے بلایا جائے گا، لیکن آٹھ روز گزر گئے۔ اب قیدِ تنہائی مجھ پر ناقابلِ برداشت عذاب کی مانند مسلط تھی۔ پینے کے لیے وہی قہوہ اور کھانے کے لیے اُبلے نمکین چاول کے سوا مجھے کچھ نہ دیا گیا۔ بارہا میں نے سارجنٹ سے شکایت کی کہ ان چاولوں سے جی اُکتا گیا ہے، لیکن وہ نفرت سے منہ پھیر کر اپنا ڈنڈا گھماتا ہوا دوسری جانب نکل جاتا۔

نویں روز دوپہر کے وقت مجھے کوٹھری سے نکال کر ایک چھوٹے سے کمرے میں لے جایا گیا جہاں ترجمان لڑکی اور ایک فوجی افسر میرا منتظر تھا۔ گفتگو کا آغاز ہوا۔

"تم ہمارے علاقے میں کس لیے آئے ہو؟"

"میں پہلے بتا چکا ہوں کہ اپنی منگیتر سے شادی کرنے آیا ہوں۔"

"شادی کے بعد تمھارا کیا پروگرام تھا؟"

"یہی کہ میں مشرقی یا مغربی برلن میں آباد ہونے کی درخواست کرتا۔"

"خوب... گویا تم اب بھی سچ بولنا نہیں چاہتے۔ ہم ابھی تک تمھارے ساتھ نرمی سے پیش آرہے ہیں۔ تم جتنی جلدی حقیقت اُگل دو گے، اتنا ہی تمھارے حق میں بہتر ہوگا۔ ہمارے پاس تمھارا مُنہ کھلوانے کے لیے بےشمار طریقے ہیں۔ کیا تم ہمیں یہ طریقے آزمانے پر مجبور کر رہے ہو؟"

"میں نے جو کچھ بتایا، وہ قطعی درست ہے۔ اگر آپ نہیں مانتے تو اس کا میرے پاس کوئی علاج نہیں۔"

چند منٹ تک کمرے میں گہری خاموشی رہی۔ پھر میجر نے ٹیلی فون اٹھایا اور روسی زبان میں کچھ کہا۔ فوراً ہی ایک اردلی آیا اور مجھے کمرے سے باہر لے گیا۔

مزید دس روز تک میں اپنی کوٹھری میں بند رہا۔ اس دوران میں میری خوراک نصف کر دی گئی، قہوہ بند کر دیا گیا اور ۲۴ گھنٹوں میں پینے کے لیے پانی کا صرف ایک پیالہ دیا جاتا۔ گیارھویں روز جب میں اپنے اندر انتہائی جسمانی نقاہت محسوس کر رہا تھا، مجھے پھر اسی افسر کے سامنے پیش کیا گیا۔ اس نے وہی سوال کیے جن کے رَٹے رٹائے جواب میرے پاس موجود تھے۔ غصّے سے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ اس نے کھڑے ہو کر فیصلہ کن انداز میں کہا۔

"بہت اچھا، تم یوں نہ مانو گے۔ میرے دوست! ہم تمھیں جان سے نہیں ماریں گے، لیکن اس کے باوجود تم اقبالِ جرم کرنے پر رضامند ہو جاؤ گے۔ تم نے سنا ہو گا کہ جاپانی اور چینی لوگ اپنے قیدیوں پر تشدد کرنے میں کتنے مشہور ہیں، مگر اب تم جاپانیوں اور چینیوں کو بھی بھول جاؤ گے۔ تمھارا واسطہ دنیا کی اس قوم سے ہے جس کے سامنے دنیا کا کوئی کام ناممکن نہیں۔"

۷ اگست ۱۹۵۰ء کی صبح کو مجھے ہتھکڑی اور بیڑی پہنا کر ریڈاوکس سے نکال کر ایک پرائیویٹ کار میں بٹھایا گیا اور برلن کے مغربی حصّے میں بھیجا گیا جہاں بیچن برگ کا جیل خانہ میرا منتظر تھا۔ اس جیل خانے کے بارے میں میں نے پہلے ہی سے لرزہ خیز کہانیاں سُن رکھی تھیں۔ یہاں جاسوسوں کو ہلاک کرنے کے سوا ہر وہ ممکن اذیت دی جاتی ہے جس کا تصور انسانی ذہن میں آسکتا ہے۔ بیچن برگ کے منتظم نے سب سے پہلے میرے کپڑے اتروا کر تلاشی لی اور مطمئن ہو کر مجھے ۲۱ نمبر کی کوٹھری میں بھیج دیا۔ ریڈاوکس کے جیل خانے کی نسبت یہ کوٹھری زیادہ کشادہ تھی اور یہاں چارپائی پر ایک نرم گدیلا بھی بچھا تھا۔ دروازے میں ایک چھوٹا سا بلب بھی لگا تھا جو ہر وقت جلتا رہتا تھا۔ کوٹھری میں داخل ہوتے ہی میں بستر پر گرا اور بےخبر سو گیا، لیکن پانچ منٹ بعد ہی ایک فوجی سپاہی نے آکر مجھے جھنجھوڑ ڈالا۔ فاقہ کشی اور نیند کے باعث میں اُس وقت اپنے آپے میں نہ تھا، ایک چلتی پھرتی لاش کی مانند میں اس سپاہی کے ساتھ لڑکھڑاتا اور ڈگمگاتا چلا۔ وہ مجھے ایک کمرے میں لے گیا جہاں انگریزی کے حرف T کی شکل کی میز کے پیچھے چار فوجی افسر بیٹھے تھے۔ میرے پہنچتے ہی انھوں نے جرمن اور انگریزی زبانوں میں سوالات کی بوچھاڑ کر دی اور میری زندگی کے حالات پوچھنے لگے۔ بچپن سے لے کر اب تک کے تمام حالات مجھے بیان کرنے پڑے، حتّٰی کہ میرا سر چکرانے لگا۔ میں کھڑے کھڑے تھک گیا اور جب ٹانگیں کانپنے لگیں، تو میں فرش پر گر پڑا۔ مجھے کمرہ گھومتا ہوا محسوس ہونے لگا۔ یوں کہ کامل دس گھنٹے تک یہ بدبخت مجھ سے سوالات کرتے رہے اور جب انھوں نے دیکھا کہ میں بولنے پر بھی قادر نہیں رہا، تو دو سپاہیوں نے بازوؤں سے تھاما اور مجھے کوٹھری میں لا کر پھینک گئے۔

ایک گھنٹے بعد جب کہ مجھ پر غنودگی کی سی کیفیت طاری تھی، دروازہ پھر کھلا اور ایک سپاہی نے آکر مجھے اٹھانا چاہا۔ نقاہت کے باعث میں حرکت کرنے کے قابل بھی نہ تھا۔ میں نے اس سے کہا کہ وہ جیل خانے کے ڈاکٹر کو بلا لائے۔ یہ سن کر اُس نے اپنے جوتے کی نوک میری پسلی میں چبھوئی اور ڈانٹ کر کہا۔

"جلدی اُٹھو، تمھیں ڈیوٹی آفیسر بُلا رہا ہے۔"

خدا معلوم اس وقت مجھ میں قوت کی وہ لہر کہاں سے آگئی کہ میں نے لیٹے ہی لیٹے سپاہی کے دونوں پاؤں پکڑ کر نیچے گرا دیا اور اس پر اندھا دھند گھونسوں کی بارش

کر دی۔ سپاہی پہلے تو ششدر رہ گیا، بعد ازاں جب میرے دو گھونسے اس کے جبڑوں پر پڑے، تو اس نے اپنی مدافعت کے لیے میرا گلا دبانے کی کوشش کی اور اس کے ساتھ ہی اونچی آواز میں مدد کے لیے دوسرے سپاہیوں کو پکارنے لگا۔ اس اثنا میں مَیں نے اُسے خوب ہی رگیدا، آخر وہ بھاگنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس نے جلدی سے دروازے میں قفل لگایا اور دیوانوں کی طرح چیختا چلّاتا دوسری منزل کی سیڑھیوں کی طرف لپکا۔ دو منٹ بعد ہی مَیں نے لکڑی کی سیڑھیوں پر بہت سے قدموں کی آوازیں سُنیں۔ سارجنٹ اس کے ساتھ دو مسلح سپاہی اور وہی گارڈ جس کی مَیں نے مرمت کی تھی، نمودار ہوئے۔ مَیں نے اب پاگل بن جانا ہی بہتر سمجھا۔ انھیں دیکھتے ہی مَیں نے حلق پھاڑ کر جرمن اور انگریزی میں فحش گالیاں بکنی شروع کیں۔ اپنے سر کے بال نوچ ڈالے، جیکٹ اتار کر ایک طرف پھینکی، انگلیاں دانتوں سے کاٹیں اور دیواروں سے سر ٹکرانے لگا۔ یہ ترکیب بے حد مفید ثابت ہوئی۔ وہ میری ان وحشیانہ حرکتوں کو دیکھتے رہے اور جب میں نے دیکھا کہ سارجنٹ دروازہ کھول کر اندر آرہا ہے، تو مَیں نے ایک نعرہ لگایا اور اس کی جانب لپکا۔ گھبرا کر وہ پیچھے مڑا، سپاہیوں سے کچھ کہا اور دروازہ بند کر کے چاروں وہاں سے رفو چکر ہو گئے۔ میں نے اطمینان کا سانس لیا۔

تیسرے روز انھوں نے مجھے پھر کوٹھری سے باہر نکالا اور پوچھ گچھ کا طویل سلسلہ شروع کیا، لیکن مَیں اپنے موقف پر ڈٹا رہا۔ اس مرتبہ میں نے نتائج سے بے پروا ہو کر اعلیٰ افسروں کو بھی گالیاں دیں، ان کا مذاق اڑایا، ان کے لیڈروں پر پھبتیاں کسیں اور خدا جانے کیا کچھ بکتا رہا۔ ان میں سے ایک نے رائے دی کہ پڈنگٹن کے دماغ کا معائنہ کرایا جائے۔ عین ممکن ہے یہ شخص پاگل ہو چکا ہو۔ دوسرے افسران جو چپ چاپ میری حرکات کا جائزہ لے رہے تھے، کہنے لگے "یہ ابھی تو پاگل نہیں ہوا، البتہ اس قسم کی بے ہودہ حرکتیں دانستہ کرتا رہا، تو عنقریب ذہنی توازن کھو بیٹھے گا اور پھر اس کے ملک کی خفیہ پولیس کہے گی کہ ہمارے ایک "قابل ترین جاسوس" کو روس والوں نے پاگل کر دیا، اس



کھوٹا پیسا

ایک آدمی اپنے دوست سے بہت عرصے بعد ملا اور اس سے پوچھنے لگا "کہو بھئی بال بچوں کا کیا حال ہے؟"

دوست نے جواب دیا "میرا ایک بیٹا انجینئر، دوسرا ڈاکٹر اور تیسرا وکیل ہے۔"

"بہت خوب! لیکن تمھارا چوتھا بیٹا بھی تو تھا وہ کیا کرتا ہے؟"

"کیا بتاؤں بھئی وہ پڑھ لکھ نہیں سکا اور حجام بن گیا۔"

"ارے! پھر تم اس نالائق کو گھر سے نکال کیوں نہیں دیتے؟"

"کیسے نکال دوں؟ گھر کا خرچ تو وہی چلاتا ہے۔"

لیے اسے فی الحال آرام کرنے دیا جائے۔"

تین ماہ بیت گئے، اکتوبر ختم ہونے کو آیا، لیکن مجھے کوٹھری سے ایک لمحے کے لیے بھی آزاد نہیں کیا گیا۔ ہفتے میں صرف ایک مرتبہ شیو بنانے کے لیے ریزر دیا جاتا اور جب مَیں نے اُبلے ہوئے نمکین چاول لانے والے سپاہی سے کہا کہ وہ غسل کا انتظام کرے، تو وہ میری صورت تکنے لگا اور روسی زبان میں کچھ کہا۔ معلوم ہوا کہ مَیں نہ اس کی زبان سمجھتا ہوں، نہ وہ میری زبان سمجھتا ہے۔ مَیں نے اشاروں میں اسے سمجھانے کی کوشش کی، لیکن وہ ہونقوں کی طرح مجھے دیکھتا رہا اور کچھ کہے بغیر چلا گیا۔ اگلے روز پھر آیا، تو مَیں نے ایک اور ترکیب کی۔ اس نے پہلے چاولوں کی پلیٹ سلاخوں میں سے مجھے تھمائی اور جب پانی کا پیالہ مجھے پکڑا دیا، تو مَیں نے پانی اس کے اُوپر پھینک دیا۔ میرا خیال تھا کہ وہ اس کی شکایت اپنے افسرِ اعلیٰ سے کرے گا اور جب وہ تحقیق کے لیے آئے گا، تو مَیں اس سے غسل کے لیے کہہ سکوں گا لیکن یہ گارڈ اتنا "شریف" آدمی ثابت ہوا کہ اس نے میری اس حرکت کا کوئی نوٹس نہ لیا اور واپس چلا گیا۔

ایک رات مَیں اپنے مستقبل کے بارے میں طرح طرح کے پریشان کن تصورات میں گم تھا، دروازے پر آہٹ ہوئی، مَیں چونک کر اٹھ بیٹھا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ گارڈ کمانڈر

اور ایک لیفٹیننٹ کوٹھری کے آگے کھڑے ہیں۔ وہ دونوں اندر آئے اور مجھے باہر چلنے کا اشارہ کیا۔ ہر چہ باداباد کہہ کر میں ان کے ساتھ ہولیا۔ یہ مجھے دوسری منزل کی ایک کوٹھری میں لے گئے جو صرف تین فٹ چوڑی، دس فٹ لمبی اور بارہ فٹ اونچی تھی۔ اس میں کھڑکی تھی نہ روشندان۔ چھت کے عین درمیان میں ایک بہت طاقت ور برقی بلب روشن تھا جس کی طرف دیکھنے ہی سے آنکھیں چندھیا جاتی تھیں۔ اس کوٹھری میں آتے ہی مجھے سردی کا شدید احساس ہوا۔ ان ظالموں نے نہ جانے کس تدبیر سے اس کوٹھری کو سرد کیا تھا۔

فرش پر قدم رکھتے ہی مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میرے پیروں تلے کانٹے بچھے ہوئے ہیں۔ میں نے گھبرا کر اسے غور سے دیکھا، تو معلوم ہوا کہ فرش کنکریٹ کا ہے، لیکن پورے فرش پر ایک ایک انچ لمبے کنکریٹ ہی کے کانٹے معماروں نے نہایت کاری گری سے بنائے تھے۔ لیفٹیننٹ نے مجھے کپڑے اتارنے کا حکم دیا اور جب میں حکم کی تعمیل کر چکا اور مادر زاد برہنہ ہو کر سردی سے تھر تھر کانپنے لگا، تو اس کے لبوں پر ایک حقارت آمیز تبسم نمودار ہوا۔ سپاہیوں نے میرے کپڑے اٹھائے اور باہر نکل کر کوٹھری کے دروازے کو مقفل کر دیا۔

یہ سارا مرحلہ اس سرعت سے طے ہوا کہ میں کچھ نہ سمجھ سکا کہ یہ لوگ میرے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہتے ہیں۔ چند ہی لمحوں میں میرا جسم برف کی مانند یخ ہو گیا اور میں نے محسوس کیا کہ اگر مجھے تمام رات اسی کوٹھری میں بند رکھا گیا، تو میں ہرگز زندہ نہ بچوں گا۔ یہ خیال آتے ہی میں اپنے بازوؤں کو حرکت دینے لگا۔ اس سردی سے محفوظ رہنے کا میرے پاس واحد طریقہ یہ تھا کہ جس قدر ممکن ہو، ورزش کی جائے۔ آدھ گھنٹے تک میں ورزش کرتا رہا۔ اس کا فائدہ یہ ہوا کہ میرا سُن ہوتا ہوا جسم گرم ہونے لگا۔ میں نے کوٹھری کے فرش پر دوڑنے کی کوشش کی، لیکن کنکریٹ کے یہ سخت کانٹے اس طرح تلووں میں چبھتے تھے کہ بے اختیار چیخ نکل جاتی تھی۔ آہستہ آہستہ میرا جسم پھر سُن ہونے لگا۔ اور ٹانگیں تو بالکل ہی سُن ہو گئیں جیسے جسم سے ان کا کوئی تعلق نہیں رہا۔ ہمت کر کے میں نے ایک دفعہ پھر ورزش شروع کی، لیکن چند ہی منٹ بعد بازو شل ہو گئے اور میرا جی چاہا کہ اپنے آپ کو اس عذاب سے نجات دینے کے لیے دیواروں سے سر ٹکراؤں اور مر جاؤں۔ دفعتہً ایک خیال میرے ذہن میں بجلی کی مانند کوندا اور میں دروازے پر پوری قوت سے مکے برسانے لگا۔

تھوڑی دیر بعد گارڈ کمانڈر نے دروازہ کھولا اندر داخل ہوتے ہی اس نے ایک زوردار گھونسا میرے جبڑے پر مارنے کی کوشش کی، مگر میں بھی غافل نہ تھا۔ اس کا وار خالی دے کر میں نے لات اس کے پیٹ میں ماری۔ وہ آگے کو جھکا، اسی لمحے میرے دائیں ہاتھ کا گھونسا اس کی کنپٹی پر پڑا۔ وہ سنبھلنے بھی نہ پایا تھا کہ میں نے اس کی گردن اور پشت پر گھونسوں اور لاتوں کی بارش کر دی۔ وہ اتنا حواس باختہ ہوا کہ دروازے سے باہر بھاگا اور جلدی سے تالا لگا کر نیچے دوڑتا ہوا گیا۔ چند منٹ بعد میں نے بیرونی برآمدے میں جوتوں کی کھٹ کھٹ سنی۔ گارڈ کمانڈر اس مرتبہ اپنے ساتھ دو مسلح سپاہیوں کو لے کر آیا تھا۔

گارڈ کمانڈر اور ایک سپاہی تو دروازے کے پاس ہی رکے اور دوسرا سپاہی ایک جنگلی بھینسے کی مانند مجھ پر حملہ آور ہوا۔ میں پہلے ہی زندگی سے بیزار ہو چکا تھا، گھونسے بازی اور جوجٹسو (جاپانی کشتی) کا فن میرے بڑا کام آیا۔ میں نے ایک ہی گھونسے میں اس کی ناک کا بانسا توڑ دیا۔ ایک دلدوز چیخ کے ساتھ وہ نیچے گرا اور دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھپائے بُری طرح تڑپنے لگا۔ گارڈ کمانڈر اور دوسرا سپاہی اسے سنبھالنے کے لیے لپکے۔ اب انھوں نے مجھے رائفلوں کی زد پر رکھ لیا تھا۔ میں نے جب زخمی سپاہی کی طرف دیکھا، تو خون سے اس کا چہرہ اور ہاتھ تر ہو چکے تھے۔ میں نے چلا کر جرمن زبان میں کہا۔

"فوراً باہر نکل جاؤ، ورنہ تم میں سے ایک شخص میرے ہاتھوں ضرور مارا جائے گا۔"

رائفلیں اگرچہ ان کے ہاتھوں میں تھیں، لیکن میری اس دھمکی نے اثر دکھایا اور وہ زخمی سپاہی کو باہر لے گئے۔ اور دروازہ بند کر دیا۔ میں نے اطمینان کا سانس لیا۔

لڑائی بھڑائی نے میرا جسم دوبارہ گرم کر دیا تھا اور اب میرے پاؤں بھی کنکریٹ کے کانٹوں پر چلنے کے عادی ہوتے جا رہے تھے۔ پانچ منٹ بھی نہ گزرنے پائے تھے کہ میں نے کوٹھری کے باہر بہت سے قدموں کی آوازیں سُنیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیل خانے کا پورا عملہ اِدھر ہی چلا آیا ہے۔ کوٹھری کا دروازہ کھلا اور مَیں نے اپنے سامنے چھ آدمیوں کو کھڑے پایا جن میں ایک سارجنٹ میجر، دو سارجنٹ، ایک گشتی فوجی سپاہی اور دو باوردی چوکیدار تھے۔ کوٹھری میں آتے ہی ان سبھوں نے مجھے اندھا دھند پیٹنا شروع کر دیا۔ لاتیں، گھونسے، ٹھوکریں، مُکے، تھپڑ اور پھر جرمن اور روسی زبان کی مِلی جلی فحش گالیوں کی بوچھاڑ۔ جب مارتے مارتے انھوں نے مجھے ادھ مُوا کر دیا اور میری چیخیں رُک گئیں، تو مجھے یاد ہے کہ انھوں نے میرے ہاتھ پیروں کو ہتھکڑیوں سے اچھی طرح جکڑ دیا، حتیٰ کہ میں ذرا سی حرکت کرنے کے قابل بھی نہ رہا۔



مار پیٹ اور سردی کھانے کے باعث میرا جسم ایسا اکڑ گیا تھا کہ مَیں کوشش کے باوجود ہاتھ پیر ہلانے پر قادر نہ تھا، البتہ میرا ذہن اس حالت میں بھی کام کر رہا تھا۔ انھوں نے مجھے بُری طرح پیٹا تھا۔ میں سوچ رہا تھا کہ اس زندگی سے موت اچھی۔ پوری قوت جمع کر کے میں نے زور سے چیخ ماری اور اپنے بندھے ہوئے پیروں کو لکڑی کے دروازے پر مارنے لگا۔ فوراً ہی باہر کھڑا ہوا پہرے دار اندر آیا۔ پہلے تو میری طرف دیکھ کر مسکرایا اور پھر میری پسلی میں ٹھوکر مار کر روسی زبان میں کچھ کہا جو یقیناً کوئی فحش گالی ہی تھی۔ اس کے بعد اس نے مجھے ذبح کیے ہوئے بکرے کی مانند گھسیٹا اور دروازے سے دُور ایک گوشے میں ڈال دیا۔ میرے ہاتھوں میں ہتھکڑیاں پڑی تھیں، تاہم اس وقت میں نے محسوس کیا کہ میں اپنی انگلیوں کو حرکت دے سکتا ہوں جب وہ مجھے کونے میں پھینک کر واپس ہوا، تو میں نے اس کی ٹانگ پکڑ کر زور سے جھٹکا دیا۔ بے خبری میں وہ اوندھے منہ کانٹوں بھرے فرش پر گرا، لیکن گرم وردی نے چوٹ لگنے سے اسے بچا لیا، البتہ اس کی پیشانی اور رخسار زخمی ہو گئے۔ وہ طیش میں آ کر اٹھا اور مجھے زدوکوب کرنے کے ارادے سے آگے بڑھا ہی تھا کہ باہر سارجنٹ کی آواز گونجی۔ وہ فوراً کوٹھری سے بھاگا اور دروازہ بند کر دیا۔

کہتے ہیں کہ نیند سولی پر بھی آجاتی ہے۔ مَیں بھی اس لمبی، سرد رات کو اتنا عذاب برداشت کرنے کے بعد سو ہی گیا۔ صبح جب آنکھ کھلی، تو میرے تمام جسم میں بے پناہ ٹیسیں اٹھ رہی تھیں۔ دونوں ہاتھ اور ٹانگیں سُوج کر سرخ ہو گئیں۔ گردن حرکت نہیں کرتی تھی، اور سردی سے دانت بج رہے تھے۔ مَیں نے اِدھر اُدھر دیکھا، تو کوٹھری کے فرش پر اور دروازے کے پاس جمے ہوئے خون کے بڑے بڑے دھبے دکھائی دیے۔ نقاہت اور کمزوری کی یہ کیفیت تھی کہ جان سمٹ کر سینے میں آ گئی تھی۔ دفعتہً باہر قدموں کی چاپ سنائی دی۔ میں بالکل لاش کی مانند اکڑ گیا اور منتظر رہا کہ اب کیا ہوتا ہے۔

دروازہ آہستہ سے کھُلا، مَیں نے نیم باز آنکھ سے دیکھا کہ ڈیوٹی آفیسر دروازے میں کھڑا میری طرف دیکھ رہا ہے۔ غالباً وہ میرے بارے میں سوچ رہا تھا کہ یہ قیدی چل بسا۔ پھر وہ دبے پاؤں میرے قریب آیا اور جھک کر دیکھنے لگا۔ مَیں نے سانس روک لیا۔ اس نے پہلے ہاتھ سے میرا بدن چھوا اور پھر اپنی ٹانگ میرے شانے پر رکھ کر اسے زور سے دبایا۔ درد کی شدت سے میری چیخ نکل گئی اور مَیں نے اس کی ٹانگ پکڑ کر جھٹکا دیا۔ وہ بھی اوندھے منہ فرش پر گر پڑا اور گرتے ہی کوٹھری سے باہر بھاگا اور زور سے دروازہ بند کر دیا۔ جاں کنی کے اس عالم سے گزرنے کے باوجود میری ہنسی چھوٹ گئی اور مَیں دیر تک بے جان قہقہے لگاتا رہا۔

کمرے میں پھیلی ہوئی سردی رفتہ رفتہ دور ہو رہی تھی اور میرا برہنہ اور زخمی جسم اب آرام اور گرمی پا کر حرکت کرنے لگا تھا۔ بیڑیاں پڑی ہونے کے باوجود مَیں کوشش کر کے اپنے پیروں پر کھڑا ہو گیا اور دیوار کا سہارا لیتا ہوا دروازے کی طرف کھسکنے لگا۔ مَیں نے محسوس کر لیا تھا کہ چونکہ یہ لوگ مجھے برطانیہ کا بہت بڑا جاسوس سمجھتے ہیں، اس لیے "راز" اگلوائے بغیر مجھے ہلاک کرنے کی کبھی کوشش نہ کریں گے، اس لیے مَیں انھیں جتنا پریشان کرنا

چاہوں، کر سکتا ہوں۔

دروازہ پلٹتے ہی اس مرتبہ سارجنٹ میجر نمودار ہوا۔ اسے میری حالت دیکھ کر افسوس ضرور ہوا، لیکن زبان سے کچھ نہ کہا۔ اس نے ایک سپاہی کو بھیج کر میرے کپڑے منگوائے اور ایک گرم کمبل بھی عطا کیا اور مجھے دوبارہ اسی کوٹھڑی میں پہنچا دیا جہاں سے لایا گیا تھا۔ مَیں نے سارجنٹ کی اس مہربانی کا شکریہ ادا کیا، تو وہ بولا۔

”ہم کسی کو اذیت دے کر خوش نہیں ہوتے، خواہ وہ ہمارا جانی دشمن ہی کیوں نہ ہو۔ ہم صرف یہ چاہتے ہیں کہ جو کچھ پوچھا جائے، اس کا صاف اور سچّا جواب ہمیں ملے۔“

”مَیں نے کہا“ جو کچھ مجھے معلوم تھا، مَیں بتا چکا۔ اس سے زیادہ مجھے کچھ معلوم نہیں۔ آپ…“

وہ بے صبری سے قطع کلام کرتے ہوئے بولا۔

بہرحال، بہرحال … یہ میرا فرض نہیں کہ آپ سے کچھ پوچھوں، یہ اعلیٰ افسروں کا کام ہے۔“ مَیں نے جب پیروں میں جوتے پہننے کی کوشش کی، تو معلوم ہوا کہ رات ہی رات میں میرے پَیر پہلے سے بھی زیادہ بڑھ چکے ہیں اور جوتا چھوٹا ہو گیا ہے۔ وجہ یہ تھی کہ پَیر بُری طرح سوجے ہوئے تھے۔ یہ دیکھ کر سارجنٹ نے کہا۔

”آپ نے ہمارے آدمیوں سے ہاتھا پائی کی، یہ اسی کا نتیجہ ہے۔ آئندہ اس قسم کی شرارتوں سے پرہیز کیا جائے، تو آپ کے لیے بہتر ہے۔“

مَیں خاموش رہا اور چہرے پر ایسے تاثرات پیدا کرنے کی کوشش کی جیسے مَیں واقعی ان ”شرارتوں“ پر نادم ہوں۔ مَیں نے موقع غنیمت دیکھ کر گرم پانی سے نہانے کی درخواست کی جو دوپہر گیارہ بجے منظور کر لی گئی۔ نہانے اور کھانے کے بعد میری کھوئی ہوئی ساری توانائی لوٹ آئی۔ اس مرتبہ انھوں نے مجھے سگریٹ بھی پیش کیے اور میرے لیے آرام دہ بستر بھی مہیا کیا۔ آپ یقین کیجیے کہ مَیں دو دن اور دو راتیں سوتا رہا۔ اس دوران میں صرف دو مرتبہ آنکھ کھلی۔ تیسرے روز صبح جب مَیں قہوہ پیتے ہوئے گزشتہ حادثے پر غور کر رہا تھا کہ اب ان لوگوں کا آئندہ رویّہ میرے ساتھ کیا ہو گا کہ دروازہ کھلا اور سارجنٹ میجر نے مجھے اپنے ساتھ چلنے کا اشارہ کیا۔ اس روز نومبر کی ۲ تاریخ تھی جسے مَیں زندگی بھر فراموش نہ کر سکوں گا۔

تفتیش اور پوچھ گچھ کرنے والے وہی افسر تھے جن سے میرا پہلے سابقہ پڑ چکا تھا۔ اس مرتبہ انھوں نے مجھے بیٹھنے کے لیے کرسی بھی پیش کی اور نرم لہجے میں وہی سوال پوچھے جن کا جواب میں دے چکا تھا۔ آخر انھوں نے ایک فائل نکال کر بہت سی تصویریں منتخب کیں اور میرے ہاتھ میں تھما دیں کہ کیا مَیں ان میں سے کسی کو پہچانتا ہوں۔ یہ پندرہ بیس تصویریں نوجوان لڑکیوں کی تھیں جن کو مَیں نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ پس مَیں نے نفی میں جواب دیا۔ میجر کے چہرے پر مایوسی پھیل گئی۔ اس نے تصویریں مجھ سے لے کر فائل میں رکھیں اور فیصلہ کن انداز میں کہا۔

”اچھّا مسٹر ٹِڈنگٹن، اب تم میرے ایک اہم سوال کا جواب سوچ سمجھ کر دو گے۔“

ایک منٹ تک میرے چہرے کا بغور جائزہ لینے کے بعد دفعتہً وہ ڈرامائی انداز میں بولا۔

”مَیں جاننا چاہتا ہوں کہ فرولین میریا کون ہے اور کہاں رہتی ہے؟“

یہ سوال اتنا دھماکا خیز ثابت ہوا کہ میں اپنی جگہ سے اچھل پڑا کہ میرے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ انھیں میریا کے بارے میں پتا چل جائے گا۔ میریا وہی لڑکی تھی جس سے شادی کرنے کے لیے مَیں یہ عذاب برداشت کر رہا تھا۔ غصّے سے بے قابو ہو کر میں اٹھا اور میجر کی طرف دیکھ کر دہاڑا۔

”میں تمھیں قتل کر دوں گا، اگر تم نے اس معصوم لڑکی کو ذرا بھی نقصان پہنچایا۔“

”آہ … میرے دوست اتنا طیش میں نہ آؤ۔“ میجر اپنی کامیابی پر مسکرایا۔ ”تم اپنی جان کی خیر مانگو۔ ثابت ہو گیا کہ تم اس لڑکی کو جانتے ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ بھی برطانیہ کے لیے کام کر رہی ہے۔ ہم بہت جلد اسے پکڑ

لیں گے۔ مجھے بتاؤ کہ تم اس لڑکی سے کہاں ملے تھے؟"

"میں اس کے بارے میں ایک حرف بھی نہیں بتاؤں گا، خواہ تم مجھے مار ہی ڈالو۔" میں نے ڈپٹ کر کہا اور ہونٹ یوں بھینچ لیے جیسے اب منہ نہ کھولوں گا۔ میجر نے پھر کہا۔

"مسٹر پڈنگٹن، تم غالباً اپنے ہوش و حواس میں نہیں یا دانستہ ایسا مظاہرہ کر رہے ہو، تاہم ہمارے پاس یہ ثبوت موجود ہے کہ تم اور تمھاری یہ نام نہاد منگیتر برطانوی جاسوسوں کی ٹولی سے تعلق رکھتی ہے۔ میں تمھیں اب آخری موقع دیتا ہوں کہ حقیقت اُگل دو، ورنہ تمھارا اور فرولین میریا کا انجام اتنا عبرت ناک ہو گا کہ آئندہ کسی برطانوی جاسوس کو ہمارے علاقے میں آنے کی جرأت نہ ہو گی۔ تمھاری انٹیلی جنس سروس بے شک بہت اعلیٰ ہے، لیکن ہم تم سے بھی دس قدم آگے ہیں، میں تمھیں کل تک کی مہلت دیتا ہوں۔ اس عرصے میں خوب سوچ سمجھ لو کہ آیا تمھیں اس دُنیا میں رہنا ہے یا نہیں۔ مجھے خوشی ہو گی اگر تم پرسوں میرے پاس آکر فرولین میریا کا پتا بتا دو گے۔ میں وعدہ۔۔۔"

"میجر صاحب، میرا دماغ نہ چاٹیے۔ میں اب کچھ کہنا نہیں چاہتا، جو آپ کے جی میں آئے، کیجیے۔"

میجر اور اس کے ساتھیوں کے چہرے غصے سے سرخ ہو گئے۔ اُس نے اُسی وقت لیفٹیننٹ کو بلایا اور روسی زبان میں کچھ ہدایتیں دے کر "اجلاس" برخاست کر دیا۔ لیفٹیننٹ مجھے کوٹھڑی میں واپس لے گیا۔ ایک دفعہ پھر میری تلاشی لی گئی، ہاتھوں میں ہتھکڑیاں پہنائی گئیں، آنکھوں پر سیاہ پٹی باندھی گئی، پھر جیل خانے سے باہر لے جا کر ایک جیپ میں بٹھایا گیا جو نہایت تیز رفتاری سے ایک نامعلوم منزل کی جانب روانہ ہو گئی۔

❦

جیپ تیزی سے دوڑ رہی تھی۔ راستے میں دیر تک کوئی موڑ نہ آیا جس سے میں نے اندازہ کیا کہ سفر بہت لمبا ہے۔ انجن کی پُرشور آواز رات کے اس گہرے سناٹے کو چیرتی ہوئی مسلسل آگے بڑھ رہی تھی۔ جیپ میں میرے اردگرد بیٹھنے والے ساتھی خاموش تھے۔ میری آنکھوں پر سیاہ کپڑے کی پٹی سختی سے بندھی ہوئی تھی اور ہاتھ پشت پر کیے ہوئے تھے۔ ذہن اس وقت سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیت سے محروم تھا، تاہم اتنا احساس ضرور تھا کہ یہ لوگ مجھے شاید مشرقی برلن سے نکال کر روس کے کسی اندرونی علاقے کی طرف لے جا رہے ہیں۔ بعد میں یہ خیال غلط ثابت ہوا۔

چار گھنٹے کے بعد یہ اُکتا دینے والا سفر ختم ہوا۔ راستے میں صرف دو موڑ آئے۔ جیپ جس رفتار سے چل رہی تھی، اس سے یہ اندازہ ہوتا تھا کہ ہم نے ڈیڑھ دو سو میل طے کیے ہیں، مجھے جیپ سے اُتار کر کافی دُور پیدل لے جایا گیا۔ جب میری آنکھوں سے پٹی کھلی، تو میں نے اپنے آپ کو ملگجے دُھندلکے میں گھری ہوئی ایک عظیم الشان عمارت کے صدر دروازے پر کھڑے پایا جس کی پیشانی پر لکھے ہوئے رومن حروف یہ اعلان کرتے تھے کہ یہ عمارت کارل شاٹ کا تحقیقاتی مرکز اور جیل خانہ ہے۔ اس جیل خانے کا نام میں نے پہلے بھی سُن رکھا تھا اور خوب جانتا تھا کہ یہ کتنی بھیانک اور تکلیف دہ جگہ ہے۔ جنگ کے زمانے میں میرا ایک دوست جو بدقسمتی سے روسیوں کے ہاتھ لگ گیا تھا، اسی "تحقیقاتی مرکز" میں لایا گیا تھا اور اسے چھ ماہ تک یہاں رکھ کر جو ذہنی اور جسمانی اذیتیں دی گئی تھیں، وہ سب اس نے بعد میں مجھے سُنائی تھیں اور اب میں اس تحقیقاتی مرکز کے سامنے کھڑا سوچ رہا تھا کہ مجھ پر کیا بیتنے والی ہے۔

مجھے دروازے کے بائیں جانب ایک چھوٹے سے کمرے میں لے جایا گیا جہاں ایک سرخ سفید اور تنومند سارجنٹ نے میرا استقبال کیا۔ اس کے منہ سے چند الفاظ نکلے "کپڑے اتار دو۔" میں نے بے چُون و چرا حکم کی تعمیل کی۔ کپڑے اتار کر میں ایک گوشے میں پیٹھ موڑ کر کھڑا ہو گیا۔ اس اثنا میں سارجنٹ نے میرے کپڑوں کو اُلٹ پلٹ کر اچھی طرح دیکھا بھالا اور جب اُسے اطمینان ہو گیا کہ ان میں کوئی قابلِ اعتراض چیز نہیں، تو مجھے کپڑے پہننے کا حکم دیا گیا۔ پھر وہ مجھے بازو سے پکڑ کر عمارت کے اندرونی حصے میں لے گیا اور ایک کوٹھڑی کے دروازے پر رُکا جس پر سات کا ہندسہ درج تھا۔ اس نے قفل کھولتے ہوئے صاف اور شستہ جرمن زبان میں کہا۔"

"مسٹر پڈنگٹن، اب آپ آرام کر سکتے ہیں۔"
اس کوٹھڑی کی کل کائنات لکڑی کا ایک چوڑا سا تختہ تھا جو ایک کونے میں پڑا تھا اور دوسری جانب رفعِ حاجت کے لیے ایک کموڈ۔ میں اس تختے پر لیٹ گیا اور آنکھیں بند کر کے اپنی اس نئی قیام گاہ اور یہاں پیش آنے والے مصائب پر غور کرنے لگا۔ پندرہ منٹ بعد میں نے دروازہ کھلنے کی آواز سُنی اور آنکھیں کھولیں، تو ایک اور فوجی افسر میرے سامنے کھڑا تھا۔ اس نے مجھ سے میرا نام پوچھا اور کہا کہ میں اپنی جیکٹ اور ٹوپی یہیں چھوڑ کر اس کے ساتھ چلوں۔ میں فوراً اس کے ساتھ ہو لیا۔ وہ نچلی منزل کے ایک کمرے کے سامنے رُکا جس کے دروازے پر نمبر ۶۰ درج تھا۔ یہاں اس نے ہلکے سے دستک دی، دروازہ کھولا اور مجھے اندر جانے کے لیے کہا۔
ایک لمبی میز کے پیچھے ایم۔ وی۔ ڈی کا ایک کپتان فوجی وردی پہنے بیٹھا تھا۔ اس نے مجھے ایک کرسی پر بیٹھنے کے لیے کہا۔ اُسی لمحے دروازہ پھر کھلا اور ایک دُبلی پتلی ادھیڑ عمر کی خاتون کمرے میں آئی جس کے ہاتھ میں ٹائپ کیے ہوئے کاغذوں کا ایک پُلندا تھا۔ کپتان نے یہ کاغذ ایک ایک کر کے دیکھے اور پھر مجھ سے مخاطب ہوا۔
"مسٹر پڈنگٹن، اس عمارت میں آپ کے مقدّمے کی آخری سماعت ہو گی۔ یہ آپ کی چارج شیٹ ہے، اسے بغور سنیے۔" اس نے ایک کاغذ ترجمان خاتون کو دیا جس نے صاف اور بلند آواز میں یوں پڑھنا شروع کیا۔
"ولیم ارنسٹ پڈنگٹن پر سوویٹ قانونِ تعزیرات کی دفعہ ۵۸/۶ کے تحت روس کے مقبوضہ علاقے مشرقی جرمنی میں بغیر ویزا داخل ہونے کا جرم عائد کیا جاتا ہے۔ ۱۲ مارچ ۱۹۵۲ء کو تمھیں سرکاری طور پر گرفتار کیا گیا ہے..."
اس کے بعد اس خاتون نے دیر تک وہ تمام بیانات اور واقعات پڑھ کر سُنائے جو میری گرفتاری کے بعد سے اس جیل خانے میں آنے تک پیش آئے تھے۔ میں خاموشی سے سنتا رہا۔ کپتان نے بھی اس دوران میں مداخلت نہ کی۔ جب یہ کارروائی ختم ہوئی، تو مجھ سے ان کاغذوں پر دستخط کرنے کے لیے کہا گیا۔ میں نے بلا تامّل ان پر دستخط کر دیے۔ غالباً کپتان کو مجھ سے اس "شرافت" کی امید نہ تھی۔ میں نے دیکھا کہ ایک ثانیے کے لیے اس کے سرخ سپید اور باوقار چہرے پر تعجب کی ہلکی سی شکن نمودار ہوئی۔ وہ مسکرایا اور کہنے لگا۔
"مقدّمے کی آخری سماعت دس دنوں کے اندر اندر اعلیٰ فوجی افسروں کے سامنے کی جائے گی۔ اس دوران میں آپ اپنی صفائی کے لیے جو بیان دینا پسند کریں، وہ تحریر کر سکتے ہیں۔ اس مقصد کے لیے ضروری سامان آپ کو مہیّا کیا جا سکتا ہے۔"
میں نے نفی میں گردن ہلائی اور کہا "جناب، میں اس سے پیشتر جو بیان دے چکا ہوں، وہی آخری ہے۔ اب کوئی نئی بات میرے پاس نہیں ہے۔"
مجھے دوبارہ کوٹھڑی میں بھیج دیا گیا۔ میں ایک ایک دن گنتا رہا۔ اس عرصے میں ان لوگوں نے توقع کے خلاف مجھ سے بہتر سلوک کیا۔ کھانے میں نہ صرف انڈے، گوشت اور کافی پیش کی گئی، بلکہ سگریٹ بھی مہیّا کیے گئے۔ شیو اور غسل کے مواقع بھی ملتے رہے۔ ٹھیک دسویں روز رات کے وقت گارڈ کمانڈر آیا اور مجھے اپنے ساتھ ایک وسیع و عریض کمرے میں لے گیا۔ یہ مئی کی ۲۲ تاریخ تھی اور وقت گیارہ بجے شب۔ ان کم بختوں کو مقدّمے کی سماعت کے لیے ہمیشہ آدھی رات کا ہی وقت مناسب معلوم ہوتا تھا۔
ایک لمبی چوڑی میز جس پر سُرخ رنگ کا میز پوش بچھا تھا، تین فوجی افسر بڑی شان و تمکنت سے بیٹھے تھے اور ان کی وردیاں ظاہر کرتی تھیں کہ تینوں میجر ہیں۔ ان کے بائیں جانب وہی ترجمان خاتون اور ایک لیفٹیننٹ بیٹھا تھا۔ میری پُشت پر دو سپاہی ٹامی گنیں ہاتھ میں لیے کھڑے تھے۔ جب وکیلِ استغاثہ جو ایک فوجی افسر تھا، کمرے میں آیا، تو مقدّمے کی کارروائی کا آغاز کر دیا گیا۔ درمیان میں بیٹھے ہوئے میجر نے مجھ سے پوچھا۔
"کیا تم کچھ کہنا چاہتے ہو؟"
"جی ہاں۔" میں نے خشک لہجے میں کہا "مجھے یہ سمجھایا جائے کہ ایک شخص جسے ۲۴ جولائی ۱۹۵۰ء کو گرفتار کیا گیا، دو

سال تک اُسے مختلف جیل خانوں میں قید رکھا گیا اور طرح طرح کی اذیتیں دی گئیں، لیکن اُسے یہ بتایا جاتا ہے کہ تمھیں ۱۲ مارچ ۱۹۵۲ء کو "سرکاری طور پر" گرفتار کیا گیا۔ آخر اس کا کیا مطلب ہے؟"

"اس کا جواب یہ ہے کہ ۱۲ مارچ ۱۹۵۲ء سے پیشتر تم محض شُبہے کے تحت نظر بند تھے، لیکن بعد میں جب تمھارے جُرم کا ثبوت مل گیا، تو تمھیں سرکاری طور پر گرفتار کیا گیا۔ کیا تم اپنے جُرم کا اقرار کرتے ہو؟"

"میرا جرم صرف یہ ہے کہ مَیں ویزا کے بغیر مشرقی جرمنی میں داخل ہوا" مَیں نے اقرار کیا۔ "اس کے علاوہ مجھ پر جاسوسی کے جو الزامات عاید کیے گئے ہیں، مَیں ان سے انکار کرتا ہوں۔ یہ تمام الزامات بالکل غلط اور جھوٹے ہیں۔"

اس موقع پر وکیلِ استغاثہ نے دیر تک وہی بیان پڑھ کر عدالت کو سُنائے جو دس روز قبل کپتان کے کمرے میں مجھے سنائے جا چکے تھے۔ یہ کارروائی ختم ہونے کے بعد چیف جج نے مجھ سے کہا۔

"تم اپنی صفائی میں مزید کچھ کہنا چاہتے ہو؟"

میرے انکار پر مجھے کمرے سے نکال کر ایک دوسری کوٹھری میں لے جایا گیا اور معلوم ہوا کہ تھوڑی دیر بعد عدالت کا فیصلہ سُنایا جائے گا۔ آدھ گھنٹے بعد مَیں دوبارہ عدالت کے سامنے کھڑا تھا۔ چیف جج اپنی نشست سے کھڑا ہوا اور اس نے ایک کاغذ پر لکھے ہوئے یہ الفاظ بلند آواز سے پڑھے۔

"ولیم ارنسٹ پڈنگٹن، تم برمنگھم (انگلستان) کے باشندے ہو۔ تم پر آج ۲۲ مئی ۱۹۵۲ء کو گیارہ بجے شب ایک خاص روسی فوجی عدالت میں جس کا سربراہ مَیں میجر بریڈوف ہوں، مقدمہ چلایا گیا ہے۔ تم پر استغاثہ نے تین الزام عاید کیے تھے جو پایۂ ثبوت کو پہنچ چکے ہیں۔ پہلا الزام یہ ہے کہ تم روسی ویزا کے بغیر روس کے مقبوضہ علاقے مشرقی جرمنی میں داخل ہوئے۔ دوسرا الزام یہ ہے کہ تم روسی حکومت کے خلاف پروپیگنڈا کرنے والے عناصر کی پشت پناہی کرتے رہے ہو اور تمھارے سامان سے ایسی چیزیں برآمد ہوئی ہیں جو یہ الزام درست قرار دیتی ہیں۔ تم پر تیسرا اور سب سے بڑا الزام جاسوس ہونے کا ہے۔ پس مَیں تمھیں مجرم گردانتے ہوئے علی الترتیب تین سال، دس سال

ایک صاحب کو ڈاکٹر نے بتایا۔
"آپ کی بیوی صرف چند گھنٹے کی مہمان ہیں۔ آپ پریشان تو ضرور ہوں گے لیکن ہمیں افسوس ہے کہ اب اُن کے لیے کچھ نہیں کیا جا سکتا۔"
وہ صاحب بولے "کوئی بات نہیں ڈاکٹر صاحب! میں جہاں اتنے دن پریشان رہا ہوں چند گھنٹے کی پریشانی اور جھیل لوں گا۔"

اور پچیس سال کی قید بامشقت کی سزا کا حکم دیتا ہوں۔ یہ سزائیں ایک ساتھ شروع ہوں گی اور تمھیں یہ تمام عرصہ ایک روسی لیبر کیمپ میں بسر کرنا ہوگا۔ عدالت کے اس فیصلے کے خلاف اپیل دائر نہیں کی جا سکتی۔"

ان الفاظ کے ساتھ ہی عدالت برخاست ہو گئی۔ مسلح سپاہیوں کی حفاظت میں مجھے اب کوٹھری نمبر ۸۲ میں لے جایا گیا اور یہ دیکھ کر پہلی بار میری جان میں جان آئی کہ قیدِ تنہائی کا خاتمہ ہوا، کیوں کہ اس کوٹھری میں سات بدنصیب قیدی اور بھی تھے جو میری طرح لیبر کیمپ میں بھیجے جا رہے تھے۔

◆

مجھے جس کوٹھری میں دوسرے سات قیدیوں کے ساتھ رکھا گیا، وہ اتنی تنگ تھی کہ ہم پیر پھیلا کر آرام سے سو بھی نہیں سکتے تھے۔ ان قیدیوں میں چار روسی اور دو جرمن تھے اور ہر چند مَیں نے ان سے معلوم کرنے کی کوشش کی کہ وہ کس جرم کی پاداش میں سائبیریا بھیجے جا رہے ہیں، لیکن کسی نے زبان نہ کھولی۔ ان پر دہشت اور خوف کی ایسی فضا مسلط تھی کہ وہ آپس میں بھی بات کرتے ہوئے ڈرتے تھے۔ بعد میں مجھے پتا چلا کہ ان قیدیوں کو بھی جاسوسی کے الزام میں لیبر کیمپ کی سزا ملی ہے اور ان کو نہایت ہی ہولناک اذیتیں دی جا چکی ہیں۔ میں نے دیکھا کہ ان میں سے اکثر قیدیوں کی پُشت پر سیاہ داغوں کے نشان ہیں جو لوہا گرم کر کے لگائے گئے ہیں۔ مَیں حیران تھا کہ میرے ساتھ یہاں ایسا سلوک اب تک کیوں نہیں کیا گیا۔

جولائی کے آخر میں ہم سب کو کوٹھری سے باہر نکال کر ایک

بند لاری میں بٹھا دیا گیا۔ ہر قیدی کی تلاشی لی گئی۔ اس کے بعد گرم کپڑوں کا ایک ایک جوڑا عنایت کیا گیا اور یہ لاری ہمیں لے کر ایک ویران سے ریلوے اسٹیشن پہ پہنچی جہاں چاروں طرف سے بند ایک خاص ریل کے ڈبے میں ہمیں بھر دیا گیا۔ ریل کا یہ بند ڈبا ساری رات سفر کرتا رہا اور علی الصبح رکا۔ معلوم ہوا کہ ہم مشرقی جرمنی کے آخری سرحدی مقام فرینکفرٹ پہنچ چکے ہیں اور اب پولینڈ کی سرحد میں داخل ہوا چاہتے ہیں۔ دن بھر یہاں ضروری چیکنگ ہوتی رہی، ہمارے کاغذوں کی جانچ پڑتال ہوئی اور ٹرین دوبارہ چل پڑی اور ایک دن اور ایک رات کہیں رکے بغیر چلتی رہی۔ تیسرے روز ہم بریس لی سوک میں داخل ہو گئے جو روس کا سرحدی علاقہ تھا۔ یہاں ہمیں ٹرین سے اترنے کا حکم دیا گیا اور مسلح سپاہیوں کی نگرانی میں ہم سب قیدیوں کو پیدل چلنے کی ہدایت کی۔ نہایت دشوار گزار اور پیچ در پیچ راستوں سے گزر کر ہم ایک عظیم الشان عمارت کے قریب پہنچے، تو تقریباً نڈھال ہو چکے تھے، کیوں کہ دس میل لمبے اس راستے پر ہمیں ایک لمحے کے لیے بھی دم نہیں لینے دیا گیا۔

یہ جیل خانہ ان تمام جیل خانوں سے بڑا تھا جن سے میرا زندگی میں اب تک سابقہ پڑ چکا تھا۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ یہ قلعہ نما عمارت کتنی قدیم تھی۔ اس کے چاروں طرف پتھر کی بنی ہوئی بہت اونچی فصیل تھی جس میں جا بجا آہنی دروازے بنے ہوئے تھے۔ عمارت بہت وسیع و عریض رقبے میں پھیلی ہوئی تھی اور اس کے چاروں طرف بے شمار روسی مسلح سپاہیوں کا پہرا تھا اور نگرانی و احتیاط کا یہ عالم تھا کہ پرندہ بھی ان کی اجازت کے بغیر پر نہ مار سکتا تھا۔ یقین کیجیے کہ اس عمارت اور اس کے نواحی منظر کو دیکھتے ہی میرے ہوش اڑ گئے اور یقین ہو گیا کہ اب مصائب کا آغاز ہونے والا ہے۔

ہمیں ایک قطار میں کھڑا کر دیا گیا۔ تھوڑی دیر بعد ایک روسی ڈاکٹر نمودار ہوا۔ اس نے ہر قیدی کا اچھی طرح جسمانی معائنہ کیا۔ ہمیں بتایا گیا کہ یہاں صرف تین روز قیام ہو گا، اس کے بعد ہمیں دو ہزار میل دور ورکوٹا کے مقام پر لیبر کیمپ میں بھیجا جائے گا۔ اس جگہ رکنے کی وجہ بظاہر یہ معلوم ہوئی کہ اس دور دراز سفر کے لیے جس ٹرین کا انتظام کیا جانے والا تھا، اس میں کچھ تاخیر ہو گئی تھی۔ تیسرے روز رات کے وقت ہمیں ایک بار پھر اسی دس میل لمبے راستے پر پیدل چل کر اسٹیشن جانا پڑا جہاں ایک بند گاڑی ہماری منتظر تھی، یہ فوراً ہمیں لے کر منسک کی طرف چل پڑی جو روس کا پہلا سرحدی قصبہ تھا۔ منسک سے اس ٹرین میں ہمارا سفر شمال مشرق کی طرف شروع ہوا اور ربولیسوف، اورشا، مولنسک اور نیرما ہوتے ہوئے ہم ماسکو پہنچ گئے۔ ماسکو میں صرف ایک روز قیام کے بعد ہم ورکوٹا کی جانب روانہ ہوئے۔ یاروسلال کے مقام پر قافلے میں دو قیدی اور شامل ہو گئے۔ یہ دونوں بھی روسی تھے جن کے بارے میں پتا چلا کہ عادی مجرم ہیں اور اب عمر قید کی سزا بھگتنے کے لیے لیبر کیمپ میں بھیجے جا رہے ہیں۔ یہ دونوں مجرم اس قدر بدتمیز اور ناشائستہ تھے کہ جب تک سفر میں رہے، سبھی کا ناطقہ بند کیے رکھا۔ پہرے داروں سے مار کھاتے اور پھر بھی باز نہ آتے۔ دوسرے قیدیوں سے ان کی نپی تلی خوراک اور پانی چھین لیتے اور دھینگا مشتی توان کا ہر وقت کا مشغلہ تھا۔ ایک روز جرمن قیدیوں نے طے کیا کہ ان بدمعاشوں کو اچھی طرح پیٹنا چاہیے، چنانچہ انھوں نے پہلے تو سپاہیوں سے شکایت کی اور پھر انھی کی شہ پر ان دونوں پر پل پڑے اور مار مار کر بھرکس نکال دیا۔ سپاہیوں نے جب دیکھا کہ ان کی اچھی خاصی مرمت ہو چکی ہے اور سر پھٹ چکے ہیں، تو پھر وہ آگے بڑھے اور انھوں نے ہمیں ایک دوسرے سے علیحدہ کر دیا۔ اس وقت سے ان پر ایسا رعب طاری ہوا کہ پھر انھوں نے کبھی کوئی شرارت یا بدتمیزی نہیں کی اور باقی تمام عرصے وہ فرماں برداروں کی طرح رہے۔

یاروسلال میں ایک روز قیام کیا۔ یہاں سے خاص گاڑی میں آگے روانہ ہوئے۔ اب ہم ایک دوسرے سے قدرے بے تکلف ہو گئے تھے اور اپنی اپنی روداد بیان کر رہے تھے۔ ابھی ہم کچھ دور ہی گئے ہوں گے کہ ایک بہت تیز گاڑی پیچھے سے آتی ہوئی نظر آئی۔ وہ گاڑی ہمارے برابر پہنچ کر رک گئی اور ساتھ ہی مخصوص اشارے پر ہماری گاڑی بھی رک گئی۔ دوسری گاڑی میں سے دو نیم برہنہ قیدی نکالے گئے۔ ان کے جسموں پر گہرے زخم تھے اور ان سے خون بہہ رہا تھا۔ یہ دونوں تقریباً چھ فٹ کے تھے اور شکل و شباہت سے بھائی معلوم ہوتے تھے۔ ان دونوں قیدیوں کو جن کے پیروں میں بیڑیاں تھیں اور ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے تھے، ہماری گاڑی میں منتقل کر دیا گیا۔

بعد میں معلوم ہوا کہ یہ لیبر کیمپ سے فرار ہو گئے تھے اور صرف تین دن کے اندر اندر انھیں دوبارہ پکڑ لیا گیا۔

ہماری گاڑی تیز رفتاری کے ساتھ آگے بڑھ رہی تھی۔ شروع شروع میں آپس میں باتیں کرنے کی اجازت نہیں تھی، لیکن ہم نے لمبے سفر سے اُکتا کر آپس میں باتیں کرنی شروع کر دیں۔ ہماری توجہ کے مرکز نئے قیدی تھے۔ وہ بہت زیادہ خوف زدہ تھے اور منہ سے کچھ نہیں کہتے تھے، لیکن کچھ دیر بعد انھوں نے فرانسیسی زبان میں باتیں شروع کر دیں۔ انھوں نے بتایا کہ ہمیں لیبر کیمپ میں کام کرتے ہوئے چار سال ہو گئے ہیں اور ابھی سولہ سال اور باقی ہیں۔ اتنا کہہ کر وہ خاموش ہو گئے۔ ان کا بدن تھر تھر کانپ رہا تھا اور پیشانی پسینے سے تر ہو رہی تھی۔ اس کے بعد وہ ایسے خاموش ہوئے کہ پھر دورانِ سفر انھوں نے ایک لفظ بھی منہ سے نہیں نکالا۔

ہمارے پاس دو دن کی خوراک موجود تھی۔ ہمیں اس سے یہی اندازہ تھا کہ ہماری منزل دو دن کے فاصلے پر ہے۔ گاڑی کا وائرلیس سیٹ کام کرتے کرتے یک لخت بیکار ہو گیا۔ فوجیوں نے اسے ٹھیک کرنے کی بہت کوشش کی، لیکن وہ ٹھیک نہ ہو سکا۔ فوجی مطمئن تھے کہ بس ایک ڈیڑھ دن میں منزلِ مقصود تک ضرور پہنچ جائیں گے۔ دوسرے دن شام کے وقت گاڑی میں گڑگڑاہٹ کی آواز پیدا ہونے لگی۔ شروع شروع میں ہمارے محافظوں نے اس آواز کی طرف توجہ نہیں دی، لیکن دو تین گھنٹوں کے بعد گاڑی نے ہچکولے کھانے شروع کر دیے۔ ڈرائیور نے بریک لگا کر گاڑی روکنی چاہی، لیکن بریک فیل ہو چکے تھے اور گڑگڑاہٹ میں ہر لحظہ اضافہ ہو رہا تھا۔ ڈرائیور نے گیئر بدلنا چاہا، لیکن یہ کوشش بھی بے اثر رہی۔ اب ہماری گاڑی ڈرائیور کے قابو میں نہیں تھی اور شور کانوں کے پردے پھاڑ رہا تھا۔ گاڑی سڑک پر سے ہٹ کر نامعلوم سمت کی طرف دوڑی جا رہی تھی۔ ہر لمحہ یہ گمان ہوتا تھا کہ قیامت آنے والی ہے۔ ہمارے سامنے ایک ٹیلا تھا اور گاڑی اس کی طرف بڑھی جا رہی تھی۔ جوں جوں ٹیلا ہمارے قریب آ رہا تھا، ہمارے ہوش و حواس جواب دے رہے تھے۔ اب ٹیلا مشکل سے ڈیڑھ سو گز کے فاصلے پر تھا۔ اگلے ہی لمحے ہمیں احساس ہوا کہ ٹیلے سے پہلے ایک بہت بڑا گڑھا ہے۔ اگر ہماری گاڑی اس گڑھے میں جا گرتی، تو ہم میں سے کوئی بھی نہیں بچ سکتے گا۔ ڈرائیور سٹیرنگ کو بار بار گھما رہا تھا، لیکن گاڑی تمام بندشوں سے آزاد ہو چکی تھی۔ اب ہمارے اور گڑھے کے درمیان صرف بیس گز کا فاصلہ تھا۔ ہمیں یقین ہو چکا تھا کہ ہمارا آخری وقت آ گیا ہے۔ ہر ایک کے چہرے پر موت کی سی زردی چھائی ہوئی تھی۔ ہم سب نے آنکھیں بند کر لیں۔ اگلا لمحہ ہماری زندگی کا آخری لمحہ تھا۔ عین اس وقت گاڑی ایک دھماکے کے ساتھ رُک گئی۔ گاڑی کا انجن پھٹ گیا تھا اور ہم موت کے منہ سے بال بال بچے تھے۔ صرف دو انچ کا فاصلہ رہ گیا تھا۔

رات سر پر تھی ـــــ تاریک اور بھیانک رات۔ ہمارے محافظ ہمیں گاڑی سے باہر نکالنے کے لیے تیار نہیں تھے۔ رات اسی طرح گزاری۔ ہماری منزل ابھی ایک ہزار میل کے فاصلے پر تھی۔ اس نئی صورتِ حال کی اطلاع کہیں بھی نہیں دی جا سکتی تھی۔ پانچ دن اسی حالت میں گزر گئے۔ بھوک اور پیاس کی شدت سے بُرا حال تھا اور مدد پہنچنے کی کوئی اُمید نہیں تھی۔ چھٹے روز فضا میں کسی چیز کی گونج سُنائی دی۔ ہماری نگاہیں اس سمت میں اُٹھیں جدھر سے آواز آ رہی تھی۔ دُور فاصلے پر ہوائی جہاز محوِ پرواز تھا۔ وہ ہماری طرف آ رہا تھا۔ زندگی کی ایک کرن چمکی۔ جہاز ہمارے قریب آ کر مخالف سمت میں مُڑ گیا۔ ہم نے بہت شور مچایا، مگر آواز وہاں تک کہاں پہنچ سکتی تھی۔ ہوائی جہاز نے تین چار چکّر لگائے اور ہم ہر بار یہ اُمید باندھ لیتے کہ اس دفعہ وہ ہمیں ضرور دیکھ لے گا۔ ہوائی جہاز واپس چلا گیا اور ہماری اُمید کا چراغ گُل ہو گیا۔ کوئی آدھ گھنٹے بعد ہوائی جہاز پھر ہماری سمت آیا ـــ اس بار اس کی پرواز بہت نیچی تھی۔ ہمارے محافظوں نے مخصوص آوازیں نکالیں اور خاص انداز میں اپنے ہاتھ ہوا میں لہرائے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ہوائی جہاز میں بیٹھنے والوں نے ان اشاروں کو سمجھ لیا ہے، کیوں کہ ہمیں ہوائی جہاز میں سے ایک ہاتھ لہراتا ہوا نظر آیا۔ ہوائی جہاز چلا گیا اور کوئی آٹھ گھنٹوں کے بعد ایک گاڑی تیزی سے ہماری طرف آتی ہوئی دکھائی دی۔ ہمارے دل خوشی سے بَلّیوں اُچھل رہے تھے۔

گاڑی ہمارے پاس آ کر رُکی۔ ہمیں اس میں منتقل کر دیا گیا۔ کھانے پینے کا کچھ سامان اس گاڑی میں تھا۔ کھانے پینے کی چیزیں

ہم میں تقسیم کر دی گئیں، لیکن وہ اتنی کم تھیں اور بھوک اتنی شدت کی تھی کہ ہم انھیں ایک دو منٹ ہی میں نگل گئے۔

دو دن کی مسافت کے بعد ہم سائبیریا کے لیبر کیمپ میں پہنچ گئے۔ دُور دُور تک چھوٹی چھوٹی بیرکوں اور کوٹھریوں کا سلسلہ چلا گیا تھا۔ دراصل یہاں زیادہ کام کوئلے کی کانوں میں سے کوئلا نکالنا تھا۔ یہاں کوئلے کی کانیں میلوں میں پھیلی ہوئی تھیں۔

ہمیں سب سے پہلے کیمپ انچارج کے سامنے پیش کیا گیا۔ ہمارے نام، قد اور انگلیوں کے نقش محفوظ کر لیے گئے اور اس کے بعد ہمیں کوٹھریوں میں منتقل کر دیا گیا۔ مجھے جس کوٹھری میں بھیجا گیا وہ بالکل تاریک تھی۔ اس میں ہوا اور روشنی کا کوئی انتظام نہیں تھا۔ سونے کے لیے نہایت ہی سخت تختہ تھا۔ کوٹھری میں اس قدر بدبو تھی کہ میرے لیے سانس لینا دوبھر ہو گیا، لیکن کر کیا سکتا تھا۔ جوں توں کر کے رات گزاری۔ صبح سویرے بگل کی آواز بلند ہوئی اور ساتھ ہی میری کوٹھری کے دروازے کو کسی نے کھٹکھٹایا۔ میں اُٹھ بیٹھا۔ تازہ قیدیوں کو ایک جگہ جمع کیا گیا تھا۔ ہمیں چونکہ کوئلے کی کانوں میں کام کرنا تھا، اس لیے ہمیں تفصیلی ہدایات دینے کے لیے جمع کیا گیا تھا۔ فوجی افسروں کے چہروں سے خونخواری ٹپکتی تھی اور یوں محسوس ہوتا تھا کہ ہم بھیڑیوں کے درمیان آ گئے ہیں۔ اتنے میں ایک روسی انجینیئر آیا۔ اس نے ہمیں لیکچر دینا شروع کیا۔ پہلے وہ روسی زبان میں کچھ کہتا تھا اور پھر خود ہی غلط سلط جرمن زبان میں ترجمہ کرتا تھا۔ مجھے اُس کے اس لیکچر پر سخت غصہ آ رہا تھا۔ اس کی باتوں میں کوئی دل کشی نہیں تھی، اس لیے میں اسے سُن کر کیا کرتا۔ گزشتہ رات میں اس نئے مقام پر چونکہ اچھی طرح سو نہیں سکا تھا۔ اس لیے میں وہیں بیٹھے بیٹھے اونگھنے لگا۔ یکایک میرے سر پر ایک دوہتڑ پڑا۔ میں بدحواس ہو کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ دوسرے قیدی قہقہہ مار کر ہنس پڑے۔ کیا دیکھتا ہوں کہ انجینیئر صاحب میرے قریب کھڑے لال پیلی آنکھوں سے مجھے گھور رہے ہیں۔

"گدھے کے بچے! تم میرا لیکچر نہیں سُن رہے اور آنکھیں بند کر کے سو رہے ہو۔"

"مجھے آپ کے لیکچر سے کوئی دل چسپی نہیں۔" میں نے بھی چلا کر جواب دیا۔ "میرے آباؤ اجداد نے کبھی کوئلے کی کانوں میں کام نہیں کیا۔ میں خود انجینیئر رہا ہوں اور آٹو موبائل کے فن میں اُستاد ہوں۔ کیا یہاں گیراج کی دیکھ بھال میرے سپرد نہیں کی جا سکتی؟"

میری یہ بات سُن کر وہ کچھ مرعوب ہوا اور پیچھے ہٹ گیا۔ پھر کہنے لگا۔

"بے شک یہاں ہر شعبے میں بہت سی لاریاں، ٹرک اور ریل انجن ہیں، لیکن فی الحال تمھیں کوئلے کی کانوں میں کام کرنا ہو گا۔ کیمپ کے انچارج کے احکامات یہی ہیں۔ اگر پلاننگ ڈیپارٹمنٹ کو محسوس ہوا کہ تم آٹو موبائل انجینیئر ہو، تو تمھیں کسی گیراج میں منتقل کر دیا جائے گا۔ ہمارے پاس اچھے موٹر مکینکوں کی کمی ہے۔ کوئی بھی اس اُجاڑ اور سرد علاقے میں آنا پسند نہیں کرتا۔"

اس کے چہرے پر ناگواری اور نفرت کے آثار نمودار ہوئے جس سے میں نے اندازہ کیا کہ ان انجینیئروں اور دوسرے فوجی افسروں کو بھی یہاں جبراً بھیجا جاتا ہے اور یہ لوگ کسی نہ کسی بہانے کوئی غلطی یا خطا کر کے بھاگ جانے کی فکر کرتے ہوں گے۔ بعد میں میرا یہ اندازہ درست ثابت ہوا، کیوں کہ پندرہ روز بعد ہی یہ انجینیئر اپنے شعبے کے انچارج سے لڑ پڑا۔ دونوں نے ایک دوسرے کو زخمی کیا اور نتیجہ یہ نکلا کہ ان کو فوراً ورکوٹا سے نکال کر ماسکو بھیج دیا گیا اور ایک ہفتے بعد ان کی جگہ لینے والے دوسرے انجینیئر آ گئے۔

اس دوران میں کان کے اندر میں اپنے کیمپ کے قیدیوں کے ساتھ کوئلا کھودتا رہا۔ ہمیں سَروں کی حفاظت کے لیے آہنی خود مہیا کیے گئے اور چونکہ کان کے اندر تین تین فٹ پانی بھی کھڑا تھا، اس لیے ہمیں ٹانگوں پر موٹے پلاسٹک کی جرابیں چڑھانا پڑتی تھیں۔ کانوں سے پانی کھینچنے کے لیے پمپ بھی مسلسل کام کرتے تھے، مگر اس کے باوجود پانی برابر آتا تھا۔ ان کانوں کے اندر اُترنے اور چڑھنے کے لیے کوئی لفٹ نہیں تھی، بلکہ کئی سو سیڑھیاں تھیں جن پر کان کنوں کو اُترنا اور چڑھنا پڑتا تھا۔ ان کانوں کے اندر جا بجا سُرنگیں تھیں جن کے اندر تازہ ہوا پہنچنے کا کوئی انتظام نہ تھا اور اس تاریک، سرد اور گھٹی ہوئی فضا میں کوئلا کھودنا ایک عذاب سے کم نہ تھا۔ ان کانوں کی چھتوں کو گرنے سے روکنے کے لیے لکڑی کی موٹی موٹی بلیاں لگائی گئی تھیں۔ اس کے باوجود چھت گر جانے کا خدشہ ہر وقت ذہن پر سوار رہتا تھا اور یہاں کام کرنے والے سیکڑوں قیدیوں کی جان کسی بھی لمحے ضائع ہو سکتی تھی۔ یہی

وجہ تھی کہ ان کانوں کے اندر کوئی مسلح سپاہی، کوئی انجینیر اور کوئی بڑا آفیسر داخل نہیں ہوتا تھا۔ یہاں قیدیوں کی اپنی اجارہ داری تھی اور وہ آزادی سے جہاں جی چاہے جاسکتے تھے۔ کانوں سے خام کوئلا کھود کھود کر بڑے بڑے ٹوکروں میں بھر کر اوپر پہنچایا جاتا اور پھر اس کوئلے کو ٹرکوں پر لاد کر ویگنوں تک لے جایا جاتا۔ ان ویگنوں کے انجن بجلی سے چلتے تھے۔

نومبر کا مہینہ سر پر آگیا اور میں مسلسل کوئلا کھودتا رہا۔ مجھے بعض اوقات یوں محسوس ہوتا جیسے میں اسی کان میں پیدا ہوا اور یہیں مجھے مرنا ہے۔ ذہن کی پراگندگی اور ابتری کا یہ عالم تھا کہ مجھے اپنے تن بدن کا بھی ہوش نہ تھا۔ کوئلے کی سیاہ گرد میں رہنے کے باعث میرا جسم بھی سیاہ ہوتا جارہا تھا۔ کام سے فارغ ہو کر جب میں اپنی بیرک میں پہنچ کر لکڑی کے تختے پر لیٹتا، تو بدن کا جوڑ جوڑ تھکن کے ہاتھوں فریاد کرتا۔ کانوں میں شائیں شائیں کی آوازیں گونجتیں۔ اندھیرے میں مسلسل دس گھنٹے رہنے کے باعث سورج کی روشنی سے جی گھبرانے لگا اور یہ حال صرف میرا ہی نہیں، ان سیکڑوں بدنصیب قیدیوں کا تھا جو ان کانوں میں جانوروں کی طرح بیگار بھگت رہے تھے۔ ہر ہفتے چار ڈاکٹروں کی ایک جماعت ہمارا جسمانی معائنہ کرتی اور جب انھیں معلوم ہوتا کہ قیدیوں میں سے اکثر کے پھیپھڑے خراب ہو رہے ہیں، تو انھیں یہاں سے تبدیل کر کے کسی اور شعبے میں عارضی طور پر منتقل کر دیا جاتا تھا۔ میں نے اس عرصے میں کئی مرتبہ پلاننگ ڈیپارٹمنٹ انچارج سے درخواست کی کہ وہ مجھے ٹرانسپورٹ کے شعبے میں تبدیل کر دے، لیکن اس نے میری درخواست ہر بار رد کر دی۔

نومبر کا آغاز ہوتے ہی ہمیں کیمپ کی طرف سے نئے گرم کپڑے مہیا کیے گئے، کیوں کہ اب موسم روز بروز سرد تر ہوتا جارہا تھا سارا سارا دن برف کے گالے آسمان سے گرتے رہتے۔ پھر طوفانی ہواؤں کے جھکڑ بھی چلنے لگے جن کی رفتار بعض اوقات پچیس تیس میل فی گھنٹہ تک پہنچ جاتی۔ اس کے باوجود کام کا ناغہ نہ ہوتا۔ ایک روز طوفان پوری شدت سے نازل ہوا اور یک لخت درجۂ حرارت اتنا گر گیا کہ ہمارے جسم سُن ہو گئے۔ بیرکوں سے باہر نکلنے کی ہمت ہی کسی میں نہ تھی، لیکن انچارج کا حکم پہنچا کہ سب لوگ کام پر جانے کے لیے تیار ہو جائیں۔ ٹھیک ساڑھے سات بجے ہمیں اپنی ڈیوٹی پر پہنچ جانا چاہیے تھا، لیکن جب کیمپ نمبر ۱۵ کا کوئی شخص حاضر نہ ہوا، تو انچارج پچاس مسلح سپاہیوں کا دستہ لے کر کیمپ میں آیا اور رائفلوں میں لگی ہوئی سنگینوں کے ذریعے ہر قیدی کو بیرکوں سے باہر نکالا گیا۔ ہمارے کیمپ میں روسی بدمعاشوں کی تعداد بھی زیادہ تھی اور چونکہ ان کے ہم قوم ہی ان پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑتے تھے، اس لیے کبھی کبھار یہ قیدی تشدد پر اتر آتے تھے، چنانچہ اس دن بھی یہی ہوا۔ ان روسی قیدیوں نے پہلے تو انچارج سے تلخ کلامی کی اور پھر کام پر جانے سے قطعاً انکار کر دیا۔ یہ صورتِ حال نہایت سنگین تھی۔ روسی قیدیوں کی دیکھا دیکھی سیکڑوں دوسرے قیدی بھی بغاوت پر آمادہ ہو رہے تھے۔ کیمپ میں خطرے کا سائرن بجا دیا گیا اور پھر تو پورے کیمپ کی مسلح فوجی قوت وہاں سمٹ آئی۔ انچارج بہت دُور اندیش آدمی ثابت ہوا۔ اس نے پہلی بار نرمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے طوفان کے ختم ہونے تک قیدیوں کو چھٹی دے دی، لیکن روسی قیدیوں کے تین سرغنوں کو پکڑ کر اپنے ساتھ لے گیا اور انھیں "آئس بکس" کی سزا دی گئی۔ دو قیدی تو اسی روز مر گئے اور تیسرے نے اگلے روز صبح دم توڑ دیا۔ انھیں گڑھے کھود کر دفنانے کا فرض اس کے ساتھیوں کو ادا کرنا پڑا۔ اس کے بعد کسی قیدی نے بدتر حالت میں بھی کام پر جانے سے انکار نہیں کیا۔

ایک روز جب میں اپنی ڈیوٹی ختم کر کے بیرک میں آیا، تو میں نے سُنا کہ کیمپ کے اندر ایک خوفناک سازش پرورش پارہی ہے۔ سازش یہ تھی کہ کوئلے کی کان کا اندرونی حصہ تباہ کر دیا جائے تاکہ سردیوں کے موسم تک کام رُک جائے۔ کان کا یہ اندرونی حصہ اُسی وقت تباہ ہو سکتا تھا جب اس کی چھت کو سہارا دینے والے لکڑی کے موٹے موٹے شہتیروں کو گرا دیا جائے۔

یہ خطرناک سازش روسی ذہن کا شاہکار تھی جس سے جرمن، پولش اور فرانسیسی قیدی لاعلم تھے۔ مجھے بھی اس کا اتفاقیہ پتا چلا کہ ایک روسی نے جو شراب کے نشے میں دُھت تھا، مجھے اپنا ساتھی سمجھ کر پوری تفصیل سُنا دی۔ پروگرام یہ تھا کہ کان کے جس حصے میں غیر مُلکی قیدی کام کرتے ہوں، پہلے اُسے تباہ کیا جائے تاکہ ان کا قصہ پاک ہو اور ان کے حصے کی خوراک بھی روسیوں کے کام آئے۔ غیر مُلکی قیدی جس شفٹ میں کام کرتے تھے، وہ رات کو شروع

ہوتی اور صبح چھ بجے ختم ہوتی تھی اور میں صبح کی شفٹ پر جاتا تھا۔ میں نے جب اس سازش کا ذکر سنا۔ تو پیروں تلے سے زمین نکل گئی اور میں سوچنے لگا کہ اس سازش کو عمل میں لانے سے پہلے ہی روک دینا چاہیے، چنانچہ میں نے اپنی بیرک میں رہنے والے تین فرانسیسی اور جرمن قیدیوں کو اس سے آگاہ کیا، تو ان کے رنگ بھی زرد پڑ گئے۔ پھر آہستہ آہستہ یہ خبر دوسرے تمام قیدیوں میں بھی پھیل گئی کہ کوئلے کی کان کو تباہ کرنے کا منصوبہ عمل میں لایا جا رہا ہے۔ ہمیں بعد ازاں پتا چلا کہ اس سازش میں بعض فوجی افسر اور سپاہی شریک ہیں جو خود موسم سرما میں ڈیوٹیاں دینے سے گھبراتے ہیں اور ان کی بھی خواہش ہے کہ سرنگوں کو تباہ کر دیا جائے تاکہ کئی مہینوں تک کام بند ہو سکے اور انھوں نے اس مقصد کے لیے ڈائنا میٹ بھی روسی قیدیوں کو مہیا کرنے کا وعدہ کیا ہے۔

اگلے روز جب وقتِ مقررہ پر ہم کام پر گئے اور حاضریاں لگوائیں، تو متفقہ فیصلے کے مطابق انچارج کو اس سازش سے آگاہ کیا گیا۔ اس نے پہلے تو اس پر یقین ہی نہ کیا، لیکن جب ہم نے اسے اُن روسی قیدیوں کے حوالے دیے جو اس سازش کا تانا بانا بُن رہے تھے، تو اس کے چہرے پر تشویش کے ساتھ خوف کے آثار بھی نمودار ہوئے۔ اس نے اُسی وقت پورے کیمپ کے انچارج اور متعلقہ انجینیروں کو اطلاع دی۔ ہمیں کان کے اندر جانے سے روک دیا گیا اور دوبارہ بیرکوں میں چلے جانے کی ہدایت کی۔ دوپہر تک ہمیں کچھ پتا نہ چلا کہ کیا کارروائی عمل میں لائی گئی ہے۔ رات کی شفٹ ختم ہونے سے کچھ دیر پہلے بہت سے افسروں اور سپاہیوں کا ایک گروہ کیمپ نمبرہ۱ میں داخل ہوا اور انھوں نے چُن چُن کر روسی قیدیوں کو ایک جانب جمع کر دیا۔ اس کے بعد غیر ملکی قیدیوں میں سے بھی چند آدمی بیرک سے نکالے گئے، میں بھی ان میں شامل تھا۔ ہم سب کو کیمپ کے ایک بڑے کمرے میں لے جایا گیا جہاں انجینیروں اور اعلیٰ افسروں کی ایک جماعت ہماری منتظر تھی۔ ہر شخص کا بیان لیا گیا۔ روسی قیدیوں نے اس سازش سے قطعی لاعلمی کا اظہار کیا اور غیر ملکی قیدیوں پر الزام لگایا کہ انھوں نے روسیوں کو سزا دلوانے کے لیے یہ افسانہ گھڑا ہے۔ جب میری باری آئی، تو میں نے درخواست کی کہ میں کیمپ کے انچارج سے تنہائی میں بات کرنا چاہتا ہوں۔ یہ درخواست منظور ہوئی اور میں نے اس کو بتایا کہ اگر کوئلے کی کان کا اچانک معاینہ

ساغر صدّیقی

ایک وعدہ ہے کسی کا جو وفا ہوتا نہیں
ورنہ ان تاروں بھری راتوں میں کیا ہوتا نہیں

ہائے یہ بیگانگی، اپنی نہیں مجھ کو خبر
ہائے یہ عالم کہ تُو دل سے جدا ہوتا نہیں

کیا جائے، تو روسی قیدیوں نے اسے تباہ کرنے کا جو منصوبہ بنا رکھا ہے، اس کا یقیناً سراغ مل جائے گا، کیوں کہ گزشتہ کئی روز سے ان میں سے بعض آدمی اپنی کدالوں اور ہتھوڑوں سے لکڑی کے شہتیروں کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرتے رہے ہیں اور جب یہ لوگ اگلے روز ڈیوٹی پر جائیں گے، تو پھر ایسا کریں گے۔

میری یہ گزارش مان لی گئی اور سب قیدیوں کو اس ہدایت کے ساتھ بیرکوں میں بھیج دیا گیا کہ وہ آئندہ کسی قسم کی سازش نہ کریں اور جو شخص ایسی اسکیمیں سوچنے کی شرارت کرے، اُسے فوراً حکام کے سامنے لائیں۔ روسی قیدی پہلے تو بڑے خوف زدہ تھے اور ان کے مُنہ سے بات نہیں نکلتی تھی، لیکن جب انھوں نے دیکھا کہ معاملہ ختم ہو گیا ہے، تو وہ بیرکوں میں واپس آتے ہی غیر ملکی قیدیوں پر پل پڑے اور ہاتھا پائی تک نوبت جا پہنچی۔ چار پانچ قیدی مجھ سے دست و گریباں ہو گئے اور اس سے پیشتر کہ پہرا دینے والے سپاہی موقع پر پہنچیں، بہت سے قیدیوں کے سر پھٹ چکے تھے، جسم لہولہان اور کپڑے تار تار ——— میں نے اپنے حریفوں کو مارا اور اُن سے بھی خوب پٹا۔ اس ہنگامے کی سزا ہمیں یہ ملی کہ رات کی خوراک دو روز کے لیے بند ہو گئی۔ زخموں کی مرہم پٹی البتہ کر دی گئی۔ روسی قیدیوں کو علیحدہ بیرک میں بند کر دیا گیا۔

دوسرے روز جب ہم کان میں کام کر رہے تھے، کیمپ کا انچارج پہلی مرتبہ ساٹھ مسلح سپاہیوں اور انجینیروں کے ساتھ کان کے اندرونی حصے میں آیا اور سیدھا اس جانب گیا جہاں روسی قیدی کوئلا کھود رہے تھے۔ انجینیروں نے کان کے ہر حصے کا بغور معاینہ کیا اور ان شہتیروں پر کدالوں کے واضح نشانات پائے جو کان کی چھت کو سہارا دیے ہوئے تھے۔ کان کا یہ اندرونی

حصّہ اتنا خطرناک تھا کہ اس کی طرف دیکھنے سے دہشت طاری ہوتی تھی۔ چھت کہیں کہیں سے بہت زیادہ وزن کے باعث جھک رہی تھی اور لکڑی اور لوہے کے شہتیر ٹیڑھے ہو رہے تھے۔ بعض اوقات یوں محسوس ہوتا جیسے پوری چھت ایک دم آن پڑے گی۔ اتنے میں ایک زلزلہ سا آیا، کان کی دیواریں اور چھتیں ہلنے لگیں۔ بڑے بڑے پتھر اوپر سے گرنے لگے۔ قیدیوں اور مسلح سپاہیوں میں افراتفری پھیل گئی اور سب کے سب بدحواس ہو کر کان سے باہر نکلنے کے لیے اندھا دھند سیڑھیوں کی طرف لپکے۔ کان سے باہر نکلنے کے دو راستے تھے۔ ایک راستہ قیدیوں کے آنے اور دوسرا کام ختم کر کے رخصت ہونے کے لیے مقرر تھا۔ انجینیروں اور اعلیٰ فوجی افسروں کے بھی ہاتھ پیر پھول گئے اور وہ بھی اپنی جانیں بچانے کے لیے دوڑ پڑے۔ کان کے اندر جلنے والے بلب یکایک بجھ گئے اور گھُپ اندھیرا چھا گیا۔ قیدیوں کی چیخ پکار سے ایک ہنگامہ برپا ہو گیا، چونکہ ان کو دن رات کان میں کام کرنے کا تجربہ تھا، اس لیے اکثر قیدی، جن میں بڑی تعداد غیر ملکیوں کی تھی، صحیح سلامت کان کے باہر پہنچنے میں کامیاب ہو گئے، لیکن مسلح سپاہی، انجینیر اور فوجی افسر جنھیں کان کے اندر آنے کا موقع شاذ و نادر ہی ملتا تھا، ان اندھیری سرنگوں میں گم ہو کر رہ گئے۔ جونہی میں نے کان سے باہر کھلی فضا میں قدم رکھا، ایک خوفناک دھماکے کے ساتھ چھت بیٹھ گئی۔

یہ حادثہ اتنی سرعت سے پیش آیا کہ کانوں سے باہر کام کرنے والے سیکڑوں قیدی اور ان کی نگرانی کرنے والے پہرے دار اور کیمپ کے دوسرے لوگ حیران رہ گئے اور پھر وہاں نفسا نفسی کا ایسا عالم طاری ہوا کہ قیدیوں نے موقع پا کر سپاہیوں سے ہتھیار چھیننے کی کوشش کی اور ان کی بیرکوں پر ہلّا بول دیا۔ میرے کئی ساتھیوں نے اس سنہری موقعے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے فرار ہونے کا ارادہ کیا، لیکن مَیں نے انھیں سمجھایا کہ یہاں سے فرار ہو کر ہم زیادہ عرصے تک روپوش نہیں رہ سکیں گے اور ضرور پکڑے جائیں گے، اس لیے ضروری ہے کہ ہم یہیں رہیں اور کیمپ کے اعلیٰ افسروں کی جان بچانے کے لیے کوشش کریں۔ ممکن ہے کہ ان خدمات کے عوض یہ لوگ ہماری سزاؤں میں تخفیف کر دیں۔
غیر ملکی قیدیوں نے اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر جس تندہی اور استقلال سے کان میں دبے ہوئے افسروں اور سپاہیوں کو باہر نکالا، اس نے ان کے لیے خاصا احترام اور عزّت کا جذبہ روسی حکّام کے دِلوں میں پیدا کر دیا تھا اور انھوں نے اعلانیہ اس کا اظہار کیمپ میں کیا۔ ہماری اس خدمت کا صلہ یہ دیا گیا کہ ہر غیر ملکی قیدی کو اس کی پسند کا کام سونپا گیا اور مشقت کے اوقات میں بھی دو گھنٹے کی کمی کر دی گئی۔ میری درخواست پر مجھے ٹرانسپورٹ کے شعبے میں شریک کر لیا گیا۔ میرا خیال تھا کہ یہاں مجھے کچھ آرام مل سکے گا، مگر یہ خیال غلط ثابت ہوا۔ یہ کام کچھ آسان نہ تھا۔ ٹرک، لاریاں، ویگنیں مناسب دیکھ بھال نہ ہونے کے باعث ناکارہ ہو چکی تھیں اور حالت یہ تھی کہ ایک دو ٹرک روز ہی بگڑ جاتے تھے اور مجھے ان کے انجنوں کو درست کرنے میں کئی کئی دن لگ جاتے تھے۔ فالتو پرزے بمشکل دستیاب ہوتے تھے، اس کے علاوہ مستریوں کی بھی قلّت تھی۔
کان کے حادثے نے تو پورے کیمپ کا نظام ہی درہم برہم کر دیا تھا اور جیسا کہ ہمیں کمانڈر کے مکان پر لگے ہوئے وائرلیس سے پتا چلا کہ پورے روس میں اس حادثے پر رنج و غم کا اظہار کیا جا رہا تھا۔ بہت سے روسی قیدیوں کو اس کیمپ سے نکال کر کسی دوسری جگہ پہنچا دیا گیا تھا اور ان کی جگہ نئے آدمی لائے جا رہے تھے۔ غیر ملکی قیدیوں نے چونکہ اس ہنگامے میں کوئی حصّہ نہیں لیا تھا، اس لیے ان کے بارے میں اوپر سے یہ احکامات آئے کہ ان سے نرمی کا سلوک کیا جائے اور مناسب کاموں پر لگا دیا جائے، چنانچہ ہمیں پہلے سے بہتر خوراک اور کپڑے دیے جا رہے تھے اور پہرے داروں نے بھی ہمیں بے ضرر سمجھ کر حفاظتی انتظامات نرم کر دیے تھے۔

مارچ ۵۳ء کے آغاز میں حالات نے دفعتہً پلٹا کھایا۔ کیمپ میں لگے ہوئے ریڈیو نے ایک روز اعلان کیا کہ کامریڈ اسٹالن بہت بیمار ہے اور معالجوں نے اس کی زندگی سے مایوسی کا اظہار کر دیا ہے۔ اس خبر سے پورے کیمپ میں تصوّرات اور قیاسات کی ایک نئی لہر دوڑ گئی۔ قیدیوں کے علاوہ اکثر روسی افسروں اور سپاہیوں کو کامریڈ اسٹالن سے زیادہ عقیدت نہ تھی۔ اگرچہ وہ اس کے بارے میں زبان کھولتے ہوئے ہچکچاتے تھے، تاہم جب سے ریڈیو پر اس کی شدید علالت کی خبریں نشر ہوئی تھیں، مَیں نے محسوس کیا تھا کہ ان لوگوں کو اندرونی طور پر بے حد خوشی ہوئی ہے اور وہ اب اس کے مرنے کے منتظر ہیں۔ روسی قیدیوں نے تو کھلّم کھلّا اپنی

باپ نے بیٹے سے کہا "دیکھو عمران آج جو مہمان ہمارے ہاں آنے والا ہے ان کی ناک کے متعلق کوئی سوال نہ کرنا۔"
جب مہمان آیا تو عمران نے حیرانی سے اپنے باپ کو دیکھتے ہوئے بولا "آپ تو کہتے تھے کہ ان کی ناک کا ذکر نہ کرنا۔ ان کی ناک ہی نہیں۔ بات کیا خاک کروں گا۔"

شرابی: تم دنیا کی سب سے بھدّی اور بدصورت عورت ہو۔
عورت: اور تم دنیا کے سب سے بڑے اُدھم باز اور بدمست شرابی ہو۔
شرابی: لیکن میں تو صبح کو ہوش میں آ جاؤں گا۔

ایک شخص کو چوکیدار کی ضرورت تھی جس کے لیے وہ انٹرویو لے رہا تھا۔ اس نے امیدوار پر شبہے کی نگاہ ڈالتے ہوئے کہا "دیکھیے دراصل ہمیں ایک ایسے آدمی کی ضرورت ہے جو ہر شخص کو شبہے کی نظر سے دیکھے۔ ایسا آدمی جو ایک آنکھ کھول کر سوئے، جس کی قوتِ سماعت اتنی اچھی ہو کہ خفیف ترین آواز سن کر اٹھ کھڑا ہو۔ آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ ہمیں ایک ہوشیار، بدخو، جھگڑالو زبان دراز، خطرناک، تندمزاج اور کینہ پرور شخص کی ضرورت ہے۔"
"آپ بجا فرماتے ہیں" امیدوار نے اطمینان سے جواب دیا۔ "آپ کی ضرورت پوری ابھی جا کر اپنی بیوی کو بھیج دوں گا۔"

خوشی کا اظہار شروع کر دیا تھا۔ آخر ۶ مارچ کو دن کے دو بجے ریڈیو نے یہ خبر نشر کی کہ کامریڈ اسٹالن چل بسے۔ بس پھر کیا تھا، قیدیوں نے ایک دوسرے کو مبارک باد دی اور بعض لوگوں نے تو نعرے لگانے سے بھی گریز نہ کیا۔ روسی حکام کو بھی اسٹالن کے مرنے کا کوئی رنج نہ تھا، بلکہ وہ بھی قیدیوں کے ساتھ اس خوشی میں شریک تھے۔ دبی دبی زبان سے انھوں نے قیدیوں کو یہ خوش خبری بھی سنائی کہ اب سزاؤں میں مزید تخفیف کیے جانے کا امکان ہے اور عین ممکن ہے کہ یہ کیمپ ہی بند کر دیا جائے۔

اسٹالن کی وفات کے بعد ہیجان خیز خبروں کا ایک سلسلہ شروع ہوا اور پھر ایک روز ریڈیو نے یہ ڈرامائی خبر سنائی کہ اسٹالن کے دستِ راست اور روس کی خفیہ پولیس کے سربراہِ اعلیٰ بیریا کو گرفتار کر لیا گیا ہے۔ اس خبر نے قیدیوں کا جوش و خروش انتہا کو پہنچا دیا اور انھوں نے اس روز شراب پی کر خوب جشن منایا۔

واقعہ یہ تھا کہ بیریا نے روس میں بیگار کیمپوں کی بنیاد ڈالی تھی اور اس شخص کے خلاف نفرت و حقارت کا یہ عالم تھا کہ اگر لوگوں کا بس چلتا، تو وہ اس کی بوٹیاں نوچ لیتے۔ بیریا کو صحیح معنوں میں اسٹالن سے بھی زیادہ قوت و اقتدار حاصل تھا اور اس شخص کی ہلاکت خیز سرگرمیوں سے کمیونسٹ پارٹی کے بڑے بڑے لوگ ہر وقت خائف رہتے تھے۔ اس نے اسٹالن کے مخالفین کو چن چن کر مروا ڈالا تھا اور کسی میں اتنی جرأت نہ تھی کہ اس کے سامنے سر اٹھاتا۔ بیریا کی گرفتاری پر کیمپ کے حکام نے اعلانیہ خوشی کا اظہار کیا اور قیدیوں کو ایک ہفتے کی رخصت دے دی۔

انہی دنوں ماسکو سے کیمپ کا ایک نیا انچارج آیا۔ یہ شخص ریاست اسٹونیا کا باشندہ تھا۔ اس نے آتے ہی کیمپ کا سارا نظام بدل ڈالا۔ قیدیوں کی نئی فہرست تیار کی گئی اور اس نے سب کو یقین دلایا کہ جو لوگ محنت اور دیانت داری سے اپنا کام کریں گے، وہ ان کی سزائیں تخفیف کرے گا، لیکن جو قیدی شورش برپا کریں گے، انھیں سخت سزائیں دی جائیں گی۔ اسٹالن اور بیریا کے ہٹ جانے کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ کیمپ میں کام بند کر دیا جائے۔ اس شخص نے آتے ہی اپنی روایتی سخت گیری کا مظاہرہ کیا اور قیدیوں کو نئے سرے سے کان کھودنے پر لگا دیا۔

دن آہستہ آہستہ گزرتے گئے۔ میں بدستور ٹرانسپورٹ کے شعبے میں کام کرتا رہا۔ اس دوران میں کوئی حادثہ پیش نہیں آیا۔ جو

کا مہینہ شروع ہوتے ہی کیمپ میں ہیضے کی وَبا اچانک پھیل گئی اور چند ہی روز میں دو ڈھائی سو قیدی اور سپاہی موت کا شکار ہوگئے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ کیمپ میں جو پانی استعمال کیا جارہا تھا، وہ ناقص تھا۔ ہیضے کی وَبا نے کیمپ کے حکام کو سراسیمگی میں مبتلا کردیا۔ انھوں نے ماسکو اطلاع بھیجی اور وہاں سے طبّی امداد کی درخواست کی۔ جواب آیا کہ کیمپ عارضی طور پر بند کردیا جائے اور تندرست قیدیوں کو فوراً وہاں سے ہٹالیا جائے۔ اس مقصد کے لیے اسپیشل ٹرینیں بھیجی گئیں۔ قیدی دھڑا دھڑ موت کے منہ میں جارہے تھے اور ان کی لاشوں کو دَبانے والا بھی کوئی نہ تھا۔ ایسی افراتفری اور دہشت پھیلی کہ کوئی کسی کا پُرسانِ حال نہ تھا۔ اتفاق دیکھیے کہ کیمپ کا نیا انچارج بھی اس وَبا کی لپیٹ میں آیا اور مرگیا۔ سپاہیوں نے اپنی نگرانی اٹھالی اور قیدیوں کو ٹرینوں میں بھربھر کر مختلف قصبوں اور گاؤں میں بھیجا جانے لگا۔ سیاسی قیدیوں کے علاوہ سب سے بڑا مسئلہ ان ہزارہا اخلاقی قیدیوں کا تھا جو اس کیمپ میں عمر بھر کے لیے بھیجے گئے تھے۔ ان میں چور، ڈاکو، قاتل سبھی قسم کے قیدی تھے اور ظاہر ہے کہ ان کو کسی قیمت پر چھوڑا نہیں جاسکتا تھا، لیکن وَبا نے جو خطرناک صورت اختیار کرلی تھی، اس نے ان قیدیوں کے لیے فرار کے سارے راستے کھول دیے تھے۔ انھوں نے ایک روز مسلح سپاہیوں پر ہلّا بول دیا، ان کی رائفلیں چھین لیں۔ پھر ٹرکوں اور لاریوں پر قبضہ جمالیا اور جدھر جس کے سینگ سمائے اُدھر بھاگ نکلا۔

پچاس غیر ملکی قیدیوں کا ایک گروہ جس میں مَیں بھی شامل تھا بہ مشکل ایک ٹرین میں سوار ہونے میں کامیاب ہوا۔ ہم سب ایک ہفتے کے فاقے سے تھے۔ مَیں نے اپنے ساتھیوں کو ہدایت کردی تھی کہ وہ مکمل فاقہ کریں اور کچھ کھائیں نہ پئیں۔ یہی وجہ تھی کہ ہم میں سے کوئی بھی ہیضے کا شکار نہیں ہوا۔ ایک ہفتے کی بھوک پیاس نے ہمیں نڈھال ضرور کردیا تھا۔ جب ہم کیمپ کی حدود سے باہر نکل گئے تو ہم نے اطمینان کا سانس لیا۔ ایک اسٹیشن پر جب گاڑی رُکی، تو مسلح گارڈوں نے جو ریل کی نگرانی کررہے تھے، ہم پر ترس کھایا اور تازہ پانی اور باسی روٹیاں مہیا کیں، جنھیں کھاکر جان میں جان آئی۔ اس کے بعد ماسکو پہنچنے تک، جس میں پورے دس دن صَرف ہوئے، ہمیں صرف اُبلے ہوئے چاولوں اور پانی پر گزارہ کرنا پڑا۔

ماسکو میں، ہمیں زبردست پہرے میں فوجی ہیڈکوارٹر لے جایا گیا۔ ہر ایک سیاسی قیدی کی تصویر اور انگلیوں کے نشانات اُتارے گئے اور سب کی فائلیں از سرِ نو تیار کی گئیں۔ بتایا گیا کہ ہمیں جلد ہی نئے کیمپ میں بھیجا جائے گا۔ یہ سنتے ہی ہمارے دل دَہل گئے اور ہم نے سمجھ لیا کہ اس سرزمین سے صحیح سلامت اپنے وطن پہنچنا کبھی نصیب نہ ہوگا۔ ایک ماہ تک ہمیں ماسکو کی جیل میں رکھا گیا۔ ہر قیدی کے لیے علیحدہ علیحدہ کوٹھری کا بندوبست کیا گیا۔ کسی کو آپس میں بات کرنے کی اجازت نہ تھی۔ ایک روز جب کہ مَیں اپنی کوٹھری میں بیٹھا سوچ رہا تھا کہ نئے کیمپ میں جاکر نہ جانے مجھ سے کیا کام لیا جائے گا اور وہاں کن کن اذیتوں کا سامنا کرنا پڑے گا کہ دروازہ کھلا اور ایک سارجنٹ مجھے اپنے ساتھ اعلیٰ کمانڈر کے دفتر میں لے گیا۔ کمانڈر نے خوش اخلاقی کا مظاہرہ کیا اور مجھے ایک کرسی پر بیٹھنے کے لیے کہا۔ پھر وہ مسکرا کر کہنے لگا۔

"مسٹر ڈیڈنگٹن، کیا آپ جلد سے جلد ہمارا مُلک چھوڑ سکیں گے؟"

مَیں دَم بخود ہوکر اس کی صورت تکنے لگا۔ مجھے اپنے کانوں پر اعتبار نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔ شاید وہ مذاق کے موڈ میں تھا۔ مَیں نے بے دلی سے جواب دیا۔

"یہ مُلک شاید مَیں مرنے کے بعد ہی چھوڑ سکوں گا۔ اس سے پہلے تو مجھے کوئی امید نہیں۔"

یہ سُن کر اُس نے قہقہہ لگایا اور ایک لمبا کاغذ میری طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔

"براہِ کرم اس پر دستخط کردیجیے۔ تمھارے بارے میں ابھی ابھی یہ حکم آیا ہے کہ اس شخص کو فوراً مشرقی جرمنی کی سرحد پر پہنچا دیا جائے۔ تمھارے لیے خصوصی ویزا بھی تیار کردیا گیا ہے۔ ایک گھنٹے کے اندر اندر تم ہوائی جہاز سے مشرقی جرمنی کی طرف پرواز کرجاؤ گے۔"

مَیں آج کل لندن میں ہوں۔ اس واقعے کو کتنے برس بیت چکے ہیں، لیکن مجھے کوشش کے باوجود پتا نہیں لگ سکا کہ روسی خفیہ پولیس نے مجھے اچانک رہا کردینے کا فیصلہ کیوں کیا۔ مَیں تو اتنی اہم شخصیت بھی نہ تھا۔ مَیں اس معمّے کا حل سوچتے سوچتے تھک گیا ہوں، مگر کامیاب نہیں ہوا۔



کتاب میلہ

آخری مشن

پرخطر راستوں میں

دلدل کے ساتھی

خون رنگ سحر

سائے کی آنکھ

قیدی38

پانی کا قیدی

موت کے ساتھ ساتھ

آخری جرمن قیدی

مارشل کیو

موت کے ساتھی

ٹینک کا فرار

ہمت مرداں


آپریشن وینس

آپریشن ویٹیس

انہیں حکم ملا کہ جیسے بھی ہو اُسے اس جزیرے سے نکالنا ہے ... اور برطانیہ کی ساری ملٹری انٹیلی جنس حرکت میں آگئی .....



جیرالڈ ٹکل

راجہ ۔ ف ۔ م ۔ ماجد

دوسری جنگِ عظیم کا ذکر ہے۔ دس جولائی ۱۹۴۰ء کو صبح دس بجے رود بارِ انگلستان کے جزیرے گرنسی سے ایک موٹر بوٹ ایک اور چھوٹے جزیرے آرموول کی طرف بڑھی۔ اس میں ۴۵ سالہ جرمن کپتان ہانس وائس سوار تھا جو اس جزیرے کا پہلا جرمن کمانڈر بن کر جا رہا تھا۔ صرف ایک شخص اُس کے ساتھ تھا، سارجنٹ ڈوگل۔ رود بارِ انگلستان کے ان برطانوی جزیروں پر، جو انگلستان سے دُور، مگر فرانس کے قریب تھے، جرمنوں کا قبضہ ہو چُکا تھا۔

جُونہی آرموول کا گھاٹ نظر آیا، کشتی آہستہ ہو گئی۔ جہازراں نے انجن بند کر دیا اور لہروں کے تھپیڑوں نے کشتی کو گھاٹ کنارے لگا دیا۔ کشتی کنارے پر باندھ دی گئی اور کپتان وائس نے سارجنٹ ڈوگل کے ساتھ گھاٹ کی چکنی سیڑھیوں پر قدم رکھا۔ اُوپر چند آدمی خاموشی سے منتظر تھے۔ وائس نے باری باری سب پر نظر ڈالی، سیلوٹ کیا اور شستہ انگریزی میں پُوچھا: "تم میں سے نائب سُلطان کون ہے؟"

ایک آدمی آگے بڑھا۔ اس کے بُوڑھے چہرے پر وقت کی لکیریں تھیں اور رنگ تجربے سے سنولایا ہُوا تھا۔ دُوسرے لوگ تو ماہی گیری کے پُرانے لباس میں تھے، اس نے سیاہ سُوٹ اور پُرانا ہیٹ

پہن رکھا تھا۔ اُس کے بھدے سیاہ بُوٹ خُوب چمک رہے تھے اور گھڑی کی زنجیر سے ملکہ وکٹوریہ کی شبیہ آویزاں تھی! اُس کی ہئیت کذائی دیکھ کر والس بمشکل اپنی ہنسی ضبط کر سکا۔ بُوڑھے نے رنجیدہ مگر پُروقار لہجے میں کہا: "میں آرمورل کا حاکم ہُوں۔ نائب سُلطان کی عدم موجودگی میں حاکم مجاز۔"

"تو پھر میں آپ سے مخاطب ہُوں۔ جرمن حکومت کے نام پر میں اس جزیرے پر فوری قبضہ کر رہا ہُوں۔ ہمارے احکام یہ ہیں:

"جزیرے کے تمام باشندے رات کے گیارہ بجے سے صبح چھ بجے تک باہر نہیں نکلیں گے۔ جزیرے سے کوئی کشتی روانہ نہیں ہوگی۔ کسی کو سمندر کے نزدیک جانے کی اجازت نہ ہوگی۔ ہر قسم کا اسلحہ فوراً حوالے کر دیا جائے۔ حکم عدولی پر خواہ وہ کتنی ہی معمولی کیوں نہ ہو، سخت اور فوری سزا دی جائے گی۔ بہر حال ہمارے فیوہرر کا حکم ہے کہ مفتوح لوگوں سے عزت سے پیش آیا جائے۔"

"تمہارے فیوہرر نے ابھی وہ ملک فتح نہیں کیا جس سے ہم وابستہ ہیں۔" حاکم نے زور دے کر کہا۔

والس نے گھور کر اُسے دیکھا۔ یہ حقیر اور بے وقعت شخص اچانک سربلند ہو گیا تھا! حاکم نے والس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔ والس نے تیوری چڑھائی۔ یہ شخص میرا دُشمن بنے گا؟ دُشمن؟ تین سو ماہی گیروں کے اس مضحکہ خیز نمائندے، حکومت کے اس حقیر کارندے، چند سو ایکڑ بنجر زمین کے جاہل نگران کے لیے "دُشمن" کا لفظ کہیں زیادہ بارُعب تھا۔ والس نے ماتھے سے شکنیں صاف کیں اور مُسکرا کر کہا: "میرے دوست! بس یہ بھی اب چند لمحوں کی بات ہے۔ مجھے صرف یہ کہنا ہے کہ آرمورل کے باشندے ہمارے قیام کو ناخوشگوار بنانے سے گریز کریں گے۔ آئیے ہمیں اپنے ہاں لے چلیے!"

"جیسی آپ کی مرضی!" حاکم نے کہا اور پھر پلٹ کر اپنے ساتھیوں کو مقامی بولی میں ہدایت کی: "سرِدست اپنے گھروں کو لوٹ جاؤ۔ میں اس افسر سے بات کروں گا۔ شام چھ بجے تم سب میرے ہاں پہنچ جاؤ۔ اُس وقت تک زبانیں بند رکھو۔"

یہ کہہ کر وہ آہستہ آہستہ نائب سُلطان کی رہائش گاہ اور دفتر کی طرف روانہ ہو گیا۔ دونوں جرمن اُس کے پیچھے تھے۔

* * *

سولہویں صدی عیسوی تک جزیرہ آرمورل میں پادری، پرندے یا قزاق رہتے تھے۔ پھر ملکہ الزبتھ نے یہ جزیرہ ایک شخص ہیوگو فلیمنگ کو بخش دیا اور اُسے نائب سُلطان بنا دیا اور یہ حکم دیا کہ اُس کے اخلاف تاجِ برطانیہ کے نام پر یہاں کے حکمران ہوں گے۔ جغرافیائی لحاظ سے یہ جزیرہ جدید دَور کی ہنگامہ خیز زندگی سے متاثر نہ تھا۔ لوگ پُرانے رسم و رواج پر کاربند تھے اور ہنسی خوشی نائب سُلطان کی اطاعت کرتے جو سولہویں صدی کے خوبصورت مکان میں رہتا تھا۔ ان لوگوں کے مسائل بالکل سادہ تھے، سڑکوں کی مرمت، کھیتوں کو باڑ لگانا وغیرہ۔ یہ مسائل چھ منتخب نمائندوں کا جرگہ حل کرتا تھا۔ لوگ زیادہ تر ماہی گیر تھے لیکن کھیتی باڑی اور گلہ بانی بھی کرتے۔ یہاں کی گائیں دنیا بھر میں مشہور تھیں۔

دوسری جنگِ عظیم شروع ہوئی تو نائب سُلطان نے جرگہ طلب کیا، اپنی جگہ حاکم مقرر کیا اور خود اپنی بہن کے ہمراہ جنگ میں حصہ لینے انگلستان روانہ ہو گیا۔ شام و سحر کی گردش جاری رہی۔ جنگ نے کئی کروٹیں بدلیں۔ کبھی فتح، کبھی پسپائی، کبھی شکست، پھر ایک دن پُورے فرانس پر جرمنوں کا قبضہ ہو گیا اور اس کے ساتھ ہی ان برطانوی جزیروں پر بھی جرمن پرچم لہرانے لگا۔

حاکم نے کپتان والس کو ایسے کا چپہ چپہ دکھایا۔ نائب سُلطان کے بعد کسی نے یہاں قدم نہ رکھا تھا۔ در و دیوار، فرش اور فرنیچر ہر شے دُھول سے اَٹی ہُوئی تھی۔ معاینہ ختم ہُوا تو والس نے ایک کمرے کی طرف اشارہ کیا: "یہ بھی تو دکھاؤ۔"

"نائب سُلطان کی غیر موجودگی میں اس کمرے میں کسی کا داخل ہونا مناسب نہیں۔" حاکم نے کہا۔

"دروازہ فوراً کھول دو!" والس گرجا۔

"بہت اچھا!" حاکم نے احتراماً ہیٹ اُتارا اور دروازہ کھول کر کمرے میں داخل ہو گیا۔ پردے ہٹانے پر سُنہری دُھوپ در آئی اور والس یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ شاہ بلوط کی میز شیشے کی طرح چمک رہی تھی اور گلدان میں گلاب کے تازہ پھول مُسکرا رہے تھے۔ میز کے دونوں جانب تین تین کرسیاں تھیں اور سامنے ایک بلند اور خوبصورت کرسی نائب سُلطان کے لیے تھی۔

"اس خاموشی اور گرد و غبار میں اَٹے ہُوئے مکان میں صرف یہی کمرہ صاف سُتھرا کیوں رکھا گیا ہے؟" والس نے پُوچھا۔

"یہ آرمورل کی پارلیمنٹ کا ایوان ہے۔ نائب سُلطان کی واپسی کے انتظار میں اس کی روزانہ صفائی ہوتی ہے۔"

خاموشی گہری ہو گئی، بحران کا لمحہ آن پہنچا تھا۔ وہ جرمن اقتدار کا بااختیار نمائندہ تھا، پھر محکوم کی یہ مجال؟ شاہی تخت اُس سے دو یا تین قدم دُور تھا، یہ فاصلہ مٹتے ہی واضح ہو جاتا کہ حاکم کون ہے اور محکوم کون۔ اُس نے حاکم سے نظریں چار کیں، لیکن اُس کی آنکھوں کی آگ سرد پڑ گئی۔

"سارجنٹ فوگل!" اُس نے آواز دی۔ "ڈائننگ رُوم کی میز پر سے چادریں ہٹا دو۔ میرا دفتر وہیں ہو گا۔ اس کمرے کو قطعاً نہ چھیڑا جائے!"

حاکم نے جھکی جھکی نظروں سے کہا: "مَیں سمجھتا ہوں .... جناب کمانڈنٹ نے دانشمندانہ فیصلہ کیا ہے۔"

"مَیں نے تم سے تصدیق نہیں مانگی!" وانس کے لہجے میں تلوار کی سی کاٹ تھی۔ "مجھے تمہاری اطاعت درکار ہے۔ تم جا سکتے ہو، دس منٹ بعد مَیں پھر طلب کر کے احکام جاری کروں گا۔"

ٹھیک دس منٹ بعد حاکم، وانس کے سامنے کھڑا تھا۔ وانس نے ٹوپی اُتار کر میز پر رکھ دی تھی۔ چہرے مُہرے سے وہ معصوم اور نیک طینت انسان نظر آتا تھا۔ اُس نے حاکم کو بیٹھنے کا حکم دیا۔ حاکم نے اپنا ہیٹ میز پر رکھا اور بیٹھ گیا۔

وانس نے کہا: "محترم! مَیں تم سے صاف صاف بات کروں گا۔ ہمیں تمہارا تعاون چاہیے۔ بہتر ہے خوشی سے کرو ورنہ ہم اپنی اطاعت اور عزت کے لیے سب کچھ کر گزریں گے۔ ہم ایک حد تک تمہارا احترام کریں گے، تمہارے رسم و رواج کو برداشت کریں گے، لیکن ضد اور ہٹ دھرمی کو نہیں۔ فی الحال تم اپنے عہدے پر برقرار رہو گے۔ تمہیں احکام مل چکے ہیں۔ ان کی مطبوعہ نقل دفتر کے دروازے پر لگا دو۔ علاوہ ازیں دو چار اور خاص باتیں ہیں: تمام اسلحہ اور ریڈیو فوراً سارجنٹ کے حوالے کر دو۔ ٹیلی فون ایکسچینج اور لائٹ ہاؤس خالی کر دیے جائیں۔ جرمن ٹیکنیکل دستے ان کا انتظام سنبھال لیں گے۔ ابھی اور جرمن دستے آئیں گے، اُن کے قیام کا بندوبست تمہاری ذمہ داری ہو گی۔ کل پچاس جوان اور تین افسر ہوں گے اور انگریزی زبان کے سوا کوئی اور زبان، خصوصاً مقامی بولی ممنوع ہو گی۔" وانس جانتا تھا یہ آخری حکم احمقانہ ہے۔ لوگ گھروں میں تو مقامی بولی ہی بولیں گے، انہیں کون روک سکے گا، مگر بڑے بڑے دانش ور حاکم احمقانہ احکام دے بیٹھتے ہیں جنہیں واپس لینا وقار کے منافی سمجھتے ہیں۔

کپتان وانس ذہین آدمی تھا۔ وہ جانتا تھا کہ یہاں اُسے سرد جنگ لڑنا پڑے گی اور وہ اس کے لیے بالکل تیار تھا۔ کچھ دیر رُک کر اُس نے کہا: "مجھے معلوم ہُوا ہے کہ نائب سُلطان کا ایک عزیز اسی جزیرے پر موجود ہے، اُسے کہو آج تین بجے سہ پہر مجھ سے آ کر ملے، ٹھیک تین بجے۔" کپتان مُسکراتا ہُوا اُٹھ کھڑا ہُوا۔

"موسیو! مسٹر لائنل فیلیز شاید یہاں آنا پسند نہ کریں۔" حاکم نے کہا۔

"اچھا تو اُسے لانے کے لیے سارجنٹ فوگل کو بھیج دُوں گا۔" کپتان کا جواب تھا۔

* * *

لائنل فیلیز سمندر کے کنارے منظر کشی میں مصروف تھا۔ اُس ۲۸ سالہ لمبے تڑنگے نوجوان کو تصویریں بنانے کا شوق تھا۔ اُس نے اپنے عقب میں بُوٹوں کی بھاری چاپ سُنی اور اس دخل در معقولات پر جھنجلا کر پیچھے دیکھا۔ ایک اجنبی پُوری فوجی وردی میں ملبوس، ہاتھ میں پستول لیے آ رہا تھا۔

"تم مسٹر لائنل فیلیز ہو؟" سارجنٹ فوگل نے کہا۔

"ہاں، اور تم جرمن سپاہی ہو؟" اُس نے جلدی سے گھڑی پر نظر ڈالی۔ "اُف! مَیں تو بالکل بھول ہی گیا تھا۔"

"حاکم نے تمہیں تین بجے کمانڈنٹ سے ملنے کو نہیں کہا تھا؟"

"ہاں ہاں، اُس نے کچھ کہا تو تھا، لیکن تصویر کشی میں میرے ذہن سے اُتر گیا۔"

"اب چار سے اُوپر وقت ہو چکا ہے۔"

"ہے تو سہی۔" پھر اُس نے ریوالور کی طرف اشارہ کرتے ہُوئے کہا: "یہ واہیات چیز ہٹاؤ، اگر چل گیا تو؟"

"یہ اسی مقصد کے لیے ہے! چلو کمانڈنٹ کے پاس فوراً چلو۔"

"تمہارا کمانڈنٹ کچھ روز تو یہاں رہے گا، پھر ایسی جلدی کیا ہے؟ اس روشنی اور ان موافق حالات کا مَیں کئی ہفتے سے منتظر تھا، مَیں ڈیڑھ گھنٹے بعد آ جاؤں گا تو .... ؟"

سارجنٹ فوگل غصے میں بپھر گیا: "گستاخ! اگر ہمارے ملک میں ہوتے تو فوراً گولی مار دی جاتی۔"

"غائب دماغ ضرور ہُوں، گستاخ نہیں۔ اور گولی مارنا مسائل کا حل نہیں۔ قتل انسان کے ذہنی اور عقلی دیوالیہ پن کی علامت ہے اور کئی نئے مسائل پیدا .... "

سارجنٹ فوگل نے ریوالور کا دستہ پُورے زور سے لائنل کے

جبڑے پر مارا۔ لائنل گر پڑا اور اُس کے مُنہ سے خُون کی پتلی سی لکیر چھلک پڑی جسے اُس نے اپنے ریشمی رُومال سے دبا لیا۔ وہ آہستہ آہستہ اُٹھا۔ اُس کا سانس تیز تیز چل رہا تھا اور مُٹھیاں بھنچی ہُوئی تھیں۔ اُس نے پھُولے ہُوئے سانس میں رُک رُک کر کہا، "تمہیں بھی وہی بیماری ہے جو رُومیوں کو تھی۔ میری تشخیص تمہارے بارے میں مکمل ہے... اب مَیں تمہارے کمانڈنٹ سے ملنے اور اپنی گستاخی کی معافی مانگنے کو تیار ہُوں!"

کپتان وائس، لائنل سے بہت تپاک اور احترام سے پیش آیا، اُسے کُرسی اور سگریٹ پیش کیا۔ لائنل نے کہا "مَیں دیر سے آنے کی معافی چاہتا ہُوں، مَیں تصویر کشی میں اتنا محو ہُوا کر بھُول گیا... اور پھر وقت کی پابندی اس جزیرے میں زیادہ قدر سے نہیں دیکھی جاتی!"

وائس نے لائنل کے چہرے پر نظر ڈالتے ہُوئے کہا "آپ کو کوئی حادثہ پیش آیا مسٹر فیلیز؟"

"جی ہاں، ایسے ہی گر پڑا تھا، ذرا!"

"خیر، مَیں چند سوال پُوچھ سکتا ہُوں؟ آپ کے حالات مَیں نے جان لیے ہیں، آپ ۱۹۱۲ء میں پیدا ہُوئے، آکسفورڈ میں تعلیم حاصل کی، منظر کشی سے دلچسپی ہے اور جنگ سے نفرت۔ آپ اس دُور اُفتادہ گُمنام سے جزیرے میں کیوں رہتے ہیں؟"

"جیسا کہ آپ نے جان لیا ہے مجھے جنگ سے نفرت ہے، آپ کے آنے سے پہلے مَیں اس جزیرے میں ایک آزاد انسان تھا اور اپنی مرضی سے چلتا پھرتا، اُٹھتا بیٹھتا اور تصویریں بناتا تھا، کسی باوردی گدھے کا .... معاف کیجیے .... حکم مجھ پر نہ چلتا تھا۔"

"لیکن آپ کے باپ، برطانوی فوج کے جرنیل اور نانا ایڈمرل تھے، پھر جنگ سے نفرت کی بات سمجھ میں نہیں آتی، کہیں آپ کو کسی خاص مقصد سے تو یہاں نہیں رکھا گیا؟" وائس نے پُوچھا۔

"کون سا مقصد؟" لائنل نے اشتیاق سے پُوچھا۔

"مثلاً برطانوی حکومت کے لیے مخبری ....؟"

لائنل نے زور سے قہقہہ لگایا، رُومال سے مُنہ صاف کیا اور کہا، "آپ میری عزت افزائی فرما رہے ہیں، لیکن مَیں نہ تو سپاہی ہُوں نہ جہازی اور نہ جاسُوس، تخریب کار یا مخبر ... مَیں جنگ کو پاگل پن تصور کرتا ہُوں!"

"دماغ تو نہیں مانتا، لیکن خیر مَیں یہ مشورہ ضرور دُوں گا کہ جزیرے میں آپ اپنی مصروفیت صرف تصویر کشی تک ہی محدود رکھیں، خدا حافظ!"

لائنل چلا گیا، تو وائس نے سارجنٹ فوگل کو آواز دی۔ وہ باورچی خانے سے بھاگتا ہُوا آیا اور اٹین شن کھڑا ہو گیا۔ "سارجنٹ! تم نے مسٹر فیلیز کو مارا تھا؟"

"جناب وہ .... وہ گستاخی پر آمادہ تھا، مجھے مجبوراً ریوالور کے دستے سے ادب سکھانا پڑا!"

وائس مُسکرایا، "میرے خیال میں تو وہ بے حد مہذب انسان ہے۔ جب تم نے ریوالور کا دستہ اُس کے منہ پر مارا، تو اُسے اس ضرب کی توقع تھی؟"

"نہیں، جناب کپتان!"

وائس نے ایک دم گھوم کر سارجنٹ کے جبڑے پر زور سے گھونسا مارا اور گرجتے ہُوئے کہا "تمہیں اس گھونسے کی توقع تھی؟"

سارجنٹ فوگل کے مُنہ میں خُون بھر گیا اور وہ خاموش رہا۔

"احمق اور نالائق انسان! تم جیسے بے ہودہ شیخی خوروں نے دُنیا بھر میں جرمنی کو بدنام کر رکھا ہے۔ تم نے ایک انگریز کے سامنے میرا سر نیچا کر دیا ہے، وہ مجھے تمیز سکھا کر گیا ہے ... محض تمہاری وجہ سے۔ آئندہ تم نے کسی جاندار شئے پر ہاتھ اُٹھایا، تو مَیں تمہیں کتے کی طرح گولی مار دوں گا، سمجھے! دفع ہو جاؤ۔"

* * *

چھ بج کر پانچ منٹ پر حاکم کے گھر میں پارلیمان کے سب ارکان جمع ہو چکے تھے۔ حاکم نے دروازہ مقفل کیا اور اجلاس شروع کرنے سے پہلے دُعا مانگی۔ سب نے آمین کہی اور بیٹھ گئے۔ حاکم نے مقامی بولی میں خطاب کرتے ہُوئے کہا:

"دوستو! مَیں کوئی ایسی بات نہیں بتا رہا جو آپ نہ جانتے ہوں۔ ہماری بولی پر پابندی لگا دی گئی ہے، لیکن جرمن افسر بھی جانتا ہے کہ یہ احمقانہ حکم ہے جس کی تعمیل ممکن نہیں۔ تمام ریڈیو اور اسلحہ حوالے کرنا ہوگا۔ مَیں نے اس پر دیر تک غور کیا ہے اور میرے خیال میں ایک ریڈیو ضرور بچا کر رکھ لینا چاہیے۔ اگر ہم اپنے مُلک اور بیرونی دُنیا کے حالات سے ناواقف رہے، تو ڈر ہے کہ جرمنوں کی اطلاعات تسلیم کرنا پڑیں گی۔ مَیں نے اپنا ریڈیو ... کہیں ... چھپا دیا ہے۔ مَیں روزانہ لندن سے خبریں سُنوں گا اور تم میں سے کسی کو بتا دوں گا، اس طرح ہم اندھیرے میں نہیں رہیں گے۔ جرمن افسر نے آج لائنل سے بھی

ملاقات کی ہے، لیکن لائنل بے ضرر انسان ہے، ہمیں اُس سے کوئی خطرہ نہیں۔ ہمارا چرواہا بیپٹسٹ ایسے میں کام کرتا رہے گا، ہمارے دشمنوں کی نقل و حرکت پر نظر رکھے گا اور ہمیں اطلاع دیتا رہے گا۔"

حاکم نے رُک کر ایک رُکن ژان کی طرف دیکھا اور اس سے کہا، "ژان، مجھے تم سے کچھ کہنا ہے۔ ہم سب ارکان ایک زنجیر کی مانند ہیں اور زنجیر کی مضبوطی سب سے کمزور حلقے میں ہوتی ہے۔ تم اچھے آدمی ہو، لیکن شراب کی طلب میں ہم سب کو تباہ کر سکتے ہو، اس لیے میں عہد لینا چاہتا ہوں کہ آج کے بعد سے نائب سلطان کی واپسی تک تم شراب کو مُنہ نہ لگاؤ گے۔"

ژان نے پریشان ہو کر اِدھر اُدھر نظر ڈالی اور کہا، "آپ کے حکم کی تعمیل ہو گی۔ میں نے ماضی میں حماقت کی ہے اب اسے نہیں دُہراؤں گا، خدا کو حاضر ناظر جان کر کہتا ہوں۔"

حاکم نے کہا، "میں مطمئن ہوں ژان۔ اب ہمیں چاہیے کہ وقت کا انتظار کریں، صبر سے کام لیں اور آنکھیں کھلی رکھیں۔"

* * * *

جنگ زوروں پر تھی، مگر لندن میں وزارتِ خوراک و زراعت کو جنگ سے زیادہ آرمول کی ایک گائے (ڈچس۔ زہرہ) کی فکر لاحق تھی۔ یہ اعلیٰ نسل کی بہترین بلکہ اکلوتی گائے تھی اور عنقریب ماں بننے والی تھی۔ ہونے والے بچھڑے کا باپ بھی بدقسمتی سے راہیٔ مُلکِ عدم ہو چکا تھا، اس لیے یہ گائے انگلستان کا قیمتی سرمایہ تھی اور آئندہ اعلیٰ نسل کی بقا کا انحصار اُسی پر تھا۔ اگر وہ جرمنوں کے قبضے میں چلی گئی یا اُسے کوئی گزند پہنچا تو نہ صرف ایوانِ زراعت، بلکہ انگریزی روایات میں دراڑیں پڑنے کا اندیشہ تھا۔ اس گائے کی حفاظت انگریزی ورثے کی حفاظت تھی ___ اور جنگ کے لمحات میں شاید انسانی زندگی سے بھی زیادہ اہم ....!

* * * *

اکہتّر سالہ بیپٹسٹ گزشتہ پچاس سال سے شاہی محل اپیسے کے مویشیوں کا نگران تھا، شاہی محل کے بالمقابل ایک مکان اُسے ملا ہُوا تھا جہاں اس سے پہلے اُس کے باپ اور دادا رہ چکے تھے ... ان پچاس برسوں میں اُسے محل میں پیدا ہونے والے ہر بچھڑے کی نسل، رنگ، نشان اور خصائل ازبر تھے۔ ایک دن وہ چراگاہ کی طرف گیا، تو دیکھا کہ زہرہ کے پاس دو آدمی کھڑے ہیں جن میں سے ایک تو حاکم تھا اور دُوسرا کوئی اجنبی، جو وردی میں تھا۔ اُس نے سوچا یہ جرمن ہی ہو سکتا ہے، لیکن کسی غیر کو اس طرح زہرہ پر نظر ڈالنے کا کیا حق ہے؟ وہ کھول اُٹھا اور تیز تیز چلتا ہُوا گائے کے پاس پہنچ گیا۔ اُس نے حاکم کو سلام کیا اور دانت بھینچ کر کھڑا ہو گیا۔ حاکم نے وائس سے اُس کا تعارف کرایا۔ وائس نے گائے کے گرد چکر لگا کر تنقیدی جائزہ لیا، کانوں میں جھانکا، سیدھی کمر پر ہاتھ پھیرا اور سینگ وغیرہ دیکھے۔ اُس نے بیپٹسٹ سے پُوچھا، "گائے کی عمر کیا ہے؟"

بیپٹسٹ نے فوراً جواب دیا، "تین سال، گیارہ ماہ اور دس دن جناب!"

"کب تک جننے والی ہے؟"

"چودہ پندرہ دن میں جناب!"

وائس نے جیب سے کیمرا نکالا اور مختلف زاویوں سے گائے کی تصویریں لینے لگا۔ بیپٹسٹ بے چینی سے دیکھتا رہا، اُس نے سوچا: "یہ شہری آدمی نہیں، تجربہ کار معلوم ہوتا ہے!"

وائس نے کیمرا بند کیا اور مُسکرا کر کہا، "میں پیشہ ور فوجی نہیں، جنگ سے پہلے میں بھی کسان تھا اور میری اعلیٰ نسل کی گایوں کا پُورے جرمنی میں شہرہ تھا۔ یہ گائے بھی اپنی نسل کا بہترین جانور ہے، بے عیب اور بے داغ، میری حکومت اس میں یقیناً دلچسپی لے گی۔ مجھے اس کے کوائف درکار ہیں۔"

"کمانڈنٹ صاحب!" حاکم نے کپکپاتی آواز میں کہا، "یہ گائے ہمارے لیے بہت قیمتی ہے، اگر میں کہوں ...؟"

"... تو میرا جواب ہو گا نہیں!" کپتان وائس نے تلخی سے اس کی بات کاٹ دی۔

حاکم نے وائس کی اجازت سے مقامی بولی میں بیپٹسٹ سے کہا، "کپتان، گائے کے جملہ کوائف چاہتا ہے، اگر تم ذہانت سے کام لو، تو معاملہ ٹھیک ہو سکتا ہے، تم اعداد و شمار مجھے دے دینا، میں خود نبٹ لوں گا۔"

اُن کے جانے کے بعد بیپٹسٹ، گائے پر ہاتھ پھیر کر کہتا رہا: "یہ تمہیں جرمنی لے جانا چاہتا ہے، لیکن تم نہیں جاؤ گی، تم نہیں جاؤ گی۔"

* * * *

میجر مورلینڈ نے براؤن ہوٹل کے ایک کمرے میں صبح سات بجے زوردار جماہی لے کر دن کا آغاز کیا۔ کبھی وہ یونیورسٹی میں تاریخ کا استاد

تھا اور اب فوج نے اُسے جاسُوس بنا ڈالا تھا۔ وہ ابھی ابھی یورپ میں خفیہ مشن سرانجام دے کر واپس آیا تھا۔ اُس نے تھکن دُور کرنے کے لیے غسل کیا اور ناشتہ کرنے کی سوچ ہی رہا تھا کہ فون کی گھنٹی بجی "موریلینڈ بول رہا ہُوں!"

"مَیں انکل جارج ہُوں" دُوسری طرف سے آواز آئی۔ "کب واپس آئے؟"

"رات کو!"

"اچھا سب ٹھیک ہے؟ مَیں تم سے ملنا چاہتا ہُوں۔ تمہارے لیے ایک اور کام ہے"

موریلینڈ کا دِل ڈوب گیا۔ "پہلے والے کی طرح؟"

"نہیں" انکل جارج نے کہا۔ "قطعاً نہیں۔ مَیں تمہیں ایک بہت ہی دِلچسپ اور مزے دار کام پر بھیجنا چاہتا ہُوں۔ گیارہ بجے کمرہ نمبر ۱۸۰ دفترِ جنگ میں پہنچ جاؤ"

"بہت اچھا" موریلینڈ نے کہا۔

ٹھیک گیارہ بجے وہ انکل جارج کے کمرے میں تھا، جو اپنی سیکرٹری کو خط لکھوا رہا تھا۔ اُس نے ایک فائل اُسے دیتے ہُوئے کہا، "مَیں جب تک فارغ ہُوں، تم ایک نظر اسے دیکھ لو"

موریلینڈ نے فائل لی ایک بار اس کا مطالعہ کیا، یقین نہ آیا، پھر دوسری بار غور سے پڑھا، دفترِ جنگ کو کسی اعلیٰ نسل کی گائے سے کیا دِلچسپی ہو سکتی ہے؟ اب انکل جارج فارغ ہو چکا تھا۔ "کہو کیا رائے ہے؟" اُس نے پُوچھا۔

"بے حد دِلچسپ! جنگ، موت، قتل کے دہشتناک ماحول میں یہ کیس موجب صبا ہے۔ اِس پاگل خانے میں کہیں تو عقل کی کرن ہے!" موریلینڈ نے جواب دیا۔

"تمہیں یہ نامعقول جانور آرمورل سے یہاں لانا ہے، کیا تیار ہو؟"

"بخوشی! لیکن مجھے تھوڑی سی مدد درکار ہوگی، مثلاً ایک نہایت ہوشیار ریڈیو آپریٹر، مَیں ایک ـــــن سے واقف ہُوں، فوریز نام ہے اس کے علاوہ آرمورل کے بارے میں مکمل تفصیلات"

"ٹھیک ہے" انکل جارج نے کہا۔ "تفصیلات تمہیں ایک لڑکی سے مِل جائیں گی جو فوج میں ڈرائیور ہے، وہ آرمورل میں رہ چکی ہے اُسے تمہارا ڈرائیور بنا دیا جائے گا"

موریلینڈ رخصت ہوتے وقت سوچ رہا تھا جو قوم جنگ کے بحران کے دوران میں بھی کسی گائے اور اُس کے ہونے والے بچھڑے کے لیے فکر مند ہو وہ شکست نہیں کھا سکتی۔

* * *

شام کو حاکم، کپتان وائس کی طرف گیا، تو وہ خاصے خوشگوار مُوڈ میں بیٹھا تھا، چھُوٹتے ہی بولا "مَیں نے گائے کے بارے میں اپنی رپورٹ، تصویروں سمیت برلن بھیج دی تھی۔ وزارتِ خوراک نے لکھا ہے کہ گائے فوراً جرمنی بھیج دی جائے، وہیں یہ بچہ جنے گی۔ اس کی قیمت نائب سُلطان کے نام جمع کرا دی جائے گی"

"لیکن ... لیکن ... نائب سُلطان کو رقم کی ضرورت نہیں۔ گائے آرمورل سے باہر نہیں جائے گی۔ کسی قیمت پر بھی نہیں۔ جزیرے کے سب لوگ مزاحمت کریں گے، اگر آپ نے یہ گائے پکڑ لی ... میرا مطلب ہے زبردستی لے لی تو فساد کا خطرہ ہے"

وائس کی بھنویں تن گئیں، "تم نے ہمیں چور کہا ہے؟"

حاکم نے فوراً معذرت کے لہجے میں کہا "ہم سیدھے سادے دیہاتی لوگ ہیں، زبان کی نفاست سے ناآشنا۔ اگر کوئی شخص کسی کی چیز زبردستی لے لے تو ہم اُسے چوری ہی کہتے ہیں۔ ہم احمق لوگ ہیں، لیکن بددیانت آدمی کو سزا دے کر ہی رہتے ہیں۔ مَیں صاف کہتا ہُوں آپ نے گائے باہر بھیجنے کی کوشش کی تو مزاحمت ہوگی!"

"خُوب!" وائس نے طنزیہ کہا۔ "یہ حقیر سا جزیرہ جرمنی سے ٹکر لے گا؟ مچھر، ہاتھی کا مقابلہ کرے گا؟"

"ہمارے ہاں مثل مشہور ہے، مچھر وا صبر سے کام لو، رات تمہاری ہے" حاکم نے سنجیدگی سے کہا۔

"زہرہ کو جرمنی روانہ کرنے تک، میری آنکھوں کے سامنے چراگاہ میں باندھ دیا جائے! بس!" وائس نے اپنا آخری فیصلہ سُنا دیا۔

* * *

موریلینڈ کو ایک اسٹاف کار، ڈرائیور سمیت مِل گئی۔ ڈرائیور وہی لڑکی تھی، نکولا فیلیز، نائب سُلطان کی بہن۔ موریلینڈ نے اُس سے آرمورل کے بارے میں پُوچھا۔ نکولا نے جزیرے کا جغرافیہ اور ذرہ ذرہ تفصیل بیان کر دی مگر وہ حیران تھی کہ وہ اس دو میل لمبے ڈیڑھ میل چوڑے جزیرے میں اتنی دِلچسپی کیوں لے رہا ہے۔ آخر میں اپنے عزیز، لائنل فیلیز کے بارے میں بھی بتایا کہ وہ جنگ سے نفرت کرتا ہے اور صرف تصویر کشی کا شوق رکھتا ہے۔

ساتھ گزارے ہوئے دن یاد آ گئے ۔ وہ قدرے افسردہ ہو گئی ۔

٭ ٭ ٭

لائنل فیلیز ایک بار پھر کپتان وائس کے دفتر میں تھا۔ "مسٹر فیلیز ہم نے رات دن تمہاری نگرانی کی ہے ۔ تمہاری معمولی سے معمولی حرکت بھی ہم سے پوشیدہ نہیں رہی ۔ ہمیں یقین ہو گیا ہے کہ تم صرف تصویریں بناتے ہو اور تمہارا کوئی شغل خطرناک نہیں ، اس لیے میں تمہیں آرمورل میں آزادانہ گھومنے پھرنے کی اجازت دیتا ہوں ۔" اس نے کاغذ کا ایک ٹکڑا لائنل کی طرف بڑھایا ۔ "یہ ہے تمہارا پاسپورٹ ۔ کوئی سنتری تمہاری نقل و حرکت پر اعتراض نہ کرے گا ۔"

لائنل نے کاغذ کی تحریر پڑھی اور کہا ، "وائس ، تم اچھے انسان ہو ، لیکن میں اسے قبول نہیں کر سکتا ۔"

"کیوں ؟" وائس نے پوچھا ۔

"اس لیے کہ میں پہلے آرمورل کا باشندہ ہوں اور پھر مصور ۔ میں اپنے دوستوں سے بڑھ کر کوئی مراعات نہیں چاہتا ۔" اس نے وائس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جواب دیا ۔

لائنل ، خدا حافظ کہہ کر چلا گیا ۔ وائس کچھ دیر سکتے میں رہا ۔ کاغذ اس کے سامنے میز پر پڑا اس کا منہ چڑا رہا تھا ۔ غصے کی چھوٹی سی چنگاری بڑھ کر شعلہ بن گئی ۔ اس نے کاغذ کے پرزے پرزے کر ڈالے اور گھنٹی پر زور سے ہاتھ مارا ۔ اردلی اندر آیا تو اسے ہدایت کی ، "مسٹر فیلیز پر نگرانی جاری رکھو ، وہ ہمارے قواعد کی ذرا بھی خلاف ورزی کرے ، دانستہ یا نادانستہ ، تو اسے گرفتار کر کے فوراً میرے سامنے حاضر کرو ، سمجھے ! ... دن رات نگرانی ضروری ہے !"

٭ ٭ ٭

مس نکولا کو فیلیز سے بڑی کارآمد اطلاعات ملی تھیں ۔ اب ریڈیو آپریٹر کا مسئلہ تھا اور اس کے لیے بھی کوشش ہو رہی تھی ۔ مورلینڈ نے نکولا کو ڈنر کی دعوت بھی دی ۔ ڈنر کے دوران ہی میں خبر ملی کہ لینگلے نامی ایک جہاز راں کی خدمات حاصل کر لی گئی ہیں ۔ وہ آرمورل کے چپے چپے سے واقف تھا اور جب اس نے نکولا کو بتایا کہ حکومت نے آرمورل کی مشہور گائے زہرہ کو بحفاظت انگلستان لانے کے لیے مہم ترتیب دی ہے ، تو وہ بہت خوش ہوئی ۔ "ہاں ۔" مورلینڈ نے کہا ۔ "اس مہم کا خفیہ رہنا نہایت ضروری ہے ۔"

نکولا کو خود اس مہم سے دلچسپی تھی اُسے بھلا کیا اعتراض ہو سکتا تھا ۔

٭ ٭ ٭

اپنے گھر کے اندرونی گوشے میں حاکم چپکے چپکے ریڈیو پر بی بی سی کی خبریں سن رہا تھا ۔ ریڈیو اس نے اپنی بیوی کی پرانی سلائی مشین کے ڈھکنے میں چھپا رکھا تھا ۔ اچانک دروازے پر دستک ہوئی ۔ اس نے فوراً ریڈیو چھپا دیا ۔ حاکم کی بیوی نے دروازہ کھولا ، تو وائس مسکراتا ہوا اور پھر وہ مکان میں داخل ہو گیا ۔ آگے بڑھ کر حاکم کو سلام کیا اور کہا ، "میں نے سوچا آپ کے دولت خانے پر ملاقات کر لوں ۔" اس نے ادھر ادھر نظر ڈالی اور پھر کہا ، "کہیے کیا خبر ہے ؟"

حاکم گڑبڑا گیا ، "خبر ؟ میں سمجھا نہیں جناب ! اس جزیرے پر تو صرف وہی خبر ہے جو آپ ہمیں بتاتے ہیں ۔"

"گھبراؤ نہیں ۔" وائس نے کہا ۔ "جرمن خبروں میں آپ کو سچ کے سوا کچھ نہیں ملے گا ۔ میں تو یہ بتانے آیا تھا کہ آرمورل میں خاص فوجی مشقیں ہوا کریں گی ، کل تک ایک گن بوٹ ، جرمن فوجی کمپنی لے کر یہاں آ جائے گی ، چند دن یہ لوگ ایسے ہی میں گزاریں گے ۔ ان کے قیام کے دوران سخت حفاظتی تدابیر اختیار کی جائیں گی اور کرفیو کا عرصہ بڑھا دیا جائے گا ۔ اب تمام باشندوں کو غروبِ آفتاب سے طلوعِ آفتاب تک گھروں میں بند رہنا ہو گا ۔ خلاف ورزی کرنے والوں کو فوراً گولی مار دی جائے گی ... !"

"میں سب کو مطلع کر دوں گا ۔" حاکم نے کہا ۔ وائس مزید تاکید کر کے رخصت ہو گیا ۔

٭ ٭ ٭

دوسرے دن مورلینڈ نے ریڈیو آپریٹر سارجنٹ فوربز اور جہاز راں لینگلے کو اپنے دفتر میں بلایا ۔ فوربز سے کہا کہ وہ آرمورل کا نقشہ حفظ کر لے اور آرمی سگنلز سے مل کر نشریات کا وقت وغیرہ طے کر لے ۔ لینگلے سے اس نے کہا ، "تم ہمیں آرمورل تک پہنچاؤ گے اور واپس انگلستان آ جاؤ گے ۔ اس سے اگلے دن تم موٹر تارپیڈو کشتی لے کر پہنچو گے جس میں ہم واپس آئیں گے ۔ اس کشتی میں تھوڑی سی ضروری تبدیلیاں کر دی گئی ہیں ۔ فی الحال تم بحریہ کے محکمہ سیاسی میں رپورٹ کرو ، لیکن یاد رکھو جب تک تم اس کام پر تعینات ہو شراب خانوں سے دور رہو !" پھر وہ نکولا کی طرف متوجہ ہوا اور کہا ، "تمہارے لیے آرمورل سے کیا لاؤں ؟"

"ہم سب کو واپس لاؤ — فوربز ، لینگلے اور مجھے ، اور زہرہ کو !"

"لیکن تم ہمارے ساتھ نہیں جا رہی ہو!"

نکولا نے لمبا سانس لے کر کہا: "تم نے آرمورل کے بارے میں پوچھا تھا تو میں نے عام سطحی باتیں بتائی تھیں، کیونکہ اُس وقت تک مجھے تمہاری مہم کا علم نہ تھا۔ میں بزدل غلط انسان نہیں، بلکہ نہایت عاجز خوفزدہ عورت ہوں، البتہ ایک بات جانتی ہوں، اگر مجھے ساتھ نہ لے گئے تو یہ مہم ناکام رہے گی اور تم اور فوربز جرمنی کے قیدی بن جاؤ گے، آرمورل کی زمین کا حصہ!"

"ہماری مہم کیوں ناکام رہے گی؟" مورلینڈ نے پوچھا۔

"اس لیے کہ تم جزیرے سے اور جزیرہ تم سے واقف نہیں۔ وہاں کے باشندے تمہیں مشتبہ سمجھیں گے، تم پر اعتماد نہیں کریں گے۔ مثلاً کیا تمہیں معلوم ہے جرمن سنتری آرمورل کی کن چوٹیوں پر پہرہ دیتے ہیں؟"

"نہیں، مجھے علم نہیں۔ کیا تم جانتی ہو؟"

"مجھے بھی معلوم نہیں لیکن آرمورل پہنچتے ہی میں اپنے تین سو دوستوں میں سے کسی ایک سے بآسانی معلوم کر سکتی ہوں۔ تم یہ کام نہیں کر سکتے۔"

مورلینڈ کچھ دیر خاموش رہا، پھر کہا: "تم خود کہتی ہو اس مہم کا انجام خطرناک ہو سکتا ہے۔ اگر تم مرد ہوتیں تو اور بات تھی۔۔۔؟"

نکولا نے بات کاٹ کر کہا: "آرمورل میں، میں لندن سے زیادہ محفوظ ہوں گی۔ میں جانتی ہوں میرا جانا کارآمد ہو گا۔ میں نے لائنل سے کہا تھا کہ عورت ہونے کے ناطے میں جنگ میں زیادہ مفید ثابت نہیں ہو سکتی، لیکن یہی ایک موقع ہے کہ میں اپنی کارگزاری دکھا سکتی ہوں ــــ اپنی مختلف جسمانی ساخت کے باوجود!"

* * *

سہ پہر کا وقت ہو گیا جب چار عجیب سے انسانوں کا گروہ سادہ لباس میں بندرگاہ سے آبدوز میں سوار ہوا۔ آبدوز کے کپتان نے انہیں ایک چھوٹے سے کمرے میں پہنچا دیا۔ مورلینڈ کی کمر پر خوب بھرا ہوا تھیلا اور کولھے سے بھاری فوجی ریوالور لٹک رہا تھا۔ فوربز نے کمر سے رسّہ لپیٹ رکھا تھا اور ہاتھ میں پرانا سا سوٹ کیس تھا۔ اسی سوٹ کیس میں نہایت ہوشیاری سے نشریاتی آلات لگائے گئے تھے۔ لینگلے بھی بحریہ کی پرانی وردی اور ٹوپی میں ملبوس تھا۔

کپتان نے سب کو سمجھایا کہ رودبارِ انگلستان میں جابجا بارودی سرنگیں بچھی ہوئی ہیں، اس لیے بڑا محتاط رہنا ہو گا۔ آرمورل کے قریب آبدوز پانی میں غوطہ لگائے گی اور سب کو ساحل سے ذرا دور اُتار دے گی۔ لینگلے انہیں کشتی میں لے کر ساحل تک جائے گا اور آدھ گھنٹے میں واپس آ جائے گا۔ اس کے بعد آبدوز واپس انگلستان روانہ ہو جائے گی۔

آبدوز روانہ ہوئی، تو مورلینڈ نے آرمورل کا نقشہ پھیلایا اور سب کو صورتِ حال سمجھائی، نئی ہدایات دیں، پرانی دُہرائیں۔ مورلینڈ، نکولا اور فوربز، گائے کو لے کر ایک خفیہ کھاڑی میں خاص وقت پر پہنچیں گے۔ لینگلے انہیں کشتی میں تیار ملے گا۔ کھاڑی کا پانی صرف آدھ گھنٹے بعد اُترنے لگے گا، اس لیے ہر کام وقت پر ہونا چاہیے۔

رات ہو چکی تھی۔ جب آبدوز نے پانی سے سر باہر نکالا، ساحل کی لکیر دُور سے نظر آ رہی تھی اور موجوں کی شپاشپ بھی سُنائی دیتی تھی۔ سب لوگ آبدوز سے اُتر کر لینگلے کی ربڑ کی کشتی میں سوار ہو گئے۔ دوسرے ہفتے کا چاند ہر چیز کو مہیب بنا رہا تھا۔ لینگلے نے انہیں ساحل کے نامعلوم مقام پر اُتار دیا اور کشتی لے کر واپس چلا گیا۔ ہر طرف خاموشی تھی جسے کسی



پرندے کی چیخ کبھی کبھی مجروح کر دیتی۔ مورلینڈ نے نکولا کی طرف دیکھا۔ وہ خوف سے منجمد ہو رہی تھی، اُس کا ہاتھ تھاما تو برف تھا اور انگلیوں میں لرزش تھی۔ مورلینڈ نے کہا: "گھبراؤ نہیں، تم تو ہماری رہنما ہو۔ ابھی تک ہمیں کسی نے نہیں دیکھا۔ ممکن ہے چوٹی پر کوئی سنتری موجود ہو، اس لیے خاموشی ضروری ہے۔"

"سنتری ہُوا، تو۔۔۔؟" نکولا نے پوچھا۔

"میں اور فوربز اس سے نبٹ لیں گے۔"

فوربز نے مسکرا کر رسّے کا حلقہ بنایا اور ہاتھوں میں گھمایا۔

نیم تاریکی میں تینوں چل پڑے۔ نکولا آگے آگے تھی۔ چٹان سخت ڈھلوانی اور چکنی تھی۔ مورلینڈ کے جوتوں کی کیلیں اچانک ایک پتھر سے ٹکرائیں۔ ہلکی سی آواز بلند ہوئی۔ دُور کوئی کُتّا بھونکا۔ تینوں اپنی اپنی جگہ پر ٹھٹک کر رہ گئے۔ پھر خاموشی چھا گئی اور تینوں نے آگے قدم بڑھائے۔

چوٹی کے پار، راستہ تقریباً ہموار تھا اور جزیرے کے کھیت دُور تک پھیلے ہوئے تھے۔ نکولا نے سر اُٹھا کر اِدھر اُدھر نظر دوڑائی۔ دُور دُور تک کوئی

اُن کا ساتھ دے رہی تھی۔

تینوں پنجوں کے بل پگڈنڈی پر ہو لیے۔ کھیتوں کے کناروں پر جھاڑیاں اور باڑیں بڑی عمدہ آڑ کا کام دے رہی تھیں۔ پیٹر کا کھیت اور مکان سامنے ہی تھے۔

وہ چلتے رہے۔ تھوڑی دیر بعد پتھروں کی ایک نیچی سی دیوار آئی جسے پھلانگ گئے۔ ایک مکان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے نکولا نے کہا "یہ نائب سلطان کی رہائش گاہ ہے۔ پرے ۔۔۔ اس سڑک کے پار زہرہ کا تھان تھا۔" وہ سب سستانے بیٹھ گئے۔ مورلینڈ کچھ دیر سوچ میں ڈوبا رہا، پھر اُس نے سرگوشیوں میں اپنا منصوبہ بتایا اور وہ اُٹھ کھڑے ہوئے۔

وادی کی ڈھلوان چپ چاپ دم سادھے اور دبے پاؤں پار کی۔ آگے سڑک تھی۔ یہاں وہ رُک گئے۔ مورلینڈ نے سرگوشی کی "منصوبے پر عمل کرنے کا وقت آگیا ہے، نکولا! میرے اور فوربز کے درمیان آجاؤ، اور فوربز تم لمبے لمبے ڈگ نہ بھرنا۔" اور پھر انہوں نے نپے تلے قدموں کے ساتھ لیبے کی طرف مارچ شروع کر دیا۔ رفتہ رفتہ فاصلہ کم ہوتا چلا گیا، ساٹھ گز، تیس اور اب صرف بیس گز کی دوری حائل تھی۔ شاہی محل کے دروازے پر جرمن سنتری نے مارچ کی آواز سُنی اور اندھیرے میں دیکھنے کی کوشش کی۔ اُس نے سمجھا شاید خاص دستہ رات کی مشق کر رہا ہے۔ ان سے سوال پوچھنے کی کسی کو جرأت نہ تھی، اس لیے سنتری خاموش رہا۔ تینوں اس کے پاس سے گزرے، تو جرمن زبان میں "شب بخیر اور ہائیل ہٹلر!" کہا جس کا جواب سنتری نے باقاعدگی سے دیا۔ پھر اُس نے تینوں ہیولوں کو بائیں جانب، اصطبل کی طرف مُڑتے دیکھا اور تھکن سے جماہی لے کر اپنے خیالوں میں گم ہو گیا۔

تینوں ایک مربع عمارت کے سامنے جا کھڑے ہوئے۔ نکولا نے کھٹکا دبایا اور دروازہ ہلکی سی چرچراہٹ سے کھل گیا۔ تینوں خاموشی سے اندر داخل ہو گئے۔ اندر گہری تاریکی تھی۔ نکولا نے آہستہ اور احتیاط سے دروازہ بند کر دیا اور مورلینڈ سے ٹارچ لے کر روشنی کی مدھم شعاع اِدھر اُدھر ڈالی۔ گائے اپنے تھان پر موجود تھی اور بڑے مزے سے جگالی میں مصروف۔ ٹارچ بند کر کے نکولا نے گائے سے کہا "ہیلو زہرہ! ہم تمہیں لینے آئے ہیں۔"

٭ ٭ ٭

دُھندلے شیشوں میں سے سُورج کی میلی کرن نے اصطبل میں جھانکا تو سب سے پہلے اُسے جگالی کرتی ہوئی زہرہ نظر آئی، پاس ہی ایک چیکبرا بلا بڑے اطمینان سے مُنہ دھونے میں مصروف تھا۔ نیم چھتی میں روشنی کی کرن نکولا کے ننگے، خوابیدہ ٹخنوں پر پڑی۔ باہر جنگل کی آواز بلند ہوئی اور وہ چونک کر اُٹھ گئی۔ اُس نے اِدھر اُدھر دیکھا اور کہا "گویا ہم واقعی یہاں پہنچ چکے ہیں۔"

"بے شک، مِس نکولا، صبح بخیر!" مورلینڈ نے کہا۔

فوربز بھی جاگ چکا تھا۔ نکولا نے بلّے کو پچکارا اور وہ یوں پاس آکر خُرخُر کرنے لگا جیسے پُرانا واقف ہو۔ نکولا نے گھاس کے تنکے بدن سے الگ کیے۔ نیم چھتی میں ابھی روشنی کم تھی۔ فوربز نے گھڑی دیکھی اور کہا "لندن کو پیغام بھیجنے میں تین منٹ باقی ہیں۔" اُس نے سُوٹ کیس کھولا، نکولا بڑی دلچسپی سے اُسے دیکھ رہی تھی اور مورلینڈ اور فوربز گھڑی پر نظر جمائے ہوئے تھے۔ جونہی سُوئی مقررہ وقت پر پہنچی، فوربز نے پیغام نشر کرنا شروع کر دیا "مورلینڈ سے انکل جارج کے نام ۔۔۔۔ ہم زہرہ تک پہنچ گئے ہیں ۔۔۔ سب خیریت ہے ۔۔۔"

فوربز ایک دم چونک کر خاموش ہو گیا۔ سڑک پر قدموں کی چاپ سُنائی دی اور اصطبل کا دروازہ چرچراہٹ سے کھلا۔ گھاس پر لیٹے لیٹے نکولا نے نیچے جھانک کر دیکھا۔ یہ ہیپسٹ تھا جو آہستہ سے زہرہ کے پاس گیا اور اُس سے لاڈ پیار کی بے معنی باتیں کرنے لگا۔ گائے کو گھاس ڈالی اور اُس کا "بچھونا" درست کیا اور گوبر وغیرہ ہٹا دیا۔ نکولا نے خوش ہو کر مورلینڈ سے کہا "یہ ہیپسٹ ہے، میں اسے بچپن سے جانتی ہوں۔ اس سے کوئی خطرہ نہیں۔ اپنا پیغام جاری رکھو!"

یہ کہہ کر وہ خاموشی سے ہیپسٹ کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔ بوڑھے نے نظر اُٹھا کر دیکھا تو دنگ رہ گیا "یہ ۔۔۔۔ یہ تو ۔۔۔ اپنی نکولا ہے!"

فوربز نے دوبارہ پیغام نشر کرنا شروع کیا، ابھی اُس نے ایک فقرہ ہی کہا تھا کہ سڑک پر دوبارہ کسی کی چاپ سُنائی دی۔ کوئی فوجی انداز میں نپے تُلے قدموں سے آرہا تھا۔ نکولا بجلی کی طرح نیم چھتی میں واپس آگئی اور مشکل سے پناہ لی تھی کہ اصطبل کا دروازہ کھل گیا۔ فوربز اور مورلینڈ اپنی جگہ ساکت ہو گئے۔ انہوں نے دیکھا کہ کوئی باوردی شخص اندر آیا۔ اُس نے ہیپسٹ کو سلام کیا۔ نیم چھتی میں تینوں، سانس روکے کھڑے تھے۔ داخل ہونے والے نے گھوم پھر کر زہرہ کا جائزہ لیا۔ ہیپسٹ سے کیفیت پوچھی۔

نکولا کا ایک پاؤں ہیٹلن کے نیچے آکر سُن ہو گیا تھا، تکلیف برداشت سے باہر ہو گئی، تو اُس نے احتیاط سے پاؤں نکالا، لیکن اس حرکت سے ایک بڑا سا شلغم لڑھک کر سیڑھیوں سے ٹکراتا نیچے اصطبل میں جا گرا۔

وانس ایک قدم پیچھے ہٹا اور پستول نکال لیا۔ ایک قدم آگے بڑھایا، پھر قہقہہ لگا کر پیچھے ہٹ گیا۔ اس نے دیکھا کہ چکبرا بڑے سکون سے سیڑھیوں کے آخری کنارے پر بیٹھا تھا۔ بِلّے نے جماہی لی اور ٹہلتا ہُوا دھوپ کھانے نکل گیا۔ وانس ہنسنے لگا اور پستول واپس پیٹی میں ڈال لیا۔ اُس نے زہرہ پر آخری نظر ڈالی اور خوش خوش باہر نکل گیا۔

اصطبل کا دروازہ بند ہوتے ہی تینوں کی جان میں جان آئی۔ مورلینڈ نے پیشانی سے پسینہ پُونچھا اور مُسکرا کر فوربز کی طرف دیکھا اور پیغام دوبارہ نشر کرنے لگا:

"... پیغام مجبوراً منقطع کرنا پڑا... کمانڈنٹ زہرہ کو جرمنی لیجانے کا پروگرام بنا رہا ہے۔ ہم اسے ناکام بنانے کی پُوری کوشش کریں گے۔ ہماری طرف سے پانچ پونڈ بِلیوں کے فلاحی ادارے کو دے دیے جائیں۔"

پیغام ختم کر کے فوربز نے سُوٹ کیس بند کیا۔ مورلینڈ نے نقشہ نکال لیا اور نکولا سے کہا: "اب حاکم سے رابطہ قائم کرنا ضروری ہے۔ ایک گھنٹے کے اندر اندر۔" یہ بھی فیصلہ ہُوا کہ مورلینڈ اور فوربز یکے بعد دیگرے باہر نکلیں گے اور الگ الگ چلتے ہُوئے مقررہ مقام پر پہنچیں گے۔ یہ ایک کُنج تھا، عام نگاہوں سے محفوظ۔ سب نے اپنی گھڑیاں ملائیں اور رخصت ہو گئے۔ یہ بھی طے کر لیا گیا کہ اگر کوئی ایک مصیبت میں پھنس جائے، تو باقی دو اپنا مشن جاری رکھیں گے۔

آزمورل کا حاکم، مرغیوں کو دانا کھلا رہا تھا کہ اُس کی بیوی نے آواز دی اور جلدی اندر آنے کو کہا۔ وہ اندر آیا تو اُس کی بیوی نے یہ حیرت ناک خبر سُنائی کہ سلطان کی بہن نکولا واپس آ گئی ہے اور وہ اندر موجود ہے۔

* * *

نکولا، حاکم سے مِل کر کُنج میں پہنچی، تو مورلینڈ بے تابی سے منتظر تھا۔

"تم ٹھیک سات منٹ لیٹ ہو!" اُس کا اضطراب بجا تھا۔

نکولا نے معذرت کی اور کہا: "میرا قصور نہیں، حاکم کی بیوی نے دیر کر دی۔ بہر حال حاکم سے مجھے جو کچھ معلوم ہُوا، اُس کا خلاصہ یہ ہے کہ پوائنٹ وِڑدوئی اور دوسرے مقامات پر شام سے صبح تک ایک ایک جرمن سنتری رہتا ہے۔ خوش قسمتی سے مِیٹی پچی کے مقام پر جہاں ہم کل لنگر انداز ہُوئے تھے، کوئی سنتری نہیں ہوتا۔ ان سب سنتریوں کا، میدانی فون کے ذریعے اپنے ہیڈ کوارٹر سے رابطہ رہتا ہے جو لیپے میں ہے۔ مختلف مقامات پر باقاعدہ سُرنگیں بچھائی جا رہی ہیں۔ جرمن فوجی دستہ چالیس جوانوں پر مشتمل ہے جس کا کمانڈر کپتان وانس ہے جسے زہرہ سے بے پناہ محبت ہے۔

یہ پہلی دُشواری ہے۔ دُوسری مشکل یہ ہے کہ اس کا ساجنٹ (اَرل) بے حد وحشت، تُند خو اور عقابی نظر رکھنے والا انسان ہے۔ تین دن ہُوئے خصوصی جرمن دستے بھی جزیرے میں وارد ہو چکے ہیں، لیکن ان میں اور وانس کے دستے میں کوئی دوستی کی بات نہیں۔"

"چوتھی مشکل کیا ہے؟" مورلینڈ نے پُوچھا۔

"وہ سب سے زیادہ پریشان کُن ہے۔ بندرگاہ میں ایک جرمن مسلح کشتی موجود ہے جو تیز رفتار ہے اور پُوری طرح اسلحے سے لیس!"

"اوہ!" مورلینڈ نے کہا۔ "یہ تو اچھی بات نہیں۔"

تینوں خاموش ہو گئے۔ مورلینڈ سوچ میں پڑ گیا۔ یہ کشتی مہم کی ناکامی کا سبب بن سکتی تھی۔ پھر بولا: "کچھ بھی ہو، ہمیں اپنا کام جاری رکھنا چاہیے، اِس طرح گویا یہ نامعقول جرمن کشتی موجود ہی نہیں۔ فوربز! تم آج اُس راستے کا معاینہ کرو گے جس پر ہمیں رات کو سفر کرنا ہے... اور پوائنٹ وِڑدوئی اور لیپے کے درمیان رابطے کا فون بے کار کر دو گے۔ میں تم سے پانچ منٹ بعد روانہ ہوں گا اور لاٹرین کی بندرگاہ پر پہنچ کر رات کی آتش بازی کا سامان کروں گا۔ ہم ایک بجے دوبارہ یہیں ملیں گے تاکہ لندن سے بات کی جا سکے۔"

دونوں اپنی اپنی راہ چل دیے، تو نکولا بھی اپنے مشن پر روانہ ہو گئی۔ وہ سیدھی لاٹنل کے ہاں پہنچی۔ لاٹنل تھوڑی دیر پہلے ہی بیدار ہُوا تھا اور کھڑکی کے پاس کھڑا باہر کا نظارہ کر رہا تھا۔ کیا دیکھتا ہے کہ سڑک کے پار ایک لڑکی تنہا جا رہی ہے اور پھر جرمن سپاہیوں کی سیٹیاں بجانے کی آوازیں آنے لگیں۔ لاٹنل ہونے والے سانحے کے تصور سے پریشان ہو گیا۔ فوراً کھڑکی بند کی اور باورچی خانے میں چلا گیا۔ کافی بنا کر پہلا گھونٹ لیا ہی تھا کہ دروازہ کھلا اور کسی کے قدموں کی چاپ سُنائی دی۔ وہ چونک کر اُٹھ کھڑا ہُوا۔ قدموں کی چاپ مانوس سی تھی، لیکن وہ یہاں کہاں؟ اِتنے میں نکولا اُس کے سامنے آ کھڑی ہُوئی۔ پیالی لاٹنل کے ہاتھوں میں لڑکھڑا گئی۔ "تم نے کہا تھا نا کہ اس بیہودہ جنگ کو چھوڑ کر آ جاؤ، سو میں آ گئی!" نکولا کے جذبات الفاظ کی صُورت میں چھلک گئے۔ لاٹنل کو بڑی مشکل سے

...میں جنہوں نے جرمن سپاہیوں کو دیکھ کر ہاتھ ہلایا تھا؟
...سے بچنا محال تھا' اس لیے یہی ایک صورت نظر آئی۔"

"یہاں کب اور کیسے پہنچیں؟"

"کل ہی لندن سے آئی ہوں' ہم آبدوز سے یہاں پہنچے ہیں۔"

"ہم؟" لائنل نے تعجب سے کہا "تمہارے علاوہ بھی کوئی ہے؟ پاگل ہو گئی ہو؟ ہر جگہ جرمن سپاہی تعینات ہیں۔"

نکولا نے مختصر الفاظ میں اپنے ساتھیوں کا تعارف کرایا اور کہا "آج رات عینگلے تارپیڈو کشتی لے کر آنے گا۔ زہرہ بھی اسی میں جائے گی۔ برطانوی حکومت نہیں چاہتی کہ اس کا ہونے والا بچھڑا جرمنوں کے ہاتھ میں پلے۔ قیمت کی بات نہیں' برطانوی وقار داؤ پر لگا ہے' لیکن دشواری یہ ہے کہ کپتان وانس' زہرہ کا گرویدہ ہے اور اُسے نظروں سے اوجھل نہیں ہونے دیتا۔" نکولا نے نیچی نظر سے لائنل کو دیکھا اور کہا "اس موقعے پر تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔"

"دیکھو' تم جانتی ہو میں جھگڑے سے بہت دور رہتا ہوں اور کسی انسان پر ہاتھ نہیں اٹھا سکتا۔" لائنل نے احتجاج کیا۔

"لڑائی جھگڑے کی ضرورت نہیں۔" نکولا نے کہا اور پھر رُک کر بولی "میں چاہتی ہوں تم کسی گھٹنے کو زہرہ کی طرح رنگ دو۔" لائنل اس صدمے سے ابھی پوری طرح سنبھلنے بھی نہ پایا تھا کہ نکولا نے کہا "مجھے پاگل نہ سمجھو' میں نے حاکم سے مل کر یہ اسکیم بنائی ہے۔ زہرہ کو اڑا لے جانے کا یہی ایک طریقہ ہے کہ کسی گھٹیا گائے کو اس جیسا بنا دیا جائے۔ شام کے جھٹپٹے سے کچھ دیر پہلے میں زہرہ کی جگہ یہ رنگدار گائے بدل دوں گی۔ اگر کپتان وانس نے زیادہ غور سے نہ دیکھا تو بات بن جائے گی۔ پھر رات گئے چوری چھپے اُسے بندرگاہ پر پہنچا دیں گے۔ اگر تم یہ کام نہیں کرنا چاہتے تو صاف کہہ دو' میں برا نہیں مانوں گی۔"

لائنل کچھ دیر خاموش رہا' پھر اُس کا چہرہ بچپن کی معصوم روشنی سے چمک اٹھا اور وہ کچھ کہے بغیر اندر سے رنگوں کا ڈبا اور برش وغیرہ اٹھا لایا اور نکولا سے کہا:

"محترمہ! میں آپ کے فرمان کی تعمیل کروں گا۔ فن کار یہ نہیں دیکھتا کہ وہ کاغذ پر نقش و نگار بنا رہا ہے یا زندہ کھال پر۔ سب سے پہلے تو مجھے زہرہ کے نشانات کا خاکہ تیار کرنا پڑے گا' وہ اس وقت ہے کہاں؟"

نکولا نے کہا "شاہی محل کے سامنے اونچی چراگاہ میں بندھی ہوئی ہے۔ تم خاکہ تیار کرو' میں مسز گلوم سے کوئی اچھی سی گائے مانگنے کی کوشش کرتی ہوں۔" یہ کہہ کر نکولا باہر چلی گئی۔

٭ ٭ ٭

مورلینڈ بل کھاتی ہوئی پہاڑی پگڈنڈی پر چڑھتا اُترتا الامرین کی بندرگاہ پر پہنچ گیا۔ ساحل پر پتھروں کی اوٹ میں اُس نے تھیلا رکھ دیا اور پتھر سے ٹیک لگا کر سمندر کا جائزہ لینے لگا۔ اُس نے اپنا پستول بھی پاس ہی رکھ لیا۔ تھیلے میں سے بڑی احتیاط کے ساتھ تین ٹائم بم نکلے اور ان کا وقت اس طرح سے مقرر کر دیا کہ تینوں چار منٹ کے وقفے سے پھٹیں' پھر انہیں ساحل سے ذرا اندر' جہاں سمندر کی لہریں نہ پہنچ سکیں' ٹکڑوں کی صورت ریت میں دبا دیا۔

اچانک عقب میں ہلکی سی چاپ سنائی دی۔ وہ ایک دم ایڑی پر گھوم گیا اور پستول کی طرف ہاتھ بڑھایا۔ دس سال کی عمر کا ایک لڑکا اُسے گھور کر دیکھ رہا تھا اور اُس نے نقلی پستول مورلینڈ پر تان رکھا تھا۔

مورلینڈ نے "ہیلو" کہا اور انتہائی سنجیدگی سے آہستہ آہستہ اپنے ہاتھ بلند کر لیے۔ لڑکے نے کوئی حرکت نہ کی اور غنغناتی ہوئی آواز میں کہا "میں نے تمہیں' تمہارے دوست اور مس نکولا کو رات کو دیکھ لیا تھا' میں اپنے ماموں کے ساتھ رہتا ہوں' حاکم میرا نانا ہے۔ تم نے اس کا کھیت پار کیا' تو میں نے دیکھ لیا' میں سویا ہوا نہیں تھا۔"

"افسوس ہے ہم نے اچھی طرح احتیاط نہیں کی' میں ہاتھ نیچے کر لوں؟"

"ہاں' لیکن کوئی غلط حرکت مت کرنا' میرے پاس پستول ہے۔"

"بے حد شکریہ' تمہارا نام کیا ہے؟"

"کیوں بتاؤں! تمہارا نام کیا ہے؟"

"میں بھی کیوں بتاؤں؟"

"اس لیے کہ میرے پاس پستول ہے!"

"اوہ! یہ تو میں بھول ہی گیا تھا۔ میرا نام مورلینڈ ہے۔"

"میرا نام جارج ہے۔ اب ہم ایک دوسرے سے واقف ہو چکے ہیں۔ مس نکولا' مسٹر لائنل سے مل چکی ہے۔ تمہارا دوست پوائنٹ وڑوئی میں جرمن سنتریوں کی نظر سے اوجھل' عمدہ جگہ میں چھپا ہوا ہے۔ وہ تم سے زیادہ ذہین ہے۔ تم نے تو بہت غلط جگہ چنی ہے۔"

"وہ کیوں؟"

"اس لیے کہ ادھر آنے کا صرف ایک ہی راستہ ہے۔ اگر جرمن سنتری آ گیا تو تم بچ کر کہاں جاؤ گے؟"

"لیکن جرمن ادھر کیوں آئیں گے؟"

حاکم گھومنے پھرنے نکلا تو اُس نے انکل کو گائے کی تصویر کشی میں مصروف پایا۔ وہ مُسکرا دیا۔ آگے بڑھا تو مسز گلام کے باڑے میں چار کی جگہ تین گائیں نظر آئیں۔ اُس کی اسکیم پر عمل ہو رہا تھا۔ اتنے میں اُس نے دیکھا کہ شراب خانے کے مالک کی بیوی بھاگم بھاگ آ رہی ہے اور سخت مضطرب ہے۔ اُس نے حاکم کو پکار کر کہا "غضب ہو گیا، ژان نوتل شراب خانے میں غل مچا رہا ہے، کہتا ہے جنگ ختم ہو چکی ہے اور مس نکولا واپس آگئی ہے۔ اُس نے اُسے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔"

"کوئی اور بھی وہاں ہے؟" حاکم نے گھبرا کر پوچھا۔

"ہاں، کچھ جرمن سپاہی تھے۔"

"فوراً واپس جاؤ اور اپنے شوہر سے کہو کہ گھر کے پچھواڑے میرا اور ژان کا انتظار کرے، اور پھر چارلس اس طرح ضرب لگائے کہ ژان کا منہ بند ہو جائے۔ اس کے لیے زوردار ضرب کی ضرورت ہوگی۔"

"لیکن ... لیکن جناب! چارلس لوہے کا بنا ہوا ہے، کہیں ژان اُس کی ضرب سے ڈھیر ہی نہ ہو جائے۔"

"اگر خدا کی یہی مرضی ہے تو کیا ہو سکتا ہے۔" حاکم نے کہا اور وقار سے چلتا ہوا شراب خانے پہنچ گیا۔ جرمن سپاہی بڑی دلچسپی سے ژان کا نظارہ کر رہے تھے۔ حاکم نے غور سے ژان کو دیکھا۔ ہر طرف خاموشی تھی، صرف ژان کے بوجھل سانسوں کی آواز تھی۔ حاکم نے نرمی، مگر دبدبے سے کہا، "ژان، میں تمہیں ساتھ آنے کا حکم دیتا ہوں۔"

جرمن سپاہی پیچھے ہٹ گئے۔ حاکم مُڑا اور ژان اُس کے پیچھے پیچھے لڑکھڑاتا ہوا چل پڑا۔ دونوں مکان کے پچھواڑے پہنچے، چارلس پہلے ہی ڈنڈا تھامے منتظر تھا۔ حاکم نے سر سے ہلکا سا اشارہ کیا اور زوردار ضرب نے ژان کو پچھاڑ کے رکھ دیا۔

* * *

مورلینڈ نے انکل جارج کو پیغام بھیجا "سب خیریت ہے۔ ایک ضروری اطلاع ہے، بندرگاہ میں جرمن گن بوٹ لو ٹیک لنگر انداز ہے۔ زہرہ کی حالت سے بھی تشویش ہے، کسی لمحے بچہ جننے والی ہے۔ لینگلے سے کہہ دیجیے اسی جگہ ملے جہاں ہمیں اُتارا تھا۔"

انکل جارج پیغام وصول کر کے مُسکرایا۔ جرمن گن بوٹ نیا ہتھیار تھا، اُسے تباہ کرنے کا یہ اچھا موقع تھا۔ ایک مختصر دھوکا، تارپیڈو بوٹ کو دیکھ کر جرمن کشتی بندرگاہ سے فوراً باہر نکلے گی، بس اُسی وقت رائل ایئر فورس کے جہاز اُس کا نشانہ لے لیں گے۔

* * *

کپتان وانس اُس دن صبح سے تین بجے سہ پہر تک مصروف رہا اور اپنے دفتر سے باہر نہ نکل سکا، چنانچہ اُسے شراب خانے کے ہنگامے کا علم نہ ہوا۔ تین بجے وہ دفتر سے نکلا اور سیدھا چراگاہ گیا۔ زہرہ وہیں چر رہی تھی۔ اُس نے محبت سے اُسے دیکھا۔ اُس کی حالت بظاہر ٹھیک تھی، لیکن بچہ کسی لمحے پیدا ہو سکتا تھا۔ دفتر واپس پہنچ کر اُس نے ایجوٹنٹ کو بُلایا اور کہا "جرمنی سے احکام ملے ہیں کہ زہرہ کو آج رات روانہ کر دیا جائے۔ ہیلمٹ سے کہو آج شام پانچ بجے اُسے بندرگاہ پر پہنچا دے۔"

"آپ کو گائے سے بہت پیار ہو گیا تھا سر!" ایجوٹنٹ نے کہا۔ "لیکن جزیرے پر ایک اور زہرہ موجود ہے!"

"کیا مطلب؟" وانس نے تعجب سے پوچھا۔

"یہ زہرہ گائے نہیں، ایک خوبصورت لڑکی ہے سر!"

"وہ کون ہے جسے میں نہیں جانتا؟"

"سر! اس کے بارے میں کوئی ٹھیک طور پر نہیں جانتا، لیکن سپاہیوں نے صبح اُسے دیکھا تھا۔"

"مجھے پہلے کیوں نہ بتایا؟" وانس نے غصے سے کہا۔

"سر! اُس وقت آپ کھانا کھانے چلے گئے تھے .... ہاں یاد آیا کہ ژان نے نشے کی حالت میں شراب خانے میں اعلان کیا تھا کہ نائب سلطان کی ہمشیرہ آگئی ہے اور جنگ ختم ہو گئی ہے۔ کہیں یہ لڑکی وہی نہ ہو!"

وانس اُچھل کر کھڑا ہو گیا: "ژان اب کہاں ہے؟"

"اُسے حاکم اپنے ساتھ لے گیا تھا۔"

وانس نے بے تابی سے گھنٹی بجائی۔ سارجنٹ فوگل دوڑتا ہوا آیا۔ وانس نے کہا "سارجنٹ! ابھی شراب خانے جاؤ، ژان کا پتا لگاؤ اور میرے روبرو حاضر کرو، چاہے وہ جس حالت میں ہو!"

ایجوٹنٹ اور سارجنٹ کو رخصت کر کے وانس نے نائب سلطان کا کمرہ کھولا، سنگھار میز سے کپڑا ہٹایا اور چاندی کے سادہ فریم میں لگی ہوئی نکولا کی تصویر اُٹھائی۔ اُس نے ان سپاہیوں کو باری باری بلوایا جنہوں نے نکولا کو صبح دیکھا تھا اور تصویر دکھا کر پوچھا "انہوں نے اس لڑکی کو دیکھا ہے؟" سب نے اُسے پہچان لیا۔ شناخت مکمل ہو گئی تھی۔ اتنے میں سارجنٹ فوگل ہانپتا ہوا داخل ہوا اور کہا کہ اُس نے ژان کو تلاش کر لیا ہے، لیکن

کرادے ۔ بندرگاہ پر پہنچ کر اُس نے دیکھا مال بردار کشتی کنارے سے لگ چکی ہے اور "زہرہ" کو سوار کرایا جا رہا ہے۔ گائے تختے پر قدم رکھتے ہُوئے گھبرا رہی تھی۔ بپٹسٹ اُس کی رسّی کھینچ رہا تھا' لیکن کشتی کے ہچکولے لینے کی وجہ سے گائے پیچھے ہٹ رہی تھی۔ وانس نے محسوس کیا' یہ اکیلے بپٹسٹ کے بس کا روگ نہیں' تو وہ خود آگے بڑھا۔ بپٹسٹ دل ہی دل میں سہم گیا اور وانس کو روکنے کی کوشش کی' لیکن وانس تختے پر پہنچ گیا۔ اُس نے پیار سے گائے کی پُشت کو آگے دھکیلا اور پھر یُوں محسوس کیا کوئی لیس دار چیز ہاتھ سے چپک گئی ہے۔ دیکھا' تو بھُورا رنگ تھا' اُس نے گائے کے پہلو پر ہاتھ پھیرا' اس بار چند بال بھی چپک گئے۔ بات اُس کی سمجھ میں آگئی۔ اُس نے غصّے سے پستول نکال لیا اور کہا "ٹھہرو! اس جانور کو فوراً واپس ساحل پر پہنچا دو!"

بپٹسٹ نے چاند لمحوں تک سے وانس کی طرف دیکھا اور خاموش رہا۔

"اس جانور کو واپس لے آؤ' میں حکم دیتا ہُوں!" وانس دوبارہ گرجا۔

"تمہارا خیال ہے تم مجھے اور جرمنی کو اُلّو بنا سکتے ہو' میں تمہیں اس کا مزہ چکھاؤں گا!" اُس نے دیوانگی سے قہقہہ لگایا۔ تو آرمورل میں خاموش ڈراما کھیلا جاتا رہا ہے! اس زنگ آلود مخلوق کو زہرہ بنایا جا رہا تھا! واپس پہنچا دو!

* * *

شام ہو رہی تھی۔ مورلینڈ اور فوربز ایک جگہ جھاڑیوں میں چھُپ کر نکولا کا انتظار کر رہے تھے۔ دونوں بے حد فکرمند تھے۔ جزیرے میں فوجی نقل و حرکت اچانک بڑھ گئی تھی۔ حاکم صبح سے اپنے سے واپس نہ آیا تھا۔ فوربز نے ٹیلیفون کے تار کاٹ دیے تھے جو پوائنٹ وٹروٹی سے ملاتے تھے۔ رات گہری ہوتی گئی۔ دونوں بالکل خاموش تھے۔

کپتان وانس دفتر میں واپس آیا' گھنٹی بجا کر ایجوٹنٹ کو طلب کیا اور کہا "بپٹسٹ کو بھی حراست میں لے لو۔ تمام سنتری خبردار کر دیے جائیں اور نقل و حرکت' انسانی یا حیوانی' روک لی جائے۔ ژان کی حالت ڈاکٹر کے نزدیک کیسی ہے؟"

"یس سر! ژان سانس لے رہا ہے' ہوش میں آنے میں وقت لگے گا' مگر وہ بچ جائے گا۔"

"گن بوٹ کے کمانڈر سے کہو وہ فوری نوٹس پر کارروائی کے لیے تیار رہے۔ اب حاکم کو پیش کیا جائے!"

حاکم حاضر ہُوا' تو وانس نے کہا "آدھ گھنٹہ پہلے میں نے تم سے مِس نکولا فیلیز کا پتہ پُوچھا تھا' اب میں تم سے پُوچھتا ہُوں کہ اعلیٰ نسل کی گائے زہرہ کہاں ہے؟"

حاکم کا دل ڈوب گیا۔ محنت اکارت گئی! لیکن اُسے اطمینان ہُوا کہ ابھی تک زہرہ نہیں مِل سکی۔ وقت اور تاریکی دونوں اہم تھے' حاکم نے فرش کو گھُورتے ہُوئے کہا "میں کیا کہہ سکتا ہُوں جناب! آپ کے حُکم کے مطابق تو اُسے جرمنی کی طرف روانہ ہو جانا چاہیے تھا۔ میں تو یہاں آپ کا قیدی ہُوں' مجھے کیا معلوم آپ کے حُکم کی تعمیل ہوئی یا نہیں۔"

"چلو' تم نے اتنا تو تسلیم کیا!" وانس نے طنز سے کہا "تمہارے ساز ولی بپٹسٹ نے تمہارے احکام پر عمل کیا' اُس نے گھٹیا نسل کی ایک گائے کو طوطا اُلّو کی طرح بنا سنوار کر فیور ہر اور جرمن قوم کی توہین کی ہے' لیکن وہ ناکام رہا۔ تمہارا تماشا ختم ہو گیا' اب ہماری باری ہے۔ بپٹسٹ اس قابل بھی نہیں کہ اُس پر گولی ضائع کی جائے۔ اب وہ تمام عمر جرمن نظر بند کے طور پر کسی کیمپ میں گزارے گا۔ مجھے بتاؤ زہرہ کہاں ہے؟"

حاکم نے کندھے اُچکائے اور خاموش رہا' وقت گزر رہا تھا' اندھیرا پھیل رہا تھا۔ تیز ہوا مدد جزر کی نوید لا رہی تھی۔ اُس کے دوست ابھی تک آزاد تھے . . . .



"اس جزیرے میں انوکھی باتیں رونما ہوتی ہیں"۔ وائس نے کہا۔ "سب سے پہلے تو مس نکولا سارلق افروز ہوتی ہیں۔ پھر ژان' شراب کے نشے میں راز اُگل دیتا ہے اور تمہارے حکم سے خاموش کر دیا جاتا ہے۔ اعلیٰ نسل کی گائے زہرہ غائب ہو جاتی ہے اور ایک جعلی گائے پر رنگ و روغن پھیر کر اصلی گائے کی جگہ بھجوانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ معلوم نہیں یہ فن کار کون ہے؟ کہیں ہمارا دوست لائنل ہی تو نہیں جس نے اب کپڑے کی جگہ گائے کی کھال پر مشقِ تصویر کشی شروع کی ہے؟"

حاکم نے کوئی جواب نہ دیا۔ وائس نے دوبارہ کہا: "ان تمام بظاہر غیر مربوط واقعات میں کوئی ربط ضرور ہے۔ خیر' چند گھنٹوں میں پتہ چل جائے گا۔ اور اس کا انجام آرمورل کے لیے دردناک ہوگا۔ تم یہیں نظر بند رہو گے۔ اپنی رائے بدل لو تو ایجوٹنٹ کو بتا دینا' میں فوراً آ جاؤں گا۔"

* * *

نکولا اور لائنل اندھیرے میں گائے کی حفاظت کر رہے تھے۔ دونوں کے دل انجانے خدشات سے دھک دھک کر رہے تھے۔ اتنے میں دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔ نکولا کا دل اُچھل کر منہ میں آ گیا۔ لائنل نے پردہ کھسکا کر باہر جھانکا۔ وہ جارج تھا اور بے حد گھبرایا ہوا۔ لائنل اُسے اندر لے آیا۔ اُس نے آتے ہی کہا: "مجھے معلوم تھا تم دونوں اور گائے یہیں ہے۔ مسٹر مورلینڈ مجھے اپنے ساتھ انگلستان لے جا رہے ہیں' لیکن اب خطرہ بے حد بڑھ گیا ہے۔ جرمن تمہارے اور گائے کے لیے ہر گھر کی تلاشی لے رہے ہیں۔ مس نکولا! یہاں سے نکل جاؤ!"

"لیکن یہاں سے نکل کر میں جاؤں گی کہاں؟"

"سارجنٹ فوگل احمق انسان ہے"۔ جارج نے کہا۔ "وہ تلاشی لینے والی پارٹی کا سربراہ ہے۔ میں اُسے بتاؤں گا کہ تم پوائنٹ ڈرودی کے بالکل مخالف سمت گئی ہو' وہ اِدھر دوڑ پڑے گا' پوائنٹ ڈرودی جانے والی پگڈنڈی کے آخر میں ایک طویلہ سا ہے' وہاں چھپ جاؤ' وہ جگہ بالکل محفوظ ہے' تمہارے دوست بھی وہیں قریب ہی چھپے ہوئے ہیں' لیکن جلدی سے نکل جاؤ!" جارج نے کہا اور غائب ہو گیا۔

"چلو!" لائنل نے کہا۔ "تم آگے آگے چلو اور میں تمہارے پیچھے پیچھے زہرہ کو لے کر آتا ہوں"۔

نکولا نے دروازہ کھولا' لائنل نے گائے کی رسی تھامی اور چل کھڑا ہوا۔ راستے میں اُس نے پوچھا: "تمہارے پاس کتنا وقت ہے؟"

نکولا نے کہا: "سوا بارہ بجا ہے اور دس بج کر سولہ منٹ پر سے جب پانی ساحل تک آ جائے گا۔"

"گویا آدھ گھنٹہ باقی ہے۔ خیر' ہم منزل پر پہنچ جائیں گے' بشرطیکہ راستے میں کوئی رکاوٹ نہ پیدا ہو۔" زہرہ بھاری قدموں سے آہستہ آہستہ چل رہی تھی۔ نکولا کچھ فاصلے پر آگے آگے تھی تاکہ مورلینڈ اور فوربز کو پہلے سے آگاہ کر دے۔ جھاڑیوں کے پاس پہنچ کر اُس نے آہستہ سے مورلینڈ کو آواز دی' وہ لپکتا ہوا آیا اور خدا کا شکر ادا کیا کہ وہ پہنچ گئی۔ نکولا نے بتایا کہ لائنل گائے لے کر آ رہا ہے' لیکن حالات اچھے نہیں' گائے بچہ جننے کے قریب ہے' جرمن گھر گھر کی تلاشی لے رہے ہیں اور چٹانوں پر بھی پہرا بڑھا دیا گیا ہے۔

"کچھ فکر نہیں۔ چٹانوں کے سنتریوں کو میں اور فوربز سنبھال لیں گے اور اب کہ ہم میدان میں ہیں وہ بے شک تلاشی لیتے پھریں"۔ مورلینڈ نے کہا۔

تھوڑی دیر بعد لائنل بھی آ پہنچا۔ نکولا نے سب کا تعارف کرایا۔



فوربز نے ہاتھ کی ٹارچ سے گائے پر روشنی ڈالی اور پوچھا "قریب کوئی جھونپڑی ہے؟" نکولا نے بتایا: "سو گز دور ایک چھپر سا ہے"۔ نکولا نے جواب دیا۔

"گائے کو فوراً وہاں لے چلو' بچہ ہونے والا ہے"۔ فوربز نے کہا۔ مورلینڈ نے گھڑی پر نظر ڈالی۔ قیمتی لمحات تیزی سے گزرتے جا رہے تھے۔

* * *

سارجنٹ فوگل کی کمان میں جرمن دستہ حاکم کے گھر پہنچا۔ اُسی لمحے جارج چپکے سے اندر داخل ہوا۔ فوگل نے اُسے دیکھ لیا' لیکن خاموش رہا۔ دستک دینے پر دروازہ حاکم کی بیوی نے کھولا۔ فوگل نے گھر کی تلاشی لینے کا حکم سنایا۔ حاکم کی بیوی ایک طرف ہو گئی اور جرمن سپاہی اندر داخل ہو گئے۔ فوگل نے دیکھا جارج آتشدان کے پاس اسٹول پر بیٹھا ہے۔ اُس نے لاتعلقی سے فوگل کو دیکھا اور دوبارہ کتاب پر جھک گیا۔ فوگل نے مسکرا کر اُس سے پوچھا

"بیٹے تم کب سے یہاں بیٹھے ہو؟"

"کرفیو کے وقت سے۔"

"باہر نکلے ہی نہیں؟"

"گیا تھا ذرا باغ تک!"

"صرف باغ تک؟"

"اور کیا؟ تمہاری طرح وقت ضائع نہیں کرتا۔"

"کیا مطلب؟" فوگل نے تیوری چڑھا کر پوچھا۔

"مطلب یہ کہ جس خاتون کو تم ڈھونڈ رہے ہو وہ یہاں ہے ہی نہیں!"

"تو پھر وہ کہاں ہے؟ تم جانتے ہو؟" فوگل نے سراسر انجان بن کر کہا۔

"ہاں! وہ لانڈین کی بندرگاہ میں ہے، لیکن میں تمہیں کیوں بتاؤں؟" جارج نے بڑی مکار معصومیت سے کہا۔

اتنے میں کسی سپاہی نے فوگل کو اندر آنے کا اشارہ کیا۔ فوگل جارج کی خوابگاہ میں آیا۔ بستر پر رسّی سے بندھا ہوا ایک بنڈل رکھا تھا۔ فوگل نے اُسے اُلٹ پلٹ کر دیکھا اور احتیاط سے رسّی کھول دی۔ بنڈل کے اندر صاف قمیص، رفو شدہ پتلون، ایک نقلی پستول اور پنیر کا سینڈوچ تھا۔ فوگل نے تمام اشیا کو غور سے دیکھا اور تیز تیز آنکھیں جھپکتا رہا، پھر اُسی جگہ دوبارہ لپیٹ کر رکھ دیا۔ اُس نے سرگوشی میں سپاہی سے جرمن زبان میں کہا:

"یہاں سے چلتے ہیں ـــ اور بظاہر لانڈین کی بندرگاہ چلیں گے۔ میں تم سے الگ ہو کر واپس یہاں آجاؤں گا۔ میرا خیال ہے ہمارا نوجوان دوست جلد ہی گھر سے نکل کر مطلوبہ خاتون تک پہنچائے گا۔"

جرمن دستہ زور زور سے مارچ کرتا ہوا باہر نکل گیا۔ اُن کی چاپ جاتی رہی تو جارج مسکرا کر اُٹھا، اپنے کمرے میں آ کر بنڈل کھولا، پستول نکالا اور بنڈل دوبارہ باندھ دیا۔ عقبی دروازے سے چوری چھپے نکل کر وہ پلانٹ جانے والی سڑک پر ہو لیا۔ وہ اپنی ذہانت پر خوش تھا، لیکن اُسے یہ علم نہ تھا کہ سارجنٹ فوگل، دس گولیوں والا لوگر ہاتھ میں لیے دبے پاؤں اُس کا تعاقب کر رہا ہے۔

اندھیرے میں بلّی کی طرح چلتے ہوئے جارج نکولا اور اُس کے ساتھیوں کے پاس چھپر میں پہنچ گیا اور آتے ہی کہنے لگا: "میں نے ویسا ہی کیا جیسا سوچا تھا اور احمق سارجنٹ کو لانڈین کی طرف روانہ کر دیا!" اُس کی نظر لائنل پر پڑی: "ہیلو مسٹر لائنل! کیا آپ بھی ہمارے ساتھ انگلستان چل رہے ہیں؟"

چھپر کے دروازے سے ایک کرخت آواز آئی: "نہیں مسٹر لائنل! انگلستان نہیں جا رہے۔ تم میں سے کوئی بھی انگلستان نہیں جا رہا۔ دیوار سے لگ جاؤ اور ہاتھ اُٹھا لو۔ فوراً..... فوراً! ورنہ میں گولی چلا دوں گا!"

سارجنٹ فوگل نے چھپر کے ٹوٹے ہوئے دروازے سے ٹیک لگا دی اور شیطانی قہقہہ لگاتے ہوئے کہا: "ہوں! تو سب ایک ہی جگہ مل گئے۔ گمشدہ گانٹے، گمشدہ مصور اور مس نکولا! اس کے علاوہ یہ ابلیس جو اپنے آپ کو بہت ہوشیار سمجھتا ہے اور دو اجنبی حضرات بھی!" اُس نے لوگر کی نال دھمکی کے انداز میں ہلاتے ہوئے کہا: "منہ دیوار کی طرف کرو، سب کے سب!"

مورلینڈ سناٹے میں تھا اور ابھی جوابی حملے کے لیے اُس کا ذہن تیار نہ تھا۔ سارجنٹ فوگل نے اُس کا اور فوربز کا پستول نکال کر دروازے سے باہر پھینک دیا۔ جارج کا نقلی پستول دیکھ کر اُس نے بھرپور قہقہہ لگایا۔ دروازے کی طرف دوبارہ ہٹتے ہوئے اُس نے لوگر کو بغل میں دبا لیا اور کہا: "میں تمہیں تاریکی کا فائدہ اُٹھاتے ہوئے بھاگنے کا موقع نہیں دوں گا۔ ہم سب یہیں سپاہیوں کا انتظار کریں گے۔ کوئی شخص آواز نہ نکالے!"

مورلینڈ نے سر اُٹھا کر گھڑی پر نظر ڈالی۔ وقت گزر رہا تھا..... وہ فلیتے بھی پھٹنے کو تھے جو اُس نے ریت میں دبائے تھے۔ گانٹے درد سے کراہی۔ نکولا نے کہا: "اس کا بچہ ہونے والا ہے، میں نہیں رُکوں گی۔"

کچھ دیر بعد بحران دور ہو چکا تھا۔ گانٹے نے بچہ جنم دیا تھا اور نکولا نے اُسے بازوؤں میں اُٹھا لیا۔ سارجنٹ فوگل نے حکم دیا: "بچہ نیچے رکھ دو اور دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑی ہو جاؤ، ورنہ میں گولی مار دوں گا!"

نکولا نے مسکرا کر پہلے لائنل کو دیکھا، آنکھوں ہی آنکھوں میں اشارہ کیا اور سارجنٹ سے کہا: "کیا تم اس معصوم بچے کو گولی مار دو گے؟ تم تو صرف عورتوں اور بچوں پر ہاتھ اُٹھاتے ہو! اور پھر اس کو تو تم برلن بھیجنا چاہتے ہو!"

عین اُسی لمحے مورلینڈ کے ریت میں دبائے ہوئے بم زوردار دھماکے سے پھٹے۔ فوگل نے اضطراری طور پر سر کو اُدھر موڑا اور بس اتنا وقفہ لائنل کے لیے کافی تھا۔ وہ چیتے کی طرح سارجنٹ فوگل پر جا پڑا۔ نکولا کا پیغام اُس نے سمجھ لیا تھا۔

* * *

آدوردل کے حاکم نے "قید خانے" میں دھماکے کی آواز سُنی اور اطمینان کا سانس لیا۔

کپتان وائس نے بھی اپنے دفتر میں دھماکہ سُنا — وہ اُچھل کر کھڑا ہوگیا اور گارڈ کو پکارتا ہُوا باہر کی طرف لپکا۔ سنتری بھی وائس کے پیچھے پیچھے بھاگے۔ میدان خالی ہوتے ہی حاکم نے ہیٹ سر پر رکھا اور باہر تاریکی میں گم ہوگیا۔

٭ ٭ ٭

لاسٹل کی بے باکانہ جسارت پر مورلینڈ بھی ہکا بکا رہ گیا۔ ایسا شخص جو کسی چیونٹی کو تکلیف دینا بھی گوارا نہ کرتا ہو اور ایسی جرأت؟ مارا ازیں کیلو ضعیف ایں کمال نبود! اس نے لاسٹل کو اُٹھایا، خیریت پوچھی اور ڈگل کو "حراست" میں لے لیا۔ لاسٹل نے کہا:

"اپنے اصولوں کے خلاف ایسا قدم اُٹھاتے ہُوئے مجھے ندامت تو ہے، لیکن سارجنٹ ڈگل کا قرض دیر سے واجب الادا تھا۔"

"ہم سارجنٹ کو ساتھ ہی لے چلیں گے۔" مورلینڈ نے کہا۔ "سمندری ہوا اس کی صحت کے لیے مفید رہے گی۔" پھر اُس نے جارج سے کہا: "جارج! پوائنٹ وڈروئی پر ایک سنتری تعینات ہے، اُس سے کنی کترا کر آندھی کی طرح جاؤ۔ وہاں ساحل کے قریب ایک تارپیڈو کشتی نظر آئے گی، اُس کے کپتان سے کہو ہم آ رہے ہیں۔ نکولا! تم بچھڑے کو اُٹھا لو اور فورنیز! تم ڈگل پر نظر رکھو، اگر وہ شور مچائے یا بھاگنے کی کوشش کرے، تو بلا تامل گولی مار دو۔"

جارج پہلے ہی اندھیرے میں غائب ہو چکا تھا۔ نکولا نے بچھڑے کو اُٹھا لیا اور زیبرا خود بخود پیچھے پیچھے چلنے لگی۔ اس کے پیچھے ڈگل، پھر فورنیز، پھر لاسٹل اور سب سے آخر میں مورلینڈ۔ اس طرح یہ قافلہ ساحل کی طرف چل پڑا۔

جارج نے لینگلے کو تلاش کر لیا اور اُسے پیغام پہنچا دیا۔ لینگلے پریشان تھا کہ مدوجزر کم ہونے سے پانی ساحل سے دُور ہو جائے گا۔ ہر لمحہ قیمتی تھا، لیکن اُس نے انتظار کا فیصلہ کیا۔

راستے میں لاسٹل نے مورلینڈ کو اعتماد میں لیتے ہُوئے کہا، حاکم گرفتار ہو چکا ہے۔ ہیڈیٹ پر گائے تبدیل کرنے کا الزام ہے اور دُوسرے لوگ بھی گرفتار بلا ہوں گے، اس لیے مناسب یہی ہے کہ فیلیز خاندان کے آخری فرد کی حیثیت سے وہ آدوردل ہی میں رہے اور ناکردہ گناہ سے لوگوں کو بچانے کی کوشش کرے۔ مورلینڈ اس کا نقطۂ نظر سمجھ گیا۔

٭ ٭ ٭

گارڈ کا افسر ہانپتا ہُوا وائس کے پاس آیا اور کہا، "سر! ہم نے پُوری طرح چھان بین کر لی ہے، صرف بارُود کی دھماکے ہُوئے ہیں، کوئی نقصان نہیں ہُوا۔"

ایک سنتری پوائنٹ وڈروئی کی سمت سے بھاگتا ہُوا آیا، "سر! پوائنٹ وڈروئی کا سنتری اطلاع دیتا ہے کہ ایک چھوٹی کشتی ساحل کی طرف آتی دیکھی گئی ہے۔ فون کے تار کٹ چکے ہیں۔"

"میرا بھی یہی خیال تھا۔" وائس نے کہا۔ "تمام سپاہی پوائنٹ وڈروئی کی پہاڑیوں پر لگا دیے جائیں۔ خاموشی سے اپنی جگہ سنبھال لیں اور جب تک میں ذاتی طور پر حکم نہ دُوں کوئی گولی نہ چلائی جائے۔ پہاڑی پر تیز سرچ لائٹ لگا دو اور توپوں کا رُخ برطانوی کشتی کی طرف موڑ دو۔ جاؤ، خاموشی سے، مگر جلدی!"



٭ ٭ ٭

منزل قریب تھی۔ کشتی لہروں میں ہچکولے کھا رہی تھی کہ قافلہ پہنچ گیا۔ لینگلے نے نکولا سے بچھڑا لینا چاہا، لیکن اس نے مُسکرا کر انکار کر دیا۔ وہ احتیاط سے تختے پر چلتی ہُوئی کشتی میں سوار ہوگئی۔ بچھڑا، گائے کی گود کھلیا، پچکارا اور گائے ڈرتی ڈرتی بچھڑے کی محبت میں کشتی میں داخل ہو گئی۔ لینگلے نے فوراً لنگر اُٹھانے کا حکم دیا اور تارپیڈو بوٹ نے کشتی کو اپنی طرف کھینچنا شروع کر دیا۔ اسی لمحے وائس نے چٹان پر سے حکم دیا اور سرچ لائٹ کی تیز روشنی تاریکی کو چیرتی ہُوئی سمندر کی متواج سطح پر پڑی۔ وائس نے حیرت ناک منظر دیکھا۔ تارپیڈو بوٹ سے دو کرینوں نے گائے کا "ڈبا" اُٹھا لیا اور عرشے پر رکھ دیا۔ سنتری نے فائر کرنے کی اجازت طلب کی، لیکن وائس نے روک دیا اور کہا، "یہ بہت دلچسپ منظر ہے۔ ہماری گن بوٹ آنے ہی والی ہے۔ اس کے بعد ان سب کے لیے کوئی مفر نہیں۔ سارجنٹ ڈگل پر مجھے ترس آ رہا ہے۔" اُس نے فتح مندی کے احساس سے قہقہہ لگایا۔

گم شدہ بٹوہ

اخبار کے اشتہاری کالم میں خبر شائع ہوئی:
"میرا بٹوہ راستے میں گر گیا تھا۔ اسے اُٹھانے والے کو ہم نے اُٹھاتے وقت پہچان لیا ہے۔ بہتر یہی ہے کہ وہ خود بخود آکر بٹوہ واپس کر دے۔"
دو روز بعد اسی اخبار اور اسی کالم میں یہ خبر شائع ہوئی:
"بٹوہ اُٹھانے والا جسے بٹوہ اُٹھاتے وقت پہچان لیا گیا ہے نہایت ادب سے التماس کرتا ہے کہ بٹوے کے مالک جب چاہیں آکر بٹوہ لے جائیں۔"

مرسلہ: ہمام حمید، راولپنڈی

کچھ دیر بعد جب وائس کو یقین ہو گیا کہ اُس کی گن بوٹ چل پڑی ہے، اُس نے اپنے توپچی کو ہلکی بوچھاڑ کا حکم دیا کہ تنبیہ کے طور پر برطانوی تارپیڈو کے آس پاس گولے گرائے مگر کشتی کو نقصان نہ پہنچے۔ حملے کے خطرے کے پیشِ نظر تارپیڈو کے انجن فوراً حرکت میں آ گئے تو وائس نے دُوسری بوچھاڑ کا حکم دیا۔ اب گولے تارپیڈو کے عقب میں گرے اور لکڑی کے کچھ ٹکڑے اُڑ کر سمندر میں جا گرے۔ اُسی لمحے تارپیڈو کے بالمقابل جرمن گن بوٹ نظر آئی۔ وائس خوشی سے سرشار ہو کر چلّایا: "اب یہ لوگ پھنس گئے!"

لینگلے زیرِ لب مُسکرایا، انجن اور تیز کر دیا اور دل ہی دل میں دُعا مانگی۔ اُس کی دُعا کے گویا جواب میں آسمان پر گھن گرج سُنائی دی جس میں اُس کی تارپیڈو کے انجنوں کا شور بھی دَب گیا۔ تین بری کین طیاروں نے بادلوں میں سے غوطہ لگایا اور جرمن گن بوٹ کو گولوں اور بموں سے چھلنی کر دیا۔ لینگلے نے زور دار قہقہہ لگایا۔ اعصابی کشیدگی ختم ہو چکی تھی۔ اُس نے تارپیڈو کو اپنے راستے پر ڈال دیا۔ دُور دُور تک سمندر صاف تھا۔

٭ ٭ ٭

کپتان وائس بوجھل قدموں سے لائنل کے گھر کی جانب روانہ ہُوا۔ پاؤں کی ٹھوکر سے دروازہ کھولا۔ اُس کی آنکھیں سُوجی ہُوئی اور چہرہ اُترا ہُوا تھا۔ لائنل تصویر کشی میں منہمک تھا۔ اُس نے مُڑ کر دیکھے بغیر کہا،
"گُڈ مارننگ، وائس!" پُورا ایک منٹ اُس نے کچھ نہیں کہا اور ناقدانہ نظروں سے اپنی تصویر کا جائزہ لیتا رہا۔

وائس نے کرختگی سے پُوچھا: "تمہیں علم ہے کیا کچھ ہو چکا ہے؟"

"مجھے صرف یہ معلوم ہے کہ وہ نکل جا چکے ہیں۔"

"کیا تمہیں علم ہے کہ ہماری گن بوٹ برطانوی فضائیہ نے غرق کر دی ہے؟"

"نہیں مجھے اس کا علم نہیں اور مجھے اس کا دِلی افسوس ہے۔"

"سات جرمن جہازیوں اور دو افسروں کی لاشیں سمندر سے ملی ہیں۔" یہ کہہ کر وائس نے لائنل کے کمرے پر نظر دوڑائی اور گوبر کے نشان دیکھ کر کہا: "اچھا، تو زہرہ کو یہاں چھپایا گیا تھا!"

"ہاں، مَیں نے اور نکولا نے اُسے یہیں لا کر رکھا تھا۔ کوئی اَور اِس میں ملوث نہیں۔ مالکم یا بیپٹسٹ یا ژان، کوئی نہیں۔ بس جانچ نے تھوڑی سی مدد کی تھی۔ اور کسی کو ہمارے منصوبے کا علم نہیں تھا۔"

وائس نے لمبا سانس لیا: "تم کہتے ہو تو مَیں مانے لیتا ہُوں لیکن یہ بتاؤ تم ساتھ کیوں نہیں گئے؟"

جواب دینے سے پہلے لائنل کھڑکی کے پاس جا کھڑا ہُوا، سُنہری صبح کا نظارہ کیا۔ سُورج نکل رہا تھا، اس کی کرنیں شبنمی گھاس پر موتی بکھیر رہی تھیں۔ اُس نے خیال کی نظر سے دیکھا کہ نکولا اور زہرہ بالکل محفوظ ہیں اور عافیت کی جگہ پہنچنے والے ہیں۔ یہ فتح ہر قیمت پر ارزاں ہے! اُس نے آہستہ سے کہا: "مَیں کس طرح جا سکتا تھا؟ کوئی نہ کوئی تو حقیقت بیان کرنے کے لیے ہونا چاہیے تھا، ورنہ سارا جزیرہ عذاب جھیلتا۔ جنگ میں یہی قباحت ہے کہ مُجرم بچ جاتے ہیں اور بے گناہ پھنس جاتے ہیں۔ لوگ خدا، امن اور شرافت کو بھول جائیں، تو یہی ہوتا ہے!"

وائس نے خلا میں نظریں گاڑ دیں۔ اُسے دو پیکر نظر آئے۔ ایک کپتان ہانس وائس کا، جسے عہدے سے برطرف کر کے کورٹ مارشل کیا جائے گا۔ اُس کا مستقبل ذلت اور رُسوائی ہے۔ دوسرا پیکر لائنل فیلیز کا تھا جسے گرفتار کر کے گسٹاپو کے حوالے کر دیا جائے گا اور جو کسی کیمپ میں خاک دُھول پھانکتا، بھوک اور تنہائی کی نذر ہو جائے گا۔ کسی سچے، مخلص اور دیانت دار انسان کا یہ انجام ناقابلِ برداشت ہے۔ اس سے بچنے کا صرف ایک راستہ ہے۔ خدا اُسے معاف کرے۔ اُس نے بوجھل لہجے میں لائنل سے کہا: "مسٹر فیلیز، اسی طرح کھڑکی سے باہر دیکھتے رہو۔"

لائنل موت سے ہمیشہ خوفزدہ رہا، لیکن اب اس کی چاپ اپنے عقب میں سُن کر وہ آسودہ سا ہو گیا۔ اُس نے اپنے جسم کو ڈھیلا چھوڑ دیا۔ دُور اُفق پر گرجا نظر آ رہا تھا ـــــ اور پھر اس کے کانوں میں ایک دَم گھنٹیاں بجنے کی آواز آئی، وہ درد کی سرحد سے پار گزر چکا تھا! ■■

آخری مشن
پرخطر راستوں میں
دلدل کے ساتھی
خون رنگ سحر
سائے کی آنکھ
قیدی38
پانی کا قیدی
موت کے ساتھ ساتھ
آخری جرمن قیدی
مارشل کیو
موت کے ساتھی
ٹینک کا فرار
ہمت مرداں
آپریشن وینس